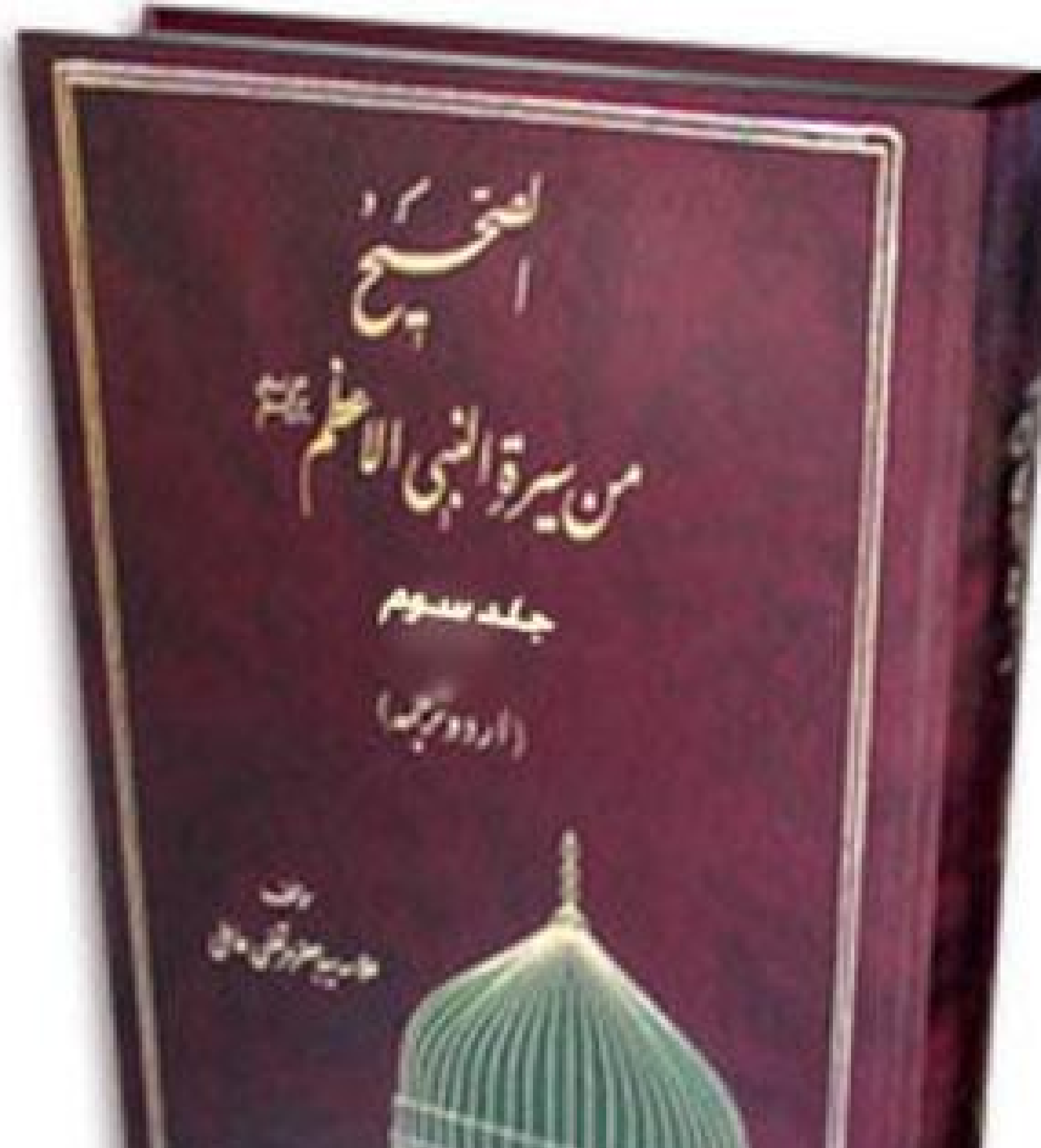
الصحیح
من سیرة النبی الاعظم ﷺ
جلد سوم
(اردو ترجمہ)

الصحیح من سیرۃ النبی الاعظمﷺ

تیسری جلد

مؤلف: جناب حجۃ الاسلام والمسلمین سید جعفر مرتضی عاملی (ادام اللہ توفیقاتہ)

مترجم: معارف اسلام پبلشرز

نام کتاب: الصحیح من سیرة النبی الاعظم ﷺ

مؤلف: علامہ محقق جناب حجة الاسلام والمسلمین سید جعفر مرتضی عاملی (ادام اللہ توفیقاتہ)

مترجم: معارف اسلام پبلشرز

ناشر: نور مطاف

جلد: تیسری

اشاعت: اول

تاریخ اشاعت: ربیع الاول1427ھ _ق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

و صلی اللہ علی مُحَمَّد و آلہ الطاھرین و لعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین

و لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

مقدمہ:

بہترین اور کامل ترین طرز زندگی، باعث تخلیق کائنات ہستیوں کی پیروی میں مضمر ہے_ اور ان ہستیوں میں بھی رسول اکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیرت طیبہ سب سے درخشان اور نمایاں ہے کہ پیروی کے لئے ان سے بہتر کوئی اور شخصیت مل ہی نہیں سکتی_

یہ کتاب " الصحیح من سیرة النبی الاعظم" عظیم محقق ،حجت الاسلام والمسلمین علامہ سید جعفر مرتضی عاملی (ادام اللہ توفیقاتہ) کی قیمتی ، گراں بہا، نہایت سودمند اور بے مثال کاوش ہے جس میں انہوں نے سیرت نبوی ﷺ کے تقریباً تمام پہلوؤں پر گہری اور منصفانہ تحقیق کرکے رسول ﷺ کریم کی قابل فخر حیات طیبہ کے بہت سے پہلوؤں کو متعصبانہ، مغرضانہ اور ناپختہ سیرت نگاری کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر منصفانہ تحقیق کے روشن افق پر لاکھڑا کیا اور حقیقت پسند علماء و محققین کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کرکے ان سے داد تحسین وصول کی ہے اور دنیائے اسلام کی علمی محافل کی بھی بھر پور توجہ حاصل کی ہے_

معارف اسلام پبلشرز خداوند متعال کا نہایت شکرگزار ہے کہ وہ اپنے اصلی فریضے _ یعنی اردو زبان جاننے والوں کی ضروریات کے مطابق اخلاق، عقائد، فقہ، تفسیر، تاریخ اور سیرت جیسے اہم اور ضروری موضوعات پر مختلف کتابوں کے ترجمہ اور نشر و اشاعت کے فرائض_ کو انجام دیتے ہوئے اللہ تعالی کی توفیق سے " الصحیح من سیرة النبی ﷺ الاعظم" کی تیسری جلد کو اس سال میں کہ جسے راہبر معظم انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای (مدظلہ) نے رسول اعظم حضرت محمد ﷺ کا سال قرار دیا ہے، اہل مطالعہ و تحقیق اور حق کے متلاشی حضرات کی خدمت میں پیش کررہاہے_ امید ہے کہ یہ کوشش خداوند متعال کی بارگاہ میں اور ولی خدا امام زمانہ حضرت مہدی حجت ابن الحسن العسکری (ع) کے نزدیک مقبول قرار پائے گی_

آخر میں اس نکتہ کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ یہ ترجمہ عربی متن کے جدیدترین ایڈیشن سے بالکل مطابقت رکھتاہے_ اور اس کے مطالب و موضوعات کی ترتیب میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں اور منابع کی تکمیل کی گئی ہے، ان سب کا اس ترجمہ میں مکمل خیال رکھا گیا ہے _ لہذا معارف اسلام پبلشرز اس کتاب کا ترجمہ، تصحیح، نظر ثانی اورخاص کر جدید ایڈیشن سے مطابقت وا لے طاقت فرسا کام انجام دینے والی محترم فاضل شخصیات کا بھی نہایت شکرگزا رہے اور خداوند عالم سے ان کے لئے مزید توفیقات کا طالب ہے _

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

معارف اسلام پبلشرز

پانچواں باب

ہجرت سے بدر تک

پہلی فصل : رسول اکرم ﷺ مدینہ میں

دوسری فصل : غیر جنگی حوادث و واقعات

تیسری فصل : ابتدائے ہجرت میں بعض اساسی کام

چوتھی فصل: شرعی احکام

پانچویں فصل :اسلام میں جہاد کی اہمیت

چھٹی فصل : جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں

پہلی فصل :

رسول اکرم ﷺ مدینہ میں

رسول اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری :

قباء کے مقام پر پندرہ [1] دن قیام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ، مکہ سے آپ ﷺ کی روانگی اور قبانیز مدینہ پہنچنے کی تواریخ کے بارے میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتاہے، البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ربیع الاول کے ابتدائی ایام میں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے[2]_

علامہ مجلسی کی تحقیق کے مطابق آپﷺ یکم ربیع الاول بروز پیرہجرت کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے اور بارہ ربیع الاول بروز جمعہ مدینہ پہنچے_ شیخ مفید کا بھی یہی نظریہ ہے اور بعض نے اس پر اجماع کا دعوی بھی کیا ہے_[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سورج نکلنے سے پہلے مدینہ پہنچے، اس وقت حضرت ابوبکر اور آنحضرت ﷺ ایک جیسے سفید لباس میں ملبوس تھے جس کی وجہ سے لوگ غلطی سے رسول اکرم ﷺ کا گمان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کو سلام کرتے رہے ، جب سورج نکل آیا اور آنحضرت ﷺ پر دھوپ پڑنے لگی تو حضرت ابوبکر نے آپ ﷺ پر سایہ بنایا تو اس وقت لوگوں نے آپ ﷺ کو پہچانا_[4]

---

1) البحارج 19 ص 106 از اعلام الوری ، السیرة الحلبیة ج2ص55 ، صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے قباء میں چودہ دن قیام فرمایا ، ان کے علاوہ اور بھی کچھ اقوال موجود ھیں_

2)ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 58 ص 366 ، المواہب اللدنیہ ج 1 ص 67 اور تاریخ الخمیس ج1 ص 337_

3)اس دعوی کے دلائل ملاحظہ ہوں : بحار الانوار ج8 ص 366 و 367_

4)تاریخ الخمیس ج1 ص 337 _ نیز مندرجہ ذیل منابع میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ملتاہے; سیرہ حلبیہ ج2 ص 52 ، دلائل النبوة بیہقی ج2 ص 498 و 499 ، البدایہ والنہایہ ج3 ص 186 نیز ملاحظہ ہو السیرة النبویہ ابن ہشام ج2 ص 137_

البتہ مذکورہ بالا روایت قطعاً صحیح نہیں ، اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ بہت سے مؤرخین کی تصریح کے مطابق تپتی دوپہر میں مدینہ پہنچے تھے _[1] اگر کہا جائے کہ ان روایات سے مراد شاید یہ ہو کہ مکہ سے آتے ہوئے جب آپ ﷺ سیدھے مدینہ پہنچے تو اس وقت دوپہر کا وقت تھا جس کے (فوراً) بعد آپ ﷺ قبا کی طرف روانہ ہوئے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ اہل مدینہ ہر روز گروہ در گروہ قبا آتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مدینہ والوں کے نزدیک ایک جانی پہچانی شخصیت تھے _ پس یہ دعوی کیسے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ابوبکر کو نبی کریم ﷺ سمجھ لیا ؟ یہانتک کہ ابوبکر نے آپ ﷺ پر سایہ کیا تب انہیں پتہ چلا_ اس سے صرف نظر ، خود نبی اکرم ﷺ کی شخصیت ہی آپ ﷺ کی پہچان کیلئے کافی تھی ، آپ ﷺ کی شخصیت حضرت ابوبکر سے بہت زیادہ مختلف تھی_ چنانچہ جب ام معبد نے اپنے شوہر کے سامنے آنحضرت ﷺ کی صفات ذکر کیں تو اس نے فوراً آپ ﷺ کو پہچان لیا [2] جبکہ حضرت ابوبکر کی صفات ان کی بی بی حضرت عائشہ کی زبانی پہلے گزر چکی ہیں، علاوہ ازیں گزشتہ روایات میں گزرچکاہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ جاتے ہوئے راستے میں نماز جمعہ ادا کی تھی [3] اس سے معلوم ہوتاہے کہ آپ ﷺ ظہر کے کچھ دیر بعد مدینہ میں داخل ہوئے کیونکہ مدینہ اور قبا کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے _ اس پر مزید یہ کہ آپ ﷺ ، ابوبکر سے دو سال بڑے بھی تھے _ پس ابوبکر سے ان لوگوں کا یہ پوچھنا کہ یہ لڑکا آپ کے ساتھ کون ہے ؟ [4] یہ کیا معنی رکھتاہے اور کیا ترپن سالہ بزرگ کو بچہ کہا جاتاہے؟ مگر یہ کہا جائے کہ "غلام" کا لفظ لڑکے اور بزرگ دونوں کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوتاہے_ لیکن یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ پر باقی رہتاہے کہ جب انہیں آپ ﷺ کی ہجرت کا علم تھا تو ابوبکر سے آپ ﷺ کے متعلق پوچھنے کی کیا تک بنتی ہے ؟ جبکہ سینکڑوں لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر بھی

---

1) تاریخ الخمیس ج1/ص337 ، 336 و السیرة النبویہ ابن ہشام ج2 ص 137 ، صحیح بخاری مطبوعہ سنہ 1309 ج2 ص 213 و سیرہ حلبیہ ج2 ص 52_

2)تاریخ الخمیس ج1 ص 334 و ص 335 ، سیرہ ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 94 و 50 ، دلائل النبوة ج1 ص 279_

3) المواہب اللدنیہ ج 1 ص 67 ، سیرہ ابن ہشام ج2 ص 139 ، تاریخ الخمیس ج1 ص 339 ، بحارالانوار ج8 ص 367 نیز دلائل النبوة ج2 ص 500_

4)الغدیر ج7 ص 258 کثیر منابع سے ، نیز سیرہ حلبیہ ج2 ص 41 و مسند احمد ج3 ص 287_

نکل آئے تھے_

رسول اکرم ﷺ کا مدینہ میں قیام :

آپ ، بروز جمعہ اپنی سواری پر بیٹھ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے _ علی علیہ السلام آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جو آپ ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، آپ ﷺ انصار کے قبائل میں سے جس قبیلے کے پاس سے بھی گزرتے تھے وہ آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے اور آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے ہاں ٹھہرنے کی درخواست کرتے ، آپ ﷺ ان کے جواب میں فرماتے تھے: "اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو ، یہ خود ہی اس کام پر مامور ہے"_

آپ ﷺ نے اونٹنی کی مہار ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی ، یہاں تک کہ وہ چلتے چلتے مسجد النبی ﷺ کی جگہ پر پہنچی اور وہیں رک کر بیٹھ گئی ، یہ جگہ ابو ایوب انصاری کے گھر کے قریب تھی جو مدینہ کے فقیرترین شخص تھے [1] پس ابوایوب یا انکی والدہ وہاں آئے اور آنحضرت ﷺ کا سامان اٹھاکر اپنے گھر لے گئے ، یوں رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں قیام پذیر ہوئے جبکہ علی علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور مسجد اور اپنے گھروں کی تعمیر تک آپ ﷺ وہیں مقیم رہے [2] کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تقریباً ایک سال تک ابو ایوب کے ہاں قیام فرمایا ، جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق سات ماہ اور تیسرے کے بقول صرف ایک ماہ وہاں قیام پذیر رہے[3] ہمارے نزدیک یہ آخری قول حقیقت کے زیادہ قریب ہے ، کیونکہ بعید ہے کہ تعمیر کا کام اتنی طویل مدت تک جاری رہا ہو حالانکہ مہاجرین و انصار اپنی پوری کوشش اور توانائی سے اس کام میں مصروف تھے جبکہ رسول اکرم ﷺ خود بھی ان کے ساتھ اس کام میں شریک رہے [4]_

---

1) البحار ج19ص 121 ، مناقب ابن شہر آشوب ج1ص 185 _

2) روضۃ الکافی ص 340 _ 339 ، البحارج 19ص 116 _

3) البدء و التاریخ ج4 ص 178 ، وفاء الوفاء ج 1ص 265 ، السیرۃ الحلبیۃ ج2ص 64_

4) السیرۃ الحلبیۃ ج2ص64 _

ابن سلام کا قبول اسلام :

مکتب اہل بیت علیہ السلام سے ناواقف تاریخ اور سیرت نگارکہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام نامی یہودی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں داخل ہوتے وقت لوگوں کے شور و غل کو سنا تو تیزی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے کے بعد اسے یقین ہوگیا کہ یہ (نورانی) چہرہ جھوٹ بولنے والا نہیں ہوسکتا[1]_

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین ایسے سوال پوچھے جنہیں نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا صحیح جواب دیا تو وہ اسلام لے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی : " اس سے پہلے کہ یہودیوں کو میرے اسلام کا علم ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے میرے متعلق پوچھیں" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا : " ہم سب سے اچھا شخص ہے اور سب سے اچھے شخص کا بیٹا ہے ، وہ خود بھی ہم سے افضل ہے اور ہم میں سے افضل ترین شخص کا بیٹا ہے" _اسکے بعدجب یہودیوں کو اس کے اسلام کا علم ہوا تو کہنے لگے _ " شرنا و ابن شرنا " وہ خود بھی ہم میں سے بدترین شخص ہے اور بدترین شخص کا بیٹا ہے[2]_

کہاگیا ہے کہ عبداللہ بن سلام ہی وہ شخص ہے جسکے بارے میںیہ آیت نازل ہوئی:

(شهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثله فآمن واستکبرتم) (احقاف10)

بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایسی ہی بات کی گواہی دے چکاہے جبکہ وہ ایمان لایا اور تم نے پھر بھی تکبر کیا_[3]

---

1) الاصابۃج2ص320، الاستیعاب ج2 ص 382 ، مستدرک الحاکم ج3ص13 ، تلخیص مستدرک ذہبی ج 3ص 13_

2) البخاری حاشیہ فتح الباری ج7ص212،213(خود ابن سلام سے روایت) الاصابہ ج2 ص321 ، الاستیعاب (حاشیہ الاصابۃ)ج 2 ص 382 _

3) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ص3 ج 176، صحیح بخاری حاشیہ فتح الباری ج7 ص 97، الاستیعاب حاشیہ الاصابہ ج 2ص383 ، الدرالمنثورج 4ص69 ، روایت ابویعلی،ابن جریر، حاکم، مسلم ، نسائی ، ابن المنذر ، ابن مردویۃ ، ترمذی ، ابی حاتم ، ابن عساکر وعبد بن حمید_

نیز درج ذیل آیت بھی اس کے بارے میں ہی نازل ہوئی _

(قل کفی باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب) (بنی اسرائیل 96)

کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور وہ گواہ کافی ہے جسکے پاس کتاب کا علم ہے[(1)]_

اس کے علاوہ اور بھی کئی آیات اس کے بارے میں ذکر کی جاتی ہیں، جنہیں یہاں ذکر کرنے کی گنجائشے نہیں، مذکورہ بالا روایات کے بارے میں درج ذیل امور توجہ طلب ہیں_

اول: اہل تحقیق حضرات جانتے ہیں کہ ابن سلام کے اسلام لانے کے بارے میں روایات کے درمیان واضح تناقض اور تضاد پایا جاتا ہے کیونکہ بعض مؤرخین کے مطابق اس نے ہجرت کے آٹھویں سال اسلام قبول کیا ، قیس بن ربیع نے عاصم اور اس نے شعبی سے نقل کیاہے کہ عبداللہ بن سلام نے رسول اکرمؐ کی وفات سے دو سال پہلے اسلام قبول کیا[(2)] عسقلانی نے اس روایت کی سند میں قیس بن ربیع نامی راوی کی وجہ سے اسے ضعیف اور غلط قرار دیتے ہوئے ردکردیا ہے[(3)]_

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس روایت کو رد کرنے کی اس کی دلیل وہ گذشتہ روایات ہیں جن کے مطابق عبداللہ بن سلام ابتدائے ہجرت میں اسلام لے آیا تھا جبکہ ہم اس کی یہ بات قبول نہیں کرسکتے اس لئے کہ شعبی کا زمانہ عسقلانی کی نسبت نزدیک تر ہے اور اس نے عبداللہ بن سلام کے اسلام قبول کرنے کے سال کو اسطرح دقت کے ساتھ مشخص و معین کیا ہے جس سے واضح ہوتاہے کہ اس نے بے پرکی نہیں اڑائی ہے_

اسی طرح اگر ابن سلام اتنی ہی باعظمت شخصیت کا حامل تھا تو کیا وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد آٹھ سال کے طویل عرصے میں اس کی کوئی بات یا کوئی مشورہ ہمارے لئے نقل نہیں ہوا جبکہ تاریخ نے ایسے کم عمر صحابہ کی

---

1) الاصابة ج2ص321 ، الاستیعاب ج 2 ص383 ، الدرالمنثور ج4 ص 69 ، روایت از ابن مردویہ ، ابن جریر ، ابن ابی شیبہ ، ابن سعد ابن منذر_

2) الاصابة ج2 ص 320_

3) الاصابة ج2 ص 320 ، فتح الباری ج7ص97_

باتیں اور ان کے کردار کو ہمارے لئے محفوظ رکھاہے کہ جنہیں ایام طفولیت میں نبی اکرمﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ، پس کیا وجہ ہے کہ تاریخ نے (بقول ان کے) ایسے عظیم شخص کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے_

اسی طرح عسقلانی کا قیس بن ربیع کو ضعیف قرار دینا بھی نامناسب ہے اس لئے کہ خود عسقلانی نے عفان بن قیس ، الشوری ، شعبہ ، ابوالولید اور ابن عدی سے قیس کی وثاقت کو نقل کیا ہے نیز یعقوب بن ابی شیبہ ، عثمان بن ابی شیبہ، ابو حاتم، شریک، ابن حبان ،العجلی، ابوحصین ، یحیی بن سعید، معاذ بن معاذ، ابن عینیہ اور ابونعیم و غیرہ نے قیس کی تعریف کی ہے[1]_

عسقلانی و غیرہ کے قیس پر الزامات کا رازوہی ہے جس کی طرف احمدنے اشارہ کیا ہے، کیونکہ وہ ایک جگہ لکھتاہے: " وہ (قیس) شیعہ تھا اورحدیث میںغلطی کیاکرتا تھا"[2]_ جی ہاں اس سے منقول احادیث میں جرح کا یہی راز ہے اگر چہ اس کے باوجود وہ کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایات درست ہیں[3] قیس پر اس طرح کی الزام تراشی کرنے والی شخصیت احمد بن حنبل ہے ، اوراس سے یہ بات کوئی عجیب نہیں اس لئے کہ یہ وہی ہے جو متوکل ناصبی کے زمانے میںتھا اور اس ناصبی متوکل نے ابن سکیت کے ساتھ وہ سلوک کیا جو سب کو معلوم ہے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ اس کی زبان گدی سے کھینچ لی جائے اور اسی فعل کے نتیجہ میں اس کا انتقال ہوگیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن سکیت نے متوکل کے دو بیٹوں کو امام حسن اور امام حسین علیھما السلام سے افضل و برتر قرار دینے سے انکار کیا تھا [4]،متوکل وہی تو ہے جس نے اپنے ہی بیٹے منتصر (جواپنے باپ سے امیر المؤمنین علیؑ کی کسر شان کرنے پر ناراض رہتا تھا) کو کچو کے لگانے کے لئے اپنی لونڈی کو یہ گانے کا حکم دیتا تھا _

غار الفتی لابن عمّه راس الفتی فی حرّامّه [5]

---

1) تہذیب التھذیب ج 8ص395 ، 392 _

2) تہذیب التھذیب ج2ص394_

3) تھذیب التھذیب ، ترجمۃ قیس ج 8_

4)الکنی و الالقاب ج1 ص 314 تا 315 ، نیز ملاحظہ ہو: وفیات الاعیان ج6 ص 395 ، 396 ، 400 و 401 و تاریخ الخلفاء ص 348_

5)الکامل ابن اثیر ج7 ص 55_

متوکل وہی شخص ہے جو علی علیہ السلام کی فضیلت میں ایک روایت نقل کرنے والے کو ایک ہزار تازیانے لگایا کرتا تھا،اور اسی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ اطہر پر ہل چلوا دیا تھا اور وہ لوگوں کو آپ علیہ السلام کے روضہ اطہر کی زیارت سے روکتا تھا [1]_ اسی متوکل کے دربار میں احمد بن حنبل کو وہ عظیم مقام حاصل تھا کہ اسے متوکل نے اپنے بیٹے معتز، دیگر بیٹوں ، شہزادوں اور ولی عہدوں کا اتالیق مقرر کیا ہوا تھا [2] اور ابن کثیر کے بقول متوکل اس کے مشورے کے بغیر نہ تو کسی کو عزل کرتا اور نہ ہی کسی عہدہ پر کسی کو منصوب کرتا تھا_[3] ہم سؤال کرتے ہیں کہ اے اہل بصیرت کس وجہ سے متوکل کے دربار میں احمد بن حنبل اس قدر عظیم منزلت و عظمت کا مستحق قرار پایا، اس بارے میں آپ کتاب "بحوث مع اہل السنة والسلفية "کی طرف رجوع کریں تا کہ اہل حدیث اور حنابلہ کی ناصبیت کے کچھ شواہد آپ پر واضح ہوجائیں _

دوم: رہا آیت مجیدہ (و شهد شاهد من بنی اسرائیل ...) کا مسئلہ تو اس سلسلے میں ہم درج ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں_

ا لف: عکرمہ کہتاہے : یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ، اور اس آیت کا نزول مکہ میں ہوا ، آیت سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو شخص (قرآن پر)ایمان لایاوہ اس شخص کی مانند ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے اور اسی طرح کی بات مسروق بھی قسم کھاکر بیان کرتاہے_ شعبي بھی یہی کہتاہے اور عکرمہ ہی کی دلیل کو مدنظر رکھتے ہوئے ابوعمر نے بھی اس آیت کا (عبداللہ بن سلام کے متعلق ہونے کا) انکار کیا ہے [3]_ ابن سلام والی روایت پراعتماد کرتے ہوئے اس آیت کو مدنی قرار دینا کسی طرح بھی قابل توجیہ نہیں کیونکہ ایسے ایسے مذکورہ اشخاص اس کا انکارکررہے ہیں جو زمانہ نبوت کے قریب تھے جبکہ شعبي و غیرہ نے بھی اس کے خلاف تصریح کی ہے(جسے ہم بعد میں ذکر کریں گے)_

---

1)الکامل ابن اثیر ج7 ص 55_

2)مناقب امام احمد بن حنبل ابن جوزی ص 385 و 364 ، احمد بن حنبل والمحنة ص 190 و حلیة الاولیاء ج9 ص209 _

3)البدایة والنہایہ ج10 ص 316 _

4) الاستیعاب حاشیہ الاصابة ج2ص383 ، فتح الباری ج7ص98،درالمنثورج6ص39 ،ابن جریر، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن المنذر روایا ت سے منقول ہیں _

ب: بعض روایات کے مطابق یہ آیت میمون بن بنیامین کی شان میں نازل ہوئی ، اس کا قصہ بھی ابن سلام کے قصے کی مانند نقل کیا گیا ہے [1] اورزہری ، مجاہد، ابن عمر ، سعید بن جبیر ، عمر اور قتادہ سے اس سے مختلف واقعات منقول ہیں[2]_

ج: شعبي سے منقول ہے کہ اس نے کہا :" عبداللہ کے متعلق قرآن مجید میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی"[3]_

د: ظاہری طور پر مذکورہ آیت میں ان مشرکین کو خطاب کیاگیا ہے جنہوں نے اس سے تکبر کیا جب ان کی باتوں پر انحصار اعتماد کرنے والے بعض بنی اسرائیل بھی آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور یہ ممکن نہیں کہ اس آیت میں یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہو، کیونکہ خود یہود بھی بنی اسرائیل میں سے ہیں ، اور اس بات سے عکرمہ ، شعبي اور مسروق و غیرہ کے گزشتہ قول کی بھی تائید ہوتی ہے_

ھ : طحاوی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ابن سلام کی شان میں اس آیت کے نزول کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی اور اس بات کو مالک نے (اپنی طرف سے) استنباط کیا ہے [4]_

سوم: آیت مجیدہ : (و من عنده علم الكتاب) کے بارے میں ہم درج ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں_

1_ مذکورہ آیت کے ضمن جو قول بیان کیا گیا ہے اس کی مخالفت میں زہری ، مجاہد، سعید بن جبیر، ابن عمر، قتادہ اور عمر و غیرہ سے منقول روایات موجود ہیں، اور مذکورہ قول جندب،ابن عباس اورمجاہدسے منقول دو روایتوں میں سے صرف ایک میں ذکر ہوا ہے_

---

1) الدرالمنثورج 6ص40 ، (عبد بن حمید مکی) ، فتح الباری ج 7ص98 نیز الاصابہ ج3 ص 471_

2) الدرالمنثور ج 4ص69 ، مشکل الآثارج1ص 137_

3) مشکل الآثار ج1ص137 اس روایت کے مطابق ابن سلام کی شان میں کوئی آیت نازل نہ ہونے کے بارے میں سعید بن جبیر نے بھی شعبی کی تائید کی ہے، الدرالمنثورج 4ص69 ، و ج6ص39 ، 40 ، ابن منذر سے روایت ، دلائل الصدق ج2ص135 ، المیزان ج11ص389_

4) مشکل الآثار ج1ص 139_

2 :شعبی کا بھی قول پہلے گزرچکاہے کہ ابن سلام کی شان میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی_

3: اسی طرح عکرمہ، حسن ،شعبی ، محمد بن سیرین اور سعید بن جبیر میں سے ہر ایک نے ابن سلام کی شان میں اس آیت کے نازل ہونے سے متعلق قول کو رد کیا ہے اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن سلام اس کے بعد اسلام لایا تھا [(1)]_

4: مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اس آیت کے نزول کے بعد اسلام قبول کیا _ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو حالت نماز میں اس آیت کو دوسری آیات کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے سنا تو وہیں رک کر آپ ﷺ کی نماز ختم ہونے کا انتظارکرنے لگے، جب آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرا تو وہ تیزی سے آگے بڑھے اور اسلام لے آئے [(2)] اور واضح ہے کہ عمر مکہ میں اسلام لایا تھا_

5: ایسی بہت سی متواتر روایات موجود ہیں جن میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ (و من عنده علم الكتاب) سے مراد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ذات بابرکت ہے جو قرآن مجید کی تفسیر، تاویل ، ناسخ و منسوخ اور حرام و حلال و غیرہ کا علم رکھتے ہیں، یہ روایت ابوسعید خدری ، ابن عباس ، محمد بن حنفیه ، امام محمد باقر علیہ السلام ، سدی ، زید بن علی علیہ السلام ،امام موسی علیہ السلام بن جعفر علیہ السلام اور ابوصالح سے منقول ہے[(3)]_ اس آیت کے بارے میں ابوصالح کاقول مضحکہ خیزہے _وہ کہتاہے: "ومن عندہ علم الکتاب" سے مراد قریش کا ایک شخص ہے جو ہے تو حضرت علی علیہ السلام لیکن ہم کبھی اسکا نام نہیں لیں گے [(4)] _

---

1) مشکل الہآثار ج1ص 137 ، 138، الاستیعاب (حاشیہ الاصابۃ) ج2ص 383 ، الدرالمنثورج 4ص69 ، روایات از نحاس، سعید بن منصور ، ابن جریر ، ا بن المنذروا بن ابی حاتم، دلائل الصدق ج2ص 135 ، غرائب القرآن نیشاپوری ج13 ص 100 (جامع البیان کے حاشیہ پر مطبوع) الاتقان ج1 ص12، احقاق الحق ج3 ص 280 تا 284 ، الجامع الاحکام القرآن ج9 ص 336 نیز ینابیع المودۃ ص 104 و 103_ 2) الدرالمنثور ج4ص69 ، عبدالرزاق اور ابن المنذر نے زہری سے روایت کی ہے_

3) شواھد التنزیل حسکانی ج1ص307 ، 308 ، 310 ،مناقب ابن المغازلی حدیث نمبر 361 ، الخصائص ص 26 ، غایۃ المرام ص 357 ،360، ازتفسیر ثعلبی والحبری (خطی نسخہ) عمدۃ ابن بطریق ص 124 ، دلائل الصدق ج 2ص135 ، (ینابیع المودۃ اور ابی نعیم سے منقول)_ ینابیع المودۃ ص 102، 105 نیز ملاحظہ ہو ملحقات احقاق الحق ج4 ص 362 و 365 و ج3 ص 451 و ص 452 و ج3 ص 280 تا ص 285 حاشیہ اور متن دونوں ج20 ص 75 تا 77 کثیر منابع سے ، اور الجامع لاحکام القرآن ج9 ص 336_ 4) شواھد التنزیل ج 1ص310 نیز ملحقات احقاق الحق ج14 ص 364_

ہم پوچھتے ہیں : اے شخص تم ان کا نام کیوں نہیں لینا چاہتے ؟ جبکہ تمہیں اس بارے میں اچھی طرح علم ہے؟ پس کیوں حق کو چھپارہے ہو؟ کیا تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ تم پر شیعہ ہونے کی تہمت لگ جائے گی جو کفرو الحاد کے برابر سمجھی جاتی ہے؟ اور پھر کیا تمہیں علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں کی طرف سے مصائب و مشکلات کا خوف ہے کہ جو حکومت و سلطنت پر قابض تھے؟یہانتک کہ کسی شاعر نے یہ بھی کہا ہے؛

و متی تولی آل احمد مسلم

قتلوہ او وصموہ بالالحاد(1)

(اور جب کوئی مسلمان آل احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار مؤدت کرتاہے تو وہ اسے قتل کردیتے ہیں یا اس پر کفر و الحاد کا الزام لگادیتے ہیں)_

دو اہم نکات:

پہلا اہم نکتہ:

بعید نہیں ہے کہ عبد اللہ بن سلام کو یہ تمغے معاویہ اور اس کے چیلوںنے ہی عطا کئے ہوں_ اس کی دلیل قیس بن سعد بن عبادہ کی وہ روایت ہے جس میں وہ کہتاہے کہ (و من عندہ علم الکتاب) سے مراد علی علیہ السلام ہیں لیکن معاویہ بن ابوسفیان کہتاہے کہ وہ عبد اللہ بن سلام ہے _ جس پر سعد کہتاہے کہ خدا نے (انما انت منذر و لکل قوم ھاد) اور (افمن کان علی بینة من ربہ و یتلوہ شاھد منہ) والی آیتیں نازل کیں اور پہلی آیت میں ہادی اور دوسری آیت میں شاہد(گواہ) سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم نے انہیں غدیر کے دن منصوب فرمایا اور "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا فرمان ارشاد فرمایا اور یہ فرمایا :

---

1) حیاۃ الامام الرضا السیاسیۃ از مؤلف و مجموعۃ الرسائل الخوارزمی ا ہل نیشاپور کے لیے_

(انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی) جس پر معاویہ خاموش ہوگیا اور اس کا جواب نہ دے سکا

_[1]

دوسرا اہم نکتہ :

یہاں ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص سے مذکورہ آیت کو منسوب کیا جارہاہے اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے فضائل کو جھوٹے دعوؤں کے ذریعہ زبردستی اس کی طرف نسبت دی جارہی ہے وہ ہمیشہ علی علیہ السلام کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا اور جب خلافت کے سلسلے میں لوگ آپ علیہ السلام کی بیعت کررہے تھے تو اس نے آپ علیہ السلام کی بیعت سے اجتناب کیا تھا[2]_

یہ جو ابن سلام کو اتنی اہمیت دی گئی ہے، اس کی شخصیت کیلئے مقام و منزلت کوثابت کیاگیا ہے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وحی الہی کی تصدیق میں اس کی پہل کو ذکر کیا گیاہے اس سب اہتمام میںشاید یہی راز پوشیدہ ہے (کہ وہ دشمن علی علیہ السلام تھا)_

شیخ ابوریہ کہتے ہیں کہ یہ ابن سلام(اپنے یہودی مذہب کی) اسرائیلی روایات، اسلامی احادیث میں داخل کیا کرتا تھا [3] اور یہودی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سخت دشمن تھے_ اور شاید یہی سبب تھا کہ (و اذ را او تجارة او لهوا انفضوا اليها) والی آیت میں "لہو" کی تشریح عبد اللہ بن سلام یوں کرتاہے کہ "لہو" سے مراد لوگوں کا دحیہ کلبی کے حسن کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے _ جبکہ روایتوں میں آیاہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اسی دحیہ کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتے تھے [4] اور واضح رہے کہ بعض خلفاء بالخصوص حضرت عثمان ، اہم امور میں اس سے مشورہ کیا کرتے تھے اور وہ انہیں اپنے نظریات کے مطابق

---

1)ینابیع المودة ص 104 نیز کتاب سلیم بن قیس_

2)حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہ کرنے کے سلسلے میں ملاحظہ ہو: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 ص 9_

3)ملاحظہ ہو: ابوریہ کی کتب شیخ المضیرہ و اضواء علی السنة المحمدیہ_

4)ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج1 ص 190_

مشورہ دیا کرتا تھا_ اسی عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمان کے محاصرے کے وقت اس کی زبانی کلامی حمایت پر اکتفا کیا اور اس کی کوئی عملی مدد نہیں کی [1] حالانکہ اس نے جناب عثمان کی عملی مدد کا وعدہ بھی کیا تھا_ اور جب جناب عثمان کا گھیراؤ کرنے والے لوگوں نے عبداللہ بن سلام کے متعلق اسے کہا کہ یہ ابھی تک بھی اپنی یہودیت پر ڈٹا ہوا ہے تو وہ اپنی یہودیت کی نفی کرنے لگا [1]

نہ صرف یہ بلکہ ابن سلام ، کعب الاحبار اور یہود و نصاری کے دوسرے زعماء و بزرگان جنہوں نے اسلام کا اظہار کیا تھا وہ اسلامی حکومت کے بہت سے اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز تھے ، یہ دونوں اشخاص بہت سے اہم امور میں ا س وقت کے حکمرانوں کے مشیر اور معاون ہوتے تھے_

ہم بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہیں کہ وہ ہمیں اہل کتاب کی سیاہ کاریوں اور مسلمانوں کی سیاست ،عقائد، تفسیر، حدیث ، فقہ اور تاریخ میں ان کی ریشہ دوانیوں اور اثر گذاریوں کے متعلق ایک مستقل کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے_

---

1)مندرجہ ذیل کتب میں اس کے اقوال ملاحظہ ہوں : المصنف صنعانی ج11 ص 444، ص 445و 446 نیز اسی کے حاشیہ میں از طبقات ابن سعد ج 3 ص 83 ، حیاۃ الصحابہ ج 3 ص 540 ، مجمع الزوائد ج 9 ص 92 و 93 و الاصابہ ج 2 ص 321 _

2)ملاحظہ ہو: الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 223و 224_

دوسری فصل :

غیر جنگی حوادث و واقعات

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے بعض مہاجرین کی واپسی :

جب حبشہ میں موجود مسلمانوں کو نبی اکرمﷺ اور مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت کی خبر پہنچی تو ان میں سے (3) مرد اور آٹھ عورتیں واپس آئیں_ جن میں سے دو مرد مکہ میں فوت ہوگئے اور سات آدمیوں کو قید کر لیا گیا لیکن باقی مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے جن میں سے چوبیس افراد جنگ بدر میں بھی موجود تھے[1] _

اور(حبشہ سے) مدینہ کی طرف ہجرت کا یہ سلسلہ جاری رہا [2] یہاں تک کہ حضرت جعفر علیہ السلام ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے موقع پر باقی ماندہ افراد کو لے کر پہنچے _ جسکا ذکر انشاء اللہ بعد میں آئے گا_

مذکورہ بالا تیس اشخاص ان افرادکے علاوہ ہیں جو بعض کے بقول بعثت کے پانچویں برس اور ہجرت مدینہ سے آٹھ سال پہلے مکہ میں واپس آئے تھے_ لیکن ان کا مکہ سے گزرنے کا سبب(حالانکہ وہ اسی شہر سے ہی بھاگ کرگئے تھے) بظاہر یہ ہے کہ چونکہ مدینہ کی طرف جانے والا راستہ مکہ کے قریب سے گزر تا تھا[3] تو شاید وہ مکہ میں موجود اپنے اموال کو لینے، اقرباءاور رشتہ داروں سے ملنے اور بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد پھر مدینہ جانے کے ارادے سے مخفیانہ یا علانیہ طور پر مکہ میں داخل ہوئے_

لیکن قریش ان کے ساتھ قساوت قلبی اور سنگدلی کے ساتھ پیش آئے، ان کے لئے کسی قسم کے

---

1) طبقات ابن سعد ج/ حصہ1ص 139_

2) طبقات ابن سعد ج/1حصہ1 ص 139،زاد المعاد ج/ 1 ص 25 و ج/ 2 ص 24 ، 45 ، البدء والتاریخ ج/ 4 ص 152 و فتح الباری ج/7 ص 145_

3) اور اس پر المصنف ج/5 ص 367 کی یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ "جب رسول اللہ ﷺ کفار قریش سے برسرپیکارہوئے تو وہ مہاجرین حبشہ کے رسول خدا ﷺ کے پاس پہنچنے سے مانع ہوئے_یہاں تک کہ وہ لوگ جنگ خندق کے موقع پر مدینہ میں آپﷺ سے آملے"_ البتہ ان کا " جنگ خندق کے موقع پر " کہنا ، ناقابل تائید ہے اور شاید خندق ، خیبر کی جگہ لکھا گیا ہے_

احترام ، غریب الوطنی اور رشتہ داری کا لحاظ بھی نہیں کیا اور یہ بات واضح ہے کہ حبشہ کے مہاجرین کے اس گروہ کا مدینہ میں پہنچنا نبی اکرمﷺ کے مدینہ پہنچنے کے چند مہینے بعد تھا کیونکہ نبی اکرمﷺ کی ہجرت کی خبر کاان تک پہنچنا پھر ان کا مکہ کی طرف آنا اور وہاں پر رشتہ داروں سے ملاقات کرنا اور قریش کا وہ سلوک کرنا اور پھر ان کا مدینہ کی طرف ہجرت کرنا یہ سب چیزیں ایک طولانی مدت کے گزرنے کی متقاضی ہیں، یہاں تک کہ عسقلانی کہتا ہے :" ابن مسعود مکہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے تیس آدمیوں میں سے تھے اور وہ مدینہ میں اس وقت پہنچے جب نبی اکرمﷺ جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے"(1)_

حضرت عائشہ نبی اکرم ﷺ کے گھر میں :

ہجرت کے پہلے سال (اور کہا گیا ہے کہ دوسرے سال)حضرت عائشہ نبی اکرمﷺ کے بیت الشرف میں آئیں اور یہ ماہ شوال کی بات ہے، مورخین نے کہا ہے کہ نبی اکرمﷺ نے اس کے علاوہ کسی دوسری کنواری عورت سے شادی نہیں کی لیکن ہم اس بات کے صحیح ہونے پر اطمینان نہیں رکھتے اور اس کی وجہ نبی اکرمﷺ کے حضرت خدیجہ علیہا السلام کے ساتھ ازدواج کی بحث میں گزر چکی ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کی رسول ﷺ خدا کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے شادی کا مسئلہ نہایت مشکوک ہے_ ہو سکا تو انشاء اللہ ہم آئندہ بھی اس کی طرف اشارہ کرینگے_

رخصتی کی رسم

اور ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ کس وجہ سے حضرت عائشہ کی رخصتی کی رسم نبی اکرمﷺ کے نزدیک اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ آپﷺ نے اس کے لئے ولیمہ نہیں کیا حالانکہ اس دور میں لوگوں کو آپﷺ سے ولیمہ کھانے کی توقع بھی تھی اور آپﷺ اس کی طاقت بھی رکھتے تھے_ صر ف یہی کچھ نقل کیا گیا ہے کہ دودھ کاایک پیالہ سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا اور اس میں سے کچھ آپﷺ نے پیا اور باقی حضرت عائشہ (2)

---

1) فتح الباری ج/7 ص 145 _

2) تاریخ الخمیس ج/1 ص 358 ، السیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص 121 _

نے_اسی کو آپ ﷺ کی اس شادی کا ولیمہ قرار دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ طبعی بات ہے کہ آپ ﷺ تو اپنے پاس بیٹھنے والے کو کھانا پیش کرنے سے غفلت نہیں فرماسکتے تھے آپ ﷺ کی زوجہ کی تو بات ہی اور ہے_

انوکھا استدلال :

حضرت عائشہ نبی اکرم ﷺ کے نزدیک اپنی منزلت اورشان پر اس طرح استدلال فرماتی تھیں کہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ماہ شوال میں ازدواج کیا تھا_ وہ کہتی تھیںکہ :

رسول اللہ ﷺ نے ماہ شوال میں مجھے شرف زوجیت بخشا پس رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے کون سی زوجہ آپ ﷺ کے نزدیک مجھ سے زیادہ منزلت رکھتی ہے؟[1]_

حقیقتاً یہ انوکھا استدلال ہے _ اس لئے کہ کب ماہ شوال کی اتنی عظیم فضیلت تھی جو حضرت عائشہ کی منزلت و فضیلت پر دلالت کرتی ؟_

جبکہ بلاشک و شبہہ حضرت خدیجہ اور حضرت ام سلمہ اوردیگر ازواج ،نبی اکرم ﷺ کے نزدیک ان کی نسبت زیادہ منزلت و عظمت رکھتی تھیں اسی وجہ سے تو یہ ان سے حسد کرتیں، ان کو اذیت دیتیں اور اکثر خودنبی اکرم ﷺ کے سامنے بھی ان کے ساتھ بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتی تھیں ہمارے اس دعوے کے بعض دلائل ہجرت سے پہلے حضرت عائشہ کے عقد سے بحث کے دوران ذکر ہو چکے ہیں_

اور اس سے بھی عجیب تربات یہ ہے کہ بعض حضرات نے ماہ شوال میں عقد کے استحباب کا حکم صادر کیا ہے[2] _

لگتا یہی ہے کہ رسول ﷺ کریم کی رحلت کے بعد آنے والی حکومت وقت کی دست راست اور حکومت وقت اور ان کے حامیوں کی آنکھوں کے کانٹے حضرت علی علیہ السلام کی اچھائی کے ساتھ نام تک نہ لے سکنے والی [3]

---

1) تاریخ طبری مطبوعہ الاستقامة ج 2 ص 118 ، السیرة الحلبیہ ج 2 ص 120، تاریخ الخمیس ج 1 ص 358_

2) نزھة المجالس صفوری الشافعی ج/2 ص 137_

3)فتح الباری ج 2 ص 131، مسند احمد ج 6 ص 228 ،و الغدیر ج 9 ص 324_

حضرت عائشہ سے کچھ لوگوں کی محبت و عقیدت ، اور ان کی خواہشات کو اہمیت دینا ہی ان لوگوں کی اس طرح کی شریعت سازی کا موجب بنا_حالانکہ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت جویریہ اورحضرت حفصہ کے ساتھ ماہ شعبان میں اور زینب بنت خزیمہ کے ساتھ ماہ مبارک رمضان میں اور زینب بنت جحش کے ساتھ ذی القعدہ میں رشتہ ازدواج استوار فرمایا_ پس اس صورت میں نبی اکرم ﷺ نے اس مستحب کو ترک کیا ہے اور اس پر صرف اور صرف اکیلی حضرت عائشہ کے لیئے عمل کیا ہے_ یہ بات حقیقتاًتعجب آور ہے اور نہایت ہی عجیب ہے

ایک نئے دور کی ابتداء

بہر حال ... نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بیت الشرف میں حضرت عائشہ کے آنے سے امن و آشتی اور عظمت و وقار کے نمونہ اس گھر میں خاص قسم کی تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوگئیں اوریہ گھر بہت سے ایسے اختلافات اور جھگڑوں کی جولانگاہ بن گیا جو اکثر اوقات نبی اکرمﷺ کے لئے غم و غصّہ کے موجب بنتے تھے اوراکثر جھگڑوں میں حضرت عائشہ کا کردار بنیادی ہوتا تھا_

ہمارے اس مدعا پر تاریخ اور متواتر احادیث گواہ ہیں بلکہ بعض منابع کے مطابق خود حضرت عائشہ نے تصریح کی ہے کہ : "نبی اکرمﷺ کے بیت الشرف میں رونما ہونے والے تمام اختلافات کا سبب میں ہی تھی"_

مومنین کے درمیان صلح والی آیت:

بعض مورخین نے غزوہ بدر سے پہلے کے حالات میں لکھا ہے[1] کہ رسول اسلام ﷺ ایک مرتبہ خزرج کے قبیلہ بنی حرث میں سعدبن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے _ یہ واقعہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے اسلام لانے سے پہلے کاہے_

---

1)سیرہ حلبیہ ج2 ص 64_

آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار عبداللہ بن ابی کی ایک محفل کے قریب سے گذرے جس میں مسلمان، مشرکین، اور یہودی ملے جلے بیٹھے تھے _ ان میں عبداللہ بن رواحہ بھی موجود تھا_ آپ ﷺ کی سواری کی ٹاپوں سے گرد و غبار اڑا تو ابن ابی نے اپنی چادر سے ناک ڈھانپتے ہوئے کہا:" ہم پر گرد و غبار نہ اڑاؤ"_ آپ ﷺ سواری سے نیچے اترے اور اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی تو ابن ابی کہنے لگا : " بھلے مانس اگر تیری باتیں سچ ہیں تو یہ سب سے بہترین باتیں ہیں لیکن تیرے کہنے کا انداز بالکل بھی صحیح نہیں ہمیں محفل میں آکر پریشان مت کرو ،جاؤ اپنی سواری کا رخ کرو اور جو تمہارے پاس آئے تم اسے یہ باتیں سنانا"_ ابن رواحہ نے کہا:" جی ہاں یا رسول اللہ آپ ہمارے پاس آکر ہمیں اطمینان سے یہ باتیں سنائیں کیونکہ ہمیں آپ ﷺ کی یہ فرمائشات پسند ہیں " _ پھر تو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان ایسی گالی گلوچ شروع ہوگئی کہ مارکٹائی تک نوبت پہنچنے والی تھی _ لیکن رسول ﷺ خدا انہیں خاموش رہنے کی برابر تلقین کرتے رہے ، یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگئے_

اس کے بعد آپ ﷺ سعد بن عبادہ کے پاس تشریف لے گئے اور سارا ماجرا اسے سنایا_ سعد نے عرض کی کہ آپ ابن ابی کو چھوڑ دیں کیونکہ جلد ہی ہم اس پر ہلہ بولیں گے _ لیکن جب وہ ان کے حملے سے پہلے اسلام لے آیا تو سعد بن عبادہ کے قبیلے والے اس پر چڑھائی سے باز رہے _

دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ رسول کریم ﷺ اور کچھ مسلمان آپ ﷺ کے ہمراہ ابن ابی کی طرف تشریف لے گئے تاکہ اس کے قبیلے سے روابط برقرار کریں _جب آپ ﷺ اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: "دور ہو جاؤ مجھ سے بخدا تمہاری سواری کی بد بو سے مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے "_ اس پر ایک انصاری صحابی بولے:" اللہ کی قسم تیرے وجود کی بو سے رسول اللہ کی سواری کی بو کہیں زیادہ پاکیزہ ہے"_ ابن ابی کے قبیلے کے آدمی کو غصہ آیا اس نے اسے گالیاں دیں_ اب طرفین غضبناک ہوگئے اور پھر دونوں میں چھڑیوں اور جوتوں سے لڑائی ہوئی _

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

(و ان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما ...) (حجرات _9)

اگر مومنین کے دو گروہوں میں لڑائی ہوجائے تو ان میں صلح کرادو_[1]

تفسیر مجمع البیان میں مذکورہے کہ جس نے ابن ابی سے مذکورہ بات کی وہ عبداللہ بن رواحہ تھے اور لڑائی ابن رواحہ کے قبیلے اوس اور ابن ابی کے قبیلے خزرج کے درمیان ہوئی_

البتہ دونوں روایات قابل اعتراض ہیں _کیونکہ:

اولاً: آیت صلح پہلی روایت پہ منطبق نہیں ہوتی کیونکہ اس روایت کی رو سے جھگڑا مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان تھادو مسلمان گروہوں کے درمیان نہیں _بلکہ دوسری روایت سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ جھگڑا مومنین کے دوگروہوں میں تھا _اگر دونوں روایات کو ایک روایت قرار دیں کیونکہ دونوں کا سیاق و سباق اور مضمون ایک ہی ہے تو پھر بھی یہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا کہ یہ آیہ مجیدہ اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہو_

ثانیاً : آیہ مجیدہ سورہ مبارکہ حجرات میں ہے جو ہجرت کے چند سال بعد نازل ہوئی _کیونکہ اس سورت کا نزول سورہ مجادلہ ، اور جنگ خندق کی مناسبت سے نازل ہونے والی سورت احزاب اور دیگر سورتوں کے نزول کے بعد ہوا_ جبکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ مذکورہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کاہے_ ان ساری باتوں کے علاوہ روایات کے مضامین میں بھی اختلاف و تناقض پایا جاتاہے جو واضح ہے_

البتہ ایسا بھی نہیں کہ روایت سرے سے ہی ناقابل قبول اور جعلی ہو_ تا ہم ہو سکتا ہے یہ واقعہ ہجرت کے چند سال بعد سورہ حجرات کے نزو ل اور ابن ابی کے اسلام لانے کے بعد رونما ہوا ہو اور جھگڑا مومنین کے دو گروہوں کے درمیان ہو_ اس اعتبار سے دوسری روایت مضمون کے زیادہ قریب اور مناسب ہے_

---

1)السیرة الحلبیہ ج/2 ص63و64،درمنثورج/6ص90از مسلم، بخاری، احمد، بیہقی کی سنن ، ابن مردویہ ، ابن جریر اور ابن منذر ، حیاة الصحابہ ج/2 ص 578، 579، 560از البخاری ج/1ص 370 ، ج/3 ص 845_

سلمان محمدی ﷺ کاقبول اسلام :

پہلی ہجری میں اوربقولے اسی سال کے ماہ جمادی الاولی [1] میں سلمان محمدی ﷺ المعروف سلمان فارسی (حشر نا اللہ معہ و فی زمرتہ)نے اسلام قبول کیا_ یہی وہ شخصیت ہیں جن کے بارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا: "سلمان منا اھل البیت" [2]_

یہی وہ سلمان ہیں جنہوں نے دین حق کی تلاش میں اپنے علاقے سے ہجرت کی اور اس راہ میں انہوں نے بہت ساری مصیبتیں اور مشکلات برداشت کیں _ یہاں تک کہ غلام ہوئے اور پھر نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں آزاد ہوئے [3]_

کہتے ہیں کہ مدینہ میں "قبا" کے مقام پر حضرت سلمان فارسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں حاضری دی اور آپ ﷺ کے سامنے یہ کہہ کہ کھجوریں پیش کیں کہ یہ صدقہ ہے _ آپ ﷺ نے خودتو کھانے سے انکار فرمایا لیکن اصحاب سے امر فرمایا کہ کھالیں تو انہوں نے یہ کھجوریں کھالیں_ حضرت سلمان نے اسے پہلی نشانی شمار کیا _

اگلی مرتبہ پھر جناب سلمان کی ملاقات آنحضرت ﷺ سے مدینہ میں ہوئی_ اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھجوریں یہ کہہ کر پیش کیں کہ یہ تحفہ ہے _آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور کھجوریں کھالیں پس حضرت سلمان نے اسے دوسری نشانی شمار کیا _

---

1)تاریخ الخمیس ج/ 1 ص 351_

2)قاموس الرجال ج/4 ترجمہ سلمان_

3) المصنف ج / 8 ص 418 میںان کے اسلام لانے کا واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلمان فارسی کے علاقے میں ایک راہب تھا _ آپ نے بعض خاص قسم کی تعلیمات اس سے سیکھیں اور علاقے کے لوگوں کو بتائیں تو انہوں نے راہب کو اپنے علاقے سے نکال باہر کیا_ آپ اپنے اہل و عیال سے چھپ کر اس کے ساتھ وہاں سے نکلے اور موصل پہنچ گئے _ وہاں انکی ملاقات چالیس40راہبوں سے ہوئی _ چند ماہ بعد ایک راہب کے ہمراہ آپ بیت المقدس گئے وہاں ایک راہب کی سخت عبادت و ریاضت اور انکی بے چینی کو دیکھا لیکن پھر جلد ہی اس کا دل اس سے بھر گیا _ وہاں انصار کے سواروں کے ایک دستے نے ان راہبوںسے حضرت سلمان کے بارے سوال کیا توانہوںنے جواب دیا کہ یہ ایک بھگوڑا غلام ہے _پس انہوں نے اسے مدینے لے جاکر ایک باغ میں کام پر لگادیا_ اس راہب نے جناب سلمان کو بتایا تھا کہ عرب سے ایک نبی ﷺ نے عنقریب ظہور کرناہے جو صدقہ نہیں کھائے گا، ہدیہ قبول کرے گا اور اسکے شانوں پر نبوت کی مہر ہوگی _ اس راہب نے آپ سے کہا تھا کہ اسکی اتباع کرنا_

اسکے بعد حضرت سلمان کی ملاقات آپﷺ سے بقیع کے ایک نشیب میں ہوئی جہاں آپﷺ اپنے بعض اصحاب کی تشیع جنازہ میں شریک تھے پس قریب آئے ، آپ ﷺ پر سلام کیا اور پیچھے پیچھے چل دیئے_ آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک سے چادر ہٹائی تو دیکھا کہ شانوں پر نبوت کی مہر موجود ہے_ پس اب وہ آپ ﷺ کی طرف جھکے ،شانوں پر بوسہ دیا اور گریہ کرنا شروع کیا_ اس کے بعد اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا سارا واقعہ بیان کیا _ اسکے بعد حضرت سلمان نے اپنے مالک سے اپنی آزادی کا معاہدہ کیا اور اپنی آزادی کی رقم ادا کرنے کے لئے محنت مزدوری کرنے لگا اور آنحضرتﷺ نے بھی اس کی مالی امداد فرمائی _ اور پھر حضرت سلمان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی غلامی میں اپنی ساری زندگی گذاردی تا کہ اس آزادی کا حق ادا کرسکیں_

اس نے پہلی مرتبہ جنگ خندق میں حصہ لیا اور پھر اس کے بعد کئی جنگوں میں حصہ لیا_ ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ انہوں نے پہلے پہل جنگ بدر میں حصہ لیا اور یہ نظریہ رسولﷺ خدا کی مالی امداد کے تناظر میں زیادہ مناسب ہے _ اسکے لئے حدیث و تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے _ (1)نیز ہماری کتاب "سلمان الفارسی فی مواجھة التحدی" (سلمان فارسی چیلنجوں کے مقابلے میں) بھی ملاحظہ فرماسکتے ہیں_

ایک اہم بات :

یہاں قابل ملاحظہ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ حضرت سلمان نے ذاتی احساسات یا مفادات کی بناء پر اسلام قبول نہیں کیا اور نہ ہی کسی مجبوری یا کسی کے دباؤ یا کسی سے متاثر ہونے کی بنا پر اسلام قبول کیا بلکہ خالصتاً اپنی عقل و فکر اور سوچ و بچار کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے_ دین حق تک پہنچنے کے لئے انہوں نے بہت سعی و کوشش کی اور اس راہ میں بہت سی رکاوٹوں، مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کیا _ اور یہ بات اس دین کے فطری ہونے نیز عقل کے احکامات اور سالم فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہونے کی تائید کرتی

---

1)بطور مثال قاموس الرجال ج/4 ، الاصابہ ج/ 2 ص 62 ، الاستیعاب اور دیگر کتابیں_

ہے_ اسی طرح کی باتیں ہم حضرت ابوذر کے اسلام قبول کرنے کے واقعات میں بیان کرچکے ہیں، وہاں ملاحظہ فرماسکتے ہیں_

رومہ کا کنواں حضرت عثمان کے صدقات میں :

بعض نے حضرت عثمان کے فضائل میں لکھاہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سوائے رومہ کے کنویں کے کوئی اور ایسا کنواں نہ تھا جس سے صاف اور میٹھا پانی پیا جاتا_ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:" کون ہے جو اپنے ذاتی مال سے اس کنویں کو خریدے اور اپنی بالٹی اور دیگر مسلمانوںکی بالٹیاں اس میں قرار دے (یعنی سب مسلمانوں کے لئے وقف کردے) تو اسے جنت میں پسند کا اس سے بھی اچھا کنواں ملے گا؟ "پس حضرت عثمان نے اپنے خالص مال سے اس کنویں کو خریدا اور اس کنویں میں اپنی اور مسلمانوں کی بالٹیاں ڈال دیں_ لیکن جب حضرت عثمان کا محاصرہ ہو اتو لوگوں نے انہیں اس کنویں سے سخت پیاس کی صورت میں بھی پانی نہیں پینے دیا تھا حتی کہ وہ مجبور ہوکر سمندر کا پانی پینے لگے تھے _

لیکن ان روایات میں شدید اختلاف پایا جاتاہے_ہم بعدمیں مدارک و مصادر کی طرف اشارہ کریں گے_ انہی اختلافات کی وجہ سے ہمیں ان کے صحیح ہونے کے بارے شک ہے_یہ اختلافات مندرجہ ذیل ہیں:_

اولاً : روایات میں اتنا تناقض و اختلاف ہے کہ کوئی ایک روایت بھی دوسری سے نہیں ملتی _مثلاً کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کے خلاف بغاوت ہوئی توانھوں نے باغیوں کو رومہ کے کنویں والے واقعہ کا واسطہ دیا لیکن یہاں روایتوں میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے _ ایک روایت تو یہ کہتی ہے کہ جب وہ اپنے گھر میں محاصرے میں تھے تو تب انہوں نے لوگوں کے سامنے آکر یہ بات کی تھی جبکہ ایک اور روایت کہتی ہے کہ اس وقت وہ مسجد میں تھے _ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آدھا کنواں سو اونٹنیوں کے عوض اور باقی آدھا ایک آسان نرخ پہ خریدا_دوسری روایت کہتی ہے کہ چالیس ہزار کا کنواں خریدا ایک اور روایت میں

ہے کہ 35 اونٹنیوں کے عوض خریدا_ چوتھی روایت ہے کہ آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میںاور باقی آدھا آٹھ ہزار میں خریدا_

ایک اور روایت اس بارے میں یہ ہے کہ یہ کنواں ایک یہودی کا تھا_ کوئی بھی قیمت ادا کئے بغیر اس سے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں پی سکتا تھا_ایک اور روایت کہتی ہے کہ یہ کنواں قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کا تھا_ تیسری روایت کہتی ہے کہ یہ کنواں بنی غفار کے ایک شخص کی ملکیت تھا_ یہاں ایک روایت یہ کہتی ہے کہ حضرت عثمان نے کنواں خریداجبکہ دوسری یہ کہتی ہے کہ انہوں نے کنواں کھودا _ لوگ دونوں روایتوں کو جمع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے پہلے کنواں خریدا لیکن اسکے بعدا سے دوبارہ کھودنے کی ضرورت پڑ گئی_[1] لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ اس کا ذکر حضرت عثمان نے اس وقت کیا تھا جب اصحاب کو اس کی قسم دی تھی اور یہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ ہواتھا_

ایک روایت یہ کہتی ہے کہ یہ چشمہ تھا جو زمین پر جاری تھا جبکہ دوسری کہتی ہے کنواں تھا_ ایک روایت کہتی ہے کہ حضرت عثمان نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور مسلمانوں کے مدینہ پہنچنے پر کنواں خریدا _ لیکن دوسری روایت کی حکایت یہ ہے کہ جب خلیفہ تھے تب یہ کنواں خریدا تھا_

ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرتﷺ نے ان سے کنواں خریدنے کو فرمایا _دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں میں اعلان کرایا کہ کوئی ہے جو کنواں خریدے_ تیسری روایت کا کہناہے کہ اس غفاری (کنویں کے مالک) نے جنت میں دو چشموں کے بدلے بھی پاک پیغمبرﷺ کے ہاتھوں اسے بیچنا گوارا نہ کیا _جب یہ بات حضرت عثمان کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اسے 35 ہزار میں خریدا [2]_

---

1)اس توجیہ کو سمہودی نے وفاء الوفاء ج/ 3 ص 970 میں ذکر کیا ہے_

2)ان روایات کا مطالعہ فرمائیں اور ان کا آپس میں تقابل کریں_وفاء الوفاء للسمهودی ج / 3 ص 967 _ 971 ، سنن نسائی ج/6 ص 234، 235 ، 236 ، منتخب کنز العمال ج/5 ص11 ، حیات الصحابہ ج/2 ص 89 از طبرانی وابن عساکر ، مسند احمد ج /1 ص70 ، 75 ، السیرة الحلبیہ ج/2 ص75 ، اسی طرح بغوی، ابن زبالہ، ابن شبۃ، ابن عبدالبر، الحازمی، ابن حبان، ابن خزیمہ سے بھیروایت کی گئی ہے ، الترمذی ص 627 ، حلیۃ الاولیاء ج/1 ص 58 ، البخاری حاشیہ فتح الباری ج/5 ص 305 ، فتح الباری ج 5 ص 305 ، 306 ، سنن بیہقی ج/ 6 ص 167 ، 168نیز التراتیب الاداریہ _

اختلافات اور تناقضات کی فہرست طولانی ہے جن کے ذکر کا موقع نہیں _اگر کوئی چاہے تو ان کتابوں کی طرف رجوع کرسکتا ہے جن کے ہم نے حوالے دیئے ہیں_

ثانیاً : نسائی، مسند احمد اور ترمذی جیسی کتب میں ایک روایت مذکور ہے کہ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں میٹھا اور پینے کے قابل پانی نہ تھا_ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں ہے کیوں کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میٹھے پانی کے کافی سارے کنویں تھے_ جن کنوؤں سے حضرت ﷺ نے زندگی بھر پانی استعمال فرمایا_ ان کنوؤں میں سے اسقیا، بضاعہ، جاسوم اور دار انس کے کنویں تھے جن میں آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن پھینکا تو اسکے بعد مدینے میں ان سے زیادہ میٹھے پانی کا کوئی اور کنواں نہ تھا[1] اس کے علاوہ بہت سارے کنویں تھے اس سلسلے میں وفاء الوفاء کے باب " آبار المدینہ" کا مطالعہ کرسکتے ہیں _

ثالثاً : اگر رومہ کے کنویں والی حدیث صحیح مان لی جائے تو پھر مندرجہ ذیل جواب طلب سؤالات سامنے آتے ہیں_

1_حضرت عثمان جو حبشہ سے تازہ آئے تھے اور انکے پاس کوئی مال و متاع بھی نہ تھا تو پھر چالیس ، پینتیس یا بیس ہزار درہم اور سو اونٹنیاں کہاں سے آگئیں _ انہوں نے کب اور کس طرح یہ مال کمایا؟_

2 _ حضرت عثمان نے جنگ بدر کے موقع پر اتنی بڑی رقم کے ہوتے ہوئے مدد کیوں نہ کی ؟ یا ان اونٹیوں میں کوئی چیز کیوں خرچ نہ کی جو روایات کے بقول یہ ان کا خالص ذاتی مال تھا؟ حالانکہ اس وقت مسلمانوں کو چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی اشد ضرورت تھی _کیونکہ دو یا تین افراد ایک ہی اونٹ پر بیٹھتے تھے اوران کے پاس صرف ایک ہی گھوڑا تھا _ مسلمانوں کے پاس صرف چھ عدد زرہیں اور آٹھ عدد تلواریں تھیں جبکہ باقیوں نے ڈنڈوں اور کھجور کی چھڑیوں کے ساتھ جنگ کی _ اسکا اور اس کے منابع کا ذکر آئے گا_

حضرت عثمان نے اپنے اموال سے بالکل بھی مدد نہ کی ؟ کیا پھر بھی یہ بات درست اور معقول ہے کہ انہوں نے اپنے پاس موجود سب کچھ لٹا دیا اور خالی ہاتھ ہوگئے؟

---

1) وفاء الوفاء للسمھودی ج/ 3 ص 951 ، 956 ، 958 ، 959 ، 972_

حضرت عثمان نے کیونکر غریب مسلمانوں کو کھانا نہ کھلایا ، انکی ضروریات کو پورا نہ کیا اور انصار کی مدد نہ کی ؟ خود پیامبر اسلام ﷺ کی مدد کیوں نہ کی _ جبکہ آپ ﷺ شدید اقتصادی بحران کا شکار تھے اور آپ ﷺ اور مسلمانوں کی معاشی حالت ہجرت کے چند سال بعدجاکے کہیں ٹھیک ہوئی؟

3_ بعض روایات کہتی ہیں کہ حضرت عثمان کو اس کنویں کا پانی پینے سے منع کردیا گیا جس سے وہ سمندر کا پانی پینے پر مجبور ہوگئے_ یہ بات واقعاً بہت عجیب ہے پس اگر حضرت عثمان پانی حاصل کرسکتے تھے تو انہوں نے مدینہ میں دسیوں کی تعداد میں موجود دیگر کنوؤں کا میٹھا پانی کیوں استعمال نہیں کیا ؟_

کیونکہ جس شخص نے پانی پینے سے منع کیا تھا وہ تو چاہتا تھا کہ ان تک کسی طرح کا کوئی پانی ، کہیںسے بھی نہ پہنچے_ کیونکہ بقول ان کے حضرت عمار یاسر اس تک پانی پہنچانے لگے تو طلحہ نے انہیں منع کردیا _[1]

پس جب تک حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بچوں کے ہمراہ پانی نہیں پہنچایا تب تک انہیں پانی میسر نہیں آیا اور واضح ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس کام سے اپنے خاندان کو خطرات میں جھونک دیا_ کیا یہ درست ہے کہ انہوں نے واقعا سمندر کا پانی پیا تھا؟_ جبکہ سمندر کا فاصلہ مدینہ سے بہت زیادہ دور ہے _ یا یہ نمکین اور کھارا پانی استعمال کرنے سے کنایہ ہے ؟ ؟

4_ اگر حضرت عثمان نے یہ سارا مال صدقہ کیاتھا تو کیوں ان کی مدح میں ایک آیت بھی نازل نہیں ہوئی جو اس عمل کی تعریف کرتی جبکہ حضرت علی علیہ السلام نے مختلف اوقات میں " جو کی تین روٹیاں" ، " انگوٹھی" ، " چاردرہم" اسی طرح " نجوی" کے واقعہ میں صدقے دیئے تو مختلف آیات کے نزول سے تعریف کے مستحق بنے لیکن حضرت عثمان کئی ہزار درہم اورایک سو اونٹنیاں صدقہ دینے پر بھی کسی تعریف کے مستحق نہیں ٹھہرے بلکہ خدا نے ان کے متعلق ایک کلمہ یا ایک حرف تک بھی ارشاد نہیں فرمایا ؟ اس کے برعکس وہ روایت جو اس عظیم فضیلت کو بیان کرتی ہے اس میں بہت زیادہ تناقض پایا جاتاہے اور وہ علمی اور آزاد تنقید کے سامنے بالکل نہیں ٹھہرتی _ اس کے علاوہ انہوںنے بھی دوسرے صحابہ کی طرح ایک درہم کا صدقہ دے کر "آیت

---

1)وفاء الوفاء ج 3 ص 945_

نجوی" پر عمل کیوں نہیں کیا ؟ یہاں تک کہ اصحاب کی مذمت میں آیت نازل ہوئی_ اور رسول ﷺ سے گفتگو سے قبل صدقہ دینے سے کترانے پر ان کی بھی دوسرے صحابہ سمیت مذمت کی ہے _

" اریس" کا کنواں

بالا خر ہم یہ نہیں جان سکے کہ صرف " رومہ" کے کنویں کو اتنی عزت و عظمت کیسے ملی اور اریس کے کنویں کے ساتھ ایسا کیوں نہ ہوا ؟ _ جبکہ دعوی یہ ہے کہ یہ کنواں بھی حضرت عثمان نے ہی ایک یہودی سے خریدا تھا_ پھر اسے وقف بھی کردیا تھا _[1] اللہ تعالی حضرت عثمان کو کنوؤں کے معاملے میں برکت دے لیکن یہودیوں کو تو اس غم اور غصہ سے مرجانا چاہئے تھا کیونکہ کنویں تو وہ کھودتے تھے لیکن ان سے حضرت عثمان خرید خرید کر وقف کردیتے تھے اور یہ سب فضیلت ، کرامت اور عظمت حاصل کرتے جاتے تھے _

مسئلے کی حقیقت

ظاہراً صحیح بات وہی ہے جو " عدی بن ثابت " کے ذریعہ سے ابن شبہ کی روایت میں آئی ہے کہ مزینہ قبیلے کے ایک شخص کو " رومہ " نامی کنواں ملاتو اس نے اس کا ذکر حضرت عثمان (جو اس وقت خلیفہ تھے) سے کیاتو انہوں نے یہ کنواں بیت المال سے 30 ہزار درہم کا خریدکر اسے مسلمانوں کے لئے وقف کردیا[2]_

لیکن سمہودی نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ روایت متروک ہے اور زبیر بن بکار نے اپنی کتاب "عتیق" میں اس روایت کو بیان کیا ہے_لیکن وہ اسے رد کرتے ہوئے کہتاہے:" یہ درست نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ثابت یہ ہے کہ حضرت عثمان نے یہ کنواں رسول اسلام ﷺ کے زمانے میں اپنے مال سے خریدکر اسے وقف کردیا تھا"[3]_

---

1) وفاء الوفاء ج 3 ص 968_

2)وفاء الوفاء ج/ 3 ص 967 از ابن شبۃ _اس روایت کو زبیر بن بکار نے بھی روایت کیاہے_

3)گذشتہ حوالہ_

جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ روایات جن کی طرف زبیر بن بکار نے اشارہ کیا ہے کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہیں _ خصوصاً جبکہ ان روایات میں بہت اختلاف اور تناقض پایا جاتاہے اور ان روایات پہ ایسے اعتراضات بھی گزر گئے ہیں کہ جن کا کوئی جواب نہیں نیز ان روایات کی اسناد و مدارک میں بھی بہت سے اعتراضات ہیں _ ایسے حالات میں روایت مذکور کی سند میں متروک شخص کے ہونے میں کوئی حرج نہیں _ اور اسے ماننا ہی پڑے گا کیونکہ یہ روایت اس زمانے کے حالات اور تاریخی واقعات سے مطابقت بھی رکھتی ہے_ اور بقیہ روایات بھی صحیح نہیں ہوسکتیں کیونکہ یہ ساری کی ساری حضرت عثمان کی فضیلت بنانے کے لئے گھڑی گئی ہیں_

البتہ مذکورہ بالا روایت کا یہ جملہ ہم نہیں سمجھ سکے " انہوں نے بیت المال مسلمین سے 30 ہزار درہم کا کنواں خریدا اور پھر مسلمانوں کے لئے اسے وقف کردیا ..." _اگر یہ کنواں مسلمانوں کے اموال سے خریدا گیا تھا تو پھر مسلمانوں ہی کے لئے وقف کرنے کا کیا معنی ہے؟ہاں اس صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ در حقیقت بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اس لئے اسے وقف کہتے تھے _ اور ہم نے ان کے اس نظریئے پر کچھ دلائل اور قرائن بھی بیان کئے ہیں اس لئے آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں (1)

کھجور کی پیوند کاری

کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جب مدینہ تشریف لائے اور کھجوروں کی پیوند کاری کرنے والے کچھ افراد کے قریب سے گذرے (یا ان کا شور سنا) تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم اس کام کو چھوڑ دو تو بہتر ہوگا _ ان لوگوں نے اس کام کو چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کھجوریں نرم گٹھلی والی اور خراب نکل آئیں _ پھر ایک روز ان کے قریب سے گزرے یا ان سے یہ بات ذکر کی گئی، تو آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کیا ہوا تمہاری کھجوروں کو ؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے ہی تو ایسا کرنے کو کہاتھا (لہذا اس کا نتیجہ واضح ہے)_آپ ﷺ

---

1) ملاحظہ ہو ہماری کتاب : دراسات و بحوث فی التاریخ و الاسلام ، بحث "ابوذر ، سوشلسٹ ، کیمونسٹ یا مسلمان ؟"_

نے فرمایا:" تم لوگ دنیاوی امور کو مجھ سے بہتر جانتے ہو" _ یا یہ فرمایا : "اگر مفید تھا تو انہیں ویساہی کرنا چاہئے تھا میں نے تو یوں ہی ایک گمان کیا تھا_ لہذا تم لوگ اس گمان کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہیں کرسکتے _ البتہ میں جب اللہ تعالی کی کوئی بات تمہیں بتاؤں تو تم اس پر ضرور عمل کرو کیونکہ میں خدا پر ہرگز جھوٹ نہیں بولتا"_[1]

ہمیں اس روایت کے صحیح ہونے میں شک ہے _کیونکہ اس روایت کی نصوص میں بھی اختلاف پایا جاتاہے _اس کے علاوہ مندرجہ ذیل چند سوالات کا پوچھنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ایسے کاموں میں مداخلت کیوں کرتے تھے جن سے آپﷺ کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا اور نہ ہی آپﷺ کو ان میں کوئی مہارت حاصل تھی ؟

کیا آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ لوگ آپ ﷺ کی باتوں کو اہمیت دیتے ہیں _ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہرلفظ پر عمل کرتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں ؟ ؟_

لوگ اتنے بڑے نقصان پر کیسے راضی ہوگئے؟ پھر آپ ﷺ کے مشورے کے نتیجہ میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار کون تھا؟ پھر آپﷺ کا یہ کہنا کیسا ؟ آپ ﷺ تو وہ ہیں جنہوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ سے جو کچھ بھی سن رہاہے سب تحریر کرے کیونکہ آپﷺ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے کوئی چیز نہیں نکلتی ؟ یہ روایت بہت مشہور و معروف ہے _ یہ روایت اپنے مآخذو مدارک کے ساتھ پہلی جلد میں بیان ہوچکی ہے ، وہاں ملاحظہ فرمائیں_

اسی طرح آپﷺ کا سن مبارک اس وقت (33 تینتیس) سال سے زیادہ تھا اور آپ ﷺ عرب خطے کے مرکزی حصے کے رہنے والے تھے_کیا ہم اس بات کی تصدیق کرسکیں گے کہ آپ ﷺ پیوند کاری اور اس کے فوائد کو نہیں جانتے تھے اور یہ کہ کھجور اسکے بغیر کوئی نتیجہ نہیں دیتی؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی کا

---

1) صحیح مسلم ج/7 ص 95، سنن ابن ماجہ ج/2 ص 825 کتاب الرھون باب 15، مسنداحمد ج/6 ص123نیز ج 3 ص 152، البر صان والعرجان ص 254، مشکل الآثارج/2ص294، کشف الاستار عن مسند البزار ج 1 ص 112 ، مسند ابویعلی ج 6 ص 198و 238 و صحیح ابن حبان مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ ج 1 ص 201_

ایک بڑا عرصہ اس کے متعلق کچھ بھی نہ سنا ہو حالانکہ آپ ﷺ انہی عربوں کے درمیان اور ان کے ساتھ رہتے تھے یا کم از کم ان کی ہمسائیگی میں تو تھے؟

بالہ‌آخر ... کیا یہ صحیح ہے کہ دنیاوی امور میں لوگوں پر آپ ﷺ کی اطاعت واجب نہ تھی؟ اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنی رائے بیان فرمائی تھی؟ کیا یہ درست ہے کہ اسلام، دین اور دنیا میں فاصلے کا قائل ہو اور اس دین مقدس کا کل ہم و غم دنیاوی امور نہ ہوں بلکہ صرف اخروی امور ہوں ؟ کیا یہ اسلام پر بہتان اور تہمت نہیں ہے ؟ کیا یہ سب کچھ اسلام اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے برخلاف نہیں ؟اور کیا یہ سیکو لرازم کی طرف اشارہ نہیں ؟ اور اسلام کو صرف عبادت گا ہوں میں منحصر کرنے کی ابتداء نہیں ؟

تیسری فصل :

ابتدائے ہجرت میں بعض اساسی کام

تمہید:

مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد رسول اکرم ﷺ نے بہت سے ایسے بنیادی کام انجام دیئے جو آپ ﷺ کی اسلامی دعوت کے مستقبل سے مربوط تھے، یہ کام مختلف نوعیت کے تھے ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں_

1: نماز جمعہ کا انعقاد_

2 : مسجد قبا کی تعمیر،ان دونوں کاموں کے متعلق ہم پہلے بحث کرچکے ہیں_

3 : مدینہ میں مسجد کی تعمیر _اس بارے میں ایک علیحدہ فصل میں بات کریں گے_

4 : ہجری تاریخ کا آغاز _اس کے لئے بھی ایک علیحدہ فصل مخصوص کی گئی ہے_

5 : مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ_

6 : مسلمانوں کے آپس میں آئندہ تعلقات نیز غیر مسلم اقوام کے ساتھ ان کے روابط

کی نوعیت اور حدود کا تعین_

7 : علاقے میں بسنے والے یہودیوں سے صلح :

اور ان مؤخر الذکر تین امور کے لئے بھی علیحدہ فصل رکھی گئی ہے_

اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے کچھ اور کام بھی انجام دیئے ، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم ان کی طرف اشارہ کریں گے ، یہاں ہم مؤخر الذکر آپ ﷺ کے پانچ کاموں کی وضاحت کرتے ہیں اور ابتدا ہجری تاریخ کے آغاز سے کرتے ہیں_

1_ ہجری تاریخ کی ابتداء کے متعلق تحقیق

کسی بھی ایسے تمدن کی حیات اور دوسرے گروہوں ، قبیلوں اور قوموں پر اس کے غلبے اور مطلوبہ اہداف تک پہنچنے کے لئے حالات، واقعات اور معاملات کو ضبط تحریر میں لانا ایک لازمی اور ناگزیر امر ہے جو مذکورہ کاموں کا ارادہ رکھتی ہو_ اور یہ مسئلہ اس مسلم امت کے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل ہوجاتاہے جو الطاف خداوندی اور رضائے الہی کے سائے میں پھل پھول رہی ہو اور زمانوں بلکہ طویل دورانیے تک کے لئے تمام انسانوں کے تمام امور اور حالات کو دگرگوں کرنے کا ارادہ رکھتی ہو_ یہیں سے یہ بات بالکل واضح اور بدیہی ہوجاتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے فوری طور پر پہلا کام ہی تاریخ وضع کرنے کا کیا ہوگا _ بلکہ تعمیر مسجد کی طرح یہ بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولین ترجیحات میں ہونی چاہئے تھی_ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ کچھ در پردہ ہاتھوں نے اس اہم ترین واقعہ کی بھی پردہ پوشی کرنی چاہی_ اس لئے اس واقعہ پرتاریخی لحاظ سے بحث کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہوگیا ہے_ جس کے نتیجے میں علمی دلائل کے ساتھ ہمارے لئے یہ قطعی طور پر ثابت ہوجائے گا کہ اس ہجری تاریخ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی وضع کی ہے _ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی کئی بار اور کئی موقعوں پر تاریخ گذاری کی ہے _ اس لئے ہم یہ سب سمجھنے کے لئے اس بحث کی ابتداء ہم اس سوال سے کرتے ہیں کہ :

کس شخص نے سب سے پہلے ہجرت نبویہ کے ساتھ تاریخ لکھی ؟

تمہید:

مؤرخین کہتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے ہجرت نبویہ کے ساتھ تاریخ لکھی وہ خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب ہے _اور اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ تاریخ کے لئے ہجرت کو مبدء اور بنیاد قرار دینا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رہنمائی سے تھا[1] اور بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ مشورہ دینے والے فقط حضرت علی علیہ السلام نہیں تھے

---

1) تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص 76 ، الکامل لابن الاثیر مطبوعہ صادر ج/2 ص 526، تاریخ الیعقوبی ط صادر ج/2 ص 145 ، التنبیہ والاشراف ص 252 ، محاضرۃ الاوائل ص 28 ، تہذیب تاریخ ابن عساکر ج/1، ص 23 ،فتح الباری ج / 7 ، ص 209 ، تاریخ الخلفاء ص 132 ، 136 ، ص 23 و138 از تاریخ بخاری ،بحارالانوار ج /58 ص 350 ، 351 ، سفینۃالبحار ج/2 ص 641 المناقب لابن شہر آشوب ج/2 ص 144، البحارج/40 ص218،احقاق الحق ج/8 ص 220 علی و الخلفاء ص 139،141 ، اعلان بالتوبیخ ص 80 و 81 والوسائل سیوطی ص 129_

بلکہ ان کے ہمراہ کچھ اور صحابہ بھی تھے [1] اور تیسرے گروہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ کچھ صحابہ نے مشورہ دیا تھا لیکن مشورہ دینے والوں کا نام ذکر نہیں کیا [2]_

اور چوتھا گروہ مشورہ کے ذکر سے خاموش ہے اور فقط اسی پر اکتفا کرتاہے کہ حضرت عمر سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہجری تاریخ لکھی [3]_

تاریخ گذاری کی حکایت مؤرخین کی زبانی:

مؤرخین نے وضع تاریخ کے سبب کے متعلق مختلف حکایتیں نقل کی ہیں لیکن ہم نے ابن کثیر سے منقول واقعہ کا انتخاب کیا ہے البتہ در میان میں بعض وضاحتوں کو بریکٹ میں لکھاہے، اور ان کے منابع کی طرف اشارہ بھی کردیا ہے _

ابن کثیر کہتاہے کہ واقدی کا قول ہے کہ اسی سال (یعنی 16 ویں ،17 ویں یا 18 ویں [4])سال کے ربیع الاول میں حضرت عمر بن الخطاب نے تاریخ لکھی اور یہ پہلی شخصیت ہے کہ جس نے تاریخ لکھی_ البتہ اس کی وجوہات کے متعلق میں کہتاہوں کہ ہم نے سیرت عمر میں اس کے سبب کو ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر کے پاس ایک سند لائی گئی جس میں ایک شخص کے لئے دوسرے شخص کے ذمہ قرض لکھا ہوا تھا کہ جسے شعبان میں ادا کیا جانا تھا تو اس نے کہا کہ کون سا شعبان ؟ اس سال کا ، گذشتہ سال کا یا آئندہ سال کا؟

پھر (اصحاب النبی ﷺ) کو جمع کیا اور کہا کہ لوگوں کے لئے کوئی ایسی تاریخ معین کریں کہ جس سے ان کو

---

1) البدایۃ والنھایۃ ج/7 ص 74 ، الوراء والکتاب ص 20 و مآثر الانافہ ج3 ص 336_

2) صبح الاعشی ج/6، ص 241، مآثر الانافۃ ج3ص36 ، فتح الباری ج7ص209، کامل ابن ج 1،ص10_

3) الاستیعاب (حواشی الاصابۃ) ج2 ، ص 460، المحاسن والمساوی ج2 ص 68 ، تاریخ الخمیس ج/1 ص 338 ، اور ج/2 ص 241،تہذیب التھذیب ج/7 ص 440 ، ماثر الانافۃ ج1،ص 92 ، تحفۃ الناظرین شر قاوی (حواشی فتوح الشام) ج/ 2 ص 62، صفۃ الصفوۃ ج/1 ص 276 ، طبقات ابن سعد ج 3 ، حصہ اول ص 202 تاریخ ابن الوردی ج/1 ص 145 الاوائل للعسکری ج/1 ص 223 تاریخ طبری ج/3 ص 277 ، محاضرات الراغب ج1 ص 105 ، الانس الجلیل ج 1ص188 الاعلاق النفیسہ ص 199 بحارالانوار ج58 ص 349 و 350 ، نیز ملاحظہ ہو: الاعلان بالتوبیخ ص 79 و نفس الرحمان ص 44_

4)الوزراء والکتاب ص 20 نیز البدایہ والنہایہ ج3 ص 206 و 207_

اپنے قرض کی ادائیگی کا وقت معلوم ہو _ کہا جاتاہے کہ کچھ حضرات (یا ہرمزان) [1] نے کہا کہ ایرانیوں کی طرح تاریخ لکھی جائے جیساکہ وہ اپنے بادشاہوں سے تاریخ لکھتے ہیں ، جب ایک بادشاہ ہلاک ہوجاتاہے تو بعد میں آنے والے بادشاہ کی تاریخ حکومت سے تاریخ لکھتے ہیں لیکن اسے اصحاب نے ناپسند کیا ، کچھ لوگوں نے (جو یہودیت سے مسلمان ہوئے تھے) [2] کہا:"اسکندر کے زمانہ سے روم کی تاریخ لکھی جائے"_ اسے بھی طوالانی ہونے کی وجہ سے ناپسند کیا گیا اور کچھ لوگوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے تاریخ لکھی جائے اور کچھ کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے لیکن حضرت علی علیہ السلام ابن ابی طالب اور کچھ صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے تاریخ لکھی جائے کیونکہ یہ واقعہ ہر شخص کے لئے آپ ﷺ کی ولادت اور بعثت کی نسبت زیادہ واضح ہے _پس حضرت عمر اوردیگر صحابہ نے اس کو پسند کیا اور حضرت عمر نے حکم دیا کہ نبی ﷺ اکرم کی ہجرت سے تاریخ لکھی جائے [3] _ اور حاکم نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے (اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے) کہ اس نے کہا ہے کہ " حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھاکہ کس دن سے تاریخ لکھی جائے تو حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالب نے فرمایاکہ جس روز نبی اکرمﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور شرک کی زمین کو چھوڑ ا تھا

---

1) صبح الاعشی ج/6 ص 241 ، اس میں لکھاہے کہ حضرت عمرنے اسے خط لکھا اور مشورہ چاہاالبحار ج/58 ص 349 ، 350 ، سفینة البحار ج/2 ص 641، تاریخ ابن الوردی ج /1 ص 145 ، الانس الجلیل فی اخبار القدس و الخلیل ج/1، ص 187 ، الخطط للمقریزی ج/1 ص 284 ، اور اس میں ہے کہ حضرت عمر نے اس سے استدعا ء کی تھی _ (2) الاعلان با لتوبیخ ص 81 ، البحار ج / 58 ، ص 350 ، اور نزھة الجلیلس ج/1 ص 22 میں تاریخ ابن عساکر سے نقل کیا گیا ہے کہ نصاری اسکندر کی تاریخ سے لکھتے تھے یہاں مؤلف کہتے ہیں کہ پھر تاریخ عیسوی کہاں تھی ، اور کب ظاہر ہوئی ؟ جواب: جیسا کہ کہتے ہیں کہ تقریباً چوتھی صدی ہجری میں ظاہر ہوئی ہے بلکہ ان آخری صدیوں میں ظاہر ہوئی ہے_

3) البدایة و النہایة ج / 7 ص 73 ، 74 نیز ج3 ص 306، تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 75، 76 تہذیب تاریخ ابن عساکر ج/1 ص 22 ، 23 ، شرح نہج البلاغہ للمعتزلی ج/12 ، ص 74 ، علی و الخلفاء ص 240 ، الاعلان بالتوبیخ ص80 ، 81، منتخب کنز العمال ، حواشی مسند احمد ج / 4 ص 67 ، الکامل لابن الاثیر ج/1 ص 10 البحار 58 ص349 نزھة الجلیس ج1ص 21 طبری ج2ص 388 ، الوزراء والکتاب ص 20 ، فتح الباری ج7ص209 ، صبح الاعشی ج6ص241 ابن حاجب نعمان سے ذخیرہ الکتاب میں روایت ہے کہ ابوموسی نے حضرت عمر کو لکھاکہ آپ کی ہمارے پاس کچھ تحریری اسناد آئی ہیں جو شعبان کی ہیں ہم نہیں جانتے یہ کونسا شعبان ہے گذشتہ یا آنیوالا تو حضرت عمر نے اصحاب کو جمع لیا ... الاوائل ابوہلال عسکری ج1ص243 کنز العمال ج10 ص 195 از مستدرک و حصہ ادب صحیح بخاری و ص 193 از ابن ابی خیثمہ ، نیز الاعلان بالتوبیخ 79_

اس روز سے _پس حضرت عمر نے ایسا ہی کیا_ یہ حدیث صحیح السند ہے لیکن شیخین نے اس کو درج نہیں کیا"[1]_

اور یعقوبی نے 16 ھ کے واقعات میں لکھا ہے : " اور اسی سال خطوط پر تاریخ لکھی گئی _ جبکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مولد النبی ﷺ سے تاریخ لکھیں _اور پھر بعثت سے لکھنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالب نے مشورہ دیا کہ ہجرت سے تاریخ لکھی جائے "[2]_ ان کے علاوہ اور بھی نصوص پائی جاتی ہیں جو اس بات کی تاکید کرتی ہیں کہ حضرت عمر ہی وہ پہلی شخصیت ہے جس نے تاریخ ہجری اسلامی کو وضع کیا _

بہترین نظریہ

لیکن اس قول کے صحیح ہونے میں ہمیں شدید شک ہے ہماری رائے یہ ہے کہ ہجری تاریخ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی وضع کی گئی ہے اور خود نبی اکرم ﷺ نے متعددبار مختلف مناسبتوں سے یہ تاریخ لکھی ہے اور جو کچھ حضرت عمر کے زمانے میں ہوا ہے وہ فقط یہی ہے کہ ربیع الاول کے بجائے محرم کو سال کی ابتداء قرار دیا ہے جیسا کہ صاحب بن عباد نے بھی اس بات کی طرف اشار ہ کیا ہے[3]_ اور اس سلسلے میں بھی مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے ، کچھ مؤرخین قائل ہیں کہ انہوں نے پہلے سال کے محرم کو ہجری سال کی ابتداء قرار دیا تھا اور یہ جمہور کا نظریہ ہے، اور کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ انہوں نے دوسرے سال کے محرم کو ہجری سال کی ابتداء قرار دیا تھا اور اس سے پہلے کے مہینوں کو شمار نہیں کیا اور ا س کی بیہقی نے حکایت کی ہے اور یعقوب بن سفیان الفسوی اسی کا قائل ہے[4]_

---

1) مستدرک الحاکم ج/3 ص14 ، تلخیص المستدرک للذھبی (اس صفحہ کے حواشی میں) الاعلان بالتوبیخ ص 80 فتح الباری ج7 ص 209 ; تاریخ الطبری ط ا لمعارف ج/2 ، ص 391 اور ج/ 3 ص 144 ، تاریخ عمر بن الخطاب ص 76 ، تہذیب تاریخ ابن عساکر ج/1 ص 23 ، منتخب کنزالعمال (حاشیہ مسند)ج/4 ص 67 ، علی و الخلفاء ص 239 ، و 240 ، احقاق الحق ج /8 ص 219 ، الخطط و الآثار ج/1 ص 284 ، الشماریخ للسیوطی ص 4 مطبوعہ لیڈ ن و التاریخ الکبیر للبخاری ج/1 ص 9 اور الکامل ج/1 ص 10 ، ط صادر کنز العمال ج10 ص 193 و 192_

2) تاریخ الیعقوبی طبع صادر ج/ 2 ص 145_

3) عنوان المعارف و ذکر الخلائف ص 11_

4) البدایة والنھایة ج/3 ص 94_

محرم کا مشورہ کس نے دیا ؟

لیکن ربیع الاول کی بجائے محرم کو ابتدائے سال ہجری قرار دینے کا مشورہ کس شخص نے دیا؟ تو اس سلسلہ میںبھی روایات میں اختلاف پایا جاتاہے ، کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عثمان بن عفان کے مشورہ سے تھا [1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلکہ یہ خود حضرت عمر کی رائے تھی[2] اور کچھ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف نے رجب کا مشورہ دیا تو حضرت علی عليه‌السلام نے اس کے مقابلہ میں محرم کا مشورہ دیا تو اسے قبول کرلیا گیا [3]_ اوردیار بکری و غیرہ قائل ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت علی عليه‌السلام اور حضرت عثمان کے مشورہ دینے کے بعد محرم سے ابتداء کی [4]_ سخاوی اور کچھ دوسرے حضرات قائل ہیں کہ " ... تمام روایات و آثار سے استفادہ ہوتاہے کہ عمر حضرت عثمان اور حضرت علی عليه‌السلام نے محرم کا مشورہ دیا تھا [5] اور کتاب اوائل ج/1 ص 223 میں کلام عسکری سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت عمر ہی ہیں جنہوں نے سال کی ابتداء محرم قرار دینے کا مشورہ دیا تھا کہ امن والے مہینے ایک ہی سال میں جمع ہوجائیں_

لیکن ہمیں بہت بعید معلوم ہوتاہے کہ حضرت علی عليه‌السلام نے ربیع الاول کو چھوڑ دینے اور محرم کو ابتداء قرار دینے کا مشورہ اس لئے دیا ہو کہ محرم عربوں کے نزدیک سال کا پہلا مہینہ شمار ہوتاہے [6]بلکہ ہم اس کے خلاف یقین رکھتے ہیں_ حضرت علی عليه‌السلام تو اپنی پوری زندگی میں ربیع الاول کو ابتداء سال قرار دینے پر مصر تھے اور یہ فقط آپ کی رائے نہیں تھی بلکہ بہت سے نیک و صالح مسلمانوں اور صحابہ کرام کی بھی یہی رائے تھی اور اس سلسلہ میں ہم مندرجہ ذیل امور کو دلیل سمجھتے ہیں کہ جن کو مجموعاً ملاحظہ کیا جانا چاہیے_

---

1) نزھة الجلیس ج/1 ص 21 ، فتح الباری ج / 7 ص 209 ، الاعلان بالتوبیخ ص 80 ، منتخب کنز العمال (حاشیہ مسند احمد) ج / 4 ص 67 ، الشماریخ ص 10 ، ط 1971، کنز العمال ج17 ص 145 از ابن عساکر و ج10 ص 193 از ابوخیثمہ_

2) الاعلان بالتوبیخ ص 79 ، الوزراء والکتاب ص 20 ، فتح الباری ج/7 ص 209 نیز آثر الاناقہ ج3 ص 337

3) الاعلان بالتوبیخ ص 81 ، ط القاھرہ اور ص 82 ، میں لکھا ہے کہ الفردوس میں دیلمی اور اس کے بیٹے دونوں نے اس واقعہ کو علی عليه‌السلام سے روایت کی ہے، احقاق الحق ج/8 ص 220_ (4) تاریخ الخمیس ج/1 ص 338 ، وفاء الوفاء ج/1 ص 248_ (5) الاعلان بالتوبیخ لمن یذم التاریخ ص 80 ، ارشاد الساری ج/6 ص 234 ، فتح الباری ج/7 ص 209 و ص 210_ (6)البدایة والنہایة ج3 ص 207 ، بحارالانوار ج58_

1_ پہلے گزر چکاہے کہ آپ نے مشورہ دیا تھا کہ یوم ہجرت یا جس دن نبی اکرم ﷺ نے شرک کی زمین کو چھوڑا اس دن سے تاریخ لکھی جائے جیسا کہ ابن مسیب کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے اور یہ ہجرت سب کو معلوم ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی_

2_ اہل نجران کے ساتھ معاہدہ میں یہ عبارت امیر المؤمنین علیہ السلام نے لکھی تھی _

عبداللہ[1] بن ابی رافع نے 10 جمادی الثانی 37 ھ نبی اکرم ﷺ کے مدینہ میں داخل ہونے کے دن سے سینتیس سال بعد تحریر کیا ہے[2]_اور واضح ہے کہ رسول ﷺ خدا ربیع الاول کے مہینے میں مدینہ میں داخل ہوئے_ دوسرے صحابہ کی بہ نسبت ہم کہتے ہیں کہ:

1_ سھیلی و غیرہ کی روایت کے مطابق مالک بن انس قائل ہے کہ "اسلامی سال کی ابتداء ربیع الاول سے ہے چونکہ یہی وہ مہینہ ہے کہ جس میں نبی اکرم ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی"[3]_

2_ سخاوی نے اصمعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ربیع الاول یعنی "ماہ ہجرت" سے تاریخ لگائی[4] اور اس طرح زھری سے بھی نقل کیا گیا ہے_

3 _ جہشیاری کہتاہے کہ ایک شاذ روایت میں آیاہے کہ جب رسول ﷺ خدا نبوت کے چودھویں سال پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو تاریخ گذاری کا حکم دیا [5]_

5_ ہجرت کے پانچویں سال کے وسط تک صحابہ ربیع الاول سے ہجری سال کے مہینوں کو شمار کرتے تھے (اور بعد میں آئے گا کہ مؤرخین نے بھی صحابہ کی پیروی کی ہے)_

ان تمام باتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم جان سکتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے کبھی بھی حضرت عمر کو مشورہ نہیں دیا کہ محرم کو ابتدائے سال ہجری قرار دیا جائے بلکہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو اصرار کرتے تھے کہ

---

1)ظاہراً عبیداللہ ہے_ (2)الخراج لابی یوسف ص 81 ، جمھرة رسائل العرب ج/1 ص 82 ،شمارہ نمبر 53_

3) البدایة والنھایة ج/3 ص 207 ، اور اسی طرح اس کی طرف ج/4ص94 میں بھی اشارہ کیا ہے_ (4) الاعلان بالتوبیخ لمن یذم التاریخ ص 78_

5)الوزراء والکتاب ص 20_

ابتدائے سال ربیع الاول ہی کو رہنے دیا جائے کہ جس میں نبی اکرم ﷺ مکہ سے خارج ہوئے یا غار سے نکلے یا آپ ﷺ کے مدینہ میںداخل ہونے کے پہلے دن کو ابتدائے تاریخ رہنے دیا جائے جیسا کہ بہت سے مسلمان و صحابہ بھی اس تبدیلی پر راضی نہیں تھے لیکن دوسرے گروہ نے غلبہ حاصل کرلیا_

اس بات کی طرف بھی متوجہ کر تے چلیںکہ نبی ﷺ کریم کے مدینہ میں داخل ہونے کے دن کو تاریخ کی ابتداء قرار دینے پر حضرت علی علیہ السلام کے اصرار والی روایت اس شخص کے قول کی تائید کرتی ہے جو قائل ہے کہ نبی اکرم ﷺ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو مدینہ میں داخل ہوئے اوراس کے متعلق کچھ گفتگو آئندہ بھی آئے گی_ اگر چہ اس بحث میں ہمارا اصلی مقصد یہ نہیں بلکہ یہاں پر ہمارا اصل مقصد یہ بحث کر نا ہے کہ کس شخص نے سب سے پہلے ہجری سال کے ساتھ تاریخ لکھی اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے ہجرت کے ساتھ تاریخ لکھی_

اس نظریہ کے حامی حضرات :

اگر چہ بہت سے حضرات اس نظریہ میں ہمارے ساتھ موافقت نہیں رکھتے اور بعض اس بارے میں کوئی قطعی حکم لگانے میں تردد کا شکار ہیں_ اور بعض کی باتوں سے پتہ چلتاہے کہ قول مشہور کی طرف رجحان رکھتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کی بازگشت ایک ہی امر کی طرف ہے اور وہ یہ کہ اس سلسلہ میں قطعی نظریہ پیش کرنے کیلئے وہ حضرات ضروری مقدار میں نصوص کے وجود سے بے خبر ہیں اور مؤرخین اور راویوں کے زبانوں پر جو مشہور ہے اسی پر قناعت کے عادی ہوگئے ہیں بہر حال پھر بھی یہ حضرات ہمارے نظریہ کے موافق ہیں :سید عباس مکی نزھة الجلیس میں _(جیسا کہ بعد میں اس کی عبارت کا ذکر آئیگا)_ اور اسکو سیوطی نے ابن القماح سے (اس نے) ابن الصلاح سے اور اس نے ابن مجمش الریادی سے نقل کیا ہے (اسکا ذکر بھی آئے گا) البتہ صاحب المواہب نے کہا ہے کہ " نبی اکرم ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور ہجرت کے وقت سے تاریخ لکھی" _زرقانی کہتاہے کہ " اسی کو حاکم نے الاکلیل میں زھری سے مفصلاً روایت کیاہے جبکہ قول

مشہوراس کے برخلاف ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے[1]" اس کو اصمعی و غیرہ سے بھی نقل کیا گیا ہے جیسا کہ بعد میں آئے گا_

صاحب بن عباد کہتاہے کہ " آپ ﷺ بروز سو مواربارہ ربیع الاوّل کو مدینہ میں داخل ہوئے اور تاریخ ہجری اسی دن سے شروع ہوئی لیکن پھر اسے محرم سے شمار کیا گیا [2]_

ابن عساکر کہتاہے کہ "یہی قول نہایت ہی مناسب ہے" سیوطی نے بھی ان بعض امور کےساتھ اس کی بات تائید کی ہے جو بعد میں ذکر ہوں گے [3]_

قسطلانی نے المواہب اللدنیہ ج1 ص 67 میں اورمغلطائی نے اپنی کتاب سیرت ص 35 ، 36 میں لکھا ہے " نبی اکرم ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور یہ تاریخ ہجرت سے لکھی گئی_ اورابن الجزّار کہتاہے کہ یہ سال عام الاذن کے نام سے مشہور ہے جبکہ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر نے تاریخ لکھی اور سال ہجری کو محرم سے شمارکیا " علاوہ ازیں ان دس سالوں میں سے ہر ایک کو ایک خاص نام کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے اور پہلے سال کو مسعودی کی التنبیہ والاشراف میں بھی عام الاذن کہا گیا ہے_[4] علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ ہجرت کو مبدا تاریخ قرار دینا در اصل حدیث نبوی سے منسوب اور وحی الہی سے حاصل شدہ، کلام جبرائیل سے ماخوذ ہے [5]_

سہیلی کی بات:

سہُیلی اس بات پر مصر ہے کہ قرآن مجید میں ہجری تاریخ کا حکم نازل ہوا ہے_ اس کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تاریخ کے لئے ہجرت کو مبدا قرار دینے پر صحابہ کا اتفاق اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس چیز کو

---

1) التراتیب الاداریة ج1/ ص 181 ، المواھب اللدنیہ ج1/ ص 67_ (2) عنوان المعارف و ذکر الخلائف ص11_

3) الشماریخ فی علم التاریخ للسیوطی ج10 ط 1971_ (4)نفس الرحمان ص 44 نیز ملاحظہ ہو: الاعلان بالتوبیخ ص 82_

5)ملاحظہ ہو بحارالانوار مطبوعہ مؤسسہ الوفاء ج55 ص 351 نیز ملاحظہ ہو : المناقب ابن شہر آشوب ج 2 ص 144 ، بحارالانوار ج40 ص 218و علی الخلفاء ص 241_

قرآن سے اخذ کیا ہے تو یہ اچھا استفادہ ہے اور ان کے متعلق ہمارا گمان خیر بھی یہی ہے اور اگر ان کی اپنی ذاتی رائے اور اپنا اجتہاد تھا تو پھر بھی اچھی رائے اور اجتہاد ہے اور قرآن کریم نے ان کے ایسا کرنے سے پہلے اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

آیت مجیدہ ہے:

(لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ) (توبہ /108)

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے وہ اس کی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس میں (نماز کے لیے) قیام کرو _

اس آیت میں " اول یوم "سے مراد تمام دنوں میں سے پہلا دن قطعاً نہیں اور اس طرح اس آیت میں ظاہراً کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں کہ جس کی طرف یوم مضاف ہو بس لفظ یوم کی اضافت ضمیر کی طرف متعین ہوجائے گی اور یہ معقول نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے پہلے دن انجام دیا مگر یہ کہ سال یا مہینہ یا کسی معلوم تاریخ و دن کی طرف اضافت دے_ (یعنی اسے یہ کہنا ہوگا کہ میں نے فلاں سال کے یا مہینے کے پہلے دن یہ کام انجام دیا ہے_مترجم)

اور یہاں پر کوئی حالیہ یا لفظی قرینہ بھی نہیں مگر یہ کہ اصل عبارت اس طرح ہو_"من اول یوم حلول النبی صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم المدینة " (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے پہلے دن سے ہی ...) اور وہی تاریخ ہجری کا پہلا دن ہے _بعض نحویوں کا یہ کہنا کہ اصل عبارت "من تاسیس اول یوم" ہے ، کیونکہ "من " زمان پر داخل نہیں ہوتا، یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اس تقدیر کی بناء پر بھی زمان کو مقدر ماننا ضروری ہے پس اس طرح کہا جائے گا " من وقت تاسیس" پس لفظ تاسیس کو مقرر ماننا کوئی فائدہ نہیں دیتا علاوہ ازیں لفظ "من" زمان و غیر زمان دونوں پر داخل ہوتاہے _ بطور مثال اللہ تعالی ہی کا ارشاد ہے "من قبل و من بعد" [1] یہاں تک سہیلی کی

---

1) الروض الانف ج/2 ص 246 ط1972ء ، ارشادالساری ج/6 ص 234 ، فتح الباری ج/7 ص208 و ص 209 ، وفاء الوفاء ج/1 ص 248_ نیز اس بات کا اشارہ البدایہ والنہایہ ج3 ص 207 میں بھی ہے_

بات کا خلاصہ ختم ہوا_ الکتانی کہتاہے کہ حافظ نے فتح الباری میں سہیلی کے کلام کے بعد کہا ہے اور "من اول یوم" سے مرادیہ ذہن میں آتاہے کہ جس دن نبی اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب مدینہ میں داخل ہوئے[1]

لیکن ابن منیر کی رائے یہ ہے کہ سھیلی کا کلام تو تکلف اور انحراف ہے اور متقدمین کی تقدیر سے خارج ہے چونکہ انہوں نے "من تاسیس اول یوم" کی تقدیر کو ذکر کیا ہے یعنی اس پہلے دن سے ہی جس دن مسجد کی تاسیس ہوئی ہے اور عربیت اسی کا اقتضاء کرتی ہے اور قواعد اس کی شہادت دیتے ہیں_

الکتانی کہتاہے کہ سہیلی کا کلام ظاہر ہے اور اگر اس پر انصاف سے غور کریں تو دیکھیں گے کہ حق بھی یہی ہے_ اسی لئے شہاب الدین الخفاجی نے اپنی کتب عنایت القاضی اور کفایة القاضی میں اسے پسندکرتے ہوئے اسی پر اکتفا کیا ہے [2]_

اور یاقوت الحموی کہتاہے کہ " من اول یوم "سے مسجد قبا کی تعمیر والادن مراد ہے چونکہ دارالهجرة (مدینہ) میں نبی اکرم ﷺ کے داخل ہونے کے پہلے دن ہی اس کی بنیاد رکھی گئی تھی اور وہی دن تاریخ ہجری کا پہلا دن ہے اور چونکہ خداوند متعال علم رکھتاتھا کہ یہی دن تاریخ (ہجری) کا پہلا دن قرار پائے گااس لئے اس دن کو " اول یوم ارخ فیه" (یعنی جس میں تاریخ لکھی گئی) کے نام سے موسوم کیا گیا یہ بعض فضلاء کا قول ہے_ اور بعض قائل ہیں کہ یہاں پر مضاف مقدر ہے اور اصل عبارت یوں ہے"تاسیس اول یوم"لیکن پہلی بات بہتر ہے"[3] علاوہ ازیں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابن عباس سے وہی کچھ نقل کیا گیا ہے جو پہلے سہیلی سے نقل کیا جاچکاہے[4]_

اگر ان کی بات صحیح ہے تو مناسب یہی لگتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے آیت کے مقصود پر عمل کرتے ہوئے سبقت فرمائی ہوگی _یہ اب تک کی بحث کا نتیجہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جو کچھ سھیلی و غیرہ

---

1) فتح الباری ج/7 ص 209_ (2) التراتیب الاداریة المسمی ، بانظام الحکومة النبویة ج/1 ص 181 ، 182 _

3) معجم البلدان ج/5 ص 124_ (4) تنویر المقباس (حاشیہ در المنثور) ج2 ص224_

نے ذکر کیا ہے وہ بادی النظر میں بعید ہے تو ہم جواب دیں گے کہ کم سے کم آیت شریفہ کے معنی میں دیئے جانے والے احتمالات میں سے ایک احتمال یہ بھی ہے اگر چہ متعین نہ ہو اور ہم نے اسے بطور تائید ذکر کیا ہے نہ بطور استدلال _

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ نبی اکرمﷺ نے سب سے پہلے ہجرت کے ساتھ تاریخ لکھی اسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں_

1_ زہری سے روایت ہے کہ جب ہجرت کرکے نبی اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو تاریخ لکھنے کا حکم دیا پس ربیع الاول میں تاریخ لکھی گئی [1] _

اور زہری سے ایک اور روایت میں ہے کہ تاریخ (ہجری) کی ابتداء نبی اکرم ﷺ کے ہجرت کرکے آنے کے دن سے ہے[2]_

قلقشندی کہتاہے کہ" اس بناء پرتاریخ کی ابتداء عام الھجرۃ(ہجرت کے سال) سے ہوئی ہے" [3] _ اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات کا کلام پہلے گزر چکا ہے اور کچھ کے کلام کو بعد میں ذکر کرینگے_

لیکن الفتح و غیرہ میں عسقلانی و غیرہ نے اس حدیث کو خبر معضل (پیچیدہ اور مشکل) قرار دیاہے اور کہا ہے کہ یہ قول مشہور اس کے برخلاف ہے [4] _

اورجہشیاری نے شاید اسی بناپر اسے خبر شاذ قرار دیا ہے [5] _

---

1) فتح الباری ج/7 ص 208،ارشادالساری ج/6ص233،التنبیہ والاشراف ص252، تاریخ الطبری مطبوعہ دارالمعارف ج/2 ص 388 ، نزھۃ الجلیس ج/1 ، ص 21 ، مناقب آل ابی طالب ج/2 ص 142، البحار ج/40 ص 218 عنہ، علی والخلفاء ص 241 ، عن البحار،صبح ا لاعشی ج/6ص 240، التراتیب الاداریۃ ج/1 ص 180 ، آخری دونوں نے اس کو نحاس سے صناعت الکتاب میں سے نقل کیا ہے تاریخ الخمیس ج/1 ص 338 ، الشماریخ فی علم التاریخ ص 10، ط 1971، عن ابن عساکر عن یعقوب بن سفیان وفاء الوفاء للسمھودی ج/1 ، ص 248 ، المواھب اور زرقانی وغیرہ نے حاکم کی کتاب (الاکلیل سے) مفصلاً نقل کیا ہے،الکامل ابن الاثیر ج/1 ، ص 10مطبوعہ صادر ،المواھب اللدنیہ ج/1 ص 67 میناس کو ذکر کیا ہے لیکن زہری کی طرف نسبت نہیں دی نیز ملاحظہ ہو الاعلان بالتوبیخ ص 78_

2) الشماریخ فی علم التاریخ ص 10_

3) صبح الاعشی ج/ 6 ص 240_

4) فتح الباری ج/7 ، 208، ارشادالساری ج/6ص 233 از فتح الباری،وفاء الوفاء ج/1ص 248_

5) الوزراء والکتاب ص 20_

اور سخاوی اور الدیار بکری و غیرہ کا کلام بھی تقریباً ان جیساہے[1]_ مسعودی نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا چونکہ خبر واحد ہے اور جو شخص مراسیل پراعتماد نہیں کرتا وہ اس پر عمل نہیں کرسکتا چونکہ یہ مرسل ہے او ریہ جو پہلے بیان ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے مشورہ سے حضرت عمر ﷺ نے ہجرت کے ساتھ تاریخ لکھی یہ متفق علیہ ہے چونکہ اس خبر میں کوئی معیّن وقت ذکر نہیں کیا گیا کہ جس میں تاریخ لکھی گئی ہوا ور اس کی کیفیت کو بھی نقل نہیں کیا گیا [2]_ لیکن مسعودی اور دوسرے حضرات کا اعتراض زہری کی روایت پر وارد نہیں چونکہ اس کا ارسال (اگر اسے مرسل مان بھی لیا جائے) اور خبر واحد ہونا اس سے اجتناب کرنے کا جواز نہیں بن سکتے بلکہ اس کو اخذ کرنا ضروری ہے حتی کہ اس شخص کے لئے بھی جومراسیل کو قبول نہیں کرتا چونکہ یہاں پر اور ادلہ و روایات بھی پائی جاتیں ہیں جو اس پر دلالت اور اس کی تائید کرتی ہیں ذیل میں ان تمام کو ذکر کرتے ہیں[3]_

2_ حاکم نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے (اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے)کہ اس نے کہا ہے کہ تاریخ اس سال میں تھی کہ جس میں نبی اکرم ﷺ مدینہ میں وارد ہوئے اور اسی سال عبداللہ بن زبیر پیدا ہوا[4]

---

1) الاعلان با لتوبیخ ص 78 ، تاریخ الخمیس ج/1 ص 338_ (2) التنبیہ والاشراف ص 252_ (3)زھری سے ایک اور روایت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تاریخ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے تھی، تہذیب تاریخ ابن عساکر ج/1 ص 21 میں ہے کہ زھری نے کہا ہے " قریش ، فیل اور فجار کے درمیان چالیس سال کی مدّت شمار کرتے تھے اور فجار اور ھشام بن مغیرہ کی وفات کے درمیان چھ سال کی مدّت شمار کرتے تھے اور اس کی وفات اور کعبہ کی تعمیر کے در میان نو سال اور بناء کعبہ اور مدینہ کیطرف رسول کریم ﷺ کے خارج ہونے کی درمیانی مدّت کو پندرہ برس گنتے تھے کہ جن میں سے پانچ سال آپ ﷺ کی طرف وحی نازل ہونے سے پہلے کے تھے پھر عدد تھا یعنی تاریخ کو گننا" اس آخری عبارت سے ظاہر ہوتاہے کہ عربوں نے گذشتہ روش سے اعراض کرلیا تھا اور ہجرت کے ساتھ تاریخ معیّن کرنا شروع کردی تھی لیکن اس روایت میں ایک یہ اعتراض باقی رہ جاتاہے کہ مشہور یہ ہے کہ فیل اور فجار کے درمیان بیس برس کا فاصلہ تھا نہ چالیس برس کا جیسا کہ طبری ج/2 اور البدایۃ والنھایۃ ج/2 ص 261 اورتاریخ الخمیس ج/1 ص 196 اور ابن الاثیر اور مسعودی نے اس کی تصریح کی ہے لیکن زھری کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ عام الفیل کے تیس سال بعد میں پیدا ہوئے ہیں (جیسا کہ البدایۃ والنھایۃ ج/2 ص 264 میں اس سے نقل کیا گیا ہے) دلالت کرتاہے کہ زھری کا یہ قول منفرد ہے کہ فجار اور فیل کے در میان چالیس برس کا فاصلہ ہے جبکہ یہ بات مشہور قول کے مخالف ہے لیکن یہ تمام اعتراضات اور نقائص ہمارے مدعا پر اس کے کلام کی دلالت میں مضر نہیں ہیں_ (4) مستدرک الحاکم ج/3 ، ص 13 ، 14 اور اس روایت کو مسلم کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے، تلخیص المستدرک للذھبی(اس صفحہ کے حاشیہ پر) مجمع الزوائد ج/1 ص 196، عن الطبرانی فی الکبیر، الاعلان بالتوبیخ ص 80 ،81، الطبری ج/2 ص 389 ، 390 ، اور ج/3 ص144 ، التاریخ الکبیر للبخاری ج/1 ص9 ، الشماریخ ص 10 ، عن البخاری فی التاریخ الصغیر والخطط للمقریزی ج/1 ص 284_

3_ سخاوی کہتاہے کہ " کس نے سب سے پہلے تاریخ لکھی اس میں اختلاف ہے، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں انس سے روایت کی ہے کہ تاریخ کی ابتداء رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں داخل ہونے سے ہوئی تھی" _

اور اسی طرح اسمعی نے کہا ہے کہ انہوں نے ہجرت کے مہینہ ربیع الاول سے تاریخ لکھی [1] پھر اس کے بعد زھری کی سابقہ روایت کو ذکر کیاہے جس سے معلوم ہوتاہے کہ تاریخ کو وضع کرنے والے جناب عمر نہیں تھے، کیونکہ عمر نے محرم سے تاریخ گزاری کی تھی_

پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح اور مشہور کے خلاف ہے (چونکہ مشہور یہ ہے) کہ یہ کام عہد عمر میں ہواتھا اور سال کی ابتداء ربیع الاوّل سے نہیں بلکہ ماہ محرم سے ہوئی لیکن یہ اعتراض بھی مسعودی کے اعتراض کی طرح وارد نہیں ہے چونکہ صرف اس کا مشہور کے خلاف ہونا اس کے باطل و فاسدہونے کا موجب نہیں بنتا بلکہ جب قطعی دلیل مشہور کے خلاف قائم ہوجائے تو اس کو اخذ کرنا اور مشہور سے عدول کرنا ضروری ہے _

اور جلد ہی واضح ہوجائیگا کہ پہلے ذکر شدہ ادلہ کے علاوہ ہمارے پاس اور بھی ادلہ موجود ہیں جو ہر قسم کے شک و شبہہ کو زائل کردیتے ہیں_

4_ مورخین کہتے ہیں کہ رسول اکرمﷺ نے ربیع الاول میں مدینہ کی طرف ہجرت کی _زھری و غیرہ کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو مدینہ میں پہنچے ابن اسحاق اور کلبي کو یقین ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو مکہ سے خارج ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ آپﷺ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو غار سے خارج ہوئے [2]_

ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو آپ ﷺ کے مدینہ میں وارد ہونے والے قول کی تائید حضرت علی عليه‌السلام کی اس تحریر "منذ و لج رسولصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم الله المدينة" سے بھی ہوسکتی ہے مگر اس کے مقابلہ میں دوسرے قول کی تائید بھی موجود ہے وہ یہ کہ آپ عليه‌السلام نے مشورہ دیا تھا کہ تاریخ ہجری کی ابتداء رسول اللہ ﷺ کے شرک کی زمین کو چھوڑنے سے

---

1) الاعلان با لتوبیخ لمن یذم التاریخ ص 78_

2) تاریخ الخمیس ج/1 ص 324 اور 325 الاستیعاب (حاشیہ الاصابة پر)ج/1 ص29 الروض الانف ج / 2 ص 245 ، اسی طرح دلائل النبوۃ ج/2، ص 226، المواہب ج/1 ص 67 _

قرار دی جائے یا آپ ﷺ کی ہجرت کو قرار دیا جائے _مگر یہاں یہ دعوی کیا جائے کہ چونکہ وہ کلی طور پر اس سال کو معین کرنے کے درپے تھے کہ جس سے ابتداء کی جائے ، اس لئے اس فقرہ میں اجمال پایا جاتاہے (جس کی تفصیل گذشتہ تحریر میں ہے) تو اس صورت میں پہلا فقرہ ہماری بات کے مخالف نہیں رہے گا _یہاں پر اہم بات یہ ہے کہ ہجرت ربیع الاول کی ابتداء میں تھی اور جب ہم اس پر ان اقوال کا اضافہ کریں جوپہلے مالک اور اصمعی سے بیان ہوچکے ہیں ساتھ ہی زہری کی روایت اور حضرت علی علیہ السلام کی تحریر سے ظاہر ہونے والی اس بات کوکہ اسلامی سال کی ابتداء ربیع الاول تھی ملاکر دیکھیں تو ہمیں یہ اطمینان حاصل ہوجائے گا کہ عمر سے پہلے ہی تاریخ مقرر کی جاچکی تھی _حضرت عمر نے صرف ربیع الاول کی بجائے ماہ محرم کو سال کی ابتداء قرار دیا اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عمر ہجری تاریخ کو وضع کرنے والا پہلا شخص نہیں تھا _ اور یہ بات بھی اس مدعا کی تائید کرتی ہے کہ بعض صحابہ پانچویں سال کے وسط تک ہجرت والے مہینہ (ربیع الاول) سے مہینوں کو شمار کرتے تھے _

ابوسعید خدری کہتاہے کہ " رمضان (کے روزوں) کافریضہ ماہ شعبان میں قبلہ تبدیل ہونے کے بعد تھا کہ ابھی اٹھارہ (18) مہینے مکمل ہونے سے ایک مہینہ باقی تھا"[1]_

عبداللہ بن انیس سفیان بن خالد کی طرف اپنا فوجی دستہ لے جانے کے متعلق کہتاہے کہ میں پانچ محرم کوبروز سوموار مدینہ سے خارج ہوا جب کہ ٹھیک چوّن (54) ماہ مکمل ہوچکے تھے[2]_

اسی طرح محمد بن سلمہ جنگ قرطاء کے متعلق کہتاہے کہ " میں محرم کی دس تاریخ کو خارج ہوا اور انیس دن غائب رہا اور محرم کی باقی ماندہ رات میں واپس آیا کہ پچپن(55) مہینے پورے ہوچکے تھے_"[3] _

اور اسی کے بعد سالوں کا حساب کتاب شروع ہوتاہے جیسا کہ سلمة بن الاکوع اور خالد بن ولید و غیرہ کے قول سے ظاہر ہوتاہے[4]_

یہی صحابہ کا طریقہ تھامورخین نے بھی صحابہ کی پیروی کی ہے پس انہوں نے پانچویں سال کے وسط بلکہ

---

1) تاریخ الخمیس ج/1 ص 368 _ _ (2) مغازی الواقدی ج/2 ص 531 ، 534 علی الترتیب_

4) مغازی الواقدی ج/2 ص 537 ، صفة الصفوة ج/1 ص 652_

آخر تک مہینوں کے ساتھ تاریخ لکھی اور پانچویں سال سے سالوں کا ذکر کرنا شروع کیا [1] اور یہ چیز اگر کسی چیز پر دلالت کرتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہجرت کے ابتدائی برسوں سے یہی تاریخ مقرر کی جا چکی تھی وگرنہ یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی کہ کسی صحابی سے پانچویں سال میں پیش آنے والے واقعہ کے متعلق سوال کیا جائے لیکن وہ سال کا ذکرنہ کرے اور گننے کے عمل میں مصروف ہوجائے جو فکر و تامل کا باعث ہے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد جو اب دے مگر اس صورت میںکہ یہ چیز مرسوم اور ذہنوں میں راسخ ہو اس سے و اضح ہوجاتاہے کہ صحابہ کس قدر اس بات کی اہمیت کے قائل تھے کہ ربیع الاول ہی کو تاریخ ہجری کی ابتداء قراردیا جائے اگر چہ بعد میںبھی غالباً یہی سلسلہ رہا _

5_ سلمان فارسی کے لئے نبی اکرم ﷺ کی تحریر ہمار ے پاس ہے جس پر ہجرت کے نویں سال کی تاریخ لکھی ہوئی تھی_

ابونعیم کہتاہے کہ حسن بن ابراھیم بن اسحاق البرجی المستملی نے روایت کی ہے کہ مجھے محمد بن عبدالرحمن نے بتایاہے کہ میں نے ابوعلی حسین بن محمدبن عمرو و ثابی کوکہتے ہوئے سنا کہ میں نے یہ تحریر شیراز میں جناب سلمان کے بھائی ماہ بنداذ کی اولاد غسان بن زاذان بن شاذویہ کے نو اسے کے ہاتھ میں دیکھی _ یہ وصیت علی علیہ السلام بن ابی طالب کی تحریر تھی اورنبی اکرم ﷺ کی مہر اس پر لگی ہوئی تھی ہم یہاں پر اس تحریر کے متن کو درج کرتے ہیں_

بسم اللہ الرحمن الرحیم : یہ خط محمدرسول اللہ ﷺ کی طرف سے سلمان کے بھائی ماہ بنداذ اور اس کے اہل و عیال اور نسل کے متعلق وصیت لکھنے کی سلمان کی درخواست پر لکھا جارہا ہے_(ابونعیم اس کو لکھنے کے بعد آخر میں کہتاہے): علی علیہ السلام بن ابی طالب نے بحکم رسول ﷺ ہجرت کے نویں سال ماہ رجب میں یہ خط تحریر کیا اور ابوبکر، عمر، عثمان ، طلحہ، زبیر،عبدالرحمن ، سعد، سعید، سلمان، ابوذر، عمار،عیینہ ، صہیب، بلال، مقداد، اور مؤمنین کی ایک جماعت وہاں پر حاضر تھی _ اسی طرح ابومحمدبن حیان نے بعض مورد اعتماد اشخاص سے ذکر کیا ہے کہ

---

1) طبقات ابن سعد ج /2 حصہ اول فی غزواتہ ﷺ خصوصاً غزوہ بواط میں اس کا صفحہ 56 ، مغازی الواقدی ج2 ص 9،11،363 ، الوفاء باخبار المصطفی ج/2 ص 673،674،675،البدایۃ و النھایۃ ج/4 ص61 اور تاریخ الخمیس و غیرہ_

شیراز میں سلمان کے بھائی کی نسل سے ایک قبیلہ ہے جن کے رئیس و سردار کو غسان بن زاذان کہتے ہیں اور ان کے پاس یہ خط موجود ہے یہ علی علیہ السلام ابن ابی طالب کی تحریر ہے اور سفید رنگ کے چمڑے پر لکھا گیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر ابوبکر کی مہر اور علی علیہ السلام کی مہر اس پر درج ہے یہ حرف بحرف ابونعیم کی تحریر ہے لیکن اس نے جماعت میں عیینہ کا ذکر نہیں کیا[1]_

6_ بلاذری نے اس معاہدہ کے متن کو ذکر کیا ہے کہ جس کونبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقنا کے یہودیوں اوربنی حبیبہ کے لئے لکھا تھا اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ مچھلی شکار کرنے کی چھڑیوں، ان کی کاتی ہوئی روئی اور ان کی بھیڑ بکریوں ،مویشیوں اور پھلوں کے ایک چوتھائی حصہ پر مصالحت کی تھی_

بلاذری کہتاہے کہ مصر کے رہنے والے ایک شخص نے مجھے بتایاہے کہ اس نے خود اس تحریر کو ایک سرخ رنگ کے چمڑے میں دیکھا البتہ اس کے خطوط مٹے ہوئے تھے لہذا اس نے مجھے لکھوایا تو میں نے نسخہ برداری کی _

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: من محمّد رسول الله صلی‌الله‌علیه‌وآله‌وسلم ، الی بنی حبیبة‌واهل مقنا: سلم انتم فانه انزل علی، انکم راجعون الی قریتکم، فاذا جاء کم کتابی هذا، فانکم آمنون و لکم ذمة الله و ذمة رسوله ...(بلاذری نے پوری تحریر کو درج کیا ہے حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے آخر میں فرمایا) "کہ تم پر امیر و حکمران صرف تم میں سے ہوگایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے_ علی علیہ السلام بن ابو طالب نے اس تحریر کو 9 ہجری میں لکھا "[2]_

فتوح البلدان پر حاشیہ لکھنے والے محمدبن احمد بن عساکر نے اس عہد نامہ پر دو اعتراض کئے ہیں _

---

1) ذکر اخبار اصفہان لابی نعیم ج/1ص52 ، 53، الدرجات الرفیعہ ص 206 و 207 ، طبقات المحدثین باصبہان ج1 ص 231 و 234 نیز نفس الرحمان از تاریخ گزیدہ_

2) فتوح البلدان للبلاذری ص 67 ، ط 1318 ہجری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولایت و حکمرانی کو اپنے اہل بیت علیہ السلام کے ساتھ مخصوص کرنے میں غور فرمائیں یہ ایک واضح دلیل ہے کہ اس شہر کاخراج (کہ جس کو بغیر لشکرکشی کے صرف مصالحت کےساتھ حاصل کیاگیا ہے اور اصطلاحاً فے کہا جاتاہے اور فے ،اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے ہے اور)نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے اہل بیت علیہ السلام کو عطا کیا ہے اور یہ دلالت کرتاہے کہ آل رسول علیہ السلام جس طرح مسلمانوں کے لئے اولوا الامر ہیں اس طرح اہل ذمہ کے لئے بھی اولوا الامر ہیں_

اول : کہ علی علیہ السلام وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے علم نحو کو اختراع کیا تا کہ عجمیوں کے کلام کے ساتھ مخلوط نہ ہو ایسے شخص سے اعرابی غلطی کا صادر ہونا ممکن نہیں اور یہاں پر علی علیہ السلام ابن ابوطالب درج ہے یعنی ابو کو رفع کے ساتھ لکھاگیا ہے(جبکہ نحوی قواعد کی بناء پر ابی لکھا جانا چاہیے) _

دوم: اہل مقنا کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح غزوہ تبوک میں ہوئی (جیسا کہ بلاذری کی کتاب میں مذکور ہے) اور واضح ہے کہ علی علیہ السلام اس غزوہ میں شریک نہیں تھے پس یہ کیسے ہوسکتاہے کہ اس صلح نامہ کو لکھنے والے علی علیہ السلام ہوں[1]_

اور ہم یہاں پر ان اعتراضات کے جواب میں صرف علامہ محقق الشیخ علی احمدی کے کلام کو(البتہ موقع محل کی مناسبت پنی طرف سے کچھ کمی بیشی کے ساتھ) ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ :

پہلے اعتراض کا جواب : یہ ہے کہ ملاعلی قاری ، قاضی عیاض کی کتاب " شفاء" کی شرح میں ابوزید اصمعی کی نوادر سے نقل کرتے ہیں کہ یحیي بن عمر سے روایت ہے کہ قریش کنیت میں لفظ" ابّ" میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے تھے بلکہ اسے ہمیشہ مرفوع پڑھتے تھے ، چاہے رفعی حالت میں ہوتا یا نصبي یا جرّی حالت میں_

نہایۃ ابن الاثیر میں لفظ "ابی"کے ذیل میں اور قاضی عیاض کی کتاب " شفاء" پر لکھی جانے والی ملا علی قاری کی شرح میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجر بن امیہ (مہاجربن ابوامیہ) کو خط میں (المہاجر ابوامیۃ) لکھا اس کے بعد دونوں نے کہا ہے کہ چونکہ ابوامیہ کنیت کے ساتھ مشہور تھا اور وہ صرف اسی نام سے ہی معروف تھااس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسے ا یسے ہی رہنے دیا اور ملاعلی قاری اس کے لئے مثال ذکر کرتے ہوئے کہتاہے :" جیسا کہ کہا جاتاہے علی علیہ السلام بن ابوطالب " _ ہم یہاں زمخشری کے اس قول کا بھی اضافہ کرتے چلیں کہ "وائل بن حجر نے لکھا ہے : اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مہاجربن ابوامیہ کے نام _بے شک وائل ..." یہاں تک کہ زمخشری کہتاہے لفظ ابوامیہ کو جر والی حالت میں بھی رفعی حالت کے مطابق لکھا گیا ہے ، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور ہوگیا تھا اور ضرب المثل کی طرح ناقابل تبدیلی ہوگیا تھا یہ عربوں کے اس قول :

---

1)حاشیہ فتوح البلدان بلاذری ص 67_

"علی بن ابوطالب اور معاویۃ بن ابوسفیان" کی مانند ہے [1] اسی طرح شیخ علی احمدی کا بیان ہے کہ مجموعۃ الوثائق السیاسیہ میں صفدی سے منقول ہے کہ بعض عرب لکھتے تو "علی علیہ السلام بن ابوطالب "واو کے ساتھ ہیں لیکن پڑھتے یاء کے ساتھ (ابی طالب) ہیں _ اور مجموعہ میں التراتیب الاداریۃ سے منقول گذشتہ کلام کونقل کرنے کے بعد کہتاہے کہ اس سے بڑھ کر یہ کہ میں جب ماہ محرم 1358 ھ میں مدینہ میں تھا توسلع کے جنوب میں ایک قدیمی تحریر میں (انا علی علیہ السلام بن ابوطالب) لکھا ہوا دیکھا اور متوقع ہے کہ یہ تحریر خود علی علیہ السلام کی ہو_ اسی طرح مجموعۃالوثائق میں ہے کہ شیوخ (اپنے اساتذہ) سے پڑھی گئی کتابوں میں چار مقامات پر (علی علیہ السلام بن ابوطالب) واو کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے_ اور ہم اضافہ کرتے ہیں کہ عسقلانی کا کہناہے کہ حاکم کہتاہے : " اکثر بزرگان اس بات کے قائل ہیں کہ ان (یعنی ابوطالب) کی کنیت ہی ان کا نام تھا" [2] _ نیز مغلطائی نے کہاہے " ایک قول (جسے حاکم نے ذکر کیا)ہے کہ اس کی کنیت ہی اس کا اسم ہے لیکن ہمیں اس پر اعتراض ہے "[3] مروج الذہب ج2/ص 109 طبع بیروت میں مذکور ہے کہ " ابوطالب کے اسم میں اختلاف ہے کچھ لوگ قائل ہیں کہ ان کی کنیت ہی ان کااسم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی املاء سے علی علیہ السلام نے خیبر کے یہود کے لئے لکھا تھا (وکتب علی علیہ السلام بن ابی طالب) لفظ ابن سے الف کو گرا دینا اس بات پردلالت کرتاہے کہ یہ لفظ دونا موں کے درمیان میں واقع ہواہے نہ کہ نام او رکنیت کے درمیان " _ بلاذری لکھتاہے کہ یحيي بن آدم نے کہا ہے کہ میں نے نجرانیوں کے پاس ایک تحریر دیکھی کہ جس کا نسخہ اس نسخہ کی طرح تھا اور اس کے آخر میں یہ عبارت درج تھی (وکتب علی علیہ السلام بن ابوطالب) لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے متعلق کیا کہوں[4] _ اور یہ مشہور روایت بھی ہے کہ ربیعہ اور یمن کے درمیان آپ علیہ السلام اپنی تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں (کتب علی علیہ السلام بن ابوطالب) [5] _عمدۃ الطالب ص20 ، 21 طبع نجف میں محمدبن ابراہیم نسابہ سے منقول ہے کہ

---

1) الفائق ج1 ص 14_ (2) الاصابہ ج4 ص 115_ (3)سیرہ مغلطائی ص10_

4)فتوح البلدان ص 72_

5)شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی ج5 ص 231_

اس نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی تحریر کے آخر میں یہ عبارت(و کتب علی علیہ السلام بن ابوطالب) لکھی ہوئی دیکھی اور کہتا ہے کہ میرے دادا اور دیگر افراد کے بقول حرم امیر المؤمنین علیہ السلام میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قرآن کریم کا ایک نسخہ موجود تھا جو 755 میں حرم میں آگ لگنے کی وجہ سے جل گیا کہا جاتاہے کہ اس کے آخر میں یہ عبارت درج تھی (و کتب علی علیہ السلام بن ابوطالب) پھر کہتاہے کہ واو یاء کے مشابہ ہے چونکہ خط کوفی میں یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اگر چہ صحیح (علی علیہ السلام ابن ابی طالب) ہے علاوہ ازیں دیگر شواھد بھی ہیں جنہیں یہاں پر ذکر کرنے کی گنجائش نہیں_

پس ہم گذشتہ امور سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ لفظ (ابو) کا ہونا ضرر رساں نہیں اور روایت پر اعتراض کا موجب نہیں بنتا خصوصاً اگر قریش کے لغت کو مدّ نظر رکھا جائے _ اس بناپر ہمیں عمدة الطالب و غیرہ کی تاویل کی بھی کوئی ضرورت نہیں_

دوسرے اعتراض کا جواب: علامہ احمدی میانجی کہتے ہیں کہ بلاذری کے کلام میں ایسی کوئی صراحت و دلالت نہیں پائی جاتی جس سے یہ معلوم ہوکہ یہ تحریر تبوک میںلکھی گئی ہے جیسا کہ خود تحریر میں بھی اس قسم کا کوئی اشارہ تک بھی موجود نہیں بلکہ تحریر کی عبارت سے معلوم ہوتاہے کہ اہل تبوک میں سے ایک گروہ بطور وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور جلد ہی اپنے شہر واپس جانا چاہتا تھا شاید ان کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ آنا تجارتی غرض کی وجہ سے تھا یا صلح نامہ لینے کی غرض سے آئے تھے، یا اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے یہ صلح نامہ تحریر فرمادیا یہاں پر قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ کچھ منابع میں فقط اسی بات پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ آپ نے 9 ھ میں اہل مقنا کے لئے صلح نامہ لکھا [1] _

---

1) ملاحظہ فرمائیں،مکاتیب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج/1ص 288 ، 289 ، 290 اہل مقنا کے ساتھ معاہدہ کے سلسلہ میں ایک اور روایت بھی پائی جاتی ہے_ کہ یہ معاہدہ ہجرت کے پانچویں برس علی علیہ السلام کے ہاتھوںسے لکھاگیا لیکن کچھ تاریخی اعتراضات سے خالی نہیں اگر چہ ان میں بعض یا تمام کاجواب دینا ممکن ہے، ملاحظہ فرمائیں، مکاتیب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج/1 ص 293 ، 294_نیز نصرانیوں کے ساتھ ایک اور معاہدہ بھی موجود ہے جو علی علیہ السلام کے خط مبارک سے ہجرت کے دوسرے سال میں لکھا گیا اور نصرانیوں کے ساتھ ایک اور معاہدہ بھی موجود ہے جس پرہجرت کے چوتھے سال کی تاریخ ہے جس پر معاویہ کی تحریر ہے_ لیکن یہ دونوں معاہدے قابل اعتراض ہیں خاص کر دوسرا معاہدہ کیونکہ معاویہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا تھا (جو ہجرت کے کئی سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری دور میں فتح ہوا تھا) چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: مکاتیب الرسول ج2 ص 637 و 634 و غیرہ_

ان تمام مذکورہ کلمات کو علامہ احمدی نے ذکر فرمایا ہے البتہ ہم نے بھی کچھ کمی، بیشی اور تلخیص کی ہے اور مذکورہ خط پر کیے گئے اعتراضات کے جواب کے لئے یہی بات ہی کافی ہے پس اس روایت پر اعتراض کرنے اور اس کے صحیح ہونے میں شک کرنے کی گنجائشے نہیں رہتی _

7_اہل دمشق سے خالدبن ولید کا صلح نامہ_ ابن سلام کہتاہے کہ " محمد بن کثیر نے ہمارے لئے اوزاعی سے اور اس نے ابن سراقۃ سے روایت کی ہے کہ خالدبن ولید نے اہل دمشق کو لکھا " یہ خالد بن ولید کی طرف سے اہل دمشق کے لئے (صلح) نامہ ہے میں نے ان کے خون اور اموال اور عبادت گاہوںکے متعلق انہیں امان دی "_"ابوعبید کہتاہے کہ اس میناس نے کوئی ایسی بات ذکر کی تھی جو مجھے یاد نہیں رہی ہے اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے " ابوعبیدہ جراح، شرحبیل بن حسنۃ اور قضاعی بن عامر گواہ ہیں اور یہ تحریر 13 ھ میں لکھی گئی ..."[1]_

جبکہ یہ بات واضح ہے کہ مورخین کے بقول حضرت عمرنے 16 ھ یا 17 ھ میں تاریخ وضع کی اور کوئی بھی شخص یہ دعوی نہیں کرتاکہ اس تاریخ سے پہلے عمر نے تاریخ وضع کی خصوصاً اس حقیقت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ دمشق کی فتح حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں تھی بلکہ حضرت ابوبکر کی وفات اور عمر کی خلافت کی خبر شام میں مسلمانوں کے لشکر تک پہنچنے سے پہلے ہی دمشق فتح ہوچکا تھا_

صاحبان مغازی (کیفیت غزوات کو حیطہ تحریر میں لانے والے حضرات) کے اس اختلاف کے باوجود کہ فتح دمشق 13 ھ کو ہوئی تھی یا 1 4 ھ کو، مصالحت کرنے والے ابوعبیدہ جراح تھے یا خالد بن ولید اور ان میں سے کون اس لشکر کا امیر تھا؟ ہم مذکورہ بات کے قائل ہیں کیونکہ ہمارے پاس ایسی تقریبا یقینی

---

1) الاموال ص 297 اور بلاذری نے اس کو فتوح البلدان ص 128 میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بغیر تاریخ کے ذکر کیا ہے اور اسی طرح فتوح البلدان ص 130 میں واقدی سے منقول ہے کہ خالد نے اس پر تاریخ نہیں لکھی تھی لیکن جب مسلمانوں نے یرموک پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو خالد نے نصرانیوں کے لیے صلح نامہ کی تجدید کی اور اس میں ابو عبیدہ ، شرحبیل اور یزید بن سفیان کی گواہی ثبت کی اور اس پر ربیع الثانی 15 ھ کی تاریخ درج کی اور ابن کثیر نے گواہوں میںعمرو بن عاص کا اضافہ کیا ہے_البتہ اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ تحریر ایک اور خط ہوجسے اس نے یرموک پر چڑھائی کے وقت نصرانیوں کو ان کے کلیساؤں کے تحفظ کے لئے لکھا ہو_ جیسا کہ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ج 7 ص 21 کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتاہے_

دستاویزات موجود ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ 13 ھ کو جناب ابوبکر کی وفات کی خبر لشکر تک پہنچنے سے پہلے یا کم از کم ابوعبیدہ جراح کے اس خبر کو ظاہر کرنے سے پہلے دمشق فتح ہوگیا تھا_ اور اہل دمشق کے ساتھ مصالحت کرنے والے بھی اس وقت کے سردار لشکر خالد بن ولید ہی تھے_

حتی کہ اگر اس تحریر کی تاریخ 15 ہجری بھی مان لی جائے تب بھی ہماری مدعا کے لئے نقصان دہ نہیں ہے_ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت عمر کی حکومت کا واقعہ اس کے بعد یعنی 16 ھ یا 17 ھ میں تھا_

ابوعبیدہ، ابن قتیبہ ، واقدی ، بلاذری [1] اور دوسرے بہت سے حضرات نے تصریح کی ہے کہ صلح خالد کے ہاتھ پر ہوئی اور اس سے واضح ہے کہ صلح کے وقت لشکر کا امیر وہی تھا_

بلکہ واقدی کا کہناہے کہ ان کے ساتھ خالد کے صلح کرنے کی وجہ سے ابو عبیدہ اور خالد کے درمیان سخت تکرار اور مقابلہ بازی پیش آئی _اس سے ہمارے لئے واضح ہوجاتاہے کہ خالد اپنے موقف میں کس قدر سرسخت تھا اور ابوعبیدہ اس کے مقابلہ میں کس قدر کمزور [2] _یہی چیز ہمارے اس نظریئے ساتھ بہت زیادہ ہماہنگی رکھتی ہے کہ لشکر کی قیادت اس وقت خالد کے پاس تھی_

بلکہ بلاذری و غیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ابوعبیدہ مشرقی دروازے پر تھا اور قہر و غلبہ سے شہر میں داخل ہوا تو شہر والے خالد کے پاس آئے اور اس سے صلح کرلی_ اس نے ان کے لئے تحریر لکھی اور انھوں نے اس کے لئے دروازہ کھول دیا_ پھر بلاذری نے ابی مخنف کے قول کو بھی نقل کیا ہے جو مذکورہ واقعہ کے بالکل برعکس ہے_ پھر اس کے بعد کہتاہے کہ پہلا قول نہایت مناسب ہے[3] _

ہم بھی کہتے ہیں : کہ ہاں یہی قول درست ہے کیونکہ اکثر مورخین بھی اسی کے قائل ہیں، اس بحث کی ابتداء میں مذکور صلح نامہ کی عبارت اور دیگر دستاویزات بھی اس بات پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ اہل دمشق سے صلح کرنے والا خالد ہی تھا اور وہی امیر لشکر تھا_

---

1) المعارف لابن قتیبة ص 79 ط 1390 بیروت ، فتوح الشام ج1/ ص 58 ، 59 ، فتوح البلدان از ص 128 تا ص 131 و دیگر کتب_

2) فتوح الشام ج1 ص 58 ، 60_ (3) فتوح البلدان ص 129 ، البدایة والنهایة ج7/ ص 21_

البتہ خالد کی معزولی کا حکم مسلمانوں کو اس وقت پہنچا تھاجب وہ دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو ابوعبیدہ نے تقریباً بیس دن تک اسے مخفی رکھا یہاں تک کہ دمشق کو فتح کرلیا گیا تا کہ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہنے والے مسلمانوں کو خالد کا مسئلہ کمزور نہ کردے (1)

البتہ واقدی کہتاہے کہ دمشق کی فتح حضرت ابوبکر کی وفات والی رات ہوئی (2)_

اور زینی دحلان کہتاہے : " کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کی خبر دمشق کی فتح کے بعد 13 ھ میں آئی اورحضرت ابوبکر کی وفات اسی رات ہوئی جس رات مسلمان دمشق میں داخل ہوئے اور یہ 22جمادی الثانی 13 ھ کا واقعہ ہے _ اور جو قائل ہیں کہ وفات کی خبر دمشق کی فتح کے بعد آئی وہی افراد اس بات کے قائل ہیں کہ یرموک کا واقعہ فتح دمشق کے بعد پیش آیا (3)_

اور ابن کثیر کہتاہے کہ " سیف بن عمر کی عبارت کے سیاق سے ظاہر ہوتاہے کہ 13 ھ میں دمشق فتح ہوا لیکن خود سیف عمومی نظریئے کے مطابق تصریح کرتے ہیں کہ 15 رجب 14 ھ کو دمشق فتح ہوا "(4)_

اورعبدالرحمن بن جبیر سے منقول ہے کہ ابوعبیدہ خود حضرت ابوبکر کو فتح دمشق کی خوشخبری دینے کے لئے گیا تھا لیکن حضرت ابوبکر پہلے ہی وفات پاچکے تھا او ر حضرت عمر نے اسے لشکر کا امیر بنادیا پھر جب وہ دمشق واپس آیا تو مسلمانوں نے یہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا : " ایسے شخص کو خوش آمدید جسے ہم نے قاصد بنا کر بھیجا تھا اور وہ ہم پر امیر بن کر واپس آیا ہے" (5)_

بہرحال یہ صلح نامہ اور تمام گذشتہ دستاویزات گواہ ہیں کہ اکثر مؤرخین کے مطابق خالد نے ہی اہل شام سے صلح کی تھی اور ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اگر فرض کریں کہ یہ تحریر 15 ھ میں بھی لکھی گئی ہو یا یہ دوسری تحریر ہو تب بھی واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ تاریخ حضرت عمر کی خلافت سے پہلے مقرّر کی جاچکی تھی_

---

1)البدایہ والنہایہ ج7 ص 23 و فتوح البلدان ص 127 و 129_

2) فتوح الشام ج/1 ص 58 ، ص 59_ (3) الفتوحات الاسلامیة ج/1 ص 47_

4) البدایة والنھایة ج/7 ص 22_ (5) البدایة والنھایة ج/1 ص 24_

رہی یہ بات کہ مؤرخین اور راویوں نے اس حقیقت سے روگردانی کیوں کی ؟شاید واقعات و حوادث کاپے درپے واقع ہونا اور ایک دوسرے کے نزدیک ہونا ان کے اشتباہ کا موجب بناہواور ان پر اچھا گمان کرتے ہوئے (کیونکہ ان کے متعلق اچھا گمان ہی کیا جاسکتاہے) یہی کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عمر کا دور حکومت عظیم فتوحات ا ور کشور کشائی کادور تھا اور فتح شام بھی چونکہ نہایت اہم معرکہ تھا اس لئے اسے بھی عمر کے دور حکومت میں ہونا چاہئے ، حضرت ابوبکر کے عہد میں نہیں_اور اسی طرح خالد کی شجاعت اور مختلف مواقع میں اس کی قوت و بہادری ثابت اور ظاہر کرناچاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ بلا شرکت غیرے تلوار کا دھنی ہے _ پس اس کا شام پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ شامیوں سے مصالحت کرنے والا کوئی اور ہو چاہے یہ معاملہ جھوٹ اور مکرو فریب سے ہی حل ہوا ہو _ لیکن کیا یہ مذکورہ باتیں ہی ان لوگوں کی حقیقت سے روگردانی کا حقیقی سبب ہیں _ مجھے تو نہیں معلوم لیکن شاید ذہین و فطین قارئین کو اس کا علم ہوگا_

8_ سیوطی نے ابن القماح کے ہاتھ سے تحریر شدہ مجموعہ سے ایک بات نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ابن الصلاح نے کہا ہے : "ابوطاہر محمد بن محمش الزیادی نے تاریخ الشروط میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب نجران کے نصاری کے لئے تحریر لکھی اس میں ہجرت کی تاریخ قلمبند فرمائی اور علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہ عبارت لکھیں " انہ کتب لخمس من الھجرۃ" کہ ہجرت کے پانچویں سال میں لکھی گئی ہے"_ (پھر) کہتاہے "ہجرت کے ساتھ تاریخ آپ ﷺ کی اجازت سے لکھی گئی اور تاریخ لکھنے میں حضرت عمر نے آپ ﷺ کی پیروی کی ہے"[1]

اسی طرح سیوطی کہتاہے " کہا جاتاہے یہ بات صداقت رکھتی ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے پانچویں برس تاریخ لکھی اور پہلی حدیث (زھری کی گذشتہ روایت) میں تھا کہ "آپ ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے دن تاریخ لکھی " اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں چونکہ ظرف (یوم قدم المدینۃ) فعل (امر)

---

1)الشماریخ فی علم التاریخ، سیوطی ص 10 نیز التراتیب الاداریہ ج 1 ص 181_

سے متعلق نہیں بلکہ مصدر (التاریخ) سے متعلق ہے تو اصل عبارت اس طرح ہوگی _امربان یورخ بذلک الیوم لا ان الامر کان فی ذلک الیوم یعنی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس دن سے تاریخ لکھی جائے نہ یہ کہ یہ فرمان اس دن جاری ہوا" (یعنی ہوسکتاہے کہ پانچ ہجری کو حکم دیا ہو کہ مدینہ تشریف آوری سے تاریخ شمار کی جائے _از مترجم) [1] یہ سیوطی کا کلام ہے_

لیکن اس سے واضح تر جواب یہ ہے کہ آپ نے مدینہ پہنچتے ہی تاریخ لکھنے کا حکم دیا اور ربیع الاول کو مبداء قرار دیا اور خودنبی اکرم ﷺ نے جب 5 میں نجران کے نصرانیوں کے لئے تحریر لکھی تو اس وقت اسی تاریخ سے استفادہ کیا_

بہر حال سخاوی کہتاہے کہ " اگر یہ بات ثابت ہوجائے تو عمر پیروی کرنے والا ہوگا پہل کرنے والا نہیں"[2]_

اور عباس مکی کہتاہے کہ " تاریخ ایک گذشتہ سنت اور پسندیدہ طریقہ ہے کہ جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے نجران کے نصاری کی طرف نامہ لکھتے ہوئے دیا تھا_آپ ﷺ نے علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس میں لکھیں (کتب لخمس من الھجرة) [3]_پھر ابن شہاب کی گذشتہ روایت نقل کی ہے_

9_ صحیفہ سجادیہ کی خبر سے ظاہر ہوتاہے کہ رسول اکرم ﷺ کی ہجرت کو تاریخ کا مبدا قرار دینااللہ جلّ شانہ کی منشاء کے مطابق تھاکیونکہ حدیث میں آیاہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ " آپ ﷺ کی ہجرت سے اسلام کی چکی چلے گی اور دس سال تک چلتی رہے گی اور ہجرت سے پینتیس (35) برس بعد پھراسلام کی چکی چلے گی اور پانچ سال تک چلتی رہے گی" [4]_

---

1)الشماریخ فی علم التاریخ ص 10 ، التراتیب الاداریة ج1 ، ص 181_

2) التراتیب الاداریة ج/1 ص 181_

3) نزھة الجلیس ج/1ص 21_

4) البحار ج/58 ص 351 (البتہ صفحات کی تصحیح کرنے کے بعد) سفینة البحار ج/2 ص 641 ، الصحیفة السجادیة ص 10 ، البتہ یہ روایت کئی اور اسناد سے نبی ﷺ کریم سے بھی وارد ہوئی ہے جنہیں البدایة والنھایة ج6 ص206 ، 207 ، ج/7 ص 219 ، 275 ، ص 276 ، میں ذکر کیا گیا ہے نیز ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد مطبوعہ دار الکتاب العربی ج4 ص 159 ، ص 160_ و دیگر کتب

10 _ ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :"میری ہجرت کے ساٹھ (سال) پورے ہونے پر حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کو شہید کیا جائے گا"[1]_

11 _ انس سے ایک روایت منقول ہے کہ اس نے کہا :' ' نبی اکرم ﷺ کے اصحاب نے ہمارے لئے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت کے (100) سال پورے ہونے تک تم میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا"_[2]

12_ ڈاکٹر سعاد ماہر محمد نے اپنے رسالے (مشہدالامام علی علیہ السلام فی النجف الاشرف) ص 104، ص 105 میں اہل حیرہ کے لئے خالد بن ولید کی لکھی ہوئی تحریر کا متن درج کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے (اور اگر انہوں نے فعل یا قول کے ساتھ بدعہدی اور خیانت کی تو ہم ان سے بری الذمہ ہوں گے اور (یہ تحریر) 12 ھ ماہ ربیع الاول میں لکھی گئی) _

اور یہ بات واضح ہے حیرہ کی فتح خالد کے ہاتھوں حضرت ابوبکر کے دور میں ہوئی تھی اس کا معنی یہ ہے کہ تاریخ حضرت عمر کی خلافت سے بھی پہلے وضع کی جاچکی تھی اور اس سے پہلے سے ہی استعمال بھی ہورہی تھی پس کس طرح حضرت عمر نے 16 ھ میں تاریخ معین کی ؟اور سھیلی و ابن عباس و غیرہ کے کلام سے مذکورہ بات کی تائید ممکن ہے_

13_ حافظ عبدالرزاق نے ابوھریرہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: "ہلاکت ہے عربوں کے لئے اس بد بختی سے جو ساٹھ سال پورے ہونے پر آئے گی _جب امانت کو غنیمت سمجھا جائے گا ..." [3]_

14_ اسی طرح عبدالرزاق نے ہی ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا :"جب پینتیس برس

---

1) مجمع الزوائد ج9 ص190عن الطبری اوراس کی سند میں کوئی اعتراض نہیں مگر سعد بن طریف میں اور وہ بھی خود ان کی تصریح کے مطابق اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہے تاریخ بغدادج/1ص142، الالمام ج/5ص 299، کنزالعمال ج/13ص113ط حیدر آباد،میزان الاعتدال ج/1ص212عن الطبرانی وا لخطیب و ابن عساکر ،منتخب کنز العمال (حاشیہ مسنداحمد)ج/5 ص111، مقتل الحسین خوارزمی ج/1 ص 161 ، احقاق الحق ج/11 ص 354 از گذشتہ بعض و از مفتاح النجا ص 136 قلمی نیز از المعجم الکبیر طبرانی، زندگینامہ امام حسین علیہ السلام از تاریخ دمشق با تحقیق محمودی ص 185_

2) مجمع الزوائدج/1ص 197 ، عن ابی یعلی ، یہ روایت مختلف الفاظ اور مختلف اسناد سے نقل کی گئی ہے ، لیکن ان میں لفظ (من الھجرۃ) نہیں ہے_

3)مصنف عبدالرزاق ج/11 ص 373 و 375_

پورے ہوں گے تو ایک امر عظیم حادث ہوگا پس اگر تم ہلاک ہوگئے تو اس کے لائق ہو گے اور اگر نجات پاگئے تو اس کی امید ہے اور جب ستر برس پورے ہوں گے تو تم انوکھی چیزیں دیکھوگے (1)_

ابن مسعوداور ابوہریرہ نے اس کا علم نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا ہے کیونکہ یہ غیب گوئی ہے اور یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے ہجری تاریخ مقرر فرمائی _

15_ ایک حدیث جس کے راوی موثق ہیں یہ ہے کہ : ہم ساٹھ ہجری سال کے پورے ہونے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ 60 ھ اور بچوں کی فرمانروائی سے (2)_

ابوہریرہ سے مروی ہے : " خدایا مجھے 60 ھ اور بچوں کی حکومت دیکھنا نصیب نہ کر" (3)_

16_ مالک نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جب ایک سوستر سال پورے ہوجائیں تو جدّہ میں رہائشے پذیر ہونا بہترین اقامت اختیار کرنے میں سے ہوگا (4)_

خلاصہ بحث:

گذشتہ امور سے واضح ہوجاتاہے کہ لوگوں کے درمیان مشہور یہ بات کہ حضرت عمر نے اسلامی ہجری تاریخ کی بنیاد رکھی، ناقابل قبول ، بلا دلیل اور بے بنیاد ہے_ البتہ حضرت عمر کے دور میں صرف یہ ہوا کہ ربیع الاوّل کی بجائے محرم کو ہجری سال کا مبدا قرار دیا گیا اورایسا انہوں نے یا توخود کیا تھا یا حضرت عثمان کے مشورہ سے _ جبکہ محرم (جیسا کہ سب کو معلوم ہے) زمانہ جاہلیت میں سال کا مبداء شمار ہوتا تھا(5)_ بعید نہیں کہ ہجری تاریخ جسے نبی اکرم ﷺ نے مقرر فرمائی تھی اور کئی بار لکھی بھی تھی،اس زمانہ میں تاریخ کی ضرورت کم ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مشہور نہ ہوسکی ہو اور پھر حضرت عمر نے صحابہ کو اکٹھا کیا ہو تا کہ تاریخ

---

1)مصنف عبدالرزاق ج/11 ص 373 و 375_ (2) تطہیر الجنان واللسان ص 66 1370 نیز کنز العمال ج11 ص 113_

3)الاتحاف بحبّ الاشراف ص 65 از ابن ابی شیبہ و غیرہ _ (4) لسان المیزان ج/2 ص 79_

5)البدایۃ والنہایہ ج3 ص 206 و ص 207 نیز السیرۃ النبویۃ ابن کثیر ج2 ص 288 و 289_

پر اتفاق حاصل ہوجائے [1] لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی غرض یہ تھی کہ جس تاریخ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا اور جس تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا اس کو طاق نسیان میں رکھ دیا جائے _ اس لئے کہ فلاں آدمی رومی تاریخ کا مشورہ دے رہا تھا، یہودیت سے اسلام لانے والے کچھ مسلمان ایسی تاریخ کا مشورہ دیتے ہیں جو سکندر اورہرمزان کے دورکی طرف لوٹتی ہے اور ان لوگوںسے حضرت عمر یہ مشورے لے رہے تھے حالانکہ حضرت عمر ایرانیوں سے شدید نفرت کرتے تھے لیکن پھر بھی وہ لوگ اسے ایرانی تاریخ کا مشورہ دیتے ہیں کہ جب کوئی بادشاہ ہلاک ہوجاتا تو وہ نئے بادشاہ کی تاج پوشی کے دن سے تاریخ کی ابتدا کرتے تھے_ (یعنی ...؟) کوئی مولد النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی عام الفیل کو تاریخ کا مبداء قرار دینے کا مشورہ دیتاہے واضح رہے کہ زمانہ جاہلیت کے آخری سالوں میں عرب عام الفیل سے تاریخ لکھتے تھے_ اور مسعودی کے الفاظ کے مطابق:

(و کثر منهم القول و طال الخطب فی تواریخ الاعاجم و غیرها)[2]

عجمیوں و غیرہ کی تاریخوں میں ان کے درمیان اقوال زیادہ ہوگئے اور بحث لمبی ہوگئی_

یعنی جتنے منہ اتنی باتیں ہوئیں تو محافظ دین اورحق کے علمبردار حضرت علی علیہ السلام نے مناسب وقت میں اس ہجری تاریخ کا اعلان کیا جسے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا اور خود انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی حیات طیبہ میں متعدد خطوط اور معاہدوں میں لکھا تھا_

آپ علیہ السلام کی رائے اور نظریہ کو قبول کرنے اور آپ علیہ السلام کے مشورہ کو دل و جان سے مان لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ یہ حق ہے "والحق یعلو ولا یعلی علیه" _نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت و رحلت کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کو تاریخ کا مبداء قرار دینے کی وجہ ارض شرک سے (جہاں ذلت، گمراہی اور پستی تھی) ارض

---

1) علامہ محقق سید مہدی روحانی نے اپنے مقالہ میں یہ احتمال دیا ہے اور یہ مقالہ ماہنامہ " الھادی" سال اول شمارہ نمبر 4 ص 48 میں شائع ہوا ہے_

2) التنبیہ الاشراف ص 252_

اسلام کی طرف (جہاں عزت ، شرافت اور سربلندی تھی) ہجرت کی اہمیت تھی اور انسانیت اور تاریخ کی تشکیل کے اعتبار سے یہ چیز نہایت اہمیت کی حامل ہے_ اسی طرح آپﷺ نے اس عمل سے ہرذلت آمیز رائے اور ظالم و جابر اور طاغوتی حکمرانوں سے وابستہ واقعات کو تاریخ کا مبداء قرار دینے سے اجتناب کیا _ اور بہتی گنگا کی لہروں کا دھارابننے سے بھی پرہیز کیا جبکہ عام لوگوں میں یہ چیز عام ہوتی ہے اور ان کی رگ و پے میں خون اور زندگی کی طرح گردش کررہی ہوتی ہے_

پھر عیسوی تاریخ ... کیوں؟

اس کے بعد ... ہم یہاں نہایت افسوس اور گہرے ملال سے یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ اہل مغرب اور غیر مسلم تواپنی تاریخ، تمدن اور واقعات کی حفاظت کرتے ہیں _ اور خواہ وہ کتنے ہی حقیر اور بے اہمیت ہوں کسی طرح بھی ان سے دستبردار نہیں ہوتے بلکہ انہیں پھیلانے اور دوسری قوموں میں انہیں ترویج دینے اور رائج کرنے کے درپے ہوتے ہیں _ حتی کہ اسلامی واقعات اور تاریخ کو لکھنا چاہتے ہیں تو ہجری تاریخ کو عیسوی تاریخ سے بدل کر لکھنے پر اصرار کرتے ہیں خواہ ایسا کرنے سےکتنے ہی حقائق مسخ ہوجائیں اور ان میں اشتباہ و غلطی ہوجائے_

لیکن دوسری طرف ہم ترقی ، ترقی یافتہ اور تہذیب و ثقافت و غیرہ جیسے بے وزن اور خوشنما الفاظ اور نعروں کا فریب کھاکے بہت سی بنیادی اور اساسی چیزوں سے بآسانی دستبردار ہوجاتے ہیں حالانکہ ان نعروں کے پس پردہ ہزاروں خطرات اور بربادیاں چھپی ہوئی ہوتی ہیں _ حتی کہ بعض اسلامی ممالک نے تو عربی رسم الخط کو چھوڑ کر لاطینی اور انگریزی رسم الخط کو اپنا لیا ہے _ بلکہ اپنے رنگ ڈھنگ اور لباس جیسے حیاتی اور ضروری امور کو چھوڑ کر غیروں کے اقدار اپنالئے ہیں_ بالکل یہی صورتحال ہجری تاریخ کے متعلق بھی ہے_

ہم نے کس سہولت سے ہجری تاریخ کو چھوڑ دیا ہے جب کہ یہ ہماری عزت و سربلندی کا سرچشمہ تھی

اس سے ہماری تاریخ اور ثقافت قائم تھی ہم نے اس کی جگہ عیسوی تاریخ کو اپنا لیا جو تقریباً چوتھی صدی ہجری میںیعنی اسلامی ہجری تاریخ کے وضع ہونے کے بہت عرصہ بعد ظاہر ہوئی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے دن سے نہیں بلکہ ان کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے دن سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں ۔ [1] بلکہ ایک اور دستاویز کے مطابق جناب سکندر ذوالقرنین کے دور سے اپنی تاریخ لکھتے ہیں [2] حتیٰ کہ ابن العبری نے بھی (جو عیسائیوں کے بہت بڑے پادری شمار ہوتے تھے اور کارڈینال کے درجہ کے برابر ان کا رتبہ تھا اور 685 ہجری کو فوت ہوئے انہوں نے بھی) اپنی کتاب میں عیسوی تاریخ کبھی نہیں لکھی بلکہ کئی مقالات پر تاریخ سکندری سے کتاب کو مزین کیا ۔ پس اگر اس وقت عیسوی تاریخ عام اور معروف ہوتی تو وہ اس سے ہرگز روگردانی نہ کرتے ۔ اسی طرح 902 ہجری کو وفات پانے والے سخاوی کے کلام سے بھی ظاہر ہوتاہے کہ دسویں صدی ہجری کے اوائل تک بھی میلاد مسیح کی تاریخ رائج نہیں تھی ۔

لیکن بہت سی ایسی حکومتیں ہمارے سامنے ہیں جو اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نام سے یاد کرتی ہیں اور بہت سی قومیں جو خود کو اسلام سے منسوب کرتی ہیں انہوں نے صرف عیسوی تاریخ کو اپنا رکھاہے فارسی اور رومی تاریخ کو بھی نہیں اپنایا ہے ... انہوں نے صرف تمدن و ترقی کے نام پر اور اس قسم کے دلکش اور پرفریب نعروں کی وجہ سے عیسوی تایخ کو محور نظام بنایا جبکہ اپنی عظمت و سربلندی کی اساس بتاریخ اور ثقافت کو چھوڑ دیا ہے اس طرح بہت سے عظیم اور اہم امور سے دستبردار ہوچکے ہیں جب کہ ان سے پیچھے ہٹنا نہایت دشوار اور خطرناک ہے ۔

نکتہ:

ایک روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کانون (رومی مہینہ) کی چوبیس تاریخ کو ہے (آپ علیہ السلام کیا فرماتے ہیں ؟) جس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: " وہ

---

1)الاعلان بالتوبیخ لمن یذم التاریخ ص 83 ۔

2)نزہۃ الجلیس ج1 ص 22 نیز ملاحظہ ہو کنز العمال ج 10 ص 195 از مستدرک و از کتاب الادب صحیح بخاری ۔

جھوٹ کہتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی ولادت حزیران (رومی مہینہ) کے نصف میں ہوئی جو گردش ایام کے حساب سے آذر (فارسی مہینہ) کا بھی نصف بنتاہے" [1] (جس سے معلوم ہوتاہے کہ فارسی اور رومی مہینے، عیسوی مہینوں سے پہلے اور معروف تھے کہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائشے کو ان تاریخوں سے مطابقت دے رہے ہیں _ اور یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ وہ صحیح مطابقت نہیں دے پائے_ از مترجم)

مخلصانہ اپیل

ہم امت مسلمہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے امور اور تقویم (کیلنڈروں) میںہجری تاریخ کو اپنائیں چونکہ اس طرح ان کا ماضی ان کے حال سے متصل ہوجائے گا اور یہی چیز انہیں ان کی عزت و سربلندی کا راز یاد دلائے گی اور یہی وہ دین ہے جسے اللہ تعالی نے ان کے لئے اور تمام انسانیت کے لئے اختیار فرمایا ہے_ علاوہ ازیں اگر فرض کریں کہ تاریخ کا مبداء بڑے اور عظیم واقعات ہونے چاہئیں تو پھر کونسا واقعہ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کے ظہور سے عظیم تر ہے اور کونسا بڑا واقعہ اس عظیم واقعہ کی برابری کرسکتاہے_

علامہ مجلسی (رہ) کا کہنا ہے : (ہجری تاریخ کو اپنانے کی) اصلی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ (ہجرت) اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا ابتدائیہ، دینی احکام کے ظہور کا افتتاحیہ، مشرکوں کی قید سے مسلمانوں کی رہائی کی شروعات اور ہجرت کے بعد دین مبین کے قواعد کی تاسیس جیسے دوسرے اہم کاموں کا ابتدائیہ تھی" [2]_

میں امت اسلامی خصوصاً عربوں سے گزارش کرتاہوں اگر ہم دینی لحاظ سے بھی اس سے صرف نظر کرلیں تب بھی عرب ہونے کے ناطے اس کو اہمیت دینی چاہئے اور اس مقام پر انہیں سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

---

1) بحارالانوار ج75 ص 36 ، تحف العقول ، مختصر التاریخ ابن کازرونی ص 67 اور مروج الذہب ج2 ص179 و ص 180_

2) بحارالانوار ج85 ص 351_

کا بہترین قول یاد دلاتاہوں کہ آپؑ نے فرمایا:

(ان لم یکن لکم دین و کنتم لا تخافون المعاد فکونوا احراراً فی دنیاکم ھذہ و ارجعوا الی احسابکم ان کنتم عرباً کما تزعمون) (1)

اگر تم کسی دین کے قائل نہیں اور قیامت کا خوف نہیں رکھتے تو کم از کم اپنی اس دنیا کے معاملے میں تو آزاد رہو اور اپنے آباء و اجداد کے محاسن ومفاخر کو مدّنظر رکھو اگر تم اپنے آپ کوعرب سمجھتے ہو_

بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ وہ انہیں ان کا بہترین منشور عطا فرمائے اور اپنی عقول و ضمائرسے راہنمائی حاصل کرنے والوں میںقرار دے_

اگروہ ہر چیز میں دوسروں کی تقلید کرنا چاہتے ہیں تو اس معاملے میں بھی ان کی تقلید کریں یعنی دوسروں کی تقلید اس طرح کریں کہ ہم اپنے عظیم تمدن اور اعلی روایات سے دستبردار نہ ہونے پائیں تاکہ دوسروں کے دست نگر نہ ہوں اور ایسی چیزیں اخذ نہ کریں جن کا نقصان ان کے فائدے سے زیادہ ہو_

"قل ھذا سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرة اناومن اتبعنی"

2_ مدینہ میں مسجد کی تعمیر :

مسجد والی جگہ یا تو رسول اکرم ﷺ نے خریدی تھی یا آپ ﷺ کو ہدیہ کی گئی تھی ، اس بارے میں کہا جاتاہے کہ اس جگہ قبیلہ خزرج کے دو یتیم بچوں کے اونٹوں کا باڑہ تھا اور وہ بچے اسعد بن زرارہ یا کسی اور شخص کے زیر کفالت تھے، ایک قول کے مطابق آپ ﷺ نے یہ جگہ دس دینار میں خریدی _

وہاں آنحضرت ﷺ نے مسجد کی بنیاد رکھی، آپ ﷺ بہ نفس نفیس اپنے اصحاب کے ساتھ مل کر(مدینہ کے

---

1)اللہوف ص50 نیز مقتل الحسین مقرم ص 335 ازلہوف_

مضافات میں) سیاہ پتھروں پر مشتمل "حرّہ" نامی زمین سے پتھر اٹھاکر لاتے تھے، اس کام میں آپ ﷺ کی شرکت کی وجہ سے اصحاب اور زیادہ کوشش اورتگ و دو سے کام کرتے تھے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے یہ شعر پڑھا_

لئن قعدنا و النبی یعمل

لذاک منا العمل المضلل

(اگر ہم آرام سے بیٹھ جائیں اور رسول اکرم ﷺ کام میں مشغول رہیں (تو یہ درست نہیں) لہذا ہم اسی وجہ سے سخت طاقت فرسا کام میں مصروف ہیں)_

مسجد کی تعمیر کے وقت مسلمین یہ رجز پڑھ رہے تھے_

لا عیش الا عیش الآخرة

اللّهم ارحم الانصار والمهاجرة

(زندگی تو صرف آخرت اور جنت کی ہی زندگی ہے، خدایا انصار و مہاجرین پر رحم فرما)

اور اسطرح کے دیگر اشعار[1] آنحضرت ﷺ نے مسجد کا طول و عرض تقریباً سوسو ذراع (ہاتھ)قرار دیا [2] ایک اور قول کے مطابق طول ستر ذراع (ہاتھ)[3] اور عرض ساٹھ ذراع قرار دیا[4] ، احتمال ہے کہ یہ دونوں قول صحیح ہوں اور وہ اس طرح کہ پہلی دفعہ تعمیر کرتے وقت آپ نے لمبائی میں ستر اور چوڑائی میں ساٹھ ذراع پر بنیادیں رکھی ہوں جبکہ تعمیر نو کے وقت اس میں توسیع کردی ہو[5]_

رسول اکرم ﷺ نے مسجد کے اطراف میں اپنے اور اپنے اصحاب کے گھر بنائے شروع میں ہر گھر کا دروازہ مسجد کے صحن کی طرف کھلتا تھا لیکن بعد میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے گھر کے علاوہ باقی تمام دروازے بند کردیئے گئے ، انشاء اللہ بعد میں ہم اس بات کی زیادہ وضاحت کریں گے _ آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم یہاں مؤرخین کے بعض اقوال کا جائزہ لیں_

---

1) السیرة الحلبیة ج2ص 65 ص 64 و 67 و 71_ (2)یعنی تقریباً 91 میٹر سے کچھ زیادہ طول اور اتنا ہی عرض (مترجم)

3)یعنی تقریباً 67 میٹر کے لگ بھگ (مترجم) (4)یعنی تقریباً 49 میٹر سے کچھ کم (مترجم)

5)وفاء الوفاء ج1 ص 340 اور اس کے بعد _ نیز ملاحظہ ہو: تاریخ الخمیس ج1 ص 365 و 366 اور التراتیب الاداریہ ج2 ص 77_

الف: حضرت ابوبکر اوردس دینار:

اہل سنت مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسجد کی جگہ کو خریدنے کیلئے حضرت ابوبکر نے دس دینار ادا کیے[1]_

لیکن ہماری نظر میں یہ بات مشکوک ہے اس لئے کہ :

اولاً: حضرت ابوبکر کی مالی حالت اس قدر مستحکم نہ تھی کہ وہ یہ رقم ادا کرسکتے، اگر فرض کریں کہ ان کی مالی حالت بہتر تھی تب بھی ہمیں شک ہے کہ انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہو اور اس کی دلیل ہم واقعہ غار میں ذکر کرچکے ہیں_

ثانیاً:اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو بھی اس کے برعکس کچھ اور روایات بھی موجود ہیں _ جن میں سے ایک روایت کے مطابق اسعد بن زرارہ نے اس زمین کے بدلے میںبنی بیاضہ میں اپنا کھجور کا ایک درخت ان یتیموں کو دیا تھا، جبکہ دوسری روایت میں آیاہے کہ ابوایوب نے کسی طرح انہیں راضی کیا تھا اور تیسری روایت کے بقول معاذ بن عفراء نے یہ کام انجام دیا تھا [2]_

بعض مؤرخین نے احتمال دیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر نے زمین کی قیمت ادا کی ہو جبکہ بعض دیگر صحابہ نے محض اجر و ثواب اور نیکی کے طور پر زمین کی اصل قیمت کے علاوہ ان یتیموں کو یہ سب کچھ دیا ہو[3]_

لیکن یہ احتمال بھی دیا جاسکتاہے کہ دیگر صحابہ نے زمین کی اصل قیمت ادا کی ہو اور حضرت ابوبکر نے صلہ و نیکی کے طور پر کچھ رقم ادا کی ہو، اس طرح پہلے احتمال کو اس دوسرے احتمال پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ، علاوہ ازیں یہ احتمال روایت میں موجود کلمہ "عوضھما" کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اس لئے کہ اس کلمے سے واضح ہوتاہے کہ ایک تو یہ چیز زمین کی قیمت تھی اور دوسرا وہ رقم اس زمین کے بدلے میں تھی نیکی اور صدقہ کے طور پر نہیں تھی_

ثالثاً : صحیح بخاری و غیرہ میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بنی نجار کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا

---

1)سیرہ حلبیہ ج2 ص 65_

2) البدایۃ و النہایۃج 3ص315 ، وفاء الوفاء ج1ص323 و ص 324، (روایت ابن حجر) ، السیرۃ الحلبیۃ ج 2ص 65_

3) السیرۃ الحلبیۃ ج2ص 65 ، وفاء الوفاء ج1ص 323 ، 324_

کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ اس زمین کے محدودے کی قیمت طے کریں_ تو انہوں نے جواب دیا :" قسم بخدا ہم خدا کے علاوہ کسی اور سے اس زمین کی قیمت وصول نہیں کریں گے" [1] _

ب: پتھر اور خلافت

حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ مسجد کیلئے سب سے پہلا پتھر خود رسول اکرم ﷺ اٹھاکر لائے تھے پھر دوسرا پتھر حضرت ابوبکر (تیسرا حضرت عمر [2])اور چوتھا حضرت عثمان اٹھاکر لائے ، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے رسول اکرم صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم سے عرض کی : "کیا آپ ﷺ ان کی طرف نہیں دیکھتے کہ یہ کس طرح آپ ﷺ کی مدد کررہے ہیں "؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا : "اے عائشہ ، میرے بعد یہ میرے خلیفہ ہوں گے ... "یہ حدیث شیخین کے معیار کے مطابق صحیح ہے لیکن خود انہوں نے اسے ذکر نہیں کیا [3] _

اس روایت کے الفاظ میں موجود تضاد و تناقض کے علاوہ درج ذیل امور کی بنا پر اس حدیث کا صحیح ہونا ہرگز ممکن نہیں_

اولاً : ذہبی اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں : اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو یہ تینوں خلفاء کی خلافت پر نصّ ہوتی جبکہ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ، اس لئے کہ حضرت عائشہ اس وقت ایک کم سن پردہ نشین بچی تھیں اور ابھی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہی نہیں ہوئی تھیں ، پس ان سے اس حدیث کو منسوب کرنا، اس حدیث کے جھوٹے ہونے پر دلالت کرتاہے [4] _البتہ ہم ان کے کم سن ہونے والی بات پر اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں_

ابن کثیر کہتے ہیں : "اس سیاق و سباق کے ساتھ یہ حدیث بالکل عجیب وغریب ہے" [5] _

---

1) صحیح البخاری ج1ص 57 ، تاریخ الطبری ج2ص 116 ، الکامل لابن اثیرج 2 ص110 وفاء الوفاء ج 1ص 323 _ نیز التراتیب الاداریہ ج2 ص 77_

2) حضرت عمر کا ذکر صرف تلخیص المستدرک کی روایت میں ہوا ہے_

3) مستدرک الحاکم ج3ص96 ، 97 ، وفاء الوفاج 1ص332 ، 333 ، 351 ، البدایة والنہایة ج3 ص 218 ، اورج 6ص 204 (انہوں نے وضاحت کی ہے کہ یہ واقعہ مسجدمدینہ کی تعمیر کے وقت پیش آیا) السیرة الحلبیةج 2ص 56 ، 66 ، تاریخ الخمیس ج1ص 344 ، 343 نیز دلائل النبوة بیہقی ج 2ص 272_

4) تلخیص المستدرک ذہبی ج 3ص 97 (مستدرک الحاکم ج3 ص 97کے حاشیے پرمطبوع)_ (5) البدایة والنہایة ج3ص 218 _

ثانیاً:حدیث سفینہ پر اشکال و اعتراض کرتے ہوئے بخاری نے " خلافت اور پتھر" کی حدیث [1] کے بارے اپنی تاریخ میںلکھا ہے :_

ابن حبان نے اس حدیث کو قبول نہیں کیا کیونکہ حضرت عمر ، حضرت عثمان اور حضرت علی علیہ السلام (البتہ یہ انہی لوگوں کے الفاظ ہیں) کہا کرتے تھے : " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا "[2]_

یہاں بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس لحاظ سے یہ حدیث خود اہل سنت کے اس عقیدے سے بھی تضاد رکھتی ہے کہ جس کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو کسی شخص کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا تھا اور نہ ہی خلافت کے بارے میں کوئی وضاحت فرمائی تھی ، اور اسی بناپر اہل سنت حضرت ابوبکر کے ہاتھ آنے والی خلافت کو درست قرار دیتے ہیں_ بلکہ حضرت عائشہ سے یہ روایت بھی منقول ہے : " اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے تو (میرے خیال میں) ضرورحضرت ابوبکر و حضرت عمرکوہی خلیفہ مقرر فرماتے" اس حدیث کو ذہبی اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے[3]_

علامہ امینی علیہ الرحمہ نے اپنی گراں قدر تصنیف " الغدیر" (ج/5 ص 357 تا 375) میں علمائے اہل سنت کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خلافت ایک انتخابی امر ہے (یعنی معاملہ لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ دیا گیا ہے) پس یہ حدیث ان کے مذہب کے مطابق بھی جھوٹی ہے اور حقیقت میں بھی جھوٹی ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کا واضح اعلان فرمایا اور اس بارے میں بے شمار روایات منقول ہیں انہی روایات کے ذریعے امیرالمؤمنین علیہ السلام ، آپ علیہ السلام کے اصحاب ، اہل بیت ، آپکی اولاد اور آپ علیہ السلام کے شیعہ ، اس وقت سے آج تک آپ علیہ السلام کی خلافت پر استدلال کرتے چلے آرہے ہیں، شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہوکہ جس میں ان بے شمار متواتر روایات یا خبر واحدمیں سے کوئی روایت نقل نہ کی گئی ہو[4]_

---

1) مستدرک الحاکم ج3 ص 13_ (2) السیرة الحلبیہ ج 2ص66_

3) مستدرک الحاکم ج3 ص 78_

4)بطور مثال ملاحظہ ہو: الغدیر ج1 ص 195 ا ص 213_

ثالثاً : اس روایت کے مطابق مسجد کی تعمیر میں سب سے پہلے پتھر رکھنے والوں میں حضرت عثمان بھی شامل تھے لیکن خود اہل سنت کے مؤرخین کے بقول حضرت عثمان اس وقت حبشہ میںتھے اور مدینہ میں موجود نہ تھے جیسا کہ سمہودی نے اس طرف اشارہ کیا ہے اسی وجہ سے سہیلی نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے حضرت عثمان کو حذف کرتے ہوئے اس کے نام کو ذکر نہیں کیا [1]_

اور جب حاکم کی کتاب طبع ہوئی تو اس روایت میں سے حضرت عثمان کا نام حذف کردیا گیا اس کے پیچھے بھی شاید یہی راز پوشیدہ تھا ، حالانکہ ذہبی نے اپنی تلخیص میں اس روایت کو ذکر کیا ہے _اور اسے تحریف کہا جاتاہے جو دین، امت اور کسی فرقے کے حقائق کے ساتھ خیانت میں شمار ہوتی ہے_

کیونکہ بطور خلاصہ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عثمان اگر چہ اہل مکہ کے اسلام لانے کی خبر سن کر مکہ پلٹ آئے تھے لیکن حقیقت حال کا پتہ چلنے پردوبارہ واپس حبشہ چلے گئے تھے ، جیسا کہ خود اہل سنت مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی [2] عسقلانی کہتے ہیں :" جب حبشہ میں موجود مسلمانوں کو آنحضرتﷺ کی ہجرت کا علم ہوا تو ان میں سے تیس آدمی واپس مکہ لوٹ آئے ، ان میں ابن مسعود بھی تھے ، جو اس وقت مکہ پہنچے جب نبی اکرم ﷺ جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے [3] (تو پھر عثمان کہاں سے شریک ہوسکتے ہیں؟)_

ج: حضرت عثمان اور حضرت عمار:

مؤرخین لکھتے ہیں : حضرت عثمان بہت صفائی پسند اور صاف ستھرے رہنے والے آدمی تھے، جب مسجد کی تعمیر کیلئے اینٹیں اٹھاتے تو انہیں اپنے کپڑوں سے دور رکھتے تھے اور جب اینٹوں کو مسجد کے پاس رکھتے تو

---

1) وفاء الوفاء ج1 ص 252 _

2) طبقات ابن سعد ج 1حصہ اول ص138 ، الکامل لابن اثیرج3ص185،البدء والتاریخ ج1ص22،اس کتاب کی روایت کے مطابق حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کے وقت کشتی میںحضرت عثمان کی زوجہ حضرت رقیہ کا حمل گر گیا تھا _

3) فتح الباری ج7ص145_

اپنی آستینوں کو جھاڑتے اور اپنے کپڑوں کو دیکھتے کہ کہیں ان پر مٹی تو نہیں لگی ، اگر مٹی لگی دیکھتے تو اسے جھاڑ دیتے تھے، حضرت علی علیہ السلام ابن ابیطالب نے انہیں دیکھ کر یہ اشعار پڑھے_

لا يستوی من يعمر المساجدا

يدأب فيها قائماً و قاعداً

و من يرى عن التراب حائداً

(وہ شخص جو مساجد کی تعمیر میں کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر نہایت کوشش و مشقت سے کام کرتاہے اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو مٹی سے دور رہنے کی کوشش کرتاہے)_

جب حضرت عمار یاسر نے یہ اشعار سنے تو انہوں نے ان اشعار کو دہرانا شروع کردیا ، اگر چہ انہیں معلوم نہ تھا کہ ان اشعار سے مراد کون ہے؟ اسی اثناء میں جب وہ حضرت عثمان کے پاس سے گزرے تو حضرت عثمان(جن کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھڑی تھی) نے ان سے کہا : "اے سمیہ کے بیٹے یہ کس کی عیب جوئی کررہے ہو؟" پھر کہا :" چپ ہوجاؤ ورنہ (یہی چھڑی) تیرے چہرے پر مارونگا"_ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لی ، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ ام سلمہ کے سائے میں تشریف فرماتھے، یا ایک اور روایت کے مطابق اپنے حجرہ کے سائے میں آرام کررہے تھے، یہ سن کر آنحضرت سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا: "بے شک عمار بن یاسر میری ناک اور آنکھوں کے درمیان موجود جلد (پیشانی) کی مانند ہیں"_ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو آنکھوں کے درمیان اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا: "جب کوئی شخص اس مقام تک پہنچ جائے تو یہ قربت کی انتہا ہے"_

یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو انہیں آزار و اذیت پہنچانے سے باز رکھا، پھر لوگوں نے حضرت عمار سے کہا : "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی وجہ سے ہمارے ساتھ ناراض اور غضبناک ہوئے ہیں، ہمیں ڈر ہے کہیں ہمارے بارے میں کوئی قرآنی آیت نازل نہ ہوجائے" حضرت عمار نے کہا : "جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض و غضبناک ہوئے ہیں میں ابھی اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرتاہوں"_

پھر حضرت عمار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی : "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو مجھ سے کیا

دشمنی ہے؟ "_ آپ ﷺ نے فرمایا :" ان کی طرف سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟ "عرض کی :" وہ میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں ، خود تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں جبکہ میرے اوپر دو دو تین تین اینٹیں لاد دیتے ہیں"_

آنحضرتﷺ نے حضرت عمار کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کے اندر چکر لگایا آپ ﷺ نے ان کے بالوں سے خاک جھاڑتے ہوئے فرمایا : "اے ابن سمیہ تمہیں میرے اصحاب قتل نہیں کریں گے بلکہ تم ایک باغی گروہ کے ہاتھوں قتل ہوگے [1] ..."_

کیا حضرت عثمان حبشہ میں نہ تھے؟

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ حضرت عثمان مسجد کی تعمیر کے وقت وہاں موجود نہ تھے اور اس وقت وہ حبشہ میں تھے_

شاید یہی وجہ ہے کہ عسقلانی اور حلبی نے حضرت عثمان بن عفان کی جگہ اس روایت میں عثمان بن مظعون کا نام ذکر کیا ہے _[2]

ہم اس سوال اور اعتراض کا جواب دینے سے پہلے گذشتہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے چلیں کہ اس کی یہ توجیہ کرنا بھی نامناسب ہے کہ " رسول اکرم ﷺ ایک سال یا سات ماہ تک ابوایوب کے ہاں قیام پذیر رہے اور اسی دوران آپ اپنے گھر اور مسجد کی تعمیر میں مصروف رہے، ممکن ہے کہ اس وقت یہ خبر حبشہ میں مہاجرین تک پہنچی ہو اور اس دوران وہ مدینہ آتے رہے ہوں اور شاید حضرت عثمان بھی ان میں سے ایک ہوں وہاں انہوں نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور مذکورہ واقعہ پیش آیا ہو، اگر چہ مسجد کی بنیاد رکھتے وقت اور خلافت کے پتھر رکھنے میں وہ شریک نہ ہوسکے ہوں"_

بہر حال ہمارے نزدیک یہ بعید ہے کہ مسلمان اتنے طویل عرصہ تک مسجد کی تعمیر میں مصروف رہے ہوں

---

1) سیرة ابن هشام ج2ص142، تاریخ الخمیس ج1ص 345 ، اعلاق النفیسة ، وفاء الوفاء ج1ص 329 ، السیرة الحلبیة ج2ص72 ، علامہ امینی نے " الغدیر" کی نویں جلد میں (ص 21 سے 27 تک) اس واقعہ کے بہت زیادہ مصادر و منابع ذکر کئے ہیں، ہم نے صرف چند ایک ذکر کئے ہیں ، مزید تحقیق کیلئے " الغدیر" ج9 کی طرف رجوع فرمائیں_

2) السیرة الحلبیة ج 2ص71 ، حاشیہ سیرت النبی ﷺ ابن هشام ج 2ص142_ از مواهب اللدنیہ_

اس لئے کہ وہ دسیوں کی تعداد میں تھے اور اہل مدینہ میں سے اسی [80] سے زیادہ افرادتو مقام عقبہ پر آنحضرتﷺ سے بیعت کرچکے تھے_

صحیح بات یہ ہے کہ ظاہراً حضرت عمار اور حضرت عثمان کا مذکورہ واقعہ مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت پیش آیا اور یہ جنگ خیبر کے بعد کی بات ہے یعنی ہجرت کے ساتویں سال[1] اور درج ذیل امور اسی بات کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں:

اولاً: بیہقی نے اپنی کتاب" الدلائل" میں روایت کی ہے کہ جب حضرت عمار قتل کردیئے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اپنے والد(عمرو بن العاص) سے کہا: "اس شخص (حضرت عمار) کو ہم نے قتل کیا ہے جبکہ رسول اکرمﷺ نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا وہ بھی پتاہے"_ اس کے والد نے پوچھا:" تم کس شخص کی بات کررہے ہو؟ "تو اس نے جواب دیا : "عمار یاسر کی" پھر کہا : "کیا تمہیں یاد نہیں جب رسول اکرمﷺ مسجد تعمیر کررہے تھے تو اس وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھاکر لارہے تھے جبکہ عمار یاسر دو دو اینٹیں اٹھالاتا تھا چنانچہ اسی دوران جب وہ آنحضرتﷺ کے پاس سے گزرا تو آپﷺ نے فرمایا کہ تم دو دو اینٹیں اٹھاکر لارہے ہو حالانکہ تمہارے لئے یہ ضروری نہیں ہے جان لو کہ تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور تم اہل جنت میں سے ہو"_ پھر عمرو معاویہ کے پاس گیا ... الخ_[2]

سمہودی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:" اس بات سے پتہ چلتاہے کہ دوسری بار مسجد کی تعمیر کے وقت رسول اکرمﷺ نے حضرت عمار کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا، اس لئے کہ عمرو نے ہجرت کے پانچویں برس اسلام قبول کیا تھا "[3]_

عبدالرزاق و غیرہ سے مروی ہے کہ عمرو بن عاص معاویہ کے پاس گیا اور اس نے معاویہ سے کہا کہ ہم

---

1) وفاء الوفاء ج 1ص338_

2)تذکرة الخواص ص 93 از طبقات ابن سعد، الفتوح ابن اعثم ج3 ص 119 و 130 ، الثقات ابن حبان ج2 ص 291 ، انساب الاشراف ; با تحقیق محمودی ج 2 ص 313و ص 317 ، طبقات ابن سعد ج3 حصہ اول ص 180 و 181 المصنف ابن ابی شیبہ ، مسند احمد بن حنبل ج 2 ص 164 ، حاشیہ انساب الاشراف ج 2 ص 313 ; تحقیق محمودی،المناقب خوارزمی ص 160 ، وفاء الوفاء ج1 ص 331و 332_

3) وفاء الوفاء ج1 ص 331 و 332_

نے سنا کہ رسول اکرم ﷺ عمار کے بارے ہیں فرمارہے تھے: "اسے (عمار کو) ایک باغی گروہ قتل کرے گا"[1]_

اور معاویہ کے پاس دو آدمی آئے جو حضرت عمار کے سر کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے ، عبداللہ بن عمرو بن العاص نے انہیں دیکھ کر کہا :" عمار کے سر کی بابت تمہیں اپنے ساتھی کے لئے راضی ہو جانا چاہئے ، کیونکہ میں نے عمار کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : " عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا _" اس پر معاویہ نے عمرو سے کہا: "تو اپنے اس پاگل کو ہم سے دور کیوں نہیں کرلیتا "[2]_

اور یہ واضح ہے کہ حضرت عمار کا واقعہ ایک ہی دفعہ اور ایک ہی مناسبت سے پیش آیاہے_

ثانیاً: خود روایت میں قرینہ موجود ہے جس سے واضح ہوتاہے کہ یہ واقعہ مسجد کی دوبارہ تعمیر کے دوران پیش آیا تھا، کیونکہ روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ اس وقت حضرت ام سلمہ کے حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی تھی اور اس کے بعد اپنے حجرے تعمیر کئے تھے[3] نیز آپ ﷺ نے یہ گھر اکٹھے تعمیر نہیں کئے تھے بلکہ ضرورت کے ساتھ ساتھ انہیں تدریجی طور پر تعمیر کیا تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کا حجرہ تعمیر کیا گیا [4] اور اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائشے نہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہونے کے کافی دیر بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ کیلئے حجرہ تعمیر کیا تھا_

---

1) المصنف ج11ص240 ، مجمع الزوائدج 9ص 297 ،ج 7ص242 ، (امام احمد کی مسند اور طبرانی سے روایت نقل ہوئی ہے)_

2) انساب الاشراف ج2ص313، مسند احمد،مسند عبداللہ بن عمرو، مصنف ابن ابی شیبہ اور فتح الباری کے علاوہ دیگر بہت سے مصادر و منابع میں یہ روایت نقل ہوئی ہے_

3) زاد المعاد ج1ص25 ، السیرة الحلبیة ج2 ص87 _

4) تاریخ الخمیس ج1ص346 ، وفاء الوفا ج 2ص 458 وفاء الوفاء کے صفحہ 462 پر ذھبی سے نقل ہواہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حضرت سودہ کا گھرتعمیر کیا ، پھر جب حضرت عائشہ کیلئے گھر کی ضرورت پڑی تو ان کے لئے گھر تعمیر کردیا، اسی طرح مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے باقی گھر تعمیر کروائے_

آنحضرت ﷺ کی طرف سے عمار کی نصرت و تائید کا راز:

اس قصے سے ظاہر ہوتاہے کہ اس وقت مسلمان شعور و ادراک کے اس درجہ پر فائز تھے کہ وہ اپنے اس عمل کو اپنی دنیا کیلئے نہیں بلکہ ذخیرہ آخرت سمجھتے ہوئے انجام دیتے تھے اور ان کے اعمال اور افکار و نظریات میں آخرت ہی کو اولین و آخرین مقام حاصل ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور اس کے علاوہ اصلاً زندگی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، اور وہاں کی ناکامی ہی حقیقی ناکامی اور خسارہ ہے ..."

اللّهم لا عیش الا عیش الآخرة

فارحم الانصار و المهاجرة

(حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اے اللہ مہاجرین و انصار پر اپنی رحمتیں نازل فرما)_

آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث[1] کے مطابق حضرت عمار کا پورا وجود نور ایمان سے منور تھا، راہ خدا میں انہوں نے بہت سی مشکلات اور تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے دین و عقیدے کی خاطر خلوص دل سے مصروف عمل رہے ، چنانچہ جب بعض افراد کی طرف سے حضرت عمار کو دھمکیاں دی گئیں تو ایسے میں آنحضرت کی طرف سے ان کی حمایت و نصرت ،ان کے اعمال و افکار کی تائید تھی اور دھمکیاں دینے والے نیز تعمیر مسجد کے وقت اپنے آپ کو مٹی اور گرد و غبار سے بچانے والے کا عمل بتارہا تھا کہ وہ ایمان کے لحاظ سے مطلوبہ سطح فکر کا حامل نہیں تھا اور دنیا ہی اس کیلئے سب کچھ تھی جیسا کہ اس شخصیت کے بعد کے اعمال و کردار نے اس بات کو روز روشن کی طرح عیاں کردیا_

ان حالات میں رسول اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت عمار کی نصرت و حمایت اس بات پر دلالت کررہی تھی کہ حضرت عمار اپنے دین اور عقیدے کی راہ میں خلوص دل سے جہاد و کوشش میں مصروف تھے_

یہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ حضرت عثمان نے حضرت عمار کی تحقیر و توہین کے ارادے سے انہیں ان کی ماں کی نسبت سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا : " اے سمیہ کے بیٹے یہ کس کی عیب جوئی کررہے ہو" حالانکہ حضرت عمار کی والدہ محترمہ وہ پہلی مسلمان خاتون ہیں جو شہادت کے عظیم

---

1)البدایہ والنہایہ ج7 ص 312 ، سنن نسائی ج8 ص111 ، الاصابہ ج2 ص 512 ، تہذیب التہذیب ج7 ص 409 ، حلیة الاولیاء ج1 ص 139 ، سنن ابن ماجہ ج1 ص 52 والاستیعاب (بر حاشیہ الاصابہ) ج2 ص 478_

منصب پر فائز ہوئیں اور جنہیں ان کے دین و عقیدے کی بناپر ظلم و تشدد کے ذریعہ شہید کردیا گیا ۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمار کے حامی و ناصر حضرت رسول اکرم ﷺ جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو آپ ﷺ بھی ان کی صابرہ اور مجاہدہ ماں کی عظیم شان و منزلت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں والدہ سے نسبت دیتے ہوئے فرماتے ہیں : "یابن سمیة لا یقتلک اصحابی ... الخ"۔

پہلے مسجد کی تعمیر کیوں؟

غور طلب بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ میں سب سے پہلے جس کام کو شروع کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی اور اس کام کی بڑی اہمیت اور خاص وجہ تھی اوراس کی وجہ یہ تھی کہ :

اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ تھے ، مہاجرین اور انصار۔ یہ دو گروہ فکری ، روحانی، اقتصادی، اور عادات و اطوار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے، خود مہاجرین بھی مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو آپس میں فکری، معاشرتی ، مادی اور روحانی لحاظ سے الگ الگ صفات و خصوصیات کے حامل تھے،نیز انہوں نے اپنا گھر با ر چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کرلی تھی اور اب وہ بے وطن اور بے گھر ہوچکے تھے۔ اسی طرح انصار بھی ایک دوسرے پر غلبہ و تسلط کے متمنی دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ماضی قریب میں کئی دفعہ ان کے درمیان تباہ کن جنگیں بھی ہوچکی تھیں۔

اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتاہے کہ منزل و مقصود کے حصول میں اہداف، رسومات اور محسوسات و غیرہ کا اثر بہت ہی بنیادی ہے لہذا ان امور میں نظم و انسجام بہت ضروری ہے۔

اور اسلام تمام لوگوں کے عقائد و نظریات کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے تا کہ وہ سب ایک ہی جسم کی مانند ہوجائیں اور ہر قسم کی مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔ نیز ان کی کوششیں ، اہداف ، اغراض و مقاصد ، موقف اور حرکات و سکنات سب یک سو ہوجائیں۔ اور یہ چیز ایک دوسرے کے ساتھ رہن سہن کو ممکن بنانے کے لئے ان لوگوں کی نفسیاتی ، اخلاقی اور فکری تربیت کی ضرورت کو مزید واضح کردیتی

ہے۔ تا کہ وہ لوگ ایک پروردگار ، ایک ہدف اور ایک مقصد رکھنے والی امت کے بنیادی عنصر یعنی معاشرے کو خود کفیل اور ہم نوا بنانے کے لئے اپنا بھر پور کردار ادا کرسکیں۔ اور یہ معاشرہ مدینہ کے یہودیوں ، عربوں اور مشرکوں بلکہ پوری دنیا سے در پیش خطرات کے مقابلے میں رسول ﷺ اور رسالت کی حمایت ،حفاظت اور دفاع کر سکے۔ اس لئے اس معاشرے کے فکری اور مادی وسائل اور طاقتوں کو ایک ہی ہدف یعنی رسالت کی خدمت کے لئے ڈھالنا ضروری تھا۔

اور مسجد ہی وہ جگہ ہے جہاں یہ سب اہداف حاصل ہوسکتے ہیں کیونکہ مسجد صرف عبادت ہی کی جگہ نہیں ہے ، بلکہ وہ فکری اور ذہنی تربیت اور تہذیب کا ایک بہترین اور اعلی مقام ہے۔ بلکہ ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ وہ آج بھی ثقافتی ، فکری اور نظریاتی اتحاد اور انسجام کا بہترین ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب فرض یہ ہے کہ یہ تعلیمات ایک ہی سرچشمہ سے بیان ہوئی ہیں اور زندگی کے تمام مراحل میں ان کا صرف ایک ہی مقصد ہے ساتھ ہی ذہنوں میں اللہ تعالی کا تقدس اور اس سے رابطہ کا تصور ہو، تو اس سے مسلم معاشرہ اس فکری تصادم سے بچ سکتا ہے جو ہر کسی کی اپنی ثقافت کی وجہ سے پیش آنے والی ثقافتی عدم ہم آہنگی سے پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے پھر مفاہیم، افکار اور ذہنی اور دیگر سطح کی جنگ چھڑ جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ خلا اور دوریاں بڑھتی رہتی ہیں پھر تو واضح طور پر ان اہداف اور ان علامات و غیرہ میں عدم ہم آہنگی نظر آتی ہے جن کا ہدف تک پہنچنے میں بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔

پس مسجد انسانوں کی ذہنی ، فکری اور نظریاتی تربیت اور معاشرے کے ثقافتی ، نظریاتی اور فکری اتحاد و انسجام کا بہترین مقام ہے۔

لیکن اس زمانے میں معروف ا سکول فقط بے جان مفاہیم اور انسانی حقیقت سے دور افکار عنایت کر تے ہیں جنکا انسان کی بنیادی ضرورتوں اور روحانی و فکری تربیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، علاوہ برایں ان افکار میں اللہ سبحانہ تعالی اور اسکی ذات کے سامنے خشوع و خضوع کا شعور تو بالکل بھی شامل نہیں ہے۔

اسی طرح ان اسکولوں میں عقیدہ و فکر کی تو کوئی گنجائشے ہی نہیں ، صرف تکبر و ہوائے نفس ہی رہ جاتاہے

جیسے ہماری خدمت میں پیش کیا جاتاہے، ہمیں دنیا کے ان تاجروں کے ہاتھوں میں پہنچا دیتے ہیں جو قوموں کو جدید میڈیا کی قوت سے نابود کررہے ہیں جبکہ آمادگی یا انسانی تربیت کے لئے جن و سائل کا استعمال کر رہے ہیں ان کے ذریعے انسان کو بھوک اور افلاس کی طرف دھکیلا جارہاہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ذاتی معاش ہی کی فکر میں رہتاہے اور اس میں دوسروں کی ضرورتوں کا احساس ختم ہوکے رہ جاتاہے، ان کے اندر باہمی رابطہ اور محبت و مودت نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے اور تنگ نظری پیدا ہوجاتی ہے۔

پس اس صورت حال میں ان تمام گروہوں کی فکری ، اخلاقی اور روحانی تربیت کا اہتمام بہت ضروری تھا تاکہ وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں اور ان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو اور ایک دوسرے کی نسبت اسی احساس ذمہ داری کے ساتھ ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دیں جو ایک جسم واحد کی مانند ہو کہ جب اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو درد و الم میں مبتلا ہو تو جسم کے باقی اعضاء بیدار رہ کر اس مصیبت میں اس کے ساتھ شریک ہوں۔

اور اس طرح یہ معاشرہ رسالت کے دفاع اور اس کی حمایت جیسی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآہونے کے قابل ہوجائے تاکہ جب مدینہ کے یہودی، دوسرے عرب مشرکین بلکہ پوری دنیا ان کی مخالفت پر اتر آئے تو وہ اس کا مقابلہ کرسکیں اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل پائے کہ جس کی تمام فکری، مادی اور دیگر قوتیں ایک مشترکہ ہدف یعنی رسالت و نبوت کی راہ میں صرف ہوں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر

خلاصہ یہ کہ سوشل معاشرتی اور اجتماعی کام بھی عبادت ہیں ، جہاد بھی عبادت ہے ، سیاسی کام بھی عبادت ہے یہانتک کہ مندوبین کا استقبال بھی عبادت ہے ، مسلمانوں کے امور کی تدبیر بھی عبادت ہے (البتہ اس صورت میں یہ تمام امور عبادت میں شمار ہوں گے جب یہ اسلام کے اعلی مقاصد کی ترجمانی، تبلیغ اور اجراء کے لئے کئے جائیں) اسی طرح مؤمنوں کا باہمی رابطہ، آپس کی میل ملاقات اور رسول ﷺ کریم کی محفل میں

ان کی حاضری اور احکام دین سیکھنا یہ سب بھی عبادت ہی ہیں_

اور مسجد ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں ان افکار و اہداف کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے ، اس لئے کہ مسجد صرف عبادت کی جگہ نہیں بلکہ فکری تہذیب و تربیت کا بہترین مقام اور وسیلہ ہے ، اگر ہم یہ کہیں کہ مسجد ایک مشترکہ تمدن اور وحدت آراء کی تشکیل کا ایسا بہترین مقام ہے جہاں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے ایک ایسا ہدف میسر آتاہے جس میں اللہ تعالی کی قدوسیت اور ارتباط کا شعور شامل ہوتاہے تو بے جانہ ہوگا_ اس کے علاوہ مسجد معاشرے کو ایسے فکری جھگڑوں سے دور رکھتی ہے جو تہذیب و ثقافت کے اختلاف سے جنم لیتے ہیں _ خلاصہ کلام یہ کہ عقائد ، اخلاق اور روحانی تربیت اور بلند مرتبہ تہذیب و ثقافت کے لیے مسجد ایک بہترین وسیلہ ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان محبت و مودت اور دوستی کو عام کرنے کا ذریعہ بھی ہے ، کیونکہ جب ہر روز چند مرتبہ مسلمان ایک دوسرے سے ملیں، ایک ہی صف میں خدا کے حضور کھڑے ہوں، عملاً عدل و مساوات شعور پر حاکم ہو، جاہ و مال کی تفریق اور فاصلے آڑے نہ آئیں، انسان کی ذات سے غرور و تکبر اور انانیت کے بت پاش پاش ہوچکے ہوں تو ایسی فضاؤں میں حتمی طورپر محبت و الفت اور برادری کے عہد وپیمان مضبوط ہوجاتے ہیں ایسے میں ہر شخص اپنے آپ کو ایسے معاشرے میں پاتاہے کہ جو محبت و غمخواری رکھتاہے، وہ سمجھتاہے کہ اس کے دوسرے مسلمان بھائی اس کو اہمیت دیتے ہیں، اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کی مشکلات و مصائب میں برابر کے شریک ہیں،یہ بات اسے اپنے دین ،ذات ، معاشرے ، اور امت پر اور زیادہ اعتماد کرنے کا شعور بخشتی ہے اس طرح ایک سچا، معتمد مؤمن وجود میں آتاہے اور ایسے مومنین سے مل کر اسلامی معاشرہ اور بہترین امت وجود میں آتی ہے جن کے بارے میں قرآن فرماتاہے "کنتم خیر امة اخرجت للناس"تم بہترین امت ہو جسے انسانوں کےلئے بھیجا گیاہے_

مسجد معاشرے کے افراد کے درمیان روابط کو عمومیت اور تقویت دیتی ہے اور ایسے رسمی میل جول اور تکلفات کی مشکلات کو کم کرتی ہے جو اختلافات اور طبقہ بندی کی غماز ہوتی ہیں، اسلام کا مسجد کو اس حد تک اہمیت دینا کہ پیامبر اکرم ﷺ نے قبا اور مدینہ میں سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی ،اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

اسلام چاہتاہے کہ دنیا اور اس کے اسباب کو دینی شعور اور تصور کے زیر سایہ استفادہ کیا جائے اور دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھا جائے۔

اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد اس لئے بنائی کہ یہ قیادت و امارت کا مرکز بھی ہو مسجد میں پیغمبر اکرم ﷺ مختلف وفود سے ملاقاتیں کرتے تھے، صلح و جنگ کے احکامات مسجد سے صادر ہوتے تھے، جھگڑوں کے فیصلے مسجد میں ہوتے، انسانی معاملات و روابط پر غور و خوض کیا جاتا، ان تمامتر امور پر بحث ہوتی جنکا اسلامی حکومت اور اسکے مختلف شعبوں سے کوئی تعلق ہے۔ یہ مسجد ہی ہے جہاں خدا سے بھی رابطہ ہوتاہے اور خدا کے بندوں سے بھی رابطہ رہتاہے ، مسجد میں ہی کمزور کو ہنسی قوت اور غمزدہ کو صبر و تسلی ملتی ہے اور جو قبیلہ و خاندان نہ رکھتا ہو وہ اس چیز کو بھول کر مسجد میں اپنا خاندان اور قبیلہ پالیتاہے، محبت و غمخواری سے محروم شخص مسجد میں اپنی مراد پاتاہے۔

اسی طرح مسجد عبادت او رتعلیم فقہ کی بھی جگہ ہے جہاں سے دین و دنیا کے امور میں رہنمائی ملتی ہے۔مسجد اخلاقی و روحانی تربیت گاہ اور اجتماعی و فردی مشکلات کو حل کرنے کی جگہ بھی ہے۔

مسجد کو بنانے میں نبی اکرم ﷺ کی شرکت:

یقیناً خود مسلمان مسجد بنانے اور اس کے تعمیراتی کام کرنے کی قدرت رکھتے تھے اور اکرم ﷺ کا بنفس نفیس اس کام میں شرکت فرمانا ضروری نہیں تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان تعمیراتی کاموں میں شرکت فرمائی ، اس چیز نے مسلمانوں کے دلوں میں ولولہ اور جوش پیداکیا اور وہ پوری کوشش اور توانائی کے ساتھ کام میں مصروف رہے اور کہتے تھے۔

لئن قعدنا والنبی یعمل
لذاک منا العمل المضلل

رسول اکرم ﷺ کا مسجد کے تعمیری کام میں شرکت کرنا جہاں مسجد کی تعمیر کی اہمیت کو اجاگر کرتا وہاں ایک اسلامی قائد اور حکمران کی شخصیت کو بھی اجاگر کرتاہے اور یہ عمل رسول ﷺ بتاتاہے کہ کام کی اہمیت کے پیش نظر

اس (قائد و حکمران کی)ذمہ داری ، حکم صادر کرنے کی حدود سے آگے خود عملی تک ہے ، خصوصاً جب کام ایسا ہو جس میں مسلمانوں کی مصلحت ، ہدف اصلی اور اسلام کی سربلندی پوشیدہ ہو۔

مسجد کی تعمیر میں خواتین کا کردار:

بعض روایتوں میں آیاہے کہ عورتوں نے بھی مسجد کی تعمیر میں بھر پور حصہ لیا۔ عورتیں مسجد کی تعمیر کے لئے رات کے وقت پتھروں کو اٹھاکر لاتیں اورمرد دن کے وقت یہ کام کرتے[1] اس بارے میں ہم صرف دو نکات بیان کرتے ہیں:

ایک: جب ہم یہ تصور کرلیں کہ اس دور میں عورتوں کا زندگی کے کسی بھی شعبے میں کوئی مقام بھی نہیں تھا اور عرب ا سے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کے ساتھ نہایت ہی ظالمانہ اور گھٹیا سلوک روا رکھتے تھے جن کا نمونہ اس کتاب کی دوسری جلد میں ذکر ہوچکا ہے ۔ تو اس سے ایسے کاموں میں عورتوں کا حصہ لینا سیاسی معاشرتی اور عباداتی لحاظ سے بہت ضروری اور نہایت اہم کام شمار کیا جاتا تھا۔

دو: عورتوں کے معاملہ میں خاص فضا کے حاکم ہونے کے پیش نظر عورتوں کی اس شرکت میں بھی حفاظتی تدابیر اختیار کی گئیں تا کہ وہ دن کے وقت مردوں کی موجودگی میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ گھلنے ملنے اور محفوظ نہ رہنے کی صورت میں معاشرے پر منفی اثرات مرتب کرنے والی فضا سے بھی دور اور محفوظ رہیں۔

صرف عورتوں کیلئے نماز جماعت:

کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے علیحدہ نماز جماعت قائم کی جاتی تھی مرد مسجد کے اندر نماز پڑھتے تھے اور خواتین سلیمان بن ابی حثمة کی امامت میں مسجد کے صحن میں نماز ادا کرتی تھیں ، جب حضرت عثمان خلیفہ بنے

---

1)ملاحظہ ہو کشف الاستار عن زوائد البزار ج1 ص 206 و ص 222 و 249 و مجمع الزوائد۔

تو انہوں نے مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھنے کا حکم دیا [1]_

ظاہراً جماعت میں عورتوں اور مردوں کی جدا ئی نبی ﷺ کریم کے بعد عمل میں آئی اور در اصل یہ جدائی جناب عمر بن خطـاب کے دور میں اس کی ایجاد کردہ بدعت نماز تراویح کی جماعت میں ہوئی [2] پھر عثمان نے آکر مردوں اور عورتوںکو ایک ہی جماعـت مـیں کھڑا کیا _

اور جب حضرت علی علیہ السلام خلیفہ بنے تو حسب سابق مردوں اور عورتوں کی نماز جماعت جدا ہونے لگی اور خـواتین " عرفجـہ" نـامی شخص کی امامت میں نماز پڑھنے لگیں[3]_-

لیکن ان روایات میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ روایات کہتی ہیںکہ حضرت علی علیہ السلام نے ماہ رمضان کی نماز میں ایسا کیا تھـا یعنی نماز تراویح میں_

اور واضح ہے کہ علی علیہ السلام اس کو بدعت سمجھتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے[4] پس کسی طرح خود اس کو انجام د یـتے تھـے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ چیز یومیہ نمازوں میں واقع ہوئی ہے نہ نماز تراویح میں _

یہ وہ بعض امور تھے کہ جن کو ہم نے مسجد کی تعمیر کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں مزید گفتگو کسی اور موقع پر کریں گے _

انشاء اللہ تعالی

---

1) حیاۃ الصحابہ ج/2 ص 171 از طبقات ابن سعد ج/5 ص 26_

2) ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج1 ص 73 از طبقات_

3) حیاۃ الصحابہ ج/3 ص 171 ، از کنز العمال ج/4 ص 282_

4) دلائل الصدق ج/3 جزء 2 ص 79 لیکن لوگوں نے آپ علیہ السلام کی نہی کی کوئی پروا نہیں کی_

3 _ مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ:

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے مدینہ میں ورود کے کم و بیش پانچ یا آٹھ ماہ [1] کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اصحاب یعنی مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت برقرار کیا _ابن سعد نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ نے اسی وقت خود مہاجرین کے درمیان بھی مؤاخات برقرار کی [2]_

آپ ﷺ نے حقوق اور مساوات پر ان کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی _(ایک قول کے مطابق وراثت پر مؤاخات قائم کی) لیکن مؤاخات رکھنے والوں میں سے کسی کے مرنے سے پہلے ہی سورۃ انفال نازل ہوئی جس نے وراثت کو رشتہ داروں کے لئے مخصوص کردیا [3] کیونکہ کہتے ہیں کہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے وفات پانے والے شخص عثمان بن مظعون ہیں اور وہ جنگ بدر کے بعد فوت ہوئے [4]_ البتہ ہمیں وراثت کے لئے مواخات قائم کرنے میں شک ہے کیونکہ :

1_ اگر اس حکم کو نسخ ہونا ہی تھا تو عمل کا وقت آنے سے پہلے نسخ معنی نہیں رکھتا کیونکہ اس سے لازم آتاہے کہ مؤاخات کرنے والے اشخاص کے درمیان وراثت کا قانون عبث و بے فائدہ ہو ... مگر یہ کہا جائے کہ اس مشکل دور میں اتنے عرصہ کے لئے بذات خود اس حکم کا جاری ہونا، مسلمانوں کا بھائی چارے کی فضا میں رہنا اور اتنی گہری رشتہ داری نہایت ضروری تھی_ لیکن ہم اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ (یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا بلکہ) خود مسلمانوں یا کچھ مسلمانوں نے یہ گمان کرلیا کہ یہ بھائی چارہ ایک دوسرے سے وراثت لینے کی حد تک بھی پہنچ سکتاہے_

2_ خود نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں سے جنگ بدر میں شہید ہونے والوں کو ایک دوسرے کا وارث کیوں نہیں ہونے دیا جبکہ یہ واقعہ آیت (اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض) کے نزول سے پہلے رونما ہوا_

---

1) البحار ج/19 ص 122 ، اور ص 130 کے حواشی از مناقب ابن شہر آشوب ج1 ص 152، المواهب اللدنیۃ ج/2 ص 71 ، تاریخ الخمیس ج/1 ص 35 از اسد الغابہ، وفاء الوفاء ج/1 ص 267 ، فتح الباری ج/7 ص 210 ، السیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص 92 _

2) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج/1 جزء 2 ص 1 _(3) بحارالانوار ج19 حاشیہ ص 130 نیز سیرہ حلبیہ ج2 ص 92 و ص 93_

4)الاصابہ ج2 ص 464 ، الکامل ابن اثیر مطبوعہ صادر ج2 ص 141_

جبکہ ان کا یہ کہنا کہ"واقعہ بدر کے بعد وفات پانے والے عثمان بن مظعون سے پہلے کوئی مؤمن فوت نہیں ہوا" بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خود جنگ بدر میں کئی مسلمانوں نے شہادت پائی _ ہاں یہ ہوسکتاہے کہ عثمان بن مظعون طبیعی طور پر وفات پانے والے پہلے شخص ہوں یا مہاجرین میں سے وفات پانے والے پہلے مسلمان ہوں_

3 _ یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ عثمان بن مظعون کی وفات سابقہ حکم کو نسخ کرنے والی آیت کے نزول کے بعد ہوئی ہو_ کیونکہ یہ بات صرف مؤرخین اور مؤلفین کا اپنا اجتہاد اور ان کی ذاتی رائے ہے_

مؤاخات کرنے والوں کی تعداد:

کہتے ہیں کہ مؤاخات کے وقت مسلمانوں کی تعداد نوّے افراد تھی _پینتالیس آدمی انصار میں سے اور اتنے ہی مہاجرین میں سے تھے_ ابن الجوزی کا دعوی ہے کہ اس نے انہیں شمار کیا ہے وہ کل چھیاسی آدمی تھے_ ایک قول کے مطابق سو آدمی تھے [1] _ البتہ ہوسکتاہے کہ یہ مواخات کل مسلمانوں کی تعداد کے برابر نہیں بلکہ اس واقعہ میں موجود مہاجرین کی تعداد کے برابر افراد کے درمیان ہوئی ہو کیونکہ یہ ایک نادر اتفاق ہی ہوسکتاہے کہ مسلمان مہاجرین کی تعداد بغیر کسی کمی بیشی کے اتنی ہی ہو جتنی انصار مسلمانوں کی تھی _ بہر حال پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ کام جاری رکھا یعنی جو بھی اسلام قبول کرتا یا کوئی مسلمان مدینہ میں آتا تو حضرت ﷺ کسی کے ساتھ اس کی مؤاخات قائم فرماتے [2] _اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابوذر اور منذر بن عمرو کے درمیان مؤاخات قائم فرمایا حالانکہ ابوذر جنگ احد کے بعد مدینہ میں آئے اور اسی طرح آپ ﷺ نے زبیر اور ابن مسعود کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا جبکہ آپ ﷺ جنگ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے [3] _لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتاہے کہ مسلمانوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ تھی

---

1) طبقات ابن سعدج/1جزء2ص1، المواھب اللدنیة ج/1 ص 71، فتح الباری ج/7 ص210،سیرة الحلبیة ج/ 2ص 90، البحار ج /19، ص130 ،از المنتقی و المقریزی_

2) فتح الباری ج/7 ص 211_

3) فتح الباری ج/7 ص 145_

کیونکہ عقبہ ثانیہ میں اہل مدینہ میں سے اسی[80] سے زیادہ افراد نے آپ ﷺ کی بیعت کی تھی _اسی طرح مدینہ میں تشریف فرمائی کے صرف دس یا تیرہ مہینے بعد آپ ﷺ نے جو سپاہ جنگ بدر کے لیے تشکیل دی اس کی تعداد تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی _

اس کا جواب یہ دیا جاسکتاہے کہ :

اولاً: بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مہاجرین کے ڈیڑھ سو افراد کی انصار کے ڈیڑھ سو افراد کے ساتھ مؤاخات برقرار کی تھی [1] _

ثانیاً :اگر ہم قائل بھی ہوں کہ یہ قول درست نہیں کیونکہ جنگ بدر کے لئے جانے والے مہاجرین کی تعداد ساٹھ یا اسّی کے درمیان تھی (بناء پر اختلاف اقوال) ، تو ہم یہ جواب دیں گے کہ روایت میں مؤاخات کرنے والوں کی تعداد ان مہاجرین کی ہے جنہوں نے اپنے انصار بھائیوں کے ساتھ بھائی چارہ کیا تھا_ کیونکہ انصار مہاجرین سے بہت زیادہ تھے جبکہ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی پس مؤاخات ان کے اور اسی تعداد میں انصار کے درمیان تھی پھر جوں جوں مہاجرین کی تعدادبڑھتی گئی مؤاخات کا یہ عمل بھی جاری رہا یہاں تک کہ ان کی تعداد ایک سو پچاس تک پہنچ گئی جیسا کہ گذشتہ روایت میں وارد ہوا ہے_ پس مذکورہ تعداد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باقی انصار بھائی چارہ کئے بغیر رہ گئے تھے_

ہر ایک کا اس جیسے کے ساتھ بھائی چارہ

نبی اکرم ﷺ ہر شخص اور اس جیسے کے درمیان مؤاخات برقرار فرماتے جیسا کہ ہجرت سے پہلے اور بعد والی مؤاخات سے ظاہر ہے کیونکہ بظاہر آپ ﷺ نے ہجرت سے پہلے حضرت ابوبکر اورحضرت عمر،طلحہ اور زبیر ، عثمان اور عبدالرحمان بن عوف اور اپنے ﷺ اور علی علیہ السلام کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی [2] لیکن ابن حبان

---

1) البحار ج/19 ص 130_

2)مستدرک الحاکم ج/3ص14، وفاء الوفاء ج/1 ص 267 و ص268، السیرۃالحلبیۃج/2ص20، السیرۃ النبویہ دحلان ج/1 ص 155 ، فتح الباری ج/7 ص 211 نیز الاستیعاب_

کہتاہے کہ یہ مدینہ میں دوسری مؤاخات تھی اور اس نے سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر کا اضافہ کیا ہے [1]اور یہ سب کے سب مہاجرین میں سے تھے_

اور مدینہ میں ابوبکر اور خارجہ بن زھیر نیز عمر اور عتبان بن مالک کے درمیان رشتہ اخوت برقرار فرمایا _ پھر علی عليه‌السلام کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ" میرا بھائی ہے "_ اسی طرح حمزہ اور زید بن حارثہ کے درمیان نیز جعفر بن ابی طالب اور معاذ بن جبل کے درمیان بھی مؤاخات برقرار فرمائی اور اسی آخری مؤاخات پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جعفر تو اس وقت حبشہ میں تھے[2] اور اس کا جواب وہی ہے جو پہلے گزر چکاہے کہ نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے مسلمانوں کے درمیان مؤاخات قائم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا یعنی جب بھی کوئی مدینہ میں آتا تو اسے کسی کا بھائی بنادیتے بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے جعفر عليه‌السلام کی آمد پر معاذ کوجعفر کے ساتھ مؤاخات کے لئے تیار کررکھا تھا[3]_

البتہیہاں پر ایک سوال سامنے آتاہے کہ جعفر کو اس امر کے ساتھ خاص کرنے کی کیا وجہ تھی ؟ یہاںیہ کہا جاسکتاہے کہ شاید جعفر کی شان اور اہمیت کا اظہار اور اس کی بیان فضیلت مقصود تھی_

علی عليه‌السلام کے ساتھ نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی مؤاخات :

احمد بن حنبل و غیرہ نے روایت کی ہے کہ: آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے لوگوں کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی اور علی عليه‌السلام کو آخر تک چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ان کے لئے کوئی بھائی نہ بچا تو علی عليه‌السلام نے عرض کیا :"یا رسول اللہ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان تورشتہ اخوت قائم کردیا لیکن مجھے چھوڑ دیا "؟ تو نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے فرمایا : "میں نے تجھے صرف اپنے لئے رکھا ہے _ تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں_پس اگر کوئی تجھ سے پوچھے تو کہنا "انا عبداللہ و اخو رسول اللہ " میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کا بھائی ہوں _ تیرے بعد

---

1) الثقات ج1/ص 138 ، 142_ (2) سیرة ابن هشام ج2/ ص 151 نیز السیرة الحلبیة و غیرہ_

3) البدایة النهایةج3/ ص 227 ، السیرة الحلبیة ج2/ ص 91_

صرف بہت بڑا جھوٹا شخص ہی اس چیز کا دعوی کرے گا مجھے حق کے ساتھ مبعوث کرنے والی ذات کی قسم میں نے تجھے مؤخر نہیں کیا مگر اپنے لئے اور میرے ساتھ تیری وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کی موسی علیہ السلام سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تو میرا بھائی اورمیرا وارث ہے"[1]_

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی جملہ "انا عبداللہ و اخو رسولہ" (میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہوں) حضرت علی علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس وقت فرمایا جب حادثات زمانہ کے سبب پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین سے خلافت غصب کرلی گئی_ لیکن صحابہ نے آپ کو جھٹلایا اور جواب میں کہنے لگے : "خدا کے بندے ہونے والی بات تو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی ہونے والی بات نہیں " [2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان " تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے " سے یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ تھی "کہ علی علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے وارث ہیں نہ کوئی اور" تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و منصب کا علی علیہ السلام کے علاوہ اور کون حقدار ہوسکتاہے؟ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ (علی علیہ السلام ہر لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں حتی کہ مال و جائیداد کے بھی) تو یقیناً مال و جائیداد حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہی حق تھا [3]جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کے غاصب ، حضرت فاطمہ علیہا السلام کے اموال پربھی مسلّط ہوگئے اورفدک و غیرہ بھی انہی اموال میں سے تھا جس کا ذکر انشاء اللہ اسی کتاب میں غزوہ بنی نضیر پر گفتگو کے دوران ہوگا_ بہر حال بات جو بھی ہو، بھائی چارے والے واقعہ میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس کام میں لوگوں کی سنخیت ، مشابہت اور دلی رجحان کو بھی مدنظر رکھا گیا تھا اور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مرحوم ازری نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا :

---

1) نہج الحق (دلائل الصدق کے متن کے ضمن میں) ج/2 ص 267 ، ینابیع المودۃ ص 56 تذکرۃ الخواص ص 23 ، احمد سے (اس کی کتاب الفضائل سے) اور اس نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ابن جوزی نے بھی نیزکنز العمال ج/6 ص 390 ، الریاض النضرۃ ج/ 2 ص 209 ، تاریخ ابن عساکر ج/6 ص 21 ، کفایۃ الشنقیطی ص 35 ، 44، الثقات ج 1 ص 141 تا ص 142 _ (2)الامامۃ والسیاسۃ ج1 ص 13 ، اعلام النساء ج4 ص 115 نیز تفسیر البرہان ج2 ص 93_

3)ملاحظہ ہو: الکافی ج1 ص 458 با تحقیق غفاری ، بحار طبع تختی ج8 ص 231 نیز طبع جدید ج 100 ص 197 ، کشف الغمۃ ج2 ص 132 امالی شیخ طوسی ج1 ص 108 ، العوالم ج11 ص 518 ، امالی شیخ مفید ص 283 مطبوعہ جامعہ مدرسین نیز ملاحظہ ہو: مرآۃ العقول ج5 ص 331و غیرہ_

لک ذات کذاته حیث لو لا

انها مثلها لما آخاها

(یا علی علیہ السلام ؟) آپ علیہ السلام کی ذات اور شخصیت بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی مانند تھی _ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی آپ علیہ السلام کو اپنا بھائی نہ بناتے_

حدیث مؤاخات کا تواتر:

بہر حال ... حدیث مؤاخات متواتر ہے اور اس کا انکار ممکن نہیںبلکہ اس میں شک و شبہہ کی بھی کوئی گنجائشے نہیں ہے _ خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کے درمیان مؤاخات چاہے مکہ میں ہونے والی پہلی مؤاخات ہو یا مدینہ میں ہونے والی دوسری مؤاخات اور یہ حدیث دسیوں صحابہ اور تابعین سے مروی ہے جیسا کہ حاشیہ میں درج منابع [1] سے معلوم ہوتاہے_

اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: " جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے درمیان سے مجھے یہ کہا جائے گا کہ بہترین باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بابا ابراہیم علیہ السلام اور بہترین بھائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی علی علیہ السلام بن ابی طالب ہیں " [2]

---

1) تاریخ الخمیس ج/1ص353،وفاء الوفاء ج/1ص 267،و ص268، ینابیع المودة ص 56 ، 57 (مسند احمد سے) تذکرة الخواص ص 22 ، 24 میں ترمذی سے نقل ہواہے کہ اس نے اس حدیث کو صحیح قراردیا ہے، السیرہ الحلبیةج/2ص 20وص 90 ، مستدرک الحاکم ج/3 ص 14 ، الثقات لابن حبان ج/1 ص 138 ، فرائد السمطین ج / 1، باب 20 ، الفصول المہمة ابن الصباغ ص22، 29، البدایة والنہایة ج/3 ص 226، اور ج/7 ص 35 ، تاریخ الخلفاء ص 170، دلائل الصدق ج/2ص 268 ، 270 ، صاحب دلائل الصدق نے یہ حدیث کنز العمال، سنن بیہقی اور ضیاء کی کتاب المختارة سے، عبداللہ بن احمد بن حنبل کے زیادات المسند سے آٹھ احادیث اور اس کے و الد کی المسند اور الفضائل ،سے ابویعلی ، الطبرانی ، ابن عدی اور الجمع بین الصحاح الستة سے نقل کیا ہے ، خوارزمی نے بارہ احادیث اور ابن مغازلی نے آٹھ حدیثیں درج کی ہیں سیرة ابن هشام ج/2 ص 150 ، الغدیر ج/3 ص 112 تا ص 125 میں بعض مذکورہ کتب اور مندرجہ ذیل کتب سے نقل ہے : جامع الترمذی ج/2 ص 13، مصابیح البغوی ج/2 ص 199 ، الاستیعاب ج/2 ص 460 ، زندگانی امیر المؤمنین ، اس نے حدیث مؤاخات کو مسلم احادیث میں سے شمارکیاہے تیسیر الوصول ج/3 ص 271،مشکاةالمصابیح (حاشیہ مرقاة) ج/5 ص 569 ، المرقاة ص 73 تا ص 75 ، الاصابة ج/2 ص 507 ، المواقف ج/3 ص 276 ، شرح المواہب ج/1 ص 373 ، طبقات الشعرانی ج/2 ص 55 ، تاریخ القرمانی(حاشیہ الکامل) ج/1 ص 216 ، سیرة دحلان (حاشیہ حلبیہ پر) ج/1 ص 325 ،کفایة الشنقیطی ص 34، الامام علی(تالیف محمدرضا) ص21 ، الامام علی(تالیف عبدالفتاح عبدالمقصود) ص 73، الفتاوی الحدیثیة ص42 ، شرح النہج ج / 2 ، 62 ، اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے روایات مستفیضہ میں سے شمار کیا ہے ، کنز العمال ج/6 ص 294 ص 299 ، 399،390، 400 ، 54 _

2)ربیع الابرار ج1 ص 807 و ص 808_

اس بناء پریہ دعوی قابل سماعت ہی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے علی علیہ السلام اور عثمان کے درمیان مؤاخات برقرار فرمائی[1] یا نبی اکرم ﷺ اور عثمان کے درمیان مؤاخات ہوئی ، کیونکہ یہ بات بلاشک و شبہہ درست نہیں ہے[2]_ اس لئے کہ اس بات سے ان کامقصد عثمان کی شان کو بڑھانا اور علی علیہ السلام کی فضیلت کو جھٹلانا ہے بلکہ عثمان اور علی علیہ السلام کو ایک ہی مقام پر لاکھڑا کرنا ہے _یہ کیسے ہوسکتاہے ؟ اور کب ایسا ہوا ہے ؟

حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب کی کنیت ملنا :

یہاں پر کچھ حضرات نے ذکر کیا ہے کہ جب علی علیہ السلام نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اور کسی اور شخص کے درمیان مؤاخات برقرار نہیں فرمائی تو غمگین اور دل برداشتہ ہوکر مسجد کی طرف گئے اور مٹی پر سوگئے پھر نبی اکرم ﷺ آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام کی پشت سے مٹی جھاڑنا شروع کی اور فرمانے لگے (قم یا اباتراب) یعنی اے ابوتراب کھڑے ہوجاؤ اور پھر ان علیہ السلام کے اور اپنے ﷺ درمیان مؤاخات برقرار فرمائی[3]_

اور ہم انشاء اللہ عنقریب سرایا کی بحث میں اس پر گفتگو کریں گے_

علی علیہ السلام کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی مؤاخات کے منکرین:

اتنے گذشتہ منابع کے باوجود (جن کی تعداد توبہت زیادہ ہے لیکن ہم نے ان میں سے بہت کم کا ذکر کیا ہے) ابن حزم اور ابن کثیر حدیث مواخات کی سند کے صحیح ہونے کا انکار کرتے ہیں [4] اور اسی طرح ابن تیمیہنے بھی اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث کو اس دلیل کے ساتھ باطل اور جعلی قرار دیاہے کہ مہاجرین

---

1)تاریخ ابن خلدون ج/2ص 397 اور الغدیر ج/9 ص94 ، 95 اور 318 میں الریاض النضرۃ ج/1 ص 17، طبری ج/6 ص 154 ، کامل ابن اثیر ج/3 ص 70 اور معتزلی ج/ 1 ص 165 سے نقل کی ہے لیکن خود اس نے ج/2 ص 506 میں اس حدیث کونقل کیا ہے اور مؤاخات میں اس کا ذکر نہیں کیا _

2) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج/3 ص 47 ، الغدیر ج/9 ص 16 طبقات سے_ (3) الفصول المہمۃ لا بن الصباغ ص 22، مجمع الزوائد ج/9 ص 111طبرانی کی الکبیر اور الاوسط سے، مناقب الخوارزمی ص 7، کفایۃ الطالب ص 193 ،از ابن عساکر _

4) البدایۃ والنھایۃ ج/7 ص 223 ، 336_

اور انصار کے درمیان مؤاخات برقرار کرنے کی غرض یہ تھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا سلوک کریں ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے الفت و محبت پیدا ہو پس نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کا اپنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اور مہاجرین کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ مؤاخات قائم کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا[1]_

ہم کہتے ہیں کہ :

علی عليه السلام کے ساتھ نبی اکرم کی مؤاخات والی حدیث کی سند کا انکار بے معنی ہے جب کہ محققین اور بزرگان میں سے بہت سی شخصیات نے اسے صحیح قرار دیاہے اوردسیوں صحابہ ،تابعین اور علماء و غیرہ سے مسلمانوں کی کتابوں میں اور تواتر کے ساتھ یہ حدیث نقل کی گئی ہے خصوصاً جب یہ انکار ان تین اشخاص (ابن حزم ، ابن کثیر اور ابن تیمیہ) سے ہو جو علی عليه السلام اور اہل بیت طاہرین علیھم السلام کے فضائل کے سلسلہ میں متعصب اور ان سے دشمنی میں معروفہیں_ جس چیز کو ابن تیمیہ نے اپنے انکار کرنے کی علت کے طور پر ذکر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے :

1_ بہت سے حضرات نے بھی یہ جواب دیا ہے کہ یہ قیاس کے ذریعہنص کی تردید اور اس مسئلہ میں حقیقی حکمت سے غفلت ہے _ کیونکہ کچھ مہاجرین دوسروں کی نسبت مال اور قبیلہ کے لحاظ سے مضبوط حیثیت کے مالک تھے _ اس وجہ سے ایکدوسرے کی مدد بھی ممکن تھی پس آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے ان مہاجرین کے درمیان مؤاخات قائم کی تا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں _ پھر انہوں نے اسی احتمال کو علی عليه السلام اور نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم پر بھی منطبق کیا ہے کیونکہ بعثت سے پہلے نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم علی عليه السلام کی کفالت کیا کرتے تھے [2] یعنی مہاجرین کے درمیان بھی باہمی محبت اور الفت مطلوب تھی کیونکہ یہ لوگ مختلف گروہوں سے تعلّق رکھتے تھے اور مختلف عقید وں ، ذہنیت اور معاشروں کے مالک تھے_

---

1) ملاحظہ ہو: منھاج السنۃج/2ص119،البدایۃوالنھایۃ ج/3ص227،فتح الباری ج/7ص211،السیرۃالنبویۃ لدحلان ج/1ص5 15 ، السیرۃ الحلبیۃج/2ص20،دلائل الصدق ج/2 ص 272_

2)وفا الوفاء ج/1 ص 268، فتح الباری ج/7 ص 211،والسیرۃ الحلبیۃ ج/2ص 20، السیرۃ النبویۃ لدحلان ج/1ص 155، الغدیر ج/3 ص 174تا 175 ، عن الفتح عن الزرقانی فی شرح المواھب ج/1 ص 373_

بلکہ مواخات کی نصّ میں یہ تصریح وارد ہوئی ہے کہ یہ مؤاخات حق اور ایک دوسرے کی حمایت پر مبنی تھی اور مہاجرین کو ایک دوسرے کی حمایت کی ضرورت تھی کیونکہ خود ان کے بقول اگر کسی ایک قبیلہ سے ایک آدمی نے ہجرت کی تھی تو دوسرے قبیلہ سے دس آدمیوں نے ہجرت کی تھی پس اس ایک کو ان دس افراد کی جانی اور مالی امداد کی ضرورت ہوتی تھی_ اسی طرح بعض حضرات نے یہ دعوی بھی کیا ہے کہ کچھ مہاجرین اپنا مال اپنے ہمراہ لائے تھے پس اگر ان کا یہ دعوی صحیح ہو تو ان کے لئے ایک دوسرے کی مالی امداد ممکن تھی_

لیکن حضرت علی عليه‌السلام اور نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی بہ نسبت ہمیں ان کے اس قول سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ حضرت علی عليه‌السلام تو اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ کام کر کے اپنی کفالت خود کرسکیں اور زراعت یا تجارت بلکہ غنائم سے اپنی ضروریات کو پورا کرسکیں _نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کا آپ سے مواخات برقرار کر نے کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ عليه‌السلام کی شان اورمنزلت کی پہچان کروائی جائے اور دوسرے لوگوں پر آپ کی فضیلت کا اظہار کیا جائے کیونکہ نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے ایک جیسے اشخاص کے درمیان رشتہ اخوّت برقرار فرمایاتھا_ جیسا کہ مؤرخین نے اس بات کی تصریح کی ہے اور خود مؤاخات کے عمل پر غور کرنے سے بھی یہ واضح ہوجاتا ہے ،کیونکہ یہی چیز باہمی تعاون میں زیادہ ممدّ و معاون اور باہمی محبت و الفت کے لئے زیادہ ضروری ہے_ [1]

2_ حاکم اور ابن عبدالبر نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے زبیر اور ابن مسعود کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا حالانکہ وہ دونوں مہاجرین میں سے تھے اور ضیاء نے اس روایت کو اپنی کتاب (المختارة من المعجم الکبیرللطبرانی) میں درج کیا ہے اور خود ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ المختارۃ کی احادیث المستدرک سے زیادہ صحیح اور با وثوق ہیں_ [2]

لیکن ضروری ہے کہ یہ مواخات ابن مسعود کے مدینہ میں آنے کے بعد واقع ہوئی ہو کیونکہ ابن مسعود حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے تھے اور عمومی مواخات کے واقعہ کے بعد اس وقت مدینہ میں آئے جب نبی اکرم صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم بدر کے لئے جنگی تیاریوں میں مصروف تھے_ [3]

---

1) دلائل الصدق ج/2 ص 272 / 273_

2) فتح الباری و فاء الوفاء ج / 1 ، ص 268 _ الغدیر ج/3 ص 174 ، 175 از الفتح و از شرح المواہب للزرقانی ج/1 ص 373 _

2) فتح الباری ج/7 ص 145_

اسی طرح ہجرت کے بعد (بعض کے بقول) آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے حضرت ابوبکر او ر حضرت عمر ، حضرت عثمان اور عبدالرحمان بن عوف ، طلحہ اور زبیر ، سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر اور اپنے اور حضرت علی عليه السلام کے درمیان مؤاخات قائم کی ۔[1]

اور اسی طرح زید بن حارثہ کی حضرت حمزہ کے ساتھ مؤاخات بھی ثابت ہے جب کہ وہ دونوں مہاجر تھے۔ اس لئے تو کہا جاتا ہے کہ حمزہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلہ میں زید ، علی عليه السلام اور جعفر کے درمیان کشمکش ہوئی تو زید کی دلیل یہ تھی کہ وہ اس کے بھائی کی بیٹی ہے۔[2]

البتہ حمزہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلہ میں واقع ہونے والے اختلاف کے متعلق ہمیں شک ہے کیونکہ حضرت حمزہ کی شہادت کے وقت جناب جعفر موجود ہی نہیں تھے جبکہ اس صورت میں برسوں تک جناب حمزہ کی بیٹی کا کسی سرپرست کے بغیر رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے ۔ کیونکہ اگر اتنے عرصے میں وہ جناب علی عليه السلام کے پاس رہی تو اتنے عرصے تک زید نے کیوں خاموشی اختیار کئے رکھی اور حضرت علی عليه السلام سے تنازعہ کیوں نہیں کیا۔ اور اسی طرح بر عکس ، اگر وہ حضرت علی عليه السلام کے پاس نہیں بلکہ زید کے پاس تھی تو حضرت علی عليه السلام نے اتنے عرصے تک اس سے بحث کیوں نہیں کیا؟ ۔ بہر حال جناب حمزہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلے میں مذکورہ تنازعہ مزید تحقیق کا محتاج ہے۔ بارگاہ رب العزۃ میں دعا ہے کہ ہمیں کسی مناسب فرصت میں اس کی تحقیق کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

ان شاء اللہ تعالی ...

---

1) الثقات لابن حبان ج/1ص 138 تا142، اور ملاحظہ فرمائیں الغدیر ج/10ص 103تا 107،مستدرک الحاکم ج/3 ص 14 وفاء الوفاء ج/1 ص 268 السیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص20، السیرۃالنبویۃلدحلان ج /1ص 155،فتح الباری ج/7ص211،نیز الاستیعاب میں حضرت عثمان کا ذکر ہے جب کہ وہ حبشہ میں تھے اور اسی طرح عبدالرحمن بن عوف کا ذکر کرنا اس بات کی تائید ہے کہ یہ مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد دوسری مواخات تھی۔

2) صحیح البخاری ج/3ص 37ط المیمنیۃ ،مستدرک الحاکم ج/2ص120 تلخیص المستدرک لذھبی صفحہ مذکور کے حاشیہ پر و دیگر منابع ۔

کچھ مواخات کے متعلق :

الف : بہترین متبادل

واضح سی بات ہے کہ یہ نو مسلم اپنے قوم ، قبیلے اور برادری سے در حقیقت بالکل کٹ کر رہ گئے تھے_حتی کہ ان کے عزیز ترین افراد بھی دھمکیوں اور ایذاء رسانیوں کے ساتھ ان کے مقابلے پر اتر آئے تھے_ ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ ا پنے رشتہ داروں نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا اور وہ بے کس اور لا وارثوں کی طرح ہوگئے تھے_ اور بعض افراد کو یہ احساس بھی تھا کہ اب وہ بالکل اکیلے اور بے یار و مدد گار ہوگئے ہیں_ یہاں پر اسلامی برادری اور اخوت ان کے اس خلاء کو پر کرنے، اکیلے پن کے احساس کو ختم کرنے اور ان کے اندر مستقبل کی ا مید اور اس پر یقین جگانے کے لئے آئی _ اور اس مواخات نے ان کے اندر اتنا گہرا اثر چھوڑا کہ وہ اتنا تک سمجھنے لگے کہ یہ بھائی چارہ تمام امور میں ہے حتی کہ وراثت میں بھی برابری اور ساجھا ہے_ جس کی طرف ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے_

ب: انسانی روابط کا ارتقاء

عمل مواخات سے غرض یہ تھی کہ اس سے انسانی روابط کو مصلحت اندیشی کے دائرہ سے بلند تر کر دیا جائے اور انہیں ا تنے حد تک خالص الہی روابط میں تبدیل کردیا جائے کہ وہ حقیقی اخوت و برادری تک پہنچ جائیں اور مسلمانوں کے باہمی لین دین میں یہ تعلق داری ہماہنگی و ہمنوائی کی صورت میں ظاہر ہو اور ایسی ذاتی رنجشوں سے بہت دور ہو جو بسا اوقات آپس میں تعاون کرنے وا لے دو بھائیوں کے درمیان چاہے نجی اور ذاتی طور پر ہی سہی ، کسی نہ کسی معاملے میں قطع تعلق کا باعث بنتی ہیں_

اگر چہ اسلام نے نظریاتی طور پر مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور یہ تاکید کی ہے کہ ہر مؤمن دوسرے مؤمن کابھائی ہے چاہے وہ اسے اچھا لگے یا بُرا _ اور ہر مؤمن کے لئے یہ ضروری قراردیا ہے کہ وہ

اس اخوت اور برادری کے تقاضوں کو پورا کرے ۔ لیکن اس کے با وجود اس محبت ، صداقت اور عشق کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے اس برادری کا عملی مظاہرہ بھی ضروری تھا۔ کیونکہ ایک اعلی مقصد کے لئے بے مثال نمونہ کا ہونا ضروری ہے۔

ج: نئے معاشرے کی تشکیل میں مؤاخات کا کردار:

حضرت رسول کریم ﷺ ایک ایسے جدید معاشرے کی تشکیل کے در پے تھے جو فلاح و بہبود کی بہترین مثال ہو اور ہر قسم کے حالات و شرائط میں دعوت الی اللہ اور دین خدا کی نصرت کی راہ میں پیش آنے والی ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

مسجد نبوی کی تعمیر کی بحث میں گزر چکاہے کہ خود مہاجرین ،خود انصار اور ان دونوںکے درمیان بہت زیادہ معاشرتی ، قبائلی ،خاندانی ، ذاتی ، جذباتی حتی کہ گہرے عقائدی اور نظریاتی اختلافات پائے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے اقتصادی اور نفسیاتی حالات بھی تھے جو خاص کر مہاجرین کے لئے پریشان کن تھے ۔اس کے ساتھ ساتھ مزید کچھ خطرات بھی اس نو خیز معاشرے کو در پیش تھے یہ خطرات چاہے داخلی ہوں جیسے اوس اور خزرج کے باہمی اختلافات کے خطرات تھے جن میں سے اکثر ابھی تک بھی مشرک تھے، پھر ان میں سے بعض منافق بھی تھے ، ساتھ ہی مدینہ کی یہودیوں سے بھی خطرات در پیش تھے۔ اور چاہے وہ خارجی ہوں جیسے جزیرۃ العرب کے یہودیوں اور مشرکوں کے خطرات بلکہ پوری دنیا سے خطرات در پیش تھے۔

اس نئے دین کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے اور اسکے دفاع کیلئے عملی طور پر ایک عظیم ذمہ دار ی اس معاشرے کے کندھوں پر تھی، ان حالات میں قبیلوں ، گروہوں اور افراد میں بٹے اور بکھرے اس معاشرے میںمضبوط روابط کو وجود میں لانا ضروری تھا تاکہ معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ ایک محکم رشتہ میں منسلک ہوجائیں۔ اور مضبوط احساسات اور جذبات کی ایسی عمارت کھڑی کرنے کی ضرورت تھی جو عقیدے کی بنیاد پر استوار ہو ۔اس طرح اس نئے معاشرے میں کسی بھی فرد پر ظلم و زیادتی نہ ہو اور معاشرے

کے تمام افراد عدل و انصاف اورنظم و انتظام سے بہرہ مند ہوں_ لوگ محبت و اخوت کا اعلی اور مکمل نمونہ دیکھیں، اسی طرح کا معاشرہ ان نفسیاتی کشمش اور تاریخی اختلافات سے پاک ہوگا (بلکہ انہیں آہستہ آہستہ جڑ سے اکھاڑے گا) جنہیں معاشرے کے افراد نے باہمی تعلقات میں اپنا شیوہ بنالیا تھا_ اور جس کے کئی وجوہات کی بنا پر ظاہر ہونے کاخطرہ وسیع ، سخت اور زیادہ تباہ کن ہو سکتا تھا_ پس ایسے مضبوط باہمی روابط برقرار کرنے کی ضرورت تھی جسے آنحضرت ﷺ نے "مواخات "کے عمل سے انجام دیا ، مؤاخات کے اس عمل میںآخری ممکنہ حد تک دقت نظری اور صدیوں کی ایسی منصوبہ بندی شامل تھی جس میں باہمی روابط اور امراد کے فروغ اور استحکام کے لئے انتہائی حد تک کامل ضمانت فراہم کی گئی تھی خصوصاً جب آپ ﷺ نے دو ایک جیسے افرادکے درمیان مؤاخات قائم کردی تھی _

یہ مواخات دو بنیادوں پر قائم تھی:_

اوّل : حق : _

حق ،انسانی تعلقات میں ایک بنیادی عنصر ہے_ اسی بنیاد پر انسانوں کے روابط و تعلقات قائم ہیں اورزندگی کے مختلف شعبوں میں معاملات اور باہمی لین دین پر یہی چیز حکمفرما ہے _ہاں ... حق ہی اساس و بنیاد ہے، ذاتی اور انفرادی شعور و ادراک اور ذاتی ، قبائلی اور گروہی مصالح اورمفادات نہیں _واضح ہے کہ اخوت ، باہمی ہمدردی اور احساسات کے ذریعہ سے جب حق بیان ہو اور یہ امور حق سے آراستہ ہوں تو یہ چیز حق کی بقاء ،دوام اور ان لوگوں کی حق کے ساتھ وابستگی اور حق سے دفاع کی ضمانت فراہم کرتی ہے لیکن اگر حق کو بزور بازومسلط کیا جائے تو جوں ہی یہ قوت غائب ہوگی تو حق کے بھی غائب ہونے کا خطرہ لا حق ہوجائے گا کیونکہ اس کی بقاء کی ضمانت چلی گئی ہے پس اب اس کی بقاء اور وجود کے لئے کوئی وجہ باقی نہیں رہی_ بسا اوقات اس طرح سے حق کی بقاء بھی کینہ اور نفرتوں کو جنم دیتی ہے جس سے بسا اوقات ظلم و طغیان اپنی انتہائی ، بدترین او رخوفناک صورت میں ظاہر ہوتاہے_

دوم : باہمی تعاون:_

پس یہ برادری صرف جذبات کو بھڑکانے اور ذاتی شعور کو بیدار کرنے کیلئے نہ تھی بلکہ نتیجہ خیز احساس ذمہ داری تھی جس پر اسی وقت ہی فوری عملی اثرات مرتب ہوئے اور انسان اسی وقت سے ہی اس کی گہرائی اور تاثیر کو واضح طور پر محسوس کرسکتاہے بالکل اسی بھائی چارے کی طرح جس طرح قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے " انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم" (1) کیونکہ اس آیت مجیدہ میں خداوند نے مؤمنین کے درمیان صلح کی ذمہ داری کو ایمانی بھائی چارے کا حصہ بیان فرمایا ہے _جب بھائی چارہ ثمر آور اور نیک نیتی پر مشتمل ہو توفطری بات ہے کہ یہ برداری اور اسی طرح اس کی حفاظت اور پابندی بھی ممکن ترین حد تک دائمی ہوگی_ اس مؤاخات کے عظیم اور گراں قدر نتائج جہاد کی تاریخ میں بھی ظاہر ہوئے_ خداوند کریم نے اپنے نبی ﷺ پر جنگ بدر میں احسان جتلاتے ہوئے فرمایاہے : وان یریدوا ان یخدعوک، فان حسبک اللہ، ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین و الف بین قلوبھم، لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ، و لکن اللہ الف بینھم ، ان اللہ عزیز حکیم (2)_ اور اگر وہ تمہیں دھوکہ دینا بھی چاہیں تو آپ ﷺ کو اطمینان ہے کہ آپ کی حمایت کے لئے خداہی کافی ہے جس نے اپنی مدداور مومنوں کے ذریعہ سے پہلے سے ہی آپ ﷺ کی تائید اور حمایت کر رکھی ہے اور اسی نے ہی مومنوں کے دلوں کو آپس میں (محبت کے ذریعہ) جوڑ دیا ہے وگر نہ آپ ﷺ چاہے تمام دنیا و مافیہا کو بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں میں محبت نہیں ڈال سکتے تھے ، لیکن خدا نے یہ محبت ڈال دی ہے اور خدا تو ہے ہی عزت والا اور دانا_

حضرت ابوبکر کے خلیل:

مؤرخین یہاں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :" اگر مجھے کسی کو دوست بناناہو تا تو میں ضرور ابوبکر کو دوست بناتا"(3) لیکن یہ کس طرح صحیح ہو سکتاہے حالانکہ خود ہی آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

---

1) الحجرات 10_ (2) الانفال 62_

3) مصنف عبدالرزاق ج / 10 از ابن الزبیر اور اس کے حاشیہ میں سعید بن منصور سے روایت نقل کی گئی ہے الغدیر ج/9 ص 347 ،از صحیح البخاری ج/5 ص 243 باب المناقب اور باب الہجرۃ ج/6 ص 44_نیز الطب النبوی ابن قیم ص 207_

بے شک میری امت میں سے میرا دوست ابوبکر ہے [1]

_ ہر نبی ﷺ کا دوست ہوتاہے اور میرا دوست سعد بن معاذ [2] یا عثمان بن عفان ہے [3] _

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ : حضرت عثمان کی دوستی والی حدیث کو اسحاق بن نجیح ملطی نے گھڑا ہے [4] اور حضرت ابوبکر کی دوستی والی حدیث (جیساکہ معتزلی نے بھی اس کی تصریح کی ہے) [5]نبی اکرم ﷺ اور علی علیہ السلام کے درمیان مواخات والی حدیث کے مقابلہ میں گھڑی گئی ہے _

سلمان کی دوستی ، کس کے ساتھ؟

پھر وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کریم نے جناب سلمان اور ابو دردا کے درمیان اخوت قائم کی[6]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جناب سلمان او رحذیفہ کے درمیان مواخات برقرار فرمائی [7] جبکہ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے اور مقداد کے درمیان رشتہ اخوت برقرار کیا[8]

حدیث مواخات کاانکار اور اس کا جواب :

لیکن ابن سعد کہتاہے کہ ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی ہے کہ مجھے موسی بن محمد بن ابراہیم بن حارث نے اپنے باپ سے ایک قول نقل کرکے بتایا ہے نیز مجھے محمد بن عمر نے کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ نے مجھے زہری سے

---

1) ارشاد الساری ج/6 ص 83 ،84، کنزالعمال ج/6 ص 138 ، اور ص 140 ، الریاض النضرۃ ج/1 ص 83_نیز الغدیر مذکورہ کتب سے_

2)الغدیر ج/9 ص 347 ، از کنزالعمال ج/6 ص83،منتخب کنزالعمال (مسند کے حاشیہ پر) ج/5 ص 231_ (3)تاریخ بغداد خطیب ج6 ص 321 و الغدیر ج9 ص 346 و 347_ (4)ملاحظہ ہو: الغدیر ج 9 ص 743_ (5)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 11 ص 49_ (6) الاصابہ ج2 ص 62 ، اس کے حاشیہ میں الاستیعاب ج2 ص 60 و ج4 ص 59 ، الغدیر ج10 ص 103 تا 104 و ج3 ص 174 اس میں اس روایت پر مناقشہ کیا گیا ہے ، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج2 ص 152 ، اسد الغابہ ج2 ص 330 _331 ، طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج4 حصہ اول ص 60 تہذیب تاریخ دمشق ج6 ص 203 ، شرح نہج البلاغہ معتزلی ج18 ص 37 ، تہذیب الاسماء ج1 ص 227، قاموس الرجال ج7 ص 256 ، نفس الرحمان ص 91 و 85 از ابن عمرو المناقب خوارزمی فصل 14 نیز تہذیب التہذیب ج4 ص 138_ (7)طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج4 حصہ اول ص 60_ (8)نفس الرحمان ص 85 از حسین بن حمدان_

ایک روایت بیان کی ہے_ یہ دونوں (حارث کا باپ اور زہری) واقعہ بدر کے بعد ہر قسم کی مواخات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بدر نے (بھائی چارے کی بنیاد پر) میراث کا معاملہ ہی ختم کردیا تھا جبکہ سلمان اس وقت غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے اور وہ اس کے بعد آزاد ہوئے تھے اور انہوں نے سب سے پہلے پانچویں ہجری میں واقع ہونے والی جنگ خندق میں شرکت کی تھی [1]_

اس لئے بلاذری نے یہ کہا ہے کہ " ... اور ایک گروہ کا کہناہے کہ آپ ﷺ نے ابودر داء اور سلمان کے درمیان مواخات برقرار فرمائی _ حالانکہ سلمان واقعہ احد اور خندق کے درمیانی عرصہ میں مسلمان ہوئے _ اور واقدی کہتاہے کہ علماء، بدر کے بعد کسی بھی قسم کی مواخات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بدر نے ہر قسم کی (ۂاخاتی) وراثت کو منقطع کردیا ہے"[2]_

" ... اور ابن ابی الحدید کا کہناہے کہ ابوعمر کے بقول رسول ﷺ خدا نے جب مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو سلمان کو بھی ابودرداء کا بھائی بنایا تھا_ لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ قول ضعیف اور عجیب و غریب ہے"[3]جبکہ ہمیں مزکورہ بیانات پر کئی اعتراضات ہیں جنہیں ہم مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کرتے ہیں :

1 _ ان کا یہ کہنا کہ جنگ بدر کے بعد مواخات کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا_ گذشتہ باتوں کی رو سے صحیح نہیں ہے _ پس ان لوگوں کے اس بات کو عجیب و غریب سمجھ کر انکا ر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے_

2 _ ان کا یہ کہنا بھی کہ " بدر کے بعد مواخات کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے سلمان کا کسی بھی آدمی کے ساتھ اخوت کا مسئلہ صحیح نہیں ہوسکتا" درست نہیں کیونکہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ آپ ﷺ نے بدر سے پہلے سلمان کی (چاہے وہ غلام ہی ہو) کسی اور آزاد آدمی سے مواخات کیوں نہیں کی ؟ اس پرمزید یہ کہ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ جناب سلمان ہجرت کے پہلے برس میں ہی مسلمان اور آزاد ہوگئے تھے_

---

1) طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج4 حصہ اول ص 60_

2)انساب الاشراف (حصہ حیات طیبہ رسول ﷺ کریم) ج1 ص 271_

3) نفس الرحمان ص 85 از انساب الاشراف_

3_ پس بلاذری کا یہ دعوی کہ" سلمان ، احد اورخندق کے درمیانی عرصے میں مسلمان ہوئے تھے" صحیح نہیں ہے کیونکہ جس طرح ہم نے کہا ہے وہ ہجرت کے پہلے سال ہی مسلمان ہوگئے تھے_ ہاں البتہ مورخین یہ کہتے ہیں کہ وہ جنگ خندق سے کچھ عرصہ قبل آزاد ہوئے تھے_

پس جب وہ مواخات کے عمل کے موقعہ پر مسلمان تھے تو کسی بھی مسلمان کے ساتھ ان کی مؤاخات ہوسکتی تھی، چاہے وہ دوسرا آدمی آزاد ہو، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں ایمان اور انسانیت و غیرہ کے لحاظ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے _

یہ تو اس صورت میں ہے جب انہیں اس وقت تک غلام مان لیا جائے_

4_بدر کے بعد جس چیز کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا وہ ایسے مؤاخاتی بھائیوں کے درمیان توارث کا حکم ہے، خود مؤاخات نہیں _ یہ بھی ان لوگوں کے بقول ہے وگرنہ ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ توارث کا مسئلہ تو اس سے پہلے بھی نہیں تھاشاید بعض مسلمانوں نے یہ گمان کرلیا تھا کہ بھائی بننے والوں کے درمیان توارث کا سلسلہ بھی موجود ہے تو آیت اس گمان کی نفی اور اس شک کے ازالہ کے لئے ناز ل ہوئی _ اس آیت کے نزول کازمانہ اور جنگ بدر کازمانہ ایک ساتھ ہوگئے جس سے دو اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور وہ یہ کہ :

الف: توارث کا سلسلہ پہلے یقینی تھا_

ب: توارث کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی اخوت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیاہے_

جبکہ یہ دونوں گمان ، باطل اور نادرست ہیں_

5_ان کے اس قول " سلمان اور ابودردا کے درمیان بھائی چارہ ہوا تھا " کے مقابلے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

الف: ہمارے امام زین العابدین علیہ السلام کا فرمان ہے: " اگر ابوذر کو معلوم ہوجاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ اسے قتل کرڈالتا، حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے دونوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا _ تو پھر

دوسرے لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟" [1]_

ب: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے : " نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم نے سلمان اور ابوذر کے درمیان مواخات برقرار کیا تھا اور ابوذر پر یہ شرط عائد کردی تھی کہ وہ سلمان (کاہر کہنا مانے گا اور اس) کی نافرمانی نہیں کرے گا[2]_

ج: ہمارا بھی یہی نظریہ ہے کہ سلمان کی مؤاخات ، ابوذر کے ساتھ ہی صحیح اور مؤرخین و محدثین کے اس بات کے زیادہ موافق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم نے ہر شخص کو اسی کی طرح کے فرد کا بھائی بنایا _ اور ابودردا کی نسبت ابوذر ہی گفتار و کردار کے لحاظ سے سلمان سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے کیونکہ قرآن اور حکومت کے ٹکراؤ کی صورت میں جناب سلمان قرآن مجید کا دامن تھامنے اور اس کا ساتھ دیتے ہوئے اس پر ڈٹ جانے کی تاکید کیا کرتے تھے_ اسی طرح جب کوئی حکومت کسی بڑے انحرافی رستے پر چل نکلتی تو جناب ابوذر حکومت کے خلاف سخت مؤقف اختیار کرتے تھے _ پس وہ حق کی طرفداری کرتے تھے اور اپنے موقف پر ڈٹ جانے کا پر زور اعلان کرتے تھے_ اسی طرح جناب ابوذر اور جناب سلمان کا واقعہ سقیفہ اور اس کے نتائج پر ایک ہی موقف تھا ... [3]_

لیکن ابودردا ء ... وہ حکومت کا ترجمان اور جابر حکمرانوں کا مددگار بن گیا تھا_ یہانتک کہ ہم معاویہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس اچھائی کے بدلے میں اس کی تعریف توصیف اور تمجید میں رطب اللسان رہتا تھا[4]

اسی ابودرداء نے (جیسا کہ بیان ہوچکا ہے) سلمان کو ایک خط میں مقدس سرزمین کی طرف دعوت دی تھی_ اور اس کے گمان میں سرزمین مقدس، شام ہے مکہ اور مدینہ نہیں پس پڑھتے جائیں اور تعجب کرتے جائیں کیونکہ زمانے کا دستور نرالا ہوتاہے_

---

1) بصائر الدرجات ص 25 ، الکافی ج1 ص 331 الغدیر ج7 ص 35 از مذکورہ دونوں، اختیار معرفۃ الرجال ص 17 ، بحار الانوار ج22 ص 343 ، مصابیح الانوار ج1 ص 348 ، قاموس الرجال ج4 ص 418، 419 بظاہر یہ روایت معتبر بھیہے _

2) الکافی ج8 ص 162 ، بحارالانوار ج22 ص 345 از کافی نیز نفس الرحمان ص 91_

3)ملاحظہ ہو مؤلف کی کتاب " سلمان الفارسی فی مواجہۃ التحدی"_

4)طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج2 حصہ 2 ص 115

اس کے متعلق یہ تذکرہ ہی کافی ہوگا کہ یزید بن معاویہ نے بھی ابودرداء کی مدح اور تعریف کی [1] جبکہ معاویہ نے اسے دمشق کا گورنر بنایا تھا [2] اس پرمزید یہ کہ رسول صلى الله عليه وآله وسلم خدا نے ابودردا کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے _ اس نے پوچھا کہ کفر والی جاہلیت یا اسلام والی؟ تو آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے فرمایا کہ کفر والی جاہلیت [3]_

د: جب جناب سلمان ہجرت کے پہلے سال مسلمان ہوئے تھے (جیسا کہ ایک علیحدہ فصل میں اس کے متعلق گفتگو ہوگی) اور ابودرداء جنگ احد کے بعد بہت دیر سے مسلمان ہوا تھا [4] تو نبی صلى الله عليه وآله وسلم کریم نے سلمان کو کسی کا بھائی بنائے بغیر اتنا لمبا عرصہ کیوں چھوڑے رکھا ؟

ھ : اگر ہم واقدی کے اس قول کو مان لیں کہ " علماء ، بدر کے بعد کسی بھی قسم کی مواخات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعہ بدر نے (اخوت کی بنیاد پر) ہر قسم کی میراث کو منقطع کردیا ہے " [5] تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ علماء ، سلمان اور ابودرداء کے درمیان مؤاخات کے منکر ہیں _ کیونکہ ابودرداء جنگ بدر کے بہت عرصہ بعد مسلمان ہوا تھا_

و: اور آخر کار بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے ابودردا اور عوف بن مالک اشجعی کے درمیان رشتہ اخوت برقرار فرمایا تھا [6] اور شاید یہ روایت ہی زیادہ صحیح اور قبول کرنے کے زیادہ قابل ہو ...

ابوذر ،سلمان کی مخالفت نہ کرے

کلینی نے حضرت امام صادق عليه السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم نے سلمان اور ابوذرکے درمیان

---

1) تذکرۃ الحفاظ ج1 ص 25 (2) الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج3 ص 17 و ج4 ص 60 ، الاصابہ ج3 ص 46 نیز التراتیب الاداریہ ج2 ص 426، 427

3) الکشاف ج3 ص 537 ، قاموس الرجال ج 10 ص 69_ (4)الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج3 ص 16، نیز ملاحظہ ہو ج4 ص60_

5)قاموس الرجال ج7 ص 256 و ج10 ص 69 ، انساب الاشراف (حصہ حیات طیبہ نبی صلى الله عليه وآله وسلم کریم) ج1 ص 271 نیز ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد ج4 حصہ اول ص 60_

6)طبقات ابن سعد ج4 حصہ اول ص 22_

مؤاخات برقرار فرمائی اور ابوذر پر یہ شرط عائد کی کہ وہ سلمان کی نافرمانی نہ کرے [1] اور واضح سی بات ہے کہ ابوذر کے سلمان کی اطاعت کرنے کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ یہ اطاعت حق تک پہنچانے والی اور اخوت اور حق کے دوام اور ان سے وابستگی اور اس سے دفاع تک لے جانے والی تھی اور اس کی ایک اوروجہ یہ بھی ہے کہ سلمان خدائے بزرگ و برتر تک رسائی اور اعلی مقاصد تک پہنچنے کے لئے ذہنی ، نظریاتی اور علمی بلکہ ہر قسم کی حرکات و سکنات کے لحاظ سے اعلی سطح پراس عظیم دینی شعور اور اعلی ظرفی کا عملی نمونہ تھے جو ثمر بخش پختہ ایمان اور راسخ عقیدہ کا، حمایت یافتہ تھاتا کہ زندگی اس ایمان کے سائے میں بسر کریں _ بہر حال جناب سلمان میں صحیح معنوں میں تمام کمالات بدرجہ اتم موجود تھے_ کیونکہ ایمان کے کل دس درجے ہیں اور سلمان دسویں درجے پر فائز تھے ، ابوذر نویں درجے پر اور مقداد آٹھویں درجے پر تھے [2]_

آنحضرت ﷺ کے ابوذر کو سلمان کی اطاعت کرنے کے حکم سے ہمیں یہ سبق ملتاہے کہ : اطاعت کا معیار اور میزان صرف یہی مذکورہ چیز ہے _ قرآن کریم نے بھی اسی چیز کو یقین اور تقوی تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیاہے_ فرمان الھی ہے:(ہل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون) [3] اور (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) [4] اور(ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم) [5] پس اس صورت میں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنے اور امتیازی حیثیت پیدا کرنے میں رنگ و خون اور جاہ و مال و غیرہ کا کسی قسم کا اور کسی بھی شخص کے حق میں کوئی کردار نہیں ہے_ بلکہ ان تمام امور میں معیار اور میزان صرف اورصرف وہ تقوی ہے جو پختہ ایمان، روشن فکر اور عظیم دینی شعور کے زیر سایہ ہوتی ہے_ اسی وجہ سے ابوذر پر ضروری تھا کہ وہ سلمان کی نافرمانی نہ کرے_ وہ سلمان جو علم و معرفت کے اس درجہ پر فائز تھے کہ اگر ابوذر کو معلوم ہوجاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے اسے قتل کردیتا [6]_ فضل سے منقول ہے کہ اسلام کے

---

1) روضۃ الکافی ص 162_ (2) قاموس الرجال ج/4 ص 423 ازخصال للصدوق _

3) الزمر 9_ (4) فاطر 28_

5) الحجرات 13_

6) قاموس الرجال ج/4 ص 418_

زیر سایہ پرورش پانے والے تمام لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو سلمان فارسی سے زیادہ فقیہ ہو [1] _

اور بالکل اسی طرح سے دوسرے زبر دستی حاکم بننے والے جاہلوں ، طاغوتوں اور جابر لوگوں کی اطاعت کی بجائے ائمہ ھدی علیہ السلام کی اطاعت ضروری ہے جو علم و معرفت اور در نتیجہ تقوی کی انتہائی بلندترین چوٹی پر فائز ہیں اور زمین پر خلافت الہی کا حقیقی نمونہ ہیں _

4_ جدید معاشرے میں تعلقات کی بنیاد:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد اور بعض کے بقول پانچ مہینوں [2] کے بعد اپنے اور یہودیوں کے درمیان ایک تحریر یا سند لکھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے دین اور اموال کا مالک رہنے دیا لیکن ان پر یہ شرط عائد کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور جنگ اور اضطراری صورت حال میں ان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ اس کے بدلہ میں مسلمانوں پر بھی یہ چیز لازم ہے لیکن یہودیوں نے بہت جلدی اس عہد و پیمان کو توڑدیا اور مکر وفریب سے کام لینے لگے _ لیکن جو دوسروں کے لئے کنواں کھودتا ہے ، اسی کے لئے کھائی تیار ملتی ہے _

قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ اس سند میںصرف اغیار کے ساتھ مسلمانوں کے روابط کی نوعیت و کیفیت کے بیان پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ خود مسلمانوں کے درمیان روابط کے ایسے ضروری اصولوں اور قواعد پر مشتمل ہے جو احتمالی غلطیوں کے واقع ہونے سے پہلے ہی ان کی روک تھام کرسکے اور یہ سند ایک ایسے دستور العمل کی مانند ہے کہ جس میں نئی حکومت کے داخلی و خارجی روابط کا بنیادی ڈھانچہ پیش کیا گیا ہو _حق بات تو یہ ہے کہ یہ سند ان اہم ترین قانونی اسناد میں سے ایک ایسی سند ہے جس کا مطالعہ ماہرین قانون اور قانون گذاروں کو پوری دقت اور توجہ کے ساتھ کرنا چاہیے تا کہ اس سے دلائل او ر احکام استخراج کرسکیں اور اسلام کے اعلی مقاصد اور قوانین کی عظمت و بلندی کو درک کرسکیں _ نیزاس سند کا دیگر

---

1)قاموس الرجال ج 4 ص 418 و غیرہ _

2) تاریخ الخمیس ج1/ ص 353_

انسانوں کے بنائے ہوئے ان قوانین کے ساتھ موازنہ کرنا چاہئے جن پر اس امت کے فکری طورپر مستضعف افراد بھی مرے جا رہے ہیں حالانکہ یہ قوانین انسان کی فطری و غیر فطری ضروریات کا تسلی بخش جواب دینے سے قاصر ہیں_یہاں پر ہم سند کے متن کو درج کرتے ہیں_

سند کا متن

ابن اسحاق کے بقول :

رسول خدا ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے لیے ایک قرار داد تحریر فرمائی جس میں یہودیوں کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا اور انہیں اپنے دین اور مال کا مالک رہنے دیا اور طرفین کے لئے کچھ شرائط بھی طے پائیں_

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے یہ معاہدہ یثرب اور قریش کے مسلمانوں ، مومنوں، ان کے پیروکاروں ، ان سے ملحق ہونے والوں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوںکے درمیان ہے_ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں یہ سب کے سب ایک امت ہیں _ قریشی مہاجرین اپنے رسوم و رواج کے مطابق آپس میں خون بہا کے معاملات طے کریں گے جبکہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر برابر مسلمانوں سے لے کرادا کریں گے_ (البتہ یہ شقیں ذو معنی الفاظ رکھتی ہیں لیکن ان کا یہی معنی مناسب لگتاہے_مترجم)

بنی عوف بھی اپنے رسوم و رواج کے مطابق خون بہا کے گذشتہ معاملات طے کریں گے جبکہ ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر برابر مؤمنین سے لے کرادا کرے گا _

اسی طرح بنی ساعدہ ، بنی الحارث ، بنی جشم، بنی نجار، بنی عمرو بن عوف ، بنی النبیت اور بنی اوس بھی اپنے رسوم و رواج کے مطابق خون بہا کے گذشتہ معاملات طے کرلیں گے جبکہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر برابر مؤمنین سے لے کرادا کریں گے _

اور مومنین اپنے درمیان کسی کثیر العیال مقروض کو اپنے حال پر نہیں چھوڑیں گے اور مناسب طریقے سے اسے فدیہ اور خون بہا کا حصہ عطاء کریں گے _

اور پرہیزگار مؤمنین سب مل کرباہمی طور پر بغاوت کرنے والے یا ظلم ، گناہ، دشمنی یا مومنین کے درمیان فساد پھیلانے جیسے کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے کے خلاف اقدام کریں گے چاہے وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو_

اور کسی مومن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو کسی کافر کی خاطر قتل کرے اور مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے_

اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے اسی لئے مسلمانوں میں سے ادنی ترین شخص بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے_

اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں تمام مؤمنین ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی ہیں_

اورجو یہودی بھی ہماری پیروی کرے گا تو اس کی مدد اور برابری کے حقوق ضروری ہیں_اور اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی جائے گی _

اورتمام مومنین کی صلح و سلامتی ایک ہے اور کوئی مومن بھی دوسرے مومن کی موافقت کے بغیر جہاد فی سبیل اللہ میں کسی سے صلح نہیں کرسکتا مگر سب اکٹھے ہوں اور عدالت کی رعایت کی جائے _

اور جو قبیلہ بھی ہمارے ساتھ مل کر جنگ کرے گا اس کے سب افراد ایک دوسرے کی مدد کرینگے _

اور مومنین کا جو خون راہ خدا میں بہے گا وہ اس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور(راضی بہ رضا رہنے والے) متقی مومنین بہترین اور محکم ترین ہدایت پر ہیں _

کسی مشرک شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قریش کے کسی شخص یا اس کے مال کو پناہ دے اور مومن کے اس پر مسلط ہونے سے مانع ہو_

اور جو شخص بھی ناحق کسی مومن کو قتل کرے گا اور قتل ثابت ہوجائے تواسے اس کے بدلے قتل کیا جائے گا مگر یہ کہ مقتول کے وارثین (دیت لینے پر) راضی ہوجائیں اور تمام مؤمنین کواس قاتل کے خلاف قیام کرنا

پڑے گا اوران پر قاتل کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ضروری اور واجب ہوگا_

اور جو مومن اس معاہدے میں درج امور کا اقرار کرتا ہے اور خدا اور قیامت پر ایمان رکھتاہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی بدعت گزار کی مدد کرے یا اس کو پناہ دے اورجو شخص بھی اس کو پناہ دے گا یا اس کی مدد کرے گا تو قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب قرار پائے گا اور اس سے اس چیز کا معاوضہ یا بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا_

اور جب بھی کسی چیز کے متعلق تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو (اس اختلاف کو حل کرنے کا) مرجع و مرکز خدا اور (اس کے رسول) محمد ﷺ ہیں_

اور جنگ کے دوران یہود ی بھی مومنین کے ساتھ ساتھ جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے اور بنی عوف کے یہودیوں کا شمار بھی مومنین کے ساتھ ایک گروہ میں ہوگا(اس فرق کے ساتھ کہ) یہود یوں اور مسلمانوں کا اپنا اپنا دین ، دوستیاں اور ذاتیات ہوں گے مگر جو شخص ظلم یا گناہ کا ارتکاب کرے گا تو (اس صورت میں) وہ صرف اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کو ہی ہلاکت میں ڈال دے گا _ بنی نجار کے یہودیوں کا معاملہ بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرح ہے_ اسی طرح بنی حارث ، بنی ساعدہ ، بنی اوس اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کا معاملہ بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرح ہے مگر جو شخص ظلم یا گناہ کاارتکاب کرے گا تو (اس صورت میں) وہ صرف اپنے آپ اور اپنے اہل خانہ کو ہی ہلاکت میں ڈالے گا_ ثعلبہ کے خاندان ، جفنہ کا معاملہ بھی ثعلبہ کی طرح ہے_ اسی طرح بنی شطیبہ کا معاملہ بھی بنی عوف کے یہودیوں کی طرف ہے_ اور نیکی اور برائی کا علیحدہ علیحدہ حساب کتاب ہے_ ثعلبہ کے ساتھیوں کا معاملہ بھی انہی کی طرح ہے_ نیز یہودیوں کے قریبی افراد کا معاملہ بھی انہی کی طرح ہے_

اور(حضرت) محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی یہودی مدینہ شہر سے خارج نہیں ہوگا نیز کسی بھی قبیلہ کو اس معاہدے سے خارج نہیں کیا جائے گا_ اور زخمیوںکا بدلہ لینے میں بھی کوئی زیادہ روی نہیں کی جائے گی اور جو ناحق خونریزی کرے گا اس کا اور اس کا گھر والوں کا خون بہایا جائے گا_ لیکن مظلوم ہونے کی

صورت میں اسے اس بات کی اجازت ہے اور خدا بھی اسی بات پر راضی ہے_

یہودی اور مسلمان ہر ایک اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے اور اس معاہدے کو قبول کرنے والوں میں سے کسی فریق کے خلاف جنگ کی گئی تو یہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے_

اوریہ لوگ پند و نصیحت اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے ، گناہ کے کاموں میں نہیں _ کوئی شخص بھی اپنے حلیف سے بدی نہیں کرے گا اور (اس صورت میں)مظلوم کی مدد کی جائے گی _

اور یہود ی مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگی اخراجات برداشت کریں گے جب تک وہ جنگ میں مصروف ہیں _اس معاہدے کو قبول کرنے والوں کے لئے یثرب (مدینہ) شہر جائے امن وا حترام ہے_

اور (ہر شخص کا)ہمسایہ اور پناہ گیر خود اسی کی طرح ہے اور اسے ضر ر اور تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے _ کسی شخص کو نا حق پناہ نہیں دی جائے گی مگر اس کے خاندان کی اجازت سے_

اور اگر اس معاہدے کو قبول کرنے والے اشخاص کے درمیان ایسا جھگڑا اور نزاع واقع ہو جس سے فساد کا خوف ہو تو اسے حل کرنے کا مرجع و مرکز خدا اور (اس کا رسول) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور خداوند متعال یقیناً اس عہد وپیمان کے مندرجات پر راضی خوشنود ہے_ مشرکین قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی یثرب پر حملہ کرنے والوں کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کرینگے_ اگر (مؤمنین) انہیں صلح کی دعوت دیں[1] اور وہ قبول کرلیں تو تمام مؤمنین بھی اس کے مطابق عمل کریں گے اور اگر وہ مومنین کو صلح کی دعوت دیں گرچہ ان کامؤمنین کی طرح یہ حق ہے مگر جو شخص دین کے بارے میں جنگ کرے تو اس کی پیشکش کو قبول نہیں کیا جائے گا_ اور ہر شخص کو اپنے ذمہ لئے جانے والا حصہ [2] ادا کرنا چاہئے_اوس کے یہود ی خود اور ان کے ساتھیوںکے بھی وہی حقوق ہیں جو اس معاہدے کو قبول کرنے والوں کے لئے ثابت ہیں_ ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جائے_ اچھائی اور

---

1) کتاب الاموال ابوعبید کی روایت ہے کہ اگر (مومنوں میں سے) یہودیوں کا کوئی حلیف انہیں صلح کی دعوت دے گا تو سب کو ان کے ساتھ صلح کرنی پڑے گی اور اگر وہ یہ کام کریں تو مومنوں کی طرح ان کا بھی یہ حق بنتا ہے مگر جو دین کے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں_

2)الاموال کے مطابق ، ہر کسی کو اپنے ذمہ لئے جانے والے خرچہ کا حصہ ادا کرنا چاہئے_

برائی کا علیحدہ حساب کتاب ہے اور جو بوئے گا وہی کاٹے گا_ خداوند اس معاہدے کے مندرجات پر خوشنود وراضی ہے اوراس قرار داد کی خلاف ورزی صرف ظالم اور گناہگار افراد ہی کریں گے_ (اور اس قرارداد کو قبول کرنے والے اشخاص میں سے) جو شخص بھی مدینہ سے خارج ہو یا مدینہ میں رہے امان میں ہے مگر یہ کہ ظلم کرے اور گناہ کا مرتکب ہو_ یقیناً خدا اور اس کا رسول محمد صلى الله عليه وآله وسلم نیک اور پرہیز گار لوگوں کی پناہ گاہ ہیں(1)_

یہ ایک اہم اور بلند پایہ سند ہے لیکن مؤرخین نے (1)اسے زیادہ اہمیت نہیں دی اور محققین و مؤلفین نے اس میں تحقیق کرنے میں کوتاہی کی ہے ، ہم روشن فکر اشخاص کو اس سند میں غور و خوض اور گہرے سوچ بچار کی دعوت دیتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس کی عظمت کے مطابق اسے اہمیت دی جائے گی واللہ ھو الموفق والمسدد_البتہ ہم بھی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے متعلق چند نکات بیان کریں گے_

معاہدہ یا معاہدے؟

مؤرخین ، اس معاہدے کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایسا دستور العمل ہے جو ایک طرف سے تو مہاجرین اور انصار کے درمیان اور دوسری طرف سے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت معین کرتاہے بعض مؤرخین کا دعوی ہے کہ یہ ایک معاہدہ نہیں ہے بلکہ یہ کئی علیحدہ علیحدہ سلسلہ وار معاہدوں کا مجموعہ ہے جنہیں مندرجہ ذیل دو مرحلوں میں آپس میں ترکیب کیا گیا ہے :

پہلا مرحلہ : اس مرحلہ میں مختلف عرب قبائل کو رسول صلى الله عليه وآله وسلم خدا کی قیادت میں مدینہ میں یکجا کیا گیا _

دوسرا مرحلہ : اس مرحلہ میں کسی بھی بیرونی دباؤ کے مقابلے کی خاطر مدینہ کے یہودیوں کے تعاون کے حصول کے لئے مذکورہ قبائل کے اجتماع اور تعاون کی قوت سے مدد لی گئی_

---

1) سیرۃ ابن ھشام ج/2 ص 147 تا 150 ، البدایۃ والنھایۃ ج/3 ص 224 تا 226، الاموال ص 202 تا ص 207،مجموعۃ الوثائق السیاسیہ نیز مسند احمد ج 1 ص 271 و مسند ابویعلی ج 4 ص 366_367 میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے_

اور یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ یہ معاہدے ایک ہی وقت میں طے پائے ہوں _ بلکہ ان دومرحلوں میں بھی کئی ایسے چھوٹے مراحل ہیں جو (اس معاہدے کی شقوں پر نظر ثانی کا باعث بننے والے) ہر نئے پیش آنے والے حالات و واقعات کے مطابق وقتاً فوقتاً مذکورہ معاہدے کی شقوں اور جملوں میں اضافہ کا باعث بنے _ جن کی رو سے مدنی معاشرے کے مختلف ارکان کے درمیان مذکورہ تبدیلی کے اثرات کی حامل شقوں اور جملوں کا اضافہ ہوا _ لیکن مذکورہ بیانات پر ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اس معاہدے میں بعض جملوں کا تکرار ہوا ہے _ خاص کر جب یہ ملاحظہ کیا جائے کہ یہ جملے ایک ہی شق اور شرط کو بیان کررہے ہیں بطور مثال مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں جو یہ بیان کررہی ہیں کہ " جنگ کے دوران یہودی بھی مومنوں کے ساتھ ساتھ جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے" اور " اس معاہدے کے حلیفوں کے درمیان جب بھی کسی چیز کے متعلق اختلاف واقع ہو تو اسے رسول ﷺ خدا کے حضور پیش کریں " اسی طرح " اچھائی اور برائی کا حساب جدا جدا ہے" اور " ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ بہتر طریقے سے اور برابر برابر تمام مومنین کے درمیان تقسیم کریں گے" جبکہ یہ جملے اوس اور خزرج کے مختلف قبیلوں کی بہ نسبت کئی بار تکرار ہوئے ہیں [1] _

جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ واضح سی بات ہے کہ یہ دلیل ان کے اس گمان کے اثبات کے لئے ناکافی ہے _ کیونکہ یہ تکرار یقیناً ہر قبیلے کی بہ نسبت اس معاہدے کی جداگانہ تاکید کے لئے آیا ہے جو تحریری معاہدوں میں دقت اور صراحت کے حصول کے لئے ایک پسندیدہ امر ہے تا کہ کسی بہانہ جو اور حیلہ گر کے لئے عذر اور بہانہ کا کوئی بھی موقع نہ رہے_ اور یہ وضاحت اور تصریح ہر گروہ ، خاندان اور قبیلہ کے لئے بیان ہوئی ہے کیونکہ مقصود یہ تھا کہ اس گروہ یا قبیلہ کو وضاحت سے ہر وہ بات معلوم ہوجائے جو اس کے لئے اور اس سے مطلوب ہے پس یہ معاہدہ ان تمام قرار دادوں کا مجموعہ ہے جسے ہر قبیلہ نے دوسرے قبیلوں ،گروہوں یا خود قبیلہ کے افراد کے ساتھ طے کئے تھے_ پس ان تمام قراردادوں کا بیان ضروری تھا_ اسی بناپر اس ایک معاہدے میں کئی مختلف معاہدوں کی خصوصیات پیدا ہوگئیں_البتہ اس معاہدے میں مذکور یہودیوں سے مراد بنی اسرائیل

---

1) مذکورہ بیانات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب " نشا الدولة الاسلامیہ ص 25 ، 27"

کے یہودی نہیں ہیں اور ان کے قبیلے قینقاع، نضیر اور قریظہ ہیں _ بلکہ یہاں پر یہودیوں سے مراد قبائل انصار کے یہودی ہیں_کیونکہ انصار کے قبیلوں کے چند گروہ یہودیت اختیار کرچکے تھے اور معاہدے میں بھی ان کا ذکر ان کے قبیلہ کے ذکر کے ساتھ ہوا ہے _ ابن واضح کا کہنا ہے : " اوس اور خزرج کا ایک گروہ یمن سے خارج ہونے کے بعد خیبر ، قریظہ اور نضیر کے یہودیوں کے ساتھ ہمسائیگی کی وجہ سے یہودی ہوگیا_ نیز بنی حارث بن کعب، غسان اور جذام کے افراد بھی یہودی ہوگئے "[1]_ اسی طرح بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ انصار کی ایک نسل اس سبب سے یہودی ہوگئی تھی کہ جب بھی کسی عورت کا بچہ زندہ نہ بچتا تھا تو وہ اپنے آپ سے یہ عہد کرتی تھی اور یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ بچا تو وہ اسے یہودی بنائے گی _ پھر جب قبیلہ بنی نضیر کو جلا وطن کیا جانے لگا تو انہی کے بزرگوں نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے جس پر خدا نے (لا اکراہ فی الدین) (دین اختیار کرنے پر کوئی جبر نہیں) والی آیت نازل کی _ مورخین و محدثین کہتے ہیں کہ یہ حکم ان مذکور افراد کے لئے خاص ہے جو اسلام کے آنے سے پہلے یہودی ہوگئے تھے[2]_

معاہدے پر سرسری نگاہ :

بہر حال معاملہ جو بھی ہو _ لیکن یہ معاہدہ یا معاہدے اس نئے معاشرے میں تعلقات استوار کرنے کے سلسلے میں کئی نہایت اہم اور بنیادی نکات کے حامل ہیں اس بات پر بطور مثال ہم مندرجہ ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1 _ اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ تمام تر قبائلی ، نسبتی ، فکری نیز کمی اور کیفی لحاظ سے نظریاتی،معاشی ، معاشرتی اور دیگر اختلافات کے با وجود مسلمان ایک امت اور گروہ ہوں گے_

---

1) تاریخ یعقوبی ج1 ص 257_

2)ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج2 ص 267 ، الجامع لاحکام القرآن ج3 ص 280 از ابوداؤد ، لباب التاویل ج1 ص 185 فتح القدیر ج5 ص 275، از ابوداؤد، نسائی ، ابن جریر ، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان ، ابن مردویہ ، بیہقی در سنن و ضیاء در المختارہ ، درمنثور ج1 ص328

اس عہد کے کئی سیاسی پہلو ہیں _ نیز اس کے حقوقی اور دیگر اثرات بھی ہیں_ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشرتی ڈھانچے اور نجی ، جذباتی ، فکری ، معاشی حتی کہ بنیادی حالات و تعلقات پر بھی اس کے عمومی سطح پر گہرے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں_ لیکن ہم اس کی تفصیل اور جزئیات میں جانے کے درپے نہیں ہیں_

2_ اس معاہدے میں قریش مہاجرین کو دیت اور خون بہا کے معاملے میں اپنی عادت اور رسم پر باقی رکھنا بھی شامل ہے_ گرچہ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ شق بعد میں منسوخ ہوگئی تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شقیں بعد میں بھی برقرار رہیں_ جبکہ یہ ان رسومات میں سے ہے جنہیں جناب عبدالمطلب نے رواج دیا تھا _ یا دین حنیفیت سے ان تک پہنچی تھی _ اس وجہ سے استثنائی طور پر صرف اس رسم کو اسلام میں باقی رکھا گیا اور بطور مثال قریشیوں کی تجارتی یا دوسرے نجی رسومات کو باقی نہیں رکھا گیا_

حتی کہ اگر بعض مقامات پر یہ صورتحال نہ بھی ہو تو عین ممکن ہے کہ شرعی احکام کی تشریع اور انہیںلاگو کرنے کے باب میں اس دور کے معاشی اوراقتصادی صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریج کا سہارا لیا گیا ہو_

3_ مہاجرین اور دوسرے قبائل کا اپنے قیدیوں کا فدیہ عدل و انصاف سے سب قبائل میں تقسیم کرنے کا فریضہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تمام قبائل کو ایک دوسرے کی کفالت اور معاشرتی اور اجتماعی احساس ذمہ داری کی حالت میں گذر بسر کرنا ہوگی _ مزید یہ کہ یہ چیز ان لوگوں کے درمیان ایک قسم کے تعلق ، ایک دوسرے کے دفاع اور خطرے اور مشکلات کے لمحات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی ضامن ہے_ اس کے علاوہ اپنے جنگی حلیف کو یہ احساس دلانا ہے کہ یہاں اس کے خیرخواہ موجود ہیں اور اس کے قیدی ہونے کی صورت میں اسے آزاد کرانے کے لئے اپنا مال خرچ کرنے پر بھی تیار ہیں اور یہ بات اس کی امنگوں ، خود اعتمادی اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے ارادوں میں اضافہ کا باعث بنے گا_ اس پر مزید یہ کہ اگر اقتصادی اور معاشی بوجھ کو بہت سے افراد مل کر برداشت کریں تو وہ بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے_ اور مشکلات سے دوچار (غریب) افراد پر بھی زیادہ بوجھ نہیں پڑتا_

یہاں پر قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ اس شق میں قسط (عدل و انصاف) اور معروف (نیکی اور بھلائی) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں _ کیونکہ قسط کا لفظ قبیلہ کے افراد میں حصہ رسد کی برابر تقسیم میں کسی بھی قسم کی کمی یا بیشی کے انکار اور ممانعت پر دلالت کرتا ہے _ لیکن معروف کا لفظ اس سے بھی وسیع مطلب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس شق یا کسی بھی ایسے شرعی حکم کا عملی نفاذ بہتر اور احسن انداز میں ہونا ضروری ہے جس کا تعلق عام لوگوں سے ہوتا ہے اور وہ حکم ان کی مالی یا غیر مالی حالات کی معاونت کے متعلق ہو _ پس صادرہ احکام یا عمومی قانون کے بہانے مذکورہ طریقے اور راستے سے ادھر ادھر ہونا صحیح نہیں ہے_

4_ اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ اگر کسی مقروض کا کوئی ایسا خاندان نہ ہو جو اس کے قیدی کی رہائی کے بدلے، فدیہ دینے میں اس کی مدد کرسکے تو اس قیدی کی رہائی کے لئے تمام مسلمانوں پر اس کی مدد لازمی ہے_ اور یہ شق ، قبائل پر فدیہ کی ادائیگی ضروری قرار دینے والے مذکورہ حکم سے پیدا ہونے والے شگاف کو پر کرنے کے لئے منظور کی گئی ہے_ اور اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ مذکورہ دونوں شقیں اس وقت کی مالی مشکلات کو حل کرنے کے لئے وضع ہوئیں جب مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی بیت المال (خزانہ داری)نہیں تھا جو ان مشکل اور کٹھن حالات میں مسلمانوں کی کفایت کرتا _ کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان دوسروں کی ضروریات تو اپنی جگہ ، اپنی ذاتی ضروریات تک پوری کرنے سے قاصر تھے_ اور کوئی ایسا متبادل ذریعہ بھی نہیں تھا جس سے وہ اس بارے میں استفادہ کرتے_

5_ اس معاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ ظالموں کو دور بھگانے کا فریضہ صرف مظلوموں پر ہی نہیں بلکہ سب پر عائد ہوتا ہے_ شاید یہ اس معاہدے کی اہم ترین شقوں میں سے ایک ہے_ چاہے اس جیسے عہد کو معاشرے کی جڑوں پر اثرات کے لحاظ سے دیکھا جائے، پھر ان اثرات کے تعلق کو معاہدے اور سیاسی موقف ، ظلم کے مسئلہ کے ساتھ حکمرانوں کے برتاؤ کے تناظر میں دیکھا جائے اور پھر اس معاہدے کے مثبت یا منفی رد عمل کے ساتھ دیکھا جائے جو ظلم سے مقابلے کو ایک معاشرتی اور اجتماعی فریضہ قرار دیتا ہے اور اسے صرف حکمران کے ساتھ ہی مخصوص نہیں کرتا، (گرچہ اکثر اوقات اس کے لئے اقتدار اور مقام کی ضرورت

رہتی ہے)_ یا چاہے عوام اور امت پر روحانی ، نفسیاتی اور دیگر اثرات کے لحاظ سے اس جیسے عہد کو دیکھا جائے تو یہ بہت بھی نہایت خطیر اور بااہمیت ہے _ البتہ اس کی تفصیل میں جانے کی گنجائشے نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے اسلامی شریعت کی طبیعت اور فطرت کے گہرے اور دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے_

6_ اس معاہدے میں ایک یہ شق بھی ہے کہ کسی کافر کے بدلے میں کسی مسلمان کا خون نہیں بہا یا جائے گا_ اور اس شق میں یہ تاکید پائی جاتی ہے کہ انسان کی بزرگی اور قدر و قیمت صرف اسلام کے ساتھ ہی بڑھتی ہے_ اور یہ بات اس مقولہ سے ماخوذ ہے کہ کسی فرد یا اجتماع کے افکار و عقائد ہی اس کی قدر و قیمت کا معیار ہیں_ یہی چیزیں ہیں جو اس کی قدر بڑھاتی ہیں یا پھر گھٹاتی ہیں_ پس اسلام ، ایک مسلمان کی روح کو بلندی تک پہنچا نے والے ایسے اقدار کا مجموعہ ہے جن کے ذریعہ وہ مسلمان اپنی ذات میں انسانیت کے بلند و بالا معانی سموئے ہوئے ہو اور پھر ان پر حقیقی اور عملی زندگی میں عمل پیرا بھی ہو_ ان اقدار کے حامل مسلمان سے ایسے افراد کا قیاس ممکن ہی نہیں ہے جو یا تو اپنی انسانیت پر کاربند نہیں رہتے یا بہت قلیل مقدار میں ان اقدار کے حامل ہوتے ہیں یا سرے سے ان کے اندر انسانیت ہی نہیں پائی جاتی_ یہ صورتحال تو اس صورت کے علاوہ ہے جس میں کوئی شخص وقت پڑنے پر انسانیت کے دفاع اور اس کی راہ میں عزیز اور قیمتی چیزوں کی قربانی تو دریغ ، بلکہ وہ تو انسانیت کے لئے کسی وقعت بلکہ خود انسانیت کا بھی قائل نہ ہو اور ہر حال میں اسے اپنا مفاد عزیز ہوتاہے_

7_ اس معاہدے میں یہ مذکور ہوا ہے کہ مسلمانوں کا کمتر شخص بھی دشمنوں کو امان دے سکتا ہے لیکن کسی مسلمان کے مقابلے میں کسی کافر کو پناہ اور امان نہیں دی جائے گی_ یہ شق بھی گذشتہ نکتہ میں مذکور مطلب پر تاکید کرتی ہے_ کیونکہ اسلام شرف اور بزرگی کو مال ، قبیلہ اور کسی دوسری چیز میں نہیں بلکہ صرف انسانیت میں دیکھتا ہے اور انسانیت ہی ہے جو اس کی قدر بڑھاتی ہے_ یہاں پر ہم یہ اضافہ بھی کرتے چلیں کہ اس جیسا پیمان مسلمانوں کے درمیان مساوات کے احساس کو مزید پختہ کرتا ہے_ پس جب تک تمام مسلمانوں میں انسانیت کا یہ اعلی نمونہ موجود ہے تب تک امیر کو غریب پر اور طاقتور کو کمزور پر کوئی برتری نہیں ہے_ اس

صورتحال میں انہیں صرف ان اعلی اقدار سے احسن انداز میں استفادہ کرنا چاہئے تا کہ ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں بہتری ، بھلائی ، علم و فضل او رتقوی غالب ہو_

8_ اس معاہدے میں یہ بھی طے پایا کہ مسلمان کسی بھی بدعتی کی حمایت اور مدد نہیں کریں گے بلکہ نہایت صلابت، مضبوطی ، پائیداری اور مستعدی سے اس کا اور اس کی بدعت کا مقابلہ کریں گے_ معاہدے کی اس شق میں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ، ذہنی اور فکری سلامتی کے لئے بہت زیادہ اہمیت کا قائل ہے_ اور ثقافتی ، عقائدی اور فکری میدان میں حفاظت اور صیانت کی بہت زیادہ تاکید کرتا ہے_ پھر اس صیانت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ عوام یا دوسرے لفظوں میں امت کو اصلی کردار فراہم کرتا ہے_ اور اس سے قبل کہ اس بدعت کا طوفان اس امت کو اپنے ساتھ اڑالے جائے اور اس سمندر کی موجزن لہریں انہیں بہالے جائیں، اسلام ان انحرافات سے نمٹنے کے لئے عوام کو گروہی اور انفرادی کردار ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے_ کیونکہ یہ بدعت ابتداء میں امت کے افراد کو نشانہ بناتا ہے تا کہ ان کی اجتماعی طاقت کو مذاق بنا کر اسے حقیرو ذلیل کرے اور پھرا نہیں تسخیر کرکے ان کی طاقت کو اپنی بنیادیں مضبوط کرنے اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے کام لائے _ جس کے بعد عوام کی یہ طاقت ایک ایسے پنجے اور کدال کی صورت اختیار کرلے گی جو ہر فضیلت پر کاری ضرب لگا کر اسے تباہ کرنے او ر ہر پستی اور برائی کو پھیلانے کے کام آئے گی_

9_ اس معاہدے میں غلبہ اسلام کی بھی بنیاد رکھ دی گئی ہے کیونکہ اس معاہدے میں اسلام کے سخت ترین دشمنوں یعنی یہودیوں (مراد انصار قبیلوں سے دین یہودیت اختیار کرنے والے افراد) کی طرف سے بھی اسلام کے غلبہ کا تحریری اعتراف بھی موجود ہے_ حالانکہ یہودی صرف اور صرف اپنے آپ کو ہی تمام امتیازات اور خصوصیات کا مالک جانتے تھے اور ضروری تھا کہ ہر فیصلے کا مبداء ، منتہاء اور محور یہی ہوں _ خلاصہ یہ کہ یہ اپنے آپ کو حکمران اور پوری دنیا کو اپنا ایسا غلام اور حلقہ بگوش سمجھتے تھے جو پیدا ہی ان کی غلامی کرنے کے لئے ہوئے ہیں_ بہرحال اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ کوئی بھی یہودی رسول ﷺ خدا کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر قدم بھی نہیں رکھے گا_ اور حاکمیت اور فرمانروائی کسی اور کے ساتھ نہیں بلکہ

دین خدا اور رسول ﷺ خدا کے ساتھ خاص ہے_

ہوسکتا ہے کہ یہ عہد اور فیصلہ اس لئے بھی کیا گیا ہو کہ داخلی طور پر یہودیوں کو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق برا سوچنے والے بیرونی دشمنوں کے مفاد میں فتنہ انگیزیوں اور جاسوسیوں کا کوئی موقع میسر نہ آسکے_ اور اس لئے بھی یہ عہد لیا گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ اور آس پاس رہنے والے لوگوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ یہاں پر بھی ایک ایسی طاقت موجود ہے جسے بہر صورت تسلیم کرنا ہی پڑے گا اور اس کے ساتھ حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے برابری اور سچائی کے ساتھ تعلقات قائم کرنے ہوں گے_

10_ اس معاہدے میں (جس میں مذکورہ عہد کی گہری تاکید کی گئی ہے اور جسے یہودیوں نے تسلیم بھی کیا اور تحریری طور پر اس کا ثبوت بھی دیا) یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے تمام تنازعوں اور مشکلات کے حل کا مرجع اور مرکز صرف رسول ﷺ خدا کی ذات والا صفات ہی ہے_ البتہ ہم یہاں اس شق کے سیاسی مدلول اور یہودیوں نیزمدینہ کے رہائشی دیگر افراد اسی طرح پورے علاقے کے باسیوں پر ذاتی ، انفرادی اور اجتماعی اثرات پر بحث کرنے کے درپے نہیں_ البتہ یہ ضرور بتاتے چلیں کہ اس شق کی وجہ سے عقائد کی حفاظت کا سامان بھی فراہم کیا گیا اور اگر تھوڑی سی دقت کی جائے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس میں فقہی پہلوؤں کی مراعات بھی کی گئی ہے _اس بارے میں کسی اور مقام پر تفصیلی بحث کریں گے_

11_ ان تمام شقوں کے علاوہ اس معاہدے نے فتنہ انگیزی نہ کرنے کی شرط پر انصاری یہودیوں کے " امن " اور " آزادی" جیسے عمومی حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دی ہے_ اور یہ دونوں خاص کر آزادی کا حق عطا کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جب تک کوئی چیز حقیقت اور سچائی کی بنیادوں پر برقرار رہتی ہے اور حقیقت کے راستے پر گامزن ہوتی ہے تب تک اسلام کو بھی کسی چیز سے خطرہ محسوس نہیں ہوتا _ اسلام صرف اور صرف فتنہ انگیزی اور فساد سے ڈرتا ہے_ یہ چیز اس بات کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ اسلام علم اور معرفت کے حصول کی تاکید کرتا ہے کیونکہ اسلام ہی ہے جو (تخریبی رستوں سے ہٹ کر صرف) تعمیری راستوں میں علم اور معرفت سے سب سے زیادہ استفادہ کرسکتاہے_

12_ پھر اس معاہدے میں منافقوں اور مشرکوں بلکہ یہودیوں کی طرف سے بھی یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ مسلمان ہی سب سے بہتر اور معتدل تر ہدایت پر ہیں_ حالانکہ انہی لوگوں نے پہلے یہ پھیلا رکھا تھا کہ یہ نبی ہمارے اتفاق اور اجتماع میں رخنہ ڈالنے اور ہماری امیدوں اور لائحہ عمل پر پانی پھیرنے آیا ہے اور اسی طرح کے دیگر الزامات بھی تھے جو بطور مثال عمرو بن عاص نے حبشہ (ایتھوپیا) کے بادشاہ نجاشی سے ذکر کئے تھے_

13_ اس معاہدے میں قبیلہ پرستی کو بھی ناجائز قرار دے دیا گیا کیونکہ قبیلہ پرستی ، افراد قبیلہ کی ہر قسم کی اور ہر صورت میں مدد کا باعث بنتی تھی چاہے وہ دوسروں پر ظلم اور زیادتی کے بھی مرتکب ہوتے_

اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ قاتل جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو تمام مؤمنوں پر اس کا تعاقب اور پیچھا ضروری ہے _ نیز اس شق میں ریاست ، سرداری اور مجرم کے قبیلہ کی قسم جیسے دیگر امتیازی قوانین اور سلوک کو بھی باطل قرار دیا گیا _ جس طرح بنی قریظہ اور بنی نضیر کی حالت تھی _ کیونکہ اس معاملے میں بنی قریظہ پر بنی نضیر کو امتیازی حیثیت حاصل تھی_

14_ پھر اس قرار داد نے مسلمانوں کو (تمام مشرکوں کو چھوڑکر) صرف قریشیوں کے اموال ضبط کرنے کا حق بھی دیا_ کیونکہ قریشیوں نے بھی ان سے تمام اموال چھین کر انہیں اپنے گھروں سے نکال باہر کردیا تھا_ اور یہ ضبطی اس ادلے کا بدلہ ہوگا_ حتی کہ مشرکوں نے بھی مسلمانوں کے اس حق کا اعتراف کیا حالانکہ وہ بھی اس معاہدے کے فریق تھے_ اس شق کے متعلق مشرکوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اس معاملے میں وہ قریش کی کوئی مدد نہیں کرسکتے اور اس معاملے کو دوسرے رنگ میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا _ اسی شق نے انسانی ضمیر میں انسانیت کی قدر بڑھائی اور اسے فعال کردار عطا کیا جسے یا تو وہ لوگ بھلا چکے تھے یا بھلانے لگے تھے_

15_ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس معاہدے میں " مسلمانوں" کی بجائے" مومنوں" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے_ روابط اور تعلقات کے میدان میں اس لفظ کے بہت اثرات ہیں _ اسی طرح مخلصین کے لئے بھی اس میں اشارے پائے جاتے ہیں تا کہ ان کے خلوص اور اخلاص میں اضافہ ہو نیز ان منافقوں کے لئے بھی

اشارے پائے جاتے ہیں جو خدا اور مؤمنوں کو دھو کا دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی دھوکا دیتے ہیں_ اسی طرح مختلف گروہوں کی شناخت میں اس کے سیاسی اثرات بھی ہیں تا کہ یہ پہچان اور امتیاز مذہبی اور دینی تعصب کی روسے نہ ہو _

16_ اس معاہدے میں ایمان کی عظمت کا اظہار بھی ہے جس کی روسے ترجیحات اور امتیازات عطا ہوتے ہیں_ نیز کفر کو پست ترین رتبہ دیا گیا ہے کیونکہ اس معاہدے میں یہ کہا گیا ہے کہ کافر کے مقابلے میں کوئی بھی مؤمن کسی مؤمن کو قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی مؤمن کے خلاف کسی کافر کی مدد اور حمایت کرے گا_

17_ یہ شق کفر اور ایمان کے لشکر کے درمیان امتیازات کی واضح جنگ اور اس حالت جنگ کی بنیاد ڈالنے کی جانب ایک قدم ہے_

18_ ملاحظہ ہو کہ یہ قرار داد یہ بیان کر رہی ہے کہ جو اس معاہدے کے مندرجات کا اقرار کرتا ہے اسے کسی بدعتی کی مدد ، حمایت اور پناہ کا کوئی حق نہیں پہنچتا_ اور یہ شق امن عامہ کو پھیلانے ، لوگوں کو ایک طرح سے مطمئن اور آسودہ خاطر رکھنے نیز اوس اور خزرج پر منڈلاتے ہوئے خوف کے بادلوں کو کم کرنے کی طاقت رکھتی ہے_ اسی طرح اس شق میں مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی علاقے میں بسنے والے یہودیوں اور مشرکوں کو ڈھکی چھپی دھمکی بھی پائی جاتی ہے_

19_ اسی طرح دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کا یہ دعوی ہے کہ " وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے والی ایک متحد اور منسجم طاقت ہیں" _ اور دوسروں کے دلوں میں اپنی ہیبت اور رعب و دبدبہ بٹھانے کے لئے نیز قبائلی یا دیگر قسم کے جذبات سے کھیل کر ان کے ذریعے مسلمانوں کی صفوں میں نفوذ کرنے والوں کی سوچ اور طمع کو دور کرنے اور مٹانے کے لئے اس دعوے کا بہت زیادہ اثر اور کردار ہے_

20_ آخر میں یہ نکتہ بھی ملاحظہ ہو کہ یہ معاہدہ مشرکوں کے لئے کسی اضافی حق کا قائل نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس ان پر کئی پابندیاں عائد کردیں_ پس اس معاہدے کی روسے کسی مشرک کو قریش کے کسی شخص یا مال کو پناہ اور امان دینے بلکہ ان کی خاطر مومنوں اور قریشیوں کے درمیان حائل ہونے کا بھی کوئی حق نہیں ہے_

یہی وہ چند نکات تھے جنہیں ہم عجلت میں سرسری طور پر ذکر کرنا چاہتے تھے _ امید ہے کہ کسی فرصت میں بہت سے دیگر نکات کا بھی مطالعہ کریں گے_

5_ یہودیوں سے صلح :

بنی قریظہ ، نضیر اور قینقاع کے یہودی (نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں) آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کی خواہش کی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے تحریر لکھ دی کہ (یہ صلح) اس شرط پر ہوگی کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کسی شخص کی مدد نہیں کریں گے _ نیز زبان ، ہاتھ، اسلحہ یا سواری کے ساتھ یعنی کسی بھی ذریعے سے اور خفیہ یا علانیہ اور رات یا دن میں یعنی کسی بھی طریقے سے اور کسی بھی وقت آپ ﷺ کے کسی بھی صحابی کے لئے کسی بھی قسم کی کوئی مزاحمت ایجاد نہیں کریں گے _ اور اگر انہوں نے ان میں سے کوئی کام انجام دیا تو ان کا خون بہانے، ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنانے اورا ن کے اموال ضبط کرنے کا اختیار رسول ﷺ اللہ کو ہوگا_اور ہر قبیلہ کے لئے جدا گانہ تحریر لکھ دی [1]_ لیکن یہودی ، اس معاہدے کو توڑ کر دوبارہ اپنی مکر و فریب والی عادت پر پلٹ گئے_

---

1) اعلام الوری ص69،البحار/19س ص 111/110 عنہ، السیرۃ النبویۃ لدحلان ج/1 ص 175_

چوتھی فصل: شرعی احکام

اذان کی تشریع :

یہاں پرمؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ : ہجرت کے پہلے سال اذان تشریع کی گئی _ ایک قول یہ ہے کہ دوسرے سال میںتشریع ہوئی لیکن اس چیز کی تحقیق ہمارے لئے زیادہ اہم نہیں_

البتہ تشریع اذان کی کیفیت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ : آنحضرت ﷺ اس فکر میںتھے کہ لوگوں کو نماز کے لئے کس طرح اکٹھا کیا جائے تو آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ ایک پرچم نصب کریں جب لوگ دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو اطلاع دے دیں گے تو آپ ﷺ نے اسے پسند نہ فرمایا _ صحابیوںنے (یہودیوںکے بگل کی طرح) بگل بجانے کا مشورہ دیا_ آپ ﷺ نے اسے بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ یہودیوںکی رسم ہے _ انہوں نے ناقوس (بجانے کا) مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے (اسے بھی ناپسند کرتے ہوئے)فرمایا کہ یہ نصاری کی عادت ہے غالباً آپ ﷺ نے پہلے اسے ناپسندفرمایا پھر اس کا حکم دے دیا اوراسے لکڑی سے بنایا گیا_

عبداللہ بن زید گھر واپس آئے جبکہ نبی اکرمﷺ کے فکرمندہونے کی وجہ سے غمگین تھے _ اس رات انہوں نے خواب میں اذان دیکھی_ خود عبداللہ بن زید بیان کرتے ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کواذان کے متعلق بتایا پھر عرض کی کہ یا رسولﷺ اللہ میں نیند اور بیداری کی حالت میں تھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اذان کی کیفیت دکھائی "_

وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب اس واقعہ سے پہلے اذان کو دیکھ چکے تھے اورانہوں نے بیس دن تک ا سے چھپائے رکھا _ پھر جب نبی اکرمﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر مجھے بتانے سے کون سی چیز مانع

تھی؟ جواب دیا کہ عبداللہ بن زید نے مجھ پر سبقت لے لی لیکن میں جھجکتا رہا (اس پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال اٹھو اور دیکھو کہ عبداللہ بن زید تجھے کس چیز کا حکم دیتا ہے تم اسے بجا لاؤ_یوںحضرت بلال نے اذان کہی (الحدیث) _تشریع اذان کی کیفیت کے سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات میں سے ایک نص یہ تھی_ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مزید اطلاع کے لئے حاشیہ میں مندرج کتب کی طرف رجوع کریں [1] _

اذان کی روایات پر بحث:

ہم معتقد ہیںکہ یہ بات درست نہیں اور اس سلسلہ میںہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں_

ایک : ان روایات کے مطالعہ اور ایک دوسرے کے ساتھ تقابل سے ظاہر ہوتاہے کہ ان روایات میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ چیز کسی روایت کے ضعیف ہونے کا باعث بنتی ہے اور اس پر کئی طرح کے سوالات اٹھتے ہیں_مثلاً گذشتہ روایت کہتی ہے کہ ابن زید نے نیند اور بیداری کی حالت میں اذان دیکھی_

دوسری روایت میں اس کے برعکس یہ ہے کہ انہوں نے یہ اذان حالت خواب میں دیکھی جبکہ تیسری روایت میں آیا ہے کہ خود ابن زید نے کہا " لوگ اگرباتیں بنا کرمیرے درپے نہ ہوتے تو میں یقیناً یہی کہتا کہ میں تو سو ہی نہیں رہا تھا بلکہ حالت بیداری میں تھا "_ ایک اور روایت یوں کہتی ہے " یقیناً ابن زید نے اذان ہوتے ہوئے دیکھی اور پھر نبی اکرمﷺ کو اس کی اطلاع دی" مزید ایک روایت میں ہے کہ یقیناً جبرائیل نے دنیا کے آسمان پر اذان دی حضرت عمر اور حضرت بلال دونوںنے سنا ، لیکن حضرت عمرنے حضرت بلال

---

1)سنن ابی داؤد ج/1 ص 335،338 ، المصنف عبد الرزاق ج /1ص455تا465، السیرۃ الحلبیۃج/2 ص 93 تا 97 ، تاریخ الخمیس ج/1 ص 359، الموطا ج1 نیزشرح موطا للزرقانی ج/1ص120تا 125،الجامع الصحیح للترمذی ج/1ص358تا361،مسند احمدج/4 ص 42 ، سنن ابن ماجہ ج/1ص 124، سنن البیھقی ج/1 ص390و391،سیرۃابن ھشام ج/2ص125،155،154،نصب الرایۃ ج/1 ص 259تا261، فتح الباری ج/2 ص 63تا66، طبقات ابن سعدج/1جزء 2ص 8،البدایۃوالنھایۃ ج/3 ص232و 233، المواھب اللدنیۃ ج/1ص71، منتخب کنزالعمال(حاشیہ مسنداحمدپر)ج/3 ص273، اور 275 ، تبیین الحقائق للزیلعی ج /1 ص 90، الروض الانف ج/2 ص 285،286، حیاۃ الصحابۃ ج/3 ص 131، از کنز العمال ج/4 ص 246،263،اور اسی طرح ابی شیخ ابن حبان اور ابن خزیمہ سے بھی نقل کیا گیاہے ، سنن الدار قطنی066 ج/1، 241 ، 242 ، اور 245 ، علاوہ ازین دیگر کثیر کتب_

پر سبقت لیتے ہو پہلے جاکر پیامبر اسلام ﷺ کو اس کی اطلاع دی _جب حضرت بلال آنحضرت ﷺ کی خدمت آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " تم سے پہلے عمر نے مجھے اس کی اطلاع دے دی ہے" _

لیکن ایک روایت میں ملتاہے کہ فقط ابن زید نے اس اذان کو دیکھا _اس کے برعکس ایک روایت یوں کہتی ہے کہ انصار کے سات افراد نے اذان دیکھی جبکہ ایک قول میں یہ تعداد چودہ بیان ہوئی ہے، ایک روایت میں عبداللہ بن ابی بکر کابھی اضافہ کیا گیا ہے ... علاوہ بر ایں ایک روایت میں ہے کہ یقیناً یہ بلال ہی تھے جنہوںنے سب سے پہلے "اشھد ان لا الہ الا اللہ حی علی الصلاۃ" کہا_ اس پر حضرت عمر نے "اشھد ان محمد رسول اللہ" کا اضافہ کیا پس نبی اکرم ﷺ نے یہ سنتے ہی حضرت بلال سے فرمایا :"جیسے عمر نے کہا ہے تم بھی ویسے ہی کہو"_

بعض روایات میں اذان کی فصلیں ایک مرتبہ اور بعض میں دو مرتبہ ذکر ہوئی ہیں_ان روایات میں طرح طرح کے دیگر اختلافات بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان سب کو بیان نہیں کیا جاسکتا _ اس سلسلے میں آپ اصل منابع کی طرف رجوع کرکے روایات میں تقابل کرسکتے ہیں _

دو: یہ بات کہ حضرت عمر اور حضرت بلال نے خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آواز سنی یا ابن زید نے یہ اذان حالت بیداری میں ہوتے ہوئے دیکھی ، قابل قبول نہیںکیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سب لوگ بھی نبی ہیں کیونکہ انھوں نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھااو ر جبرائیل علیہ السلام سے ایک شرعی ، توقیفی حکم سنا جبکہ یہ امر تو انبیاء علیہم السلام و رسل علیہم السلام سے مخصوص ہے_

حالت خواب میں دیکھی گئی اذان کے متعلق عسقلانی لکھتے ہیں:

" عبداللہ ابن زید کے خواب کی بنیاد پر اذان کے حکم شرعی کے ثبوت پر یہ اعتراض کیا گیاہے کہ غیر نبی علیہ السلام کا خواب حکم شرعی نہیں ہوتا _ البتہ اس کاجواب یہ دیا جاسکتاہے کہ ممکن ہے کہ وحی بھی اس کے مطابق نازل ہوئی ہو؟" (1) _

---

1) فتح الباری ج/ 2 ص 62 _

لیکن یہ جواب قانع کنندہ نہیں کیونکہ صرف احتمال سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی _حالانکہ ان کے ہاں معتبر اور قابل اعتماد مذکورہ روایات میں ایسے کسی احتمال کی طرف اشارہ بھی نہیں پایا جاتابلکہ یہ روایات فقط رسول اکرمﷺ کے اس حکم پر اکتفاء کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ ابن زیدسے اذان کی تعلیم حاصل کرو _

اس کے علاوہ اس معاملے میں شروع ہی سے آپ ﷺ پر وحی نازل کیوں نہ ہوئی _ حالانکہ آپ ﷺ سر گردان ، فکرمند اور رنجیدہ خاطر تھے اورآپ ﷺ کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں_

یہاںایک یہ سوال باقی رہ جاتاہے کہ اذان، اس کیفیت سے کیوں شروع ہوئی جبکہ باقی سب احکام ایسے نہیں ہیں؟

"سہیلی "نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اذان در اصل خدا کی شان اور ذکر کو بلند کرناہے پس غیر نبی کی زبان پر اس کی شان نہایت بلند اور عظیم المرتبت ہونی چاہئے اس لئے اسے پہلے صحابیوں کو سکھا یا گیا[1]_

اگر چہ عسقلانی و غیرہ نے اس جواب کو سراہا ہے لیکن یہ جواب بھی بے معنی اور کم وزن ہے _اگر یہ جواب صحیح ہو تو شریعت میں نماز، زیارتیں، دعائیں، اسی طرح خدا کی توحید کا اقرار اور پیامبر اسلام ﷺ کی رسالت کی گواہی اور دیگر احکام اسلام سب کے سب غیرنبی کی زبان سے جاری ہونے چاہئیں_ کیونکہ اس کا مطلب اللہ کا ذکر بلند کرنا اور اس کے حکم کو عظمت سے بجا لاناہے_ یہی حال خصوصاً ان قرآنی آیات کا بھی ہے جن میں حضور سرور کائنات ﷺ کی تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے_

(وَ انَّکَ لَعَلی خلق عظیم)

اور اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں_ گذشتہ مطالب کے علاوہ ہم یہ کہیں گے کہ پیامبر اسلام ﷺ کا زید کے خواب کے مطابق عمل کرنے کا حکم دینا تو وحی کے بغیر بلکہ اپنی ذاتی خواہش کے تابع ہوگا جبکہ یہ بات خداوند متعال کے اس فرمان(و ما ینطق عن الهوی) سے منافات رکھتی ہے_

---

1) الروض الانف ج/ 2 ص 285_

پیامبر اسلام ﷺ کا دینی امور میں اپنے صحابیوں سے مشورہ کرنا یقیناً محال ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ "وحی" کے ہوتے ہوئے اس امر سے مستغنی تھے _البتہ دنیاوی امور میں آپ ﷺ اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کرتے تھے_ آپ ﷺ کئی وجوہات کی بنا پر چاہتے تھے کہ دنیاوی امور کو مشورت سے انجام دیں _انشاء اللہ جنگ بدر و احد کے واقعات میں ہم ان وجوہات کا ذکر کرینگے_

تین: یہ کیسے ممکن ہے کہ پیامبر گرامی اسلام ﷺ نے پہلے تو یہود و نصاری کے فعل سے موافقت کو ناپسند فرمایا ہو اور پھر اسی پر ہی رضایت دے دی ہو؟ ایک قبیح امر کیسے اچھا ہوگیا ؟ ایک برائی اچھائی میں تبدیل ہوگئی یا حضرت ﷺ ان لوگوں سے موافقت پر مجبور تھے اور آپ ﷺ کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہ تھا؟ آپ ﷺ نے ایک منادی کیوں نہ مقرر فرما دیا جو لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا؟ جیسا کہ نماز یا دیگر مواقع پر آپ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے اوروہ "الصلاۃ جامعۃ" پکار پکار کر لوگوں کو اکٹھا کرتے تھے_

اس مشکل کے حل کے لئے صرف نبی اکرم ﷺ اور عبداللہ ابن زید (یا حضرت عمر) ہی کیوں فکرمند تھے؟ اور یہ مشکل آپ ﷺ کی رضامندی سے صرف ناقوس بنانے پر ہی حل ہوگئی؟ اور کوئی حل باقی نہیں رہا تھا؟ یا کوئی اور آدمی موجود نہیں تھا؟_

بہر حال اس سے اہم بات یہ ہے کہ وہ یہ روایت کرتے ہیں (گرچہ ہم اس کی تصدیق و تائید نہیں کرتے بلکہ اس کے جھوٹ ہونے پر ہمیں یقین ہے) کہ جن امور میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی ان تمام امور میں رسول ﷺ کریم اہل کتاب کی پیروی کرنا چاہتے تھے[1] تو پھر مذکورہ معاملے میں یہ کیونکر ہوا کہ آپ ﷺ نے کراہت و ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اوراسی کے لئے فکرمند اور پریشان ہوئے_ یہ تو بہت عجیب و غریب تناقض گوئی ہے جسے آنحضور(صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کی طرف نسبت دی گئی ہے_

چہار: الصباح المزنی ، سدیر الصیرفی، محمد بن النعمان الا حول اور عمر بن اذینہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم امام صادق عليه‌السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا :" اے عمر بن اذینہ یہ ناصبی اپنی اذان و نماز کے

---

1) روز عاشور کے روزے کے متعلق گفتگو میں اس کی طرف اشارہ کریں گے (انشاء اللہ)

متعلق کیا کہتے ہیں"؟ میں نے عرض کیا:" میری جان آپ ﷺ پر قربان ہو وہ کہتے ہیں کہ اسے ابی بن کعب انصاری نے خواب میں دیکھا تھا"_ حضرت ﷺ نے فرمایا :" خدا کی قسم جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ خدا وند قدوس کے دین کی شان خواب میں دکھائے جانے سے بالاتر ہے" _ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا:" اللہ نے تمہارے نبی ﷺ پر اس کے متعلق وحی نازل فرمائی لیکن یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے اسے عبداللہ بن زید سے سیکھا ہے" [1] _

2 _ابی علاء سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ سے کہا: " ہم تو یہ بیان کرتے ہیں کہ اذان کی ابتداء ایک ایسے خواب سے ہوئی جسے ایک انصاری نے خواب میں دیکھا تھا" اس پر محمد حنفیہ سخت غصہ ہوگئے اورگرج کر کہا :"شریعت مقدسہ۔ اسلام اور دینی معارف کی بنیادوں کو تم نے نشانہ بنا لیا ہے_تمہارا گمان ہے کہ اسے ایک انصاری نے خواب میں دیکھا ہے جس میں جھوٹ اور سچ دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے _ اور اکثر اوقات تو یہ خواب ویسے ہی بے تعبیر اور لاحاصل ہوتے ہیں"؟

میں نے کہا :"یہ حدیث تو لوگوں میں پھیل چکی ہے"؟

انہوں نے کہا :" خدا کی قسم یہ غلط ہے_" پھر کہا :"مجھے میرے والد گرامی نے بتایا تھاکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے شب معراج بیت المقدس میں اذان و اقامت کہی اور پھر جب رسول ﷺ خدا نے آسمان کی طرف معراج فرمائی تو انہیں پھر دہرایا"[2] _

3_ اس طرح امام حسن مجتبی علیہ السلام نے بھی اس بات کا انکار فرمایاہے _ جب آپ علیہ السلام کے سامنے اذان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور عبداللہ ابن زید کے خواب کا تذکرہ کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ":اذان کی عظمت اس افسانے سے کہیں بالاتر ہے_

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان میں دو دو مرتبہ اذان کہی اور پھراسی طرح اقامت کہی اور آنحضرت ﷺ کو اس

---

1)بحار الانوار ج/18 ص354 ، علل الشرائع ص 112 / 113 ، النص والاجتہاد ص 205 عن الشہید فی الذکری نیز وسائل الشیعہ ج4 ص 612 و 613_

2) السیرۃ الحلبیہ ج/ 2 ص 96 ، النص والاجتہاد ص 205 و کتاب العلوم (امالی احمد بن عیسی بن زید) ج1 ص 90_

کی تعلیم دی" [1]_

4 _ جب حضرت امام حسین علیہ السلام سے اذان اور لوگوں کی باتوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

" تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے اور تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن زید سے اذان سیکھی ہے ؟ جبکہ میں نے اپنے والد حضرت علی ابن ابی طالب (علیہما السلام) سے سنا ہے کہ جب حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کو معراج پر لے جایا جانے لگا تو ایک فرشتے نے اتر کر اذان اور اقامت کی فصلوں کو دو دو مرتبہ دہرا کرا ذان و اقامت کہی پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام سے کہا : " یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی اذان بھی اسی طرح ہے " [2]_

البتہ اقامت کی فصلوں کاایک ایک مرتبہ ہونا اہل بیت علیہ السلام کی قطعی تعلیمات کے بالکل مخالف ہے_ کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ اہل بیت علیہ السلام کی روایات اور نظریات میں اس کی دودو فصلیں بیان ہوئی ہیں اور اصحاب تابعین اور فقہائے اسلام کی اکثریت کی بھی یہی رائے ہے _ایک ایک مرتبہ والی بات امراء کے ہاتھوں کی صفائی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بقول مورخین اس ذریعہ سے انہوں نے اقامت کی تحقیر، بے قدری اور توہین کرنے کی کوشش کی[3] ورنہ اقامت کی فصلیں بھی دو دو مرتبہ ہیں_

پانچ: خو د عبداللہ ابن زید سے روایت ہے : " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذان سنی ہے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دو مرتبہ اذان و اقامت کہی[4]"_

پس اگر ابن زید نے ہی خواب میں اذان دیکھی ہوتی تو وہ دوسروں کی نسبت اس ا مر سے سب سے زیادہ آگاہ ہوتا ، پھر اس کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے یہ حدیث کیسی؟

چھ: داؤود ی کی ابن اسحاق سے حکایت ہے کہ عبداللہ بن زید اور حضرت عمر کے خواب میں دیکھنے سے آٹھ روز قبل حضرت جبرائیل علیہ السلام اذان لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے" _ اس بات کی تائید اس

---

1) النص و الاجتہاد ص 205 از مشکل الہ آثار ،ابن مردویہ اور کنزالعمال ج/6 ص 277 نیز مستدرک حاکم ج3 ص 171_

2) گذشتہ و آئندہ منابع ملاحظہ فرمائیں_ (3) المصنف عبدالرزاق ج/ 1 ص 463 ، سنن البیہقی ج/ 1 ص 425 _

4) مسند ابی عوانہ ج/ 1 ص 331 سنن دارقطنی ج/ 1 ص 241_

روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر ناقوس(گھنٹی) خریدنے جارہے تھے کہ اطلاع ملی ابن زید نے خواب میں اذان دیکھی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بتانے کے لئے واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " تمہارے بتانے سے پہلے وحی نازل ہوچکی ہے "[1]۔

سات: ہم اذان کے شرعی حکم کے ہجرت سے قبل مکہ میں نزول کو ترجیح دیتے ہیں ، کیونکہ یہ بات محمد حنفیہ والی گذشتہ روایت میں بیان ہوچکی ہے اور مندرجہ ذیل روایات میں بھی مذکور ہے۔

1۔ جناب زید بن علی نے اپنے اجداد طاہرین علیہم السلام سے روایت کی ہے: "رسول اللہ ﷺ کو شب معراج اذان کی تعلیم دی گئی اور نماز فرض ہوئی "۔ یہ بات امیر المومنین علیہ السلام ، امام باقر ، ابن عمر اور حضرت عائشہ سے بھی روایت کی گئی ہے[2]۔ امام باقر علیہ السلام سے بھی صحیح سند کے ساتھ تقریباً یہی مطلب نقل ہوا ہے[3]۔

2 ۔ انس روایت کرتے ہیں کہ جب نماز فرض ہوئی تو اس وقت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اذان کا بھی حکم دیا[4]۔ امام باقر علیہ السلام کی اس مذکورہ روایت کو سھیلی نے بھی صحیح قرار دیا ہے جس میں آیا ہے کہ اذان کا شرعی حکم شب معراج لاگو ہوا۔ لیکن اس روایت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک تو اس کی سند میں زیاد بن منذر ہے جو شیعہ تھا [5] اور دوسرا یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اذان کا حکم نہیںدیا تھا [6]۔

---

1) المصنف عبدالرزاق ج/1ص456،تاریخ الخمیس ج/1 ص360،البدایۃ والنہایۃ ج/ 3 ص 233 ، السیرۃ الحلبیہ ج/ 2 ص 96 ، 97۔

2)منتخب کنزالعمال (مسند احمد کے حاشیہ پر) ج/3 ص 273 از طبرانی سے اوسط السیرۃ الحلبیہ ج/ 1 ص 373 ، ج/ 2 ص 93 ، 95 مجمع الزوائد ج/ 1 ص 329 و 328 ، نصب الریۃ ج/1 ص 262 و 260 ، المواھب اللدنیہ ج/1 ص 71 ، 72 فتح الباری ج/ 2 ص 63 ، الدرالمنثور ج4 ص 154 از بزار ، ابن مردویہ ، طبرانی و ابو نعیم در دلائل النبوہ ، الروض الانف ج/ 2 ص 285 و 286 ، البدایۃوالنہایۃ ج/3 ص 233 ، تبیین الحقائق از البزار، النص والاجتہاد ص 205 از مشکل الآثار و شہید در ذکری ، کنزالعمال ج14 ص 4 ، از ابن مردویہ، قصار الجمل ج1 ص 13 ، الوسائل ج4 ص 660 و کافی ج3 ص 302۔

3) الکافی ج/3 ص 302۔ (4) المواھب اللدنیہ ج/1 ص 72 و فتح الباری ج/2 ص 63۔ (5) نصب الریۃ ج/ 1 ص 261۔

6) البدایۃ و النہایہ ج / 3 ص 233 ، مستدرک الحاکم ج/ 3 ص 171 ، نصب الرایہ ج/ 1 ص 261 ، حاکم نے اس بارے میں سکوت کیا ہے جبکہ ذھبی نے نوح بن دراج پر جرح کی ہے شاید انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اس کے شیعہ ہونے کی بناپر ایسا کیا ہے۔

جبکہ ان کے پہلے اعتراض کے متعلق تو معلوم ہوچکاہے کہ وہ ہے ہی بے بنیاد لیکن دوسرے اعتراض کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہی تو اختلاف کا مقام ہے _ اسی مناسبت سے یہاں ذکر کرتے چلیں کہ:

روایات میں یہ بھی آیاہے کہ جب حضرت آدم عليه‌السلام جنت سے نکالے گئے تو جبرائیل عليه‌السلام نے اس وقت اذان کہی (1) گذشتہ بیانات سے ابن عباس سے مروی یہ روایت بھی غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ سورہ جمعہ کی اس آیت "یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ "کے نزول کے ساتھ ہی اذان فرض ہوئی تھی (2) اس روایت کے رو سے تو اذان کے شرعی حکم کا نزول ، ہجرت کے ساتویں سال سورہ جمعہ کے نزول کے ساتھ اور جنگ احد میں یا اس کے کچھ عرصہ بعد قتل ہونے والے عبداللہ بن زیاد کی وفات کے بعد جا بنے گا _

اسی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے حاکم نے کہا ہے" بخاری و مسلم نے عبداللہ بن زید کی خواب میں اذان والی اس روایت کو مذکورہ حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے کیونکہ عبداللہ اس سے پہلے ہی رحلت کرگئے تھے کیونکہ کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن زید جنگ احد میں اور بقولے اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شہید ہو گئے تھے"(3)_

لیکن درمنثور کی عبارت یوں ہے "نماز کے فرض ہونے کے ساتھ اذان رسول اللہ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم پر نازل ہوئی _ (یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلاۃ ...) اب اس عبارت سے ان کا مقصود یہ ہوسکتاہے کہ اذان مکہ میں اس وقت شروع ہوئی جب نماز فرض کی گئی لیکن مذکورہ آیت کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بھی اذان کے بارے میں اشارہ کیا ہے ... اگر یہ صحیح ہو تو اس روایت کا ماسبق سے کوئی تعارض اور اختلاف نہیں_

آٹھ: حضرت عائشہ ، عکرمہ ، قیس بن ابی حازم و غیرہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی کے اس قول (و

---

1)فتح الباری ج/ 2 ص 64 ، السیرۃ الحلبیہ ج/2 ص 93_

2)فتح الباری ج 2 ص 62، الدر المنثور ج 6 ص 218از ابو شیخ_

3) مستدرک الحاکم ج/4 ص 348_

من احسن قولاً ممن دعا الی اللہ و عمل صالحاً)[1] سے مراد اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت نماز کی ادائیگی ہے [2] _

یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ آیت سورہ مبارکہ فصلت کی ہے جو مکی سورت ہے_ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ- اذان و اقامت کا حکم مکہ میں دیا گیاتھااور یہ آیت اذان اور اقامت کے احکام اور مسائل بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے_

البتہ اس دعوی کہ " یہ آیت بھی ان آیتوں میں سے ہے جن کا حکم ان کے نزول کے کچھ عرصہ بعد لاگو ہوا " اس کی سوائے ابن زید کی گذشتہ روایت کے کوئی اور دلیل نہیں ہے اور یہ ہم جان چکے ہیںکہ اس روایت پراعتماد نہیں کیاجاسکتا بلکہ اس کے جھوٹے ہونے پر بھی دلیل قائم کی گئی ہے_

نو: مفسرین نے اس آیت (و رفعنا لک ذکرک) کے متعلق کہا ہے کہ یہ آیت اذان کے بارے میں نازل ہوئی ہے [3] اور کئی مفسروں نے اسے ابن عباس اور مجاہد سے نقل کیا ہے [4] اور یہ آیت سورہ انشراح میں ہے اور یہ بھی مکی ہے_

آخری بات

حضرت امام جعفر صادق ؑ سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت ؑ نے فرمایا " جب جبرائیل ؑ اذان لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے تو جبرائیل ؑ نے خود اذان و اقامت کہی_ اسی موقع پر آنحضور ﷺ نے حضرت علی ؑ سے فرمایا کہ حضرت بلال کو بلالائیں_ آپ ؑ نے حضرت بلال کو بلایا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت

---

1)اس سے بہتر بات کس کی ہوگی جو لوگوں کو اللہ اور عمل صالح کی طرف دعوت دے_

2) السیرة الحلبیة ج/2 ص93، درمنثور ج / 5 ص 364 ، از عبد بن حمید ، سعید بن منصور، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ، ابن ابی شیبہ ، ابن منذر خطیب در تاریخ _

3) الکشاف مطبوعہ دار الفکر ج4 ص 266 ، جوامع الجامع ص 545 ، البحر المحیط ج8 ص 488 ، مجمع البیان ج10 ص 508 ، التفسیر الکبیر ج32 ص5 و مدارک التنزیل (مطبوعہ بر حاشیہ الخازن) ج4 ص 389_

4) ملاحظہ ہو: تفسیر القرآن العظیم ج4 ص 525، الجامع لاحکام القرآن ج20 ص 106 و لباب التاویل ج4 ص 389_

بلال کو اذان کی تعلیم دی اور اذان دینے کا امر فرمایا" (1)_

اور اس روایت میں گذشتہ روایتوں کے ساتھ کوئی تضاد نہیں پایا جاتا_ کیونکہ عین ممکن ہے کہ جبرائیل علیہ السلام مکہ میں اذان لے کر نازل ہوئے ہوں _ اسی طرح وقت معراج تشریع ہونے والی اذان فرداً فرداً کہی جانے والی اذان ہو جبکہ جس اذان کو جبرائیل علیہ السلام (مدینہ میں) لے کر نازل ہوئے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے بلال کو اس کی تعلیم دی اور اسے بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا وہ اذان اعلان (نماز جماعت کے قیام کا اعلان کرنے والی اذان) ہو_

مدینہ میں رونما ہونے والے واقعہ کے متعلق شاید زیادہ مناسب وہ روایت ہو جو یہ کہتی ہے: "مسلمان جب مدینہ پہنچے تو وہ اکٹھے ہوکر وقت نماز کا انتظار کیا کر تے تھے جبکہ کوئی منادی بھی نہیں تھا_ ایک دن انہوں نے اس بارے میں آپس میں گفتگو کی_ بعض نے کہا کہ ناقوس (گھنٹی) بجائی جائے جیسے عیسائی بجاتے ہیں_ بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح بگل بجایا جائے _ حضرت عمر نے کہا کہ ایسے کچھ افراد مقرر کئے جائیں جو لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں جس پر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اٹھو اذان دو" (2)

اس روایت کے مطابق اختلاف خود مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوگیا اور وہ ہی تھے جو ایک دوسرے سے بعض ذرائع اور اسباب کی فرمائشے کرنے لگے تھے _ جبکہ اس جھگڑے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دے کر نمٹایا_ اس سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ اذان کا شرعی حکم اس سے قبل (مثلاً شب معراج)آچکا تھا _

لیکن یہ افراد یا تو نو مسلم ہونے کی وجہ سے اس امر سے بے خبر تھے یا وہ سب یا بعض افراد اس بات سے باخبر تو تھے لیکن یہ اذان والی بات ان کے دل کو نہیں لگی تھی اس لئے وہ اس میں تبدیلی کے خواہش مند تھے_

بہر حال اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لئے امام عبدالحسین شرف الدین کی بہترین کتاب " النص والاجتہاد " کی طرف مراجعہ فرمائیں (3)_

---

1) الوسائل ج/1 ، ص 326، الکافی ج/3 ص 302 ، النص والاجتہاد ص 205 ، اس روایت کو جناب شیخ صدوق اور شیخ مفید رحمھما ا اللہ تعالی نے بھی نقل کیا ہے_ (2) سنن دار قطنی ج/1 ص 237_ (3)النص و الاجتہاد ص 197 تا 205_

اذان میں حی علی خیر العمل:

وہ امور جو مسلمانوں میں اختلاف کا باعث بنے ، ان میں سے ایک اذان میں " حی عل الفلاح " کے بعد دو مرتبہ "حی علی خیر العمل" کہنے کا مسئلہ بھی ہے_ بعض اس کے قائل ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں _

مسلمانوں کا ایک گروہ اپنے پیشواؤنکی اطاعت میں اذان میں"حی علی خیر العمل"کہنے کو صحیح نہیں سمجھتا _ انھیںاہل سنت و الجماعت کہتے ہیں_ البتہ بعض اس کو مکروہ سمجھتے ہیں_ اسکی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ جملہآنحضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے جبکہ اذان میں اضافہ مکروہ ہے[1] _

عما د الدین یحیي بن محمد بن حسن بن حمید مقری کی توضیح المسائل سے نقل کرتے ہوئے قاسم بن محمد بن علی کہتاہے: " رویانی نے کہا ہے کہ مشہور قول کے مطابق شافعی اس کے جواز کا قائل ہے نیز مالکی مذہب کے علاوہ حنفی اور شافعی مذہب کے اکثر علماء کا بھی کہناہے کہ " حی علی خیر العمل" کا جملہ اذان کا ہی حصہ تھا_ اسی طرح زرکشی نے اپنی بحر المحیط نامی کتاب میں کہا ہے : " بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کے متعلق دوسرے شہرونکے علاوہ خود مدینہ کے اندر ہی اختلاف پایا جاتا تھا_ خود مدینہ والوں کے پیشوا جناب عبداللہ ابن عمر اذان کی فصلوں کو ایک ایک کرکے پڑھتے تھے اور اس میں " حی علی خیر العمل" بھی کہتے تھے ... _ یہانتک کہ مقری کہتاہے کہ رویانی کی یہ بات درست ہے کہ شافعی کا مشہور قول "حی علی خیر العمل " کے اثبات کے متعلق ہے [2] _

لیکن اہل بیت علیہم السلام اور ان کے شیعہ " حی علی خیر العمل" کو اذان و اقامت کا جزء سمجھتے ہیں بلکہ اسکے بغیر اذان و اقامت کو صحیح نہیں سمجھتے_ ان کے نزدیک اس حکم پر سب کا اجماع ہے_[3]

---

1) سنن بیہقی ج/1 ص 425 ، البحر الرائق ج/1 ص275 شرح المھذب سے _

2)الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 307

3) الانتصار للسید المرتضی ص 39_

اس نظریئےو شوکانی نے عترت سے منسوب کیا ہے [1] اور کہا ہے کہ البحر میں مہدی نے اس قول کو شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قرار دیا ہے[2] شوکانی کہتاہے کہ یہ قول شافعی مذہب کی موجودہ کتابوں میں موجود قول کے برخلاف ہے[3]_

لیکن اس بات میں شیعیان اہل بیت علیہ السلام کے ہاں قطعاً کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا_ اس پر ان کی دلیل اجماع اور اہل بیت علیہ السلام کی بہت ساری روایات ہیں مثلاً مندرجہ ذیل روایات ہیں_

ابو ربیع ، زرارہ، فضیل بن یسار، محمد بن مہران کی امام صادق علیہ السلام سے روایات، فقہ الرضا میں امام ہشتم علیہ السلام کی روایت ،ابن سنان، معلّی بن خنیس ، ابو بکر حضرمی اور کلیب اسدی کی امام صادق علیہ السلام سے روایات، ابو بصیر کی امام باقر علیہ السلام یا امام صادق علیہ السلام سے روایت ، محمد بن ابی عمیر کی امام ابوالحسن الکاظم علیہ السلام سے روایت، امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور حضرت محمد حنفیہ کی پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت اور عکرمہ کی ابن عباس سے روایت ہے[4]_

اس اختلاف کے ہوتے ہوئے ہمارے لئے اہل علیہ السلام بیت علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کا نظریہ اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے _ اس سلسلے میں ہم فقط اجماع پریا پھر صرف اہل بیت علیہ السلام سے مروی روایات پر بھروسہ نہیں کررہے حالانکہ یہ ہستیاں ثقلین کا ایک حصہ ہیں اور خدا نے ان سے ہر قسم کی پلیدی کو دور رکھاہے اور انہیں ہر قسم کی آلائشوں سے بالکل پاک اور پاکیزہ رکھاہے بلکہ اسکے علاوہ بھی ایسے بہت سے شواہد اور دلائل ہیں جو دوسروں کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں_

بطور مثال وہ بعض روایات جو صحیح اسناد کے ساتھ مندرجہ ذیل شخصیات سے منقول ہیں_

1_ عبداللہ بن عمر 2_ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

3_ سهل بن حنیف 4 _ بلال

---

1)نیل الاوطار ج2 ص 18_ (2)نیل الاوطار ج2 ص 18 ، 19 ، البحر الزخار ج2 ص 191 نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 307 ، 308 ، مذکورہ دونوں کتابوں میں شافعی کے ایک قول کی بجائے شافعی کا آخری (حتمی) نظریہ ذکر ہوا ہے_

3) نیل الاوطار ج2ص 19_

4)الوسائل، جامع احادیث الشیعہ، البحار، مستدرک الوسائل ابواب اذان_

5_حضرت امام علی علیہ السلام 6_ ابو محذورۃ

7 _ابن ابی محذورۃ 8_ زید بن ارقم

9_ حضرت امام باقر علیہ السلام 10 _ حضرت امام صادق علیہ السلام

11 _ حضرت امام حسن علیہ السلام 12_ حضرت امام حسین علیہ السلام

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شخصیات ہیں_

عبداللہ بن عمر سے روایات:

1 _ مالک بن انس، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ بن عمر بسا اوقات "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (1)_

2_ لیث بن سعد ، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جناب ابن عمر سفر میں کبھی بھی اذان نہیں کہتے تھے بلکہ وہ صرف "حی علی الفلاح" کہتے تھے اور بسااوقات "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (2)_

3 _ لیث بن سعد، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ بن عمر اذان میں بعض اوقات"حی علی خیر العمل" کا اضافہ کرتے تھے، یہی روایت انس بن مالک نے نافع کے ذریعے عبداللہ بن عمر سے نقل کی ہے(3) نیز عطاء نے بھی عبداللہ بن عمر سے یہی روایت نقل کی ہے(4)_

4_محمد بن سیرین نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ وہ ہمیشہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کہتے تھے(5)_

---

1) سنن بیہقی ج/ 1 ص 424 الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 297 و ص 308 و 312_

2) سنن بیہقی ج/ 1 ص 424 نیز ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج2 ص 19_ (3) سنن بیہقی ج /1 ص424 ، دلائل الصدق ج/ 3 جزء دوم ص 100 از مبادی الفقہ الاسلامی للعرفی ص 38 شرح تجرید ، جواہر الاخبار اور صعدی کی الآثار المستخرجہ من لجۃ البحر الزخارج 2 ص 192 کے مطابق ، ابن ابی شیبہ نے اسے "الشفاء" میں نقل کیا ہے، نیز الاعصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 308 _ (4) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 299 نیز ملاحظہ ہو ص 310_ (5) سنن بیہقی ج/ 1 ص 425 نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 308 از سنن بیہقی_

5_ نسیربن ذعلوق ، ابن عمر کے بارے میںلکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سفر میں " حی علی خیر العمل" کہتے تھے[1]_

6_ عبدالرزاق، ابن جریج سے اور وہ نافع سے روایت کرتے کہ عبداللہ بن عمر سفر میں جب بھی نماز پڑھتے تو نماز کے لیئے اقامت کہتے اور اس میں دو یا تین مرتبہ یوں کہتے تھے"حی علی الصلاۃ حی علی الصلاۃ، حی علی خیر العمل [2]

7_ عبدالرزاق ، معمر سے وہ یحیي بن ابی کثیر اور وہ کسی ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اذان میں ہمیشہ "حی علی الفلاح "کے بعد "حی علی خیر العمل" کہتے تھے اور پھر" اللہ اکبر، اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ" کہتے[3]اسی روایت کوابن ابی شیبہ نے ابن عجلان اور عبیداللہ ، نافع اور عبداللہ ابن عمر کی سندسے روایت کی ہے[4]

8_ زید بن محمد نے نافع سے روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمر جب بھی اذان کہتا تھا " حی علی خیر العمل" کہتا تھا [5] صاحب اعتصام نے ابن عون ، ابن جریح ،عثمان بن مقسم ، عبداللہ بن عمر اور جویریہ بن اسماء کی نافع سے روایتیں بیان کی ہیں [6] اس لئے وہاں انہیں ملاحظہ فرمائیں _ اسی طرح کی ایک روایت حلبي و غیرہ نے بھی عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے [7]

امام زین العابدین علیہ السلام سے روایات

9_ حاتم بن اسماعیل نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے انہوں نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے حضرت

---

1) مذکورہ منابع_

2) مصنف عبدالرزاق ج/ 1 ص 464_

3)سنن بیہقی ج1 ص 460 نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 299_

4) مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص 145 حاشیہ مصنف عبدالرزاق ج1 ص 460 از مذکورہ کتاب نیز ملاحظہ ہو الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 296_

5) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 295_

6) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 296 تا299_

7) سیرہ حلبیہ ج2 ص 98 ، الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 311 ، 312 ، از ابن حزم در کتاب " الاجماع"_

امام علی بن الحسین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام ہمیشہ اذان میں " حی علی الفلاح" کہنے کے بعد" حی علی خیر العمل" کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی پہلی اذان ہے[1]_

اور ان کے "یہی پہلی اذان ہے "فرمانے کا مطلب صرف یہی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اذان یہی تھی[2]_

10_حلبی اور ابن حزم وغیرہ نے حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام سے بالکل ایسی ہی روایت بیان کی ہے _ اسکا ذکر آئندہ آئے گا_

سہل بن حنیف سے روایات:

11_ بیہقی کا بیان ہے کہ اذان میں " حی علی خیر العمل" کے ذکر کو سہل بن حنیف نے ابو امامہ سے روایت کی ہے[3]_

12 _ ابن وزیر نے محبّ طبری الشافعی کی کتاب احکام الاحکام سے یوں نقل کیا ہے کہ " سہل بن حنیف نے اذان میں حی علی خیر العمل کے ذکر کو صدقہ بن یسار کے ذریعے سے ابی امامہ سے روایت کیا ہے _ وہ جب بھی اذان دیتے تو" حی علی خیر العمل " ضرور کہتے تھے_ سعید بن منصور نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے [4]_

حضرت بلال سے روایت:

13 _ عبداللہ بن محمد بن عمار نے عمار اور عمر فرزندان حفص بن عمر سے اور انہوں نے اپنے آباء و اجداد سے

---

1) سنن بیہقی ج/ 1 ص425، دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 100 از مبادی الفقہ الاسلامی ص 38 از مصنف ابن ابی شیبہ ، جواہر الاخبار والآثار ج/2 ص192، الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 299 ، 308 ، 310 ، نیل الاوطار ج2 ص 19 نیز کتاب العلوم ج1 ص 92_

2) دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 100 از مبادی الفقہ الاسلامی ص 38 _

3)سنن بیہقی ج/1 ص 425_

4)دلائل الصدق ج / 3 جزء دوم ص 100 از مبادی الفقہ الاسلامی ص 38 نیز ملاحظہ ہو الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 309 و 311 _

اور انہوں نے حضرت بلال سے نقل کیا ہے کہ حضرت بلال صبح کی اذان میں "حی علی خیر العمل"کہتے تھے تو آنحضورﷺ نے فرمایا:"حی علی خیر العمل" کو چھوڑ کر اس کی جگہ "الصلاۃ خیر من النوم" کہو_ تو اس نے حی علی خیر العمل کہنا ترک کردیا[1]_ لگتا یہی ہے کہ اس روایت کا آخری حصہ راویوں کی ستم ظریفی کے باعث اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ "الصلاۃ خیر من النوم "کو پیامبر خدا ﷺ کے بعد خود جناب عمر بن خطاب کی جانب سے اضافہ کیا گیا اور بہت ساری روایات میں اس بات کی صراحت و وضاحت بھی موجود ہے [2] شاید کسی اورفرصت مینہم اس پر بحث کرسکینگے_

14 _ حضرت بلال جب بھی صبح کی اذان دیتے تو "حی علی خیر العمل" ضرور کہتے تھے [3]_

15_ قوشچی و غیرہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا : "لوگو تین چیزیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھیں _میں ان سے منع کرتاہوں اور انہیںحرام قرار دیتاہوںاور ان کے ارتکاب پر سزابھی دونگا_ وہ تین چیزیں یہ ہیں :

1_ متعۃ النساء_

2 _ متعۃ الحج _

3 _ حی علی خیر العمل "[4]_

مذہب اشاعرہ کے متکلم اور مناظر قوشچی نے جناب عمر کے مذکورہ حکم کے متعلق یہ عذر پیش کیا ہے کہ

---

1) مجمع الزوائد ج/ 1 ص 330 از الطبرانی در الکبیر ،مصنف عبدالرزاق ج/1 ص 460 ، سنن بیہقی ج / 1 ص 425 ، کنز العمال ج /4 حدیث نمبر 5504، منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند ج / 3 ص 276 ، از ابو الشیخ درکتاب الاذان ، دلائل الصدق ج/ 3 جزء دوم ص 99_

2)مؤطا امام مالک ج/1 ص93،سنن دار قطنی، مصنف عبدالرزاق ج/ 1 احادیث نمبر 1827 ، 1829، 1832 ص 474 ، 475 ، کنزالعمال ج/ 4 احادیث نمبر 5567 ، 5568 ، منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند ج/ 3 ص 278 اس میں " الصلاۃ خیرمن النوم" کو بدعت قرار دیا گیا ہے نیز ملاحظہ ہو_ الترمذی ، ابوداؤود اور دیگر کتب_ (3)منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند ج / 3 ص276 ، دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 99 ، از کنزالعمال ج/3 ص 266 _

4) شرح تجرید قوشچی مبحث الامامۃ ص484 ، کنز العرفان ج/2 ص158 از الطبری در المستنیر، صاحب الغدیر ج / 6 ص 213 میںکہتے ہیں کہ طبری نے المستبین میں حضرت عمر سے اسکی نسبت دی جبکہ شیخ علی البیاضی نے اپنی کتاب الصراط المستقیم میں طبری سے اس روایت کی حکایت کی ہے: و جواھر الاخبار والآثار ج/2ص 192 از تفتازانی در حاشیہ شرح العضد _

"اجتہادی مسائل میں کسی مجتہد کی دوسرے مجتہد سے مخالفت بدعت اور کوئی نئی بات نہیں ہے"[1]_

قوشجی کا یہ عذر ناقابل قبول اور بے ہودہ ہے کیونکہ ہم ثابت کرچکے ہیں نبی اکرم صلی للہ علیہ و آلہ و سلم کبھی بھی خواہشات نفسانی سے گفتگو نہیں فرماتے _ اس سلسلے میں قرآن حکیم کی یہ آیت (ما ینطق عن الھوی _ ان ھو الا وحی یوحی) اور اسی طرح کی دیگر آیات بھی دلیل ہیں لیکن حضرت عمر کے پیروکاروں نے اس کی بات کو صحیح قرار دینے کے لئے نبی ﷺ کے رتبے کو نیچے لے آنے کی کوشش کی ہے_

اس اجتہاد کی صحیح توجیہ وہی ہے جسے حضرت عمر نے خود بیان کی ہے_ ان کا خیال تھاکہ لوگ جب یہ سنیں گے کہ " نماز بہترین عمل ہے" تو لوگ آہستہ آہستہ نماز پر ہی اکتفا اور بھروسہ کرلیں گے اور جہاد کو ترک کردیں گے_ خود حضرت عمر نے بھی اس مطلب کی وضاحت کی ہے_ اس کاذکر بعد میں آئے گا_

اس مذکورہ توجیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی نہی وقتی مصلحت کے پیش نظر تھی، شرعی طور پر حرمت کا حکم لاگو کرنے والی نہیں تھی _ کیونکہ یہ بات تو اسے بھی معلوم تھی کہ اسے شریعت میں دخل اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے_

16_ حلبی کہتے ہیں: " ابن عمر اور علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام رضی اللہ تعالی عنھما سے منقول ہے کہ دونوں شخصیات جب اذان دیتیں توحی علی الفلاح کے بعدحی علی خیرالعمل کہتی تھیں"[2]

17_ علاء الدین حنفی اپنی کتاب التلویح فی شرح الجامع الصحیح میں کہتے ہیں:" بہر حال "حی علی خیر العمل" کے متعلق تو ابن حزم نے ذکر کیاہے کہ عبداللہ بن عمر اور سہل بن حنیف کےبیٹے ابوامامہ[3] سے صحیح احادیث کی روسے نقل ہوا ہے کہ دونوناذان میں "حی علی خیر العمل" کہا کرتے تھے [4]اورصاحب " التلویح " اس کے متعلق مزید کہتے ہیں کہ حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کی بھی سیرت یہی تھی [5] _

---

1) شرح تجرید للقوشجی ص 484_ (2) السیرۃالحلبیہ مطبوعہ سہ1382 ، باب الاذان ج/2 ص98 _ (3)اصل عبارت میں اسی طرح مذکور ہے وگرنہ صحیح یہ ہے کہ ابوامامہ اور سہل بن حنیف کہا جائے _ مولف (4) دلائل الصدق ج/3 جزء دوم ص 100از مبادی الفقہ الاسلامی للعرفی ص38 ، المحلی ج/ 3 ص 160و الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 311_ (5) دلائل الصدق ج 3 جزء دوم ص 100از مبادی الفقہ الاسلامی للعرفی ص 38 و الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 311_

18_ سید مرتضی کہتے ہیں " ... اہل سنت یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (حی علی خیر العمل) پیامبر ﷺ اسلام ہی کے زمانے کے بعض امور میں سے ہے لیکن اس کے بارے میں یہ بھی کہا اور دعوی کیا جاتاہے کہ یہ امور نسخ ہوگئے اور ان کے احکام اٹھ گئے تھے تا ہم جس نے نسخ کا دعوی کیا ہے اسے اپنے دعوی کے لئے دلیل لانے کی ضرورت ہے لیکن اس کے پاس اسکے اس دعوی کی کوئی دلیل نہیں ہے ..."[1]_

19_ عبدالرزاق نے معمر سے ،انہوں نے ابن حماد سے ،انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے جد سے اور انہوں نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث معراج میں فرمایا: "پھر جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوئے، اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کان میں رکھی پھر اذان دی اور اسکے جملوں کو دو دو مرتبہ ادا کیا اور اس کے آخر میںحی علی خیر العمل کو بھی دو مرتبہ ادا کیا "[2]_

20 _ ابن النباح اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا کرتے تھے [3]_

قاسم بن محمد کا کہنا ہے کہ کتاب السنام میںیہ عبارت درج ہے:" صحیح بات تو یہ ہے کہ اذان کی تشریع حی علی خیر العمل کے ساتھ ہی ہوئی ہے _ کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ انہی جملوں کے ساتھ اذان دینے پر اتفاق رائے جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا اور دوسری یہ کہ اس سے نماز کے لئے پکارا جاتا ہے _ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا فرمان ہے کہ تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے _ اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عبداللہ بن عمر ، حضرت امام حسن علیہ السلام ، حضرت امام حسین علیہ السلام ، بلال اور بزرگ صحابہ کی ایک جماعت بھی حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دیتے تھے_ یہ بات موطا امام مالک کی شرح اور ان کی دیگر کتب میں بھی ذکر ہوئی ہے _ صوفی مذہب کے بزرگ ، صاحب فتوح مکہ (شاید فتوحات مکیہ) کا کہنا ہے کہ تمام مذاہب نے تعصب کی بنا پر اذان سے حی علی خیر العمل کے ترک کرنے پر اجماع اور ایکا کر لیا ہے _ پھر کہتا ہے کہ علامہ بزرگوار عزالدین ابو ابراہیم ، محمد بن ابراہیم کے یہ الفاظ ہیں : " میں نے حی علی خیر العمل سے متعلق

---

1)الانتصار ص 39_

2) سعد السعود ص 100،البحار ج/4 ص 107،جامع احادیث الشیعہ ج/2ص 221_

3) الوسائل، جامع احادیث الشیعہ، قاموس الرجال_

دو روایتوں کی اسناد کے متعلق تحقیق کی تو ابن عمر اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تک ان کے سارے سلسلے کو صحیح پایا"[1]_اور امام سروجی نے شرح الھدایۃ للحنفیہ میں حی علی خیر العمل کی احادیث کو کثیر منابع اور اسناد سے نقل کیا ہے [2]_

21 _ حضرت امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا : "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جان لو یقیناً تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے_ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال کو حکم فرمایا کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کہے "_اس حدیث کو "الشفاء" میں روایت کیا گیا ہے[3]_

22_ محمد بن منصور نے اپنی کتاب" الجامع" میں بعض پسندیدہ شخصیات کی سند کے ساتھ اورا نہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے ایک موذن ابو محذورۃ سے روایت کی ہے _وہ کہتے ہیں کہ مجھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امر فرمایا تھاکہ میں اذان میں " حی علی خیر العمل" کہوں [4]_

23_ محمد بن منصورسے روایت ہے کہ ابو القاسم علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ اذان میں "حی علی خیر العمل" کا ذکر کرو اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسے ہی حکم فرمایا تھا_" الشفاء" میں بھی اسی طرح مذکورہے[5]_

24_ ابوبکر احمد بن محمد السری کی روایت ہے کہ اس نے موسی بن ہارون سے ،انہوں نے الحمانی سے،انہوں نے ابوبکر بن عیاش سے ،انہوں نے عبدالعزیز بن رفیع سے اور انہوں نے ابو محذورہ سے روایت کی ہے _

ابو محذورہ کہتے ہیں کہ میں اسوقت نوجوان تھا جب مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اذان کے آخر میں " حی

---

1)الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 310 نیز ص 312_ (2)ایضاً ص 311_

3)جواھر الاخبار و الآثار المستخرجہ من لجۃ البحر الزخار ج/2 ص 191 ، الامام الصادق علیہ السلام والمذاہب الاربعۃ ج/ 5 ص 284_نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 309_

4) البحر الزخار ج/2 ص 192 ،نیز اسی صفحے کے حاشیہ پر جواھر الاخبار والآثار نیز کتاب العلوم ج 1 ص 92_

5)جواھر الاخبار والآثار ج/ 2 ص 191_

علی خیر العمل" کہا کرو [1]_

25 _ الشفاء میں ھذیل بن بلال مدائنی کی روایت ہے_ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی محذورہ کو "حی علی الفلاح" کے بعد "حی علی خیر العمل " کہتے ہوئے سنا [2]_

26_ زید بن ارقم نے اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا [3]_

27_ شوکانی نے کتاب الاحکام سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک پوری طرح سے ثابت ہے کہ رسول اکرمﷺ کے زمانے میں اذان میں "حی علی خیر العمل" کہا جاتا تھا اور یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حضرت عمر کے زمانے میں ترک کردیا گیا_ [4]_

28_ حسن بن يحيي نے بھی اسی طرح کہا ہے اور اس کا یہ قول کتاب " جامع آل محمد ﷺ " سے مروی ہے[5]_

اسی کے متعلق محمد کہتا ہے کہ میں نے احمد بن عیسی سے پوچھا کہ کیا تم اذان دیتے وقت دو مرتبہ حی علی خیر العمل بھی کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ بالکل کہتاہوں_میں نے پوچھا کہ اذان اور اقامت دونوں میں کہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں البتہ میں دھیمی آواز سے پڑھتا ہوں _ اسی کے متعلق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن جمیل نے نصر بن مزاحم سے ، انہوں نے ابوجارود اور حضرت اما م محمد باقر علیہ السلام سے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام اپنی اذان اور اقامت میں حی علی خیر العمل کہا کرتے تھے [6]_

29_حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت تھی کہ موذن کے ساتھ اذان کے الفاظ دہراتے تھے اور جب کوئی موذن یہ کہتا: "حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح،حی علی خیرالعمل" آنحضرت ﷺ فرماتے " لا حول و لا قوۃ الا باللہ ..."[7]_

---

1) میزان الاعتدال للذھبي ج/1ص 139، لسان المیزان للعسقلانی ج/ 1 ص 268_ (2) سابقہ حوالہ ص 192، جواھر الاخبار والبحر الزخار_

3) الامام الصادق علیہ السلام والمذھب الاربعۃ ج/ 5 ص 283_نیز ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج 2 ص19 از محب طبری در الاحکام_

4) نیل الاوطار ج/2 ص 19_ (5) نیل الاوطار ج/2 ص19 _ (6) کتاب العلوم معروف بہ امالی احمد بن عیسی ج 1 ص 92_

7)دعائم الاسلام ج/ 1 ص 145 ، البحار ج/84 ص 179_

30_ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والد گرامی امام علی ابن الحسین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام جب بھی حی علی الفلاح کہتے تو اس کے بعد "حی علی خیر العمل" کہتے تھے (1)_

31_ زرکشی بحر المحیط میں تحریر کرتے ہیں : "بعض مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق دوسرے شہروں کے علاوہ خود مدینہ کے اندر ہی اختلاف پایا جاتا تھا خود مدینہ والوں کے پیشوا جناب ابن عمر اذان کی فصلوں کو ایک ایک کرکے پڑھتے تھے اور اس میں " حی علی خیر العمل " بھی کہتے تھے" (2)_

32_ کتاب "السنام" کے الفاظ یہ ہیں : " صحیح یہی ہے کہ اذان کا حکم "حی علی خیر العمل"کے ساتھ ہی آیا " (3)_

33_ حضرت امام علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام اذان میں " حی علی خیر العمل " کہا کرتے تھے اور اسی عادت کو شیعوں نے اپنا لیا ہے(4)_

34_ الروض النضیر میں ہے کہ مالکی علماء کی ایک کثیر تعداد اسی طرح حنفی اور شافعی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ "حی علی خیر العمل" کا جملہ اذان کا حصہ ہے(5)_

بے جا اعتراضات :

1_ یہ دعوی کہ کتب صحیحین (بخاری و مسلم) میں اس قسم کی کسی حدیث کا ذکر نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اذان میں یہ جملہ معتبر اور صحیح نہیں ہے _ اور اگر یہ جملہ پہلی اذان میں شامل تھا بھی تو مذکورہ کتب میں ان کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ جملہ بعد میں منسوخ ہوگیا (6) یہ دعوی صحیح نہیں ہے _ کیونکہ :

ایک : کتب صحیحین میں احکام پر مشتمل تمام احادیث ذکر نہیں کی گئیں _

---

1)جواھر الاخبار والآثار للصعدی ج/2 ص192_

2)الروض النضیر ج/1 ص542_و الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 307_

3) ایضاً_ (4) الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 308_ (5) الروض النضیر ج1 ص 542_ (6)ملاحظہ ہو: نیل الاوطار ج2 ص 19_

دو : اگر یہ جملہ منسوخ ہوگیا ہوتا تو اس کا علم عبداللہ بن عمر ، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور زید بن ارقم و غیرہ جیسی شخصیات کو ضرور ہوتا _ تو (اگر ایسا تھا تو) ان شخصیات نے کس بنا پر اس اذان کو حتی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی رحلت کے بعد بھی جاری رکھا ؟

تین : اس بحث میں مذکور بعض روایتوں میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اذان سے مذکورہ جملے کو حذف کرنے والا پہلا شخص خلیفہ ثانی عمر بن خطاب تھا _ اور اس کی وجہ بھی اس کے خیال میں ایک وقتی مصلحت تھی _ اگر اس کی یہ بات صحیح بھی تسلیم کرلی جائے تو پھر بھی اس وقتی مصلحت کے ٹل جانے کی صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حکم کے متروک رکھنے کی کیا ضرورت رہتی ہے ؟ اور شاید کئی صحابیوں ، تابعیوں اور دوسرے لوگوں کے علاوہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کا اذان میں اس جملے کی ادائیگی پر کاربند رہنے کا مطلب یہ ہو کہ ان بزرگواروں نے خلیفہ ثانی کے اجتہادی فتوے کو قبول نہیں کیا تھا اور وہ اس کے موافق نہیں تھے _

2_ ان تمام تصریحات کے بعد معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض افراد کا یہ دعوی کہ " اذان میں مذکورہ جملہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جملہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم سے ثابت نہیں ہے " _ (1) بھی صحیح نہیں ہے _ اس لئے کہ مذکورہ شخصیات کے ذریعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم کی صحیح احادیث بیان ہوچکی ہیں _ یہ تمام بزرگ شخصیات بھی "حی علی خیر العمل " کہنے کی قائل اور پابند تھیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ، رسالت کی کان اور ثقلین کے ایک جزء کا نظریہ بھی تھا _ اور " حی علی خیر العمل " کا جملہ کئی عرصے تک اہل بیت علیہم السلام ، علویوں اور ان کے پیروکاروں کا شعار ، نعرہ اور پہچان رہا _ حتی کہ تحریک فخ کے بانی جناب حسین بن علی کی انقلابی تحریک کی ابتداء بھی اسی نعرے کی بنیاد پر ہوئی تھی _ اس بارے میں مندرجہ ذیل بیانات ملاحظہ فرمائیں :

" حی علی خیر العمل " ، نعرہ بھی اور موقف بھی

الف : مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم کے سرہانے مقام جنائز کے ساتھ بنے گلدستہ اذان پر عبداللہ بن حسن

---

1) البحر الرائق ج 1 ص 275 از شرح المہذب نیز سنن بیہقی ج 1 ص 425_

افطس نے چڑھ کر مؤذن کو تلوار دکھاتے ہوئے کہا کہ " حی علی خیر العمل " کے ساتھ اذان دو_ مؤذن نے اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر خوف کے مارے مذکورہ جملے کے ساتھ اذان دے دی _ العمری (منصور کی طرف سے مدینہ کے گورنر) نے جب یہ اذان سنی اور اسے گڑبڑ کا احساس ہوا تو دہشت زدہ ہو کر چیخ پڑا : " جلدی سے دروازے بندکر دو اور مجھے پانی پلاؤ" [1]_

ب: تنوخی نے کہا ہے کہ اسے ابوالفرج نے بتایا ہے کہ میں نے خود اپنے کانوں سے قطعی طور پر سنا ہے کہ منصور کے زمانے میں علوی حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دیتے تھے [2] _

ج: ابن کثیر نے 448ھ کے واقعات میں رافضیوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے _[3]

د: حلبی کہتا ہے : " بعض مؤرخین کے بقول آل بویہ کے دور حکومت میں رافضی"حی علی الصلوۃ " اور " حی علی الفلاح " کے بعد " حی علی خیر العمل " کہا کرتے تھے _ پھر جب سلجوقیوں کا دور حکومت آیا تو انہوں نے مؤذنوں کو مذکورہ جملے کہنے سے منع کردیا اور اس کے بدلے میں انہیں صبح کی اذان میں " الصلواۃ خیر من النوم " کہنے کا حکم دیا _ اور یہ 448 ہجری کی بات ہے " _[4]

ہ: ابن فرحون کہتا ہے کہ حضور نبی کریم کے حجرہ سے ملحق ایک ہال سا بنایا گیا تھا تا کہ ڈوبتے سورج کی تمازت سے بچاجاسکے _ وہ کہتا ہے : " یہ ہال نماکمرہ ایک بدعت اور گمراہی تھی جس میں شیعہ نماز پڑھا کرتے تھے " _ پھر کہتا ہے : " میں خود بعض افراد سے سنا کرتا تھا کہ وہ اس کے دروازے پر کھڑے ہوکربلند آواز سے حی علی خیر العمل کہتے تھے _ وہ کمرہ ان کی درس گاہ اور ان کے علماء کاخلوت کدہ تھا _یہاں تک کہ خدا نے اسے ان کے اوپر گرادیا اور ایک شب اس کے دروازے تک بھی اکھڑ گئے ... " _[5]

---

1) مقابل الطالبین ص 446_ (2) نشوار المحاضرات ج 2 ص 133_ (3) ملاحظہ ہو : البدایۃ و النہایہ ج 2 ص 63_ (4) سیرہ حلبیہ مطبوعہ 1382ھ باب الاذان ج 2 ص 105، البدایہ والنہایہ ج 12 ص68 واقعات 448 ھ _

5) وفاء الوفاء ج 2 ص 612_

ابن قاسم نویری اسکندرانی کہتا ہے : " معز جب مصر پہنچا تو اس نے عمرو بن عاص اور ابن طولون کی جامع مسجدوں میں حی علی خیر العمل کے ساتھ اذان دینے کا حکم دیا _ اور یہ سلسلہ 7 56 ہجری میں عبیدیوں کی حکومت کے خاتمے تک جاری رہا اور ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی حی علی خیر العمل کا ذکر بھی ختم ہوگیا _ ان کی حکومت کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف بن نجم الدین ایوب (صلاح الدین ایوبی) نے کیا تھا " [1] _

و: 0 35 ہجری میں دمشق میں سلطان معز کے نائب جعفر بن فلاح کے حکم سے مؤذنوں نے "حی علی خیر العمل " کے ساتھ اذان دی [2] _ اسی سال میں بساسیری نے بغداد پہنچ کر اذان میں " حی علی خیر العمل " کا اضافہ کیا[3]_

ز: نو یری کہتا ہے : " اپنے آپ کو فاطمی سمجھنے والے عبیدی شیعہ تھے _ وہ اپنی اذانوں میں " حی علی الصلاۃ" اور " حی علی الفلاح " کے بعد " حی علی خیر العمل " بھی کہتے تھے_ جس طرح مکہ اور مدینہ میں زیدی ایام حج کے علاوہ عام دنوں میں بھی اپنی اذانوں میں دو مرتبہ " حی علی خیر العمل " کہتے تھے ، وہ بھی اسی طرح کرتے تھے _ اسی طرح یمن کے صعدہ اور دیگر علاقوں میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا " [4]_

ح : صلاح الدین ایوبی کے خلاف حلب کے گور نر کی حمایت کے لئے شیعوں کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے ابن کثیر کہتا ہے : " رافضیوں نے حلب کے گورنرکی حمایت کے لئے اس پر یہ شرطیں عائد کیں کہ ایک تو اذان میں دوبارہ حی علی خیر العمل کو ذکر کیا جائے ، نیز یہ اذان تمام جامع مسجدوں اور گلیوں اور بازاروں میں دی جائے _ ہمارے لئے ایک جامع مسجد مخصوص کی جائے ، بارہ اماموں کانام سر عام لینے کی اجازت

---

1) الالمام با لا علام فیما جرت بہ الاحکام ج 4 ص 24 نیز ملاحظہ ہو : تاریخ الاسلام ذہبی واقعات 381 ھ ص 32 و تاریخ الخلفاء ص 402 _

2) تاریخ الاسلام واقعات 350 ھ ص 48 ، البدایۃ و النہایہ ج 11 ص 270 نیز ملاحظہ ہو : تاریخ ابن الوردی ج 1 ص 408 و مآثر الانافہ ج 1 ص307_

3) تاریخ الخلفاء ص 418_

4) الالمام ج 4 ص 32 نیز ملاحظہ ہو ص 40 و ص 41_

دی جائے ، نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھی جائیں اور ہمارے نکاح اور جنازے (جیسے دینی امور) کو حلب کے شیعہ رہنما شریف طاہر ابو المکارم حمزہ بن زہرہ حسینی کے سپرد کیا جائے اور حلب کے گورنر نے یہ تمام شرائط منظور کرلیں "[1]_

اس عبارت کے حذف ہونے کا سبب :

یہ عبارت اذان سے کیوں حذف ہوئی ؟ حضرت عمر نے خود اس راز سے پردہ اٹھایاہے جیسا کہ پہلے بھی گذرچکاہے_

35_ ابن شاذان نے اہل سنت و الجماعت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: " تم لوگوںنے ہی قاضی ابویوسف سے ایسی روایت ذکر کی ہے جسے محمد بن الحسن اور انکے اصحاب نے بیان کیاہے نیز امام ابوحنیفہ سے بھی روایت کی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور تک اذان میں"حی علی خیر العمل" کہا جاتا تھا_اس کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب تک "حی علی خیر العمل" کہا جاتا رہے گالوگ صرف نماز پر اعتماد اور اکتفا کرتے رہینگے اور جہاد کو ترک کردیں گے، پس اس نے اذان سے "حی علی خیر العمل" حذف کرنے کا حکم دیا"[2]_

36 ،37،38 _ اسی طرح کی روایات حضرت امام صادق عليه‌السلام ، حضرت اما م باقر عليه‌السلام اور ابن عباس سے بھی منقول ہیں[3]_

---

1) الکنی و الالقاب ص 189 و البدایہ و النہایہ ج 12 ص 289 _

2)الایضاح لابن شاذان ص 201 و 202_نیز ملاحظہ ہو : الاعتصام بحبل اللہ المتین ج1 ص 296، ص299 ، 304،305، 306 ، 307 و کتاب العلوم ج1 ص 92_

3)دعائم الاسلام ج/1 ص 142، البحار ج/ 84 ص 156 و 130، علل الشرائع ج/2ص 56 ، البحر الزخار ، جواهر الاخبار والہ آثار ان دو کتابوں کے حاشیہ پر ج/2 ص 192 ، دلائل الصدق ج / 3 جزء دوم ص100 عن مبادی الفقہ الاسلامی لمحمد سعید العرفی ص 38 عن سعد الدین تفتازانی شرح العضد کے حاشیہ پر جو ابن حاجب کی مختصر الاصول پر ہے، سیرت المصطفی ﷺ للسید هاشم معروف الحسنی ص 274 الروض النضیر ج/ 2 ص 42سے نیز الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 1 ص 310_

اس رائے پہ تبصرہ:

ہمیں اس بات پر باو رہے کہ خلیفہء ثانی کی نسبت رسول اسلام ﷺ کے زمانے میں جہاد یقیناً زیادہ اہمیت رکھتا تھا_ آپ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اذان سے اس جملے کو نہیں نکالا _ جس سے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیںکہ حضرت عمر قوت اور لیاقت کے لحاظ سے قابل قبول حد تک بھی اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے _ کیونکہ وہ اس مسئلے کے تمام تر پہلوؤں اور نتائج و عواقب کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے(جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کرسکتے تھے)_

البتہ اس زمانے کے حالات کے مطابق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی یہ توجیہہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی نظر میں وقتی اسباب تھے جن کا اس کے خیال میں یہ تقاضا تھا کہ اس جملے کو نکال دیا جائے، تا ہم انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا ہوگا کہ تا ابد اس جملے کو اذان سے نکال دیا جائے گا_بہر حال یہ تو معلوم ہے کہ انہوں نے ایسا کیا تو صرف ایک محدود زمانے کے لئے تھا_

جو ہوا سو ہوالیکن اب ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس جملے کو اذان سے آج تک کیوں حذف رکھا گیا ہے حالانکہ اب تو وہ حالات بھی نہیں رہے جن کی وجہ سے "حی علی خیر العمل" کو اذان سے نکال دیاگیاتھا؟_

ہم سب مل کر رسول اعظمﷺ اورا ن کے اہل بیت علیہم السلام کی سنت و سیرت کی طرف دوبارہ لوٹ کیوں نہیں جاتے؟

نماز میں اضافہ:

بعض معتبر اور صحیح روایات میں ذکر ہوا ہے[1] کہ شروع شروع میں نماز دو، دو رکعت تھی جنہیں خوداللہ تعالی نے ابتدائی طور پر اپنے بندوں پر فرض فرمایا تھا _ لیکن اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ اختیار بھی دیاکہ آپ ﷺ کسی جدید وحی کی ضرورت محسوس کئے بغیر مناسب اوقات کے لئے ان کی رکعتوں میں

---

1)الوسائل ج / 3 ،ابواب اعداد الفرائض و نوافلہا ، باب عدد الفرائض الیومیہ و جملۃ من احکامھا_

اضافہ فرمادیں _ آپ ﷺ نے مغرب کی نمازمیں ایک رکعت نیز ظہرعصر اور عشاء کی نمازوں میں دو دو رکعتوں کا اضافہ فرمایا_

ان اضافی رکعتوں کے بارے میںایک قول یہ ہے کہ ان کا اضافہ ہجرت کے پہلے سال ہوا _ جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق حسنین شریفین علیہما السلام کی ولادت کے بعد ایسا ہوا _ غالباً پہلی رائے صحیح ہے کیونکہ اس بات کا ذکر قبلہ کی تبدیلی والی حدیث میں ہوا ہے جو آپ حضرات علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کا واقعہ ہے_

بہر حال نماز میں یہ اضافہ غیر معقول نہ تھا کیونکہ شرعی احکام تدریجی طور پر نازل ہوئے، خاص طور پر وہ احکام جن کی پابندی عربوں کے لئے مشکل ہو سکتی تھی کیونکہ جن امور کے وہ عادی ہوچکے تھے اور ان کا تعلق انکی بود و باش اور رہن سہن سے تھا ان کی مخالفت انکے لئے مشکل تھی_

نماز کے فرض ہونے میں ایک اور نظریہ:

گذشتہ بحث کے علاوہ یہاں بعض ایسی روایات ملتی ہیں جن میں آیا ہے کہ نماز شروع میں ہی کامل فرض ہوئی تھی یا پھر یہ کہ کم از کم مکہ میں نماز کامل تھی_ ان میں سے بعض روایات مندرجہ ذیل ہیں_

1_ سب سے پہلی نماز جسے رسول اسلام ﷺ نے ادا فرمایا وہ نماز ظہر تھی_ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا "انا لنحن الصافون" "و انا لنحن المسبحون" [1] بے شک ہم بارگاہ ایزدی میں صف بستہ ہیں، اور بے شک ہم ہی اسکی تسبیح بجالانے والے ہیں _ اسکے بعد جبرائیل علیہ السلام آنحضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے ،اس کے پیچھے آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے پیچھے سب مرداور پھر ان کے پیچھے خواتین کھڑی ہوگئیں پس سب نے چار رکعت نماز ظہر ادا کی پھر جب نماز عصر کا وقت آیا تو جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوئے اور پہلے کی طرح یہ عمل انجام دیا_ اسکے بعد روایت نماز مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی چار رکعت کا ذکر کرتی ہے [2]

---

1) صافات /165_ (2) المصنف حافظ عبدالرزاق ج / 1 ص 453 ، سنن بیہقی ج/1 ص 262 ،از ابی داؤد فی مراسیلہ ، درمنثور ج/ 5 ص 293_

البتہ یہ بات واضح ہے کہ سورۃ الصافات مکی ہے پس روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نمازمکہ میں ہی کامل طورپر فرض ہوئی تھی_

2 _ نافع بن جبیر و غیرہ سے روایت ہے کہ شب معراج ، صبح تک جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہے حتی کہ زوال کا وقت بھی ہو گیا ... پھر روایت ذکر کرتی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر افراد کے ہمراہ نماز ظہر چار رکعت ادا کی اور پھر اسی طرح نماز عصر بھی ادا کی ... [1]_

3 _ حسن بصری روایت کرتے ہیں نماز حضر (غیر سفر کی نماز) شروع سے ہی چار رکعت فرض ہوئی[2]_

لیکن شیعوں اور سنیونکے ہاں ایسی بہت ساری صحیح اور قطعی روایات کی موجودگی میں (جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ غیر سفر کی نماز شروع میں دو رکعت فرض ہوئیں اور بعد میں ان میں اضافہ ہوا)ہم ان مذکورہ روایات کو قبول نہیں کر سکتے_

البتہ یہ ممکن ہے کہ ان روایات کا مطلب یہ ہو کہ نماز تو شروع میں ہی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس کامل آئی لیکن مصلحتاً پہلے دو رکعت فرض کی گئی پھر ساری فرض کی گئی اور مذکورہ امر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کردیا گیا کہ مناسب وقت پر اس کی تبلیغ فرمادیں_ اسی لئے پہلی دو رکعتوں کو فریضہ کہا جاتا ہے یعنی یہ فریضہ اللہ کی جانب سے بندے پر براہ راست تھا اور باقی رکعتوں کو سنت کہا جاتا ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ذمے تھا کہ موزوں موقع پر اس حکم کو پہنچادیں _اور اسے ہی مصلحت اقتضائی کہتے ہیں_

زکوۃ کا فریضہ:

کہتے ہیں کہ اموال کی زکاۃ جنگ بدر کے بعد دوسری ہجری میں فرض ہوئی اور یہ حکم زکوۃ فطرہ کے

---

1)مصنف الحافظ عبدالرزاق ج/ 1 ص 455 اور اس کے ذیل میں ابی داؤد کا حاشیہ _

2)البدایۃ والنہایۃ ج/ 3 ص 331 ، تفسیر طبری سورۃ النساء آیت 101_

وجوب کے بعد آیا _ ایک اور رائے کے مطابق زکوة تیسری ہجری میں فرض ہوئی اور ایک قول چوتھی ہجری کا بھی ہے[1] _ لیکن یہ درست نہیں _ صحیح قول یہ ہے کہ زکوة مکہ میں فرض ہوئی_ بعض اسی کے قائل بھی ہیں[2] اسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں_

1_ قرآن حکیم کی کئی مکی آیات میں زکوة کی ادائیگی کا حکم آیاہے جن میں سے بعض آیات مندرجہ ذیل ہیں_

(فساکتبھا للذین یتقون و یؤتون الزکاة)

(اعراف 156)

پس میں عنقریب جنت ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو صاحبان تقوی اور زکوة ادا کرنے والے ہیں_ (یہ سورہ مکی ہے)

(والذین هم للزکاة فاعلون) (المؤمنون 4)

اور(کامیاب مومن وہی ہیں) جو زکوة ادا کرنے والے ہیں_ (یہ سورہ مکی ہے)

(الذین یقیمون الصلوة و یؤتون الزکاة)

(النحل 3، لقمان 4)

وہ لوگ جو نماز قائم کرتے اور زکوة دیتے ہیں_(یہ دونوں سورتیں مکی میں)

(الذین لا یؤتون الزکاة و هم بالآخرة هم کافرون)

(فصلت 7)

وہ لوگ جو زکوة ادا نہیں کرتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں_ (یہ سورہ مکی ہے)

---

1) تاریخ الخمیس ج/ 1 ص 407، سیرہ حلبیہ ج 1 ص 339 و دیگر کتب_

2)وفاء الوفاء ج/ 1 ص 277_

اسی طرح سورہ الروم _ 39 بھی ملاحظہ فرمائیں جو مکی ہے_

خداوند عالم جناب اسحاق علیہ السلام ، یعقوب علیہ السلام ، لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے متعلق فرماتا ہے:

(و اوحینا الیھم فعل الخیرات و اقام الصلاۃ و ایتاء الزکاۃ)

(انبیاء 73)

اور ہم نے ان پر وحی نازل کی کہ اچھے کام کرو، نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو _

اسی طرح خدا حضرت عیسی علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے:

(' و اوصانی بالصلاۃ و الزکاۃ مادمت حیّاً) (مریم 31)

اور مجھے مرتے دم تک نماز اور زکات کی ادائیگی کا حکم ملا ہے _

نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

(' و کان یامر اھلہ بالصلاۃ و الزکاۃ) (مریم 55)

وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکات کی ادائیگی کا حکم دیا کرتے تھے _

یہ تمام مذکورہ آیات مکی سورتوں کی ہیں _ اور ان آخری آیتوں میں تو سابقہ امتوں میں زکات کے فرض ہونے کی بات ہوئی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ زکات کا حکم منسوخ نہیں ہوا (جس کا مطلب یہ ہے کہ زکات نہ صرف مدینہ کی بجائے مکہ میں فرض ہوئی بلکہ پہلے سے ہی فرض تھی)_

2_ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے متعلق فرمایا : " اسے اللہ نے صلہ رحمی ، نماز قائم کرنے اور ادائیگی زکوۃ کے حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے"[(1)]_

3_ جریر بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مبعوث ہوئے _ میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں قبول اسلام اور بیعت کرنے کے لئے پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے استفسار فرمایا: " جریر تم یہاں کس لئے آئے ہو؟"_ میں نے عرض کیا :

---

1) الاصابہ ج /4 ص 119 ، البحار ج/ 35 ص 151،الطرائف ص 304 ، الغدیرج/7 ص 368 از نہایۃ الطلب شیخ ابراھیم الحنبلی_

"میں آپ ﷺ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرنے آیا ہوں "_پس آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ لا الہ الا اللہ اور میری رسالت کی گواہی دو،واجب نماز قائم کرو، اسی طرح فرض زکوۃ بھی ادا کرو [1]_

4_ جناب ثقۃ الاسلام کلینی نے علی بن ابراھیم سے ،انہوں اپنے والد سے، انہوں حماد سے، انہوں حریز سے، انہوں محمد بن مسلم اور ابوبصیر، بریداور فضیل سے ،ان سب نے حضرت امام باقر اورحضرت امام صادق علیہما السلام سے روایت کی ہے _امام علیہ السلام نے فرمایا : "اللہ تعالی نے زکاۃ بھی نماز کے ساتھ فرض کی ہے "[2] اور جیسا کہ ملاحظہ فرمارہے ہیں اس روایت کی سند بھی بہت عمدہ ہے _

5_ اس نظریےی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے سامنے زکوۃ کا ذکر بھی ان چیزوں میں فرمایاجن کے متعلق انہیں اللہ نے حکم دیا ہے[3]_

ماسبق سے متعارض روایت

گذشتہ مطالب سے بظاہر اختلاف اور تضاد رکھنے والی ایک صحیح السند روایت بھی ہے جو یہ کہتی ہے کہ جب سورہ توبہ میں مذکور زکاۃ کی آیت نازل ہوئی (جبکہ یہ سورت مدنی اور نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے) تو اس کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک منادی کو فرمایا تو اس نے لوگوں میں یہ اعلان کیا" اللہ نے تم پر زکاۃ فرض فرمائی ہے"_اسکے ایک سال بعد دوبارہ ڈھنڈ ھورچی سے فرمایا تو اس نے مسلمانوں میں اعلان کیا " اے مسلمانواپنے اموال کی زکاۃ دو تا کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں " راوی کہتا ہے کہ اس اعلان کے بعد آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں زکات اور صدقہ اکٹھا کرنے وا لے عامل (ایجنٹ) بھیجے[4]_

---

1)تدریب الراوی ج/2 ص 212 از الطبرانی درالاوسط، الاصابہ ج/ 1 ص 232میں حدیث کے پہلے حصے کا ذکر کیا گیا ہے_

2)الوسائل ج/4 ص 5 ، فروع الکافی ج/ 3 ص 498_ (3)الثقات لابن حبان ج / 1 ص 65 ، حلیۃ الاولیاء ج / 1 ص4 11 ، 116 از ابن اسحاق ، البدایۃ والنہایۃ ج/ 3 ص 69 ، 70 ، 74 ، تاریخ الخمیس ج/ 1 ص 290 ، سنن بیہقی ج/ 9 ص 144 ، سیرۃ ابن ہشام ج/ 1 ص 360 ، مجمع الزوائد ج/6 ص 27 و 24از طبرانی اور احمد اس کی سند کے تمام افراد صحیح بخاری کے افراد ہیں حیاۃ الصحابۃ ج/1 ص 354 و 357 از گذشتہ بعض منابع و فتح الباری ج/7 ص 30 اور اس نے اس کی سندکو حسن قرار دیا ہے _ (4)الکافی ج/3 ص 497، تفسیر البرھان ج/2 ص 156_

لیکن یہ روایت ان دسیوں آیات سے متضادہے جو زکاۃ کے فرض ہونے کے بارے میں سورہ توبہ سے قبل نازل ہوئیں ان کی تعداد تقریباً تیس تک جا پہنچتی ہے اور وہ سب کی سب زکات کے فرض ہونے پر دلالت کرتی ہیں_ ان سب سے استحباب کا معنی لینا یا زکوۃ فطرہ مراد لینا واقعاًبعید ہے_

بنابریں اس روایت کو اس مفہوم پر محمول کریں گے کہ اگر چہ زکوۃ اس آیت کے نزول سے پہلے فرض ہوئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اس آیت کے نزول کے بعد اس کی ادائیگی اور حصول کے متعلق سخت گیری کی _ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زکات کے وجوب کا حکم تو مکہ میں آیا لیکن اس کے حصول کے فریضہ اور ادائیگی کے لزوم کا حکم مدینہ میں اس آیت کے نزول سے آیا _

زکات فطرہ کا فرض ہونا

چونکہ زکات فطرہ ، زکوۃ اموال سے پہلے فرض ہوئی پس یہ بھی مکہ میں فرض ہوئی _ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1 _ گذشتہ روایت

2_ " سفر السعادۃ" کی روایت، جس میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک منادی کو مکہ کے گلی، کوچے، محلے اور بازاروں میں اس اعلان کے لئے بھیجا کرتے تھے کہ صدقہ فطرہ (زکوۃ فطرہ) ہر مسلمان مرد و خاتون پر واجب ہے[1] البتہ ہم اس وقت کے حالات اور مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان بہت زیادہ کشیدگی کے سبب اس عمل کو بعید سمجھتے ہیں_

روزے کا فرض ہونا:

کہتے ہیں کہ ماہ مبارک رمضان کے روزے مدینہ میں دوسری ہجری میں‏اس وقت فرض ہوئے [2] جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں_

---

1)السیرۃ الحلبیہ ج2/ ص 136_

2) البدایۃ والنہایۃ ج/ 3 ص 254_

(كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم ... شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس و بينات من الهدى و الفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه) (بقرة 183 تا 185)

جناب قمی نے تحریر فرمایاہے کہ ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے بھی لوگ کچھ ایام روزے رکھتے تھے[1] حلبی کہتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ہر مہینے میں ایام البیض (13، 14، 15 تاریخ) کے تینوں دن کے روزے رکھا کرتے تھے [2]_

روزوں کے مکہ میں فرض ہو نے کی دلیل حضرت جعفر بن ابی طالب کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ کی _ اس میں انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہمیں نماز، زکوۃ اور روزوں کا حکم دیا ہے_

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض افراد نے اس حدیث پر ایک نوٹ لکھا ہے کہ میرے گمان میں حضرت جعفر بن ابی طالبؑ اور بادشاہ حبشہ کا قصہ گھڑا گیاہے کیونکہ اس میں روزوں کا ذکر ہے جو ہجرت حبشہ کے بعد فرض ہوئے[3]_ لیکن ان کی یہ بات قابل قبول نہیں کیونکہ حضرت جعفر بن ابی طالب کا کلام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ روزے مکہ میں فرض ہوئے _ یہاں ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ خود جناب جعفر کا کلام اس بات کی دلیل کیوں نہیں بن سکتا کہ روزے مکہ میں واجب ہوئے؟ جبکہ جناب قمی اور حلبی کا قول بھی ذکر ہوچکا ہے_البتہ ہوسکتاہے یہاںان کی مراد ماہ مبارک رمضان کے روزے ہوںتو اس صورت میں قمی اور حلبی کے مذکورہ قول سے ان کا جواب نہیں دیا جا سکتا_

---

1)تفسیر القمی ج/ 1 ص 65_

2)فجر الاسلام ص 76_

3)السیرۃ الحلبیہ ج/ 2 ص 132 و 136تفسیر ابن کثیر ج/1 ص 213 و 214_

لیکن مکہ میں ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے کی ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ جب عمرو بن مرۃ الجھنی نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے اسے تبلیغ کے لئے اس کی قوم کی طرف بھیجا _ اس نے اپنی قوم سے کہا : " میں اللہ کے رسول ﷺ کی جانب سے تمہاری طرف نمائندہ بناکر بھیجا گیاہوں، میں تمہیں جنت کی طرف دعوت دیتاہوں، جہنم کی آگ سے تمہیں ڈراتا ہوں، تمہیں خون کی حفاظت ، صلہ رحمی، اللہ کی عبادت، بتوں کو چھوڑنے ، بیت اللہ کے حج اور ماہ رمضان المبارک جو بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ ہے، اس کے روزوں کا حکم دیتاہوں پس جواسے قبول کرے گا اس کے لئے جنت ہے" _ اور یہ واقعہ بعثت کے ابتدائی ایام کا ہے[1] _

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ سابقہ امتوں میں بھی روزے فرض تھے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے_

(کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ... ایاماً معدودات ...)

یہاں ایاما معدودات سے مراد ماہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ آیت خودہی بیان فرمارہی ہے_

روز عاشور کا روزہ :

یہاں مؤرخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اسلام ﷺ جب مدینے میںتشریف لائے توماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا کہ مدینے کے یہودی روز عاشور کا روزہ رکھتے ہیں یعنی ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے [2] _

آپ ﷺ نے ان سے اس کی بابت پوچھا تو انہوں نے (صحیحین اور دیگر کتابوں کے مطابق)جواب دیا: " یہ

---

1)البدایۃوالنہایۃج/2ص252از ابو نعیم، مجمع الزوائدج/8ص244 از طبرانی ، حیاۃ الصحابہ ج/1 ص191،کنزالعمال ج/ 7 ص64از رویانی اور ابن عساکر _

2)اسدالغابہ ج/ 5 ص507 _

دن بڑا عظیم دن ہے اس دن اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی نیز فرعون اوراسکی قوم کو غرق کیا۔ "_ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " میں موسی علیہ السلام سے بہتر ہوں تم سے زیادہ روزے کا حقدار ہوں " _پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس دن روزہ رکھا اوردوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا [(1)]_

نیز صحیحین اور دیگر کتابوں میں حضرت عائشہ اور دیگر افراد سے روایت ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشور کے دن روزہ رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس روز روزہ رکھتے تھے_ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس دن خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا_جب ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :" جو چاہے اس (عاشور کے)دن روزہ رکھے اور جوچاہے ترک کردے اسے اختیار ہے " [(2)]_

مسلم و غیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رحلت کے صرف ایک سال پہلے روز عاشور کو روزہ رکھا تھا[(3)]_

ان روایات کا جھوٹ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ سب خیال بافیاں ہے_کیونکہ:

1_ ان روایات کی اسناد مشکوک اور قابل اعتراض ہیں _خصوصاً ان روایات کے اکثر راوی مشکوک ، قابل اعتراض اور متہم ہیں_ ان میںابوموسی اشعری جیسے کئی ایسے بھی ہیں جوہجرت کے کئی سال بعد مدینہ آئے نیز ابن زبیر جیسے کئی ایسے بھی ہیں جو ہجرت کے موقع پر بچے تھے _پس وہ اس سے پہلے کے حالات کی گواہی

---

1)المصنف ج/4 ص 289 و 290 ، البخاری مطبوعہ المیمنیۃ ج/ 1 ص 244 ، صحیح مسلم مطبوعہ صبیح در مصر ج/3 ص150،السیرۃ الحلبیہ ج/2ص 132 ، 133، تاریخ الخمیس ج/1 ص 360،البدایۃ والنہایۃ ج/1ص274 و ج/ 3 ص 355 ، تفسیر ابن کثیر ج/1 سورۃ بقرہ میں ماہ رمضان کے روزوں والی آیات، مشکل الآثار ج/3 ص 85 ،90و زاد المعاد ج 1 ص 164 و 165_

2)گذشتہ حوالہ جات ،نیز الموطا ج /1 ص279 ، البخاری طبع مشکول ج/5 ص 51 ، مشکل الآثار ج/3 ص 86 و 87 و زاد المعاد ج 1 ص 164 و 165_

3) صحیح مسلم ج/ 3 ص 151_

کیسے دے سکتے ہیں؟اس کے علاوہ ان روایات میں معاویہ جیسے کئی ایسے بھی ہیں جو ہجرت کے چند سال بعد فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے _

2_ان روایات میں تناقض پایا جاتاہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مثلاً:

ایک روایت یہ کہتی ہے کہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم مدینہ میں یہودیوں کی پیروی میں عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے اورخود آپ صلى الله عليه وآله وسلم کو اس بارے میں کوئی علم نہ تھا_ دوسری روایت یہ کہتی ہے کہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم اور اسی طرح مشرکین بھی زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے_ تیسری روایت یہ کہتی ہے کہ جب ماہ مبارک رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے روز عاشورا کا روزہ ترک فرمایا _ ایک اور روایت یہ کہتی ہے کہ جب آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے روزہ رکھا تو آپ صلى الله عليه وآله وسلم سے کہا گیا کہ یہودیوں کے نزدیک یہ دن بڑا باعظمت ہے اسکے بعد آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے عہد کیا کہ آئندہ سال 9 محرم کو روزہ رکھیں گے لیکن اس سے پہلے آپ صلى الله عليه وآله وسلم کی رحلت ہوگئی [1] اور فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے معاویہ کی روایت کہتی ہے کہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے اپنے اصحاب کو اس دن کے روزے کا حکم نہیں دیا تھا _ بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ خدانے اس دن کے روزے کو تم پر فرض نہیں کیا لیکن میں روزہ دار ہوں اس لئے تم میں سے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے کھائے پیے_

روایات میں ان اختلافات کے علاوہ اور بھی اختلافات اور مسائل ہیں جو دقت و تحقیق سے ظاہر ہوسکتے ہیںان میں سے بعض کو ابن قیم نے بھی ذکر کیا ہے [2]_ مذکورہ بالا اختلافات سے اگر ہم چشم پوشی کرلیں تو بھی مندرجہ ذیل پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں_

1لف: سب سے پہلی روایت سے یہ نتیجہ نکلتاہے کہ نبی اکرم صلى الله عليه وآله وسلم اپنے برادر حضرت موسی عليه السلام کی سنت و سیرت سے آگاہ نہ تھے جبکہ یہ امر آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے یہودیوں سے سیکھا اور پھر انہی ہی کی پیروی کی _ ان کے نزدیک تو شاید اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی اس میں کوئی مضائقہ ہے کیونکہ (نعوذباللہ و نستغفر اللہ من

---

1) صحیح مسلم ج 3 ص 151 نیز گذشتہ منابع _

2) ملاحظہ ہو : زاد المعاد ج 1 ص 164، 165_

ذلک) یہی لوگ روایت کرتے ہیں کہ جن امور میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی ان میں آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت اور پیروی کرنا پسند فرماتے تھے [1] _ لیکن پھر بعض مقامات پر آپ ﷺ کے متعلق ایسی روایتیں نقل کرتے ہیں جو آپ ﷺ کے اس عمل کے بالکل برخلاف ہیں _

ان روایات کے نتیجے میں تو ان لوگوں کے نزدیک خود آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی میں ہمیشہ تناقض عمل پایا جاتا رہا ہے۔ اس تک کہ اس مقام میں بھی _ وہ اس طرح کہ یہاں تو یہودیوں کی پیروی فرماتے ہیں لیکن اذان کے مسئلے میں یہودیوں کی طرح بگل بجانے اور عیسائیوں کی طرح ناقوس بجانے کی مخالفت فرماتے ہیںنیز حائضہ عورت کے مسئلے میں بھی ان کی مخالفت فرماتے ہیں_

حالانکہ آپ ﷺ دوسروں کو یہود و نصاری کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے سے منع اور اسلام میں انکی اتباع کی مخالفت فرماتے ہیں[2]_ بلکہ آپ ﷺ کی یہ مخالفت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ یہودی کہنے لگے تھے :" یہ شخص چاہتا کیا ہے ؟ یہ تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتاہے" [3] ابن الحاج کہتاہے: " آپ ﷺ تمام امور میں اہل کتاب کی مخالفت فرماتے تھے اور ان کی موافقت ناپسند فرماتے تھے _ یہاں تک کہ یہودی پکار اٹھے کہ محمد ﷺ تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتاہے" [4] _

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ " جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے شمار ہوتا ہے" [5] _

ب: محرم کے دسویں دن پر عاشورا کا اطلاق حضرت امام حسین علیہ السلام ، آپ علیہ السلام کے اہل بیت علیہم السلام اور اصحاب رضوان اللہ تعالی علیہم کی شہادت کے بعد ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور آپ علیہ السلام کے شیعوں کی جانب سے آپ علیہ السلام کی مجالس عزا کے برپا کرنے پر ہوا _

---

1) صحیح البخاری مطبوعہ المیمنیۃ ج / 4 ص 67 باب فرق الشعر فی اللباس، السیرۃ الحلبیہ ج/ 2 ص 132 و زاد المعاد ج 1 ص 165_

2) اس سلسلے میں اہل سنت کی بنیادی اہم کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں _ نیز مفتاح کنوز السنہ از البخاری کتاب 60 و 77 باب 50 و 67 ، صحیح مسلم کتاب 3، حدیث 16 و کتاب 37 باب 8 ، الترمذی کتاب 44 حدیث 24، کتاب 22 باب 10، کتاب 40 باب 7،النسائی کتاب3، 48 و83 اسی طرح دیگر معروف و غیر معروف کتابوں کی ایک کثیر تعداد ہے نیز ملاحظہ ہو : مسند ابو یعلی ج 10 ص 398، 399، 366 نیز اس کے حاشیہ میں متعدد منابع _

3) السیرۃ الحلبیہ ج/ 2 ص 115 سنن ابو داؤد ج 2 ص 250 و مسند ابی عوانہ ج 1 ص 312_ (4)المدخل ابن الحاج ج 2 ص 48_ (5)ایضاً_

لفظ عاشورا اس سے قبل بالکل غیر معروف تھا_ اس بات کی اہل لغت نے بھی وضاحت کی ہے_ ابن اثیر کہتے ہیں " یہ ایک اسلامی نام ہے" [(1)] ابن درید کا کہناہے" یہ ایسا اسلامی لفظ ہے جو زمانہ جاہلیت میں معروف نہ تھا"[(2)]_

ج: یہودیوں کی شریعت میں کبھی بھی یوم عاشورا کا روزہ نہ تھا اور نہ ہی آج وہ یہ روزہ رکھتے ہیں _ اس حوالے سے ان کے ہاں اس دن کوئی عید یا کوئی اور مناسبت بھی نہیں ہے[(3)]_

گذشتہ مطالب اور ان جعلی احادیث کا کذب ثابت ہونے کی روشنی میں اس بات کی گنجائشے بالکل نہیں رہتی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز عاشورا کا روزہ اس لئے ترک کیا ہو کہ یہودی مسلمانوں کے بارے میں کینہ رکھتے تھے، جیسا کہ بعض کا گمان ہے[(4)]_

روز عاشورا کے دیگر فضائل:

روز عاشورا کی فضیلت کے بارے میں بڑی ہی عجیب و غریب روایات ملتی ہیں _ بلکہ اس کے فضائل محرم کی پہلی تاریخ سے ہی شروع ہوجاتے ہیں _اس بارے میں اتنے فضائل ملتے ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے والا آپے سے باہر ہوجائے گا اور پھولے نہیںسمائے گا_ مثلاً یہ کہ قطعی طور پر اس دن سے افضل ترین کوئی دن نہیں یہاں تک کہ لیلۃ القدر بھی اس کی فضیلت کا مقابلہ نہیں کرسکتی _ اس دن ایسے اہم ترین واقعات رونما ہوئے جنہیں تاریخ بشریت کبھی فراموش یا اس سے تجاہل نہیںکرسکتی _یہاں تک کہ پیامبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و ہجرت بھی اس دن میں ذکر کئے گئے ہیں حالانکہ یہ بات متفقہ ہے کہ یہ دونوں واقعات ربیع الاوّل میں ہوئے [(5)] اس دن خدا نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر کے حضرت موسی علیہ السلام اور

---

1) نہایہ ابن اثیر ج 3 ص 240_ (2)الجمہرۃ فی لغۃ العرب ج/ 4 ص 212 _ (3) مقالہ حسن السقاف _ مجلہ الہادی سال ہفتم شمارہ 2 ص 36_

4)الیہود فی القرآن ص 20 و 26_

5)بعض فضائل کے بارے میں آپ رجوع کریں تاریخ الخمیس ج/1 ص 360 و 361 ، السیرۃ الحلبیۃ ج / 2 ص 133 و 134 ، الہ آلی المصنوعۃ ج/1ص 108 ، 116 اور دیگر کتب_

اس کی قوم کو نجات دلائی تھی _حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پہاڑ کی چوٹی پر رکی اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی و غیرہ[1]_

یوم عزاء یا عید کا دن ؟

ابوریحان البیرونی الہ آثار الباقیہ میں ، امام حسین علیہ السلام کے متعلق روز عاشور کے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: " اس دن بنوامیہ نے نئے نئے لباس پہنے،زینت اور آرائشے کی، آنکھوں میں سرمے لگائے ، عید منائی ، ولیمے اور خوشیاں کیں، دعوتیں کیں، ایک دوسرے کو مٹھائیاں کھلائیں اور اچھی اچھی اشیاء ایک دوسرے کو کھلائیںاور خوشبو لگایا_ یہ رسم ان کی حکومت کے زمانے سے عام سنی مسلمانوں میں جاری ہوئی جو ان کی حکومت کے خاتمے کے بعد تک بھی جاری رہی _ لیکن شیعہ سیدالشہداء حضرت امام حسین (علیہ الصلوۃ و السلام) کی شہادت کے غم میں نوحہ خوانی اور گریہ کرتے رہے ... "[2]_ مقریزی کہتے ہیں : "مصر کے علویوں نے عاشور کے دن کو " یوم الحزن"قرار دیا اور اس دن بازار بند ہوتے تھے"_ اسکے بعد لکھتے ہیں" جب علویوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور بنی ایوب کی حکومت آئی تو انہوں نے روز عاشور کو خوشی اور سرور کا دن قرار دیا_اس دن وہ اپنے اہل و عیال پر کھلے دل سے خرچ کرتے، وسیع دستر خوان بچھاتے اورہنسی مذاق کی محفلیں ہوتیں، نئے برتن استعمال کرتے ، سرمہ لگاتے، اہل شام کی طرح حمام جاتے اور ایک دوسرے پر پانی پھینکتے_ یہ رسم عبدالملک بن مروان کی حکومت کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے شروع کی تھی تاکہ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے شیعوں کو ذلیل کیا جائے کیونکہ یہ لوگ حضرت اما م حسین بن علی علیہما السلام کی شہادت کی وجہ سے عاشور کو غم، عزا اورحزن کے دن کے طور پر مناتے تھے "_ اس کے بعد مقریزی لکھتے ہیںکہ ہمیں بنی ایوب کے ایسے آثار بھی ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عاشورا کے دن کو خوشی ، سرور اور عید کا دن قرا ردیا تھا [3]_

---

1) ان کے بعض منابع تقریباً تین صفحات قبل ذکر ہوچکے ہیں _ نیز ملاحظہ ہو : عجائب المخلوقات بر حاشیہ حیاۃ الحیوان ج 1 ص 114_

2)الکنی والالقاب ج/ 1 ص 431نیزملاحظہ ہو : الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الھجری ج 1 ص 137 از الاثار الباقیہ مطبوعہ یورپ ص 329 ، عجائب المخلوقات مطبوع بر حاشیہ حیاۃ الحیوان ج 1 ص 115 و نظم درر السمطین ص 230_ (3) الخطط للمقریز ی ج/1 ص 490_ نیز ملاحظہ ہو : الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الھجری ج 1 ص 138 _

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی زیارت عاشورا میں آیا ہے : " پروردگارا یہ دن ایسا ہے جسے بنی امیہ اور ہندہ جگر خور کی اولاد نے با برکت (او رعید کا) دن جانا ہے " (1) _ لیکن ان لوگوں نے جناب ابن عباس کی زبانی "موعدکم یوم الزینۃ "کی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بھی گھڑی ہے کہ زینت(عید) کے دن سے مراد عاشورا کا دن ہے (2)_

جعلی احادیث:

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ، ان کی اولاد علیہم السلام اور انکے ماننے والوں کے دشمنوں نے اپنی دنیا کے بدلے آخرت کو بیچنے وا لے کچھ ایسے افراد ڈھونڈلئے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے نسبت دے کر روز عاشور کی فضیلت کے بارے میں بہت ساری احادیث گھڑیں _جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس دن زیب و زینت انجام دینا، خضاب لگانا، خوشی منانا، اپنے اہل و عیال پہ زیادہ خرچ کرنا، نئے کپڑے پہننا، روزہ رکھنا، مرغوب غذائیں پکانا، اچھے کھانے تیار کرنا، غسل کرنا، خوشبو لگانا اور سرمہ لگاناو غیرہ مستحب ہیں _ لیکن یہ ساری باتیں اہل بیت علیہم السلام سے بغض اور دشمنی کا مظہر ہیں(3)_

تا ہم وہ بات جوان جھوٹی احادیث کو بے وقعت اور کم وزن کردیتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام علماء اور ناقدین حتی کہ ابن تیمیہ جیسے مذہب اہل بیت سے منحرفین اور منکرین نے بھی چندایک احادیث کے سوا سب کو جھوٹی اور جعلی قرار دیا ہے(4)_

لیکن ابھی تک رسنے و الازخم اور نہ مٹنے والی ذلت تو یہ ہے کہ ایک طرف سے وافر مقدار میں دلائل،

---

1) مصابح (مفاتیح) الجنان ص 291 _ (2) تاریخ واسط ص 78 _

3) اللئالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ج/1 ص 108 _ 116 ، السیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص134، نوادر الاصول للحکیم الترمذی ص 246_عجایب المخلوقات (مطبوعہ بر حاشیہ حیاۃ الحیوان)ج 1 ص 14 و 115 ، نظم دررالسمطین ص 230، اقتضاء الصراط المستقیم ص 300 ، تذکرۃالموضوعات ص 118 ، در منثور ج 4 ص 303 ، الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الھجری ج 1 ص 138 ، الصواعق المحرقہ ص 182و المدخل ابن الحاج ج 1 ص 289 _

4) تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص118،اللئالی المصنوعۃج/1ص108_116، السیرۃ الحلبیۃ ج/2 ص 134 ، اقتضاء الصراط المستقیم ص 301 ، الصواعق المحرقہ ص ص 181، ص 182 ، نظم درر السمطین ص 228_230و المدخل ابن الحاج ج 1 ص 290 و ص 291 _

قرائن اور شواہد کے ہوتے ہوئے وہ یزید پر لعنت کی حرمت اور اس کی تکفیر کے عدم جواز کے فتوے دیتے ہےیں[1] اور دوسری طرف سے وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقتل کی روایتوں کے بیان [2] نیز عاشورا کے دن عزاداری اور سوگواری کی حرمت کے فتوے لگاتے ہیں [3]

(و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون) (شعراء 227)

اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کہاں پلٹائے جائیں گے_ وہ ظالم جنہوں نے محمد و آل محمد علیہم السلام کے حقوق پر ظلم کیا اور ان کے ایام غم میں خوشیاں منائیں وہ عنقریب اپنی ان زیادتیوں کا مزہ چکھ لیں گے _

عاشوراکی یادمٹا نے کے مختلف طریقے:

عاشورادشمنان اہل بیت علیہ السلام کی نظروں میں نوک دار کانٹے کی صورت چبھتا رہا_ لہذا انہوں نے اس انقلاب اور اس کی مقاومت کو روکنے کے لئے ہر حیلہ اورحربہ استعمال کیا_ صرف یہی نہیں کہ انہوں نے عاشور کو عید کے طور پر منایا بلکہ دیگر امور بھی انجام دیئےذشتہ بیانات کے علاوہ ہم مندرجہ ذیل نکات میں انکی طرف اشارہ کررہے ہیں_

1_ابن عماد کہتے ہیں: " شیعہ لوگ صدیوں سے آج تک عاشورا میں رونے پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے نیز غدیر کے دن زیب و زینت کے ساتھ عید منانے کی گمراہی میں پڑے رہے جس کے مقابلہ میں متعصب سنیوں نے بھی اپنی بدعتیں ایجاد کرلیں " ... اسکے بعد ابن عماد کہتے ہیں :"عاشورا کے مقابلے میں عاشورا کے آٹھ دن بعد سنیوں نے یوم مصعب بن الزبیر منانا شروع کیا _ اس دن "مسکن "میناسکی قبر کی زیارت اور گریہ کرتے ہیں اور اسے امام حسین علیہ السلام کی مثل قرار دیتے کیونکہ اس نے بھی صبر کیااور جنگ کی یہاں تک کہ

---

1)ملاحظہ ہو : الصواعق المحرقہ ص 221 ، احیاء علوم الدین ج 3 ص 125 ، العوالم من القواصم مع حاشیے و الاتحاف بحب الاشراف ص 62و 68 بلکہ بعض بے وقوف تو اسے اپنا راہنما ، امام اور رہبر مانتے ہیں اور ایڑی چوٹی کازور لگا کر اسے معصوم ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں _

2) الصواعق المحرقہ ص 221_ (3) اقتضاء الصراط المستقیم ص 299 _300 و نظم دررالسمطین ص 228_

قتل ہوگیا اور اس لئے بھی کہ اسکا والد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا پھوپھی زاد تھا ..." [1]_

افسوس صد افسوس کہ مصعب جیسے دنیاپرست ، جاہ طلب اور دشمن اہل بیت علیہ السلام کو سید الشہداء علیہ السلام جیسی عظیم ہستی کی مثال بنادیاگیا جو گلستان پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسین اور خوشبو دار پھول ہے، جنت کے جوانوں کا سردار ہے، امت کا امام ، طالب حق اور دین کا مددگار ہے _ وہ تو کبھی بھی ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا _

البتہ یہ سب کچھ معدن رسالت ، مراد آیت مودّت یعنی اہل بیت علیہ السلام نبوت کے خلاف قدیم اور پوشیدہ کینے اور دشمنی کا نتیجہ تھا_حالانکہ انہی شخصیات کے متعلق خداوند عالم نے محبت و مودّت کا حکم فرمایاہے:

(قل لا اسالکم علیه اجراً الا المودة فی القربی ...) (شوری، 23)

2_ابن کثیر نے 363 ھ کے واقعات لکھتے ہوئے کہاہے: " لوگوں نے اس سال روز عاشور رافضیوں کی پیروی میں ایک بہت ہی بری بدعت شروع کی تو بغداد میں اہل سنت اور رافضیوں کے درمیان ایک بہت بڑا فتنہ بپا ہوا_ دونوں فریق کم عقل یا بے عقل اور صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے تھے_ہوا یہ کہ اہل سنت میں سے کچھ افرادنے ایک خاتون کو اونٹ پر سوارکرکے اسے بی بی عائشہ کا نام دیا_نیز دو اور افراد سوار ہوئے جنہیں طلحہ اور زبیر کہا گیا _ انہوں نے کہا ہم اصحاب علی علیہ السلام سے جنگ کرنے آئے ہیں_ بس پھر کیا تھا فریقین کی ایک کثیر تعداد اسی ڈرامے میں قتل ہوگئی"[2]لیکن اس صاحب نے شیعوں کو اہل بیت علیہ السلام اوران کے پیرو کاروں کے دشمن یعنی ناصبیوں کے برابر قرار دے کر ان پر ظلم اور زیادتی کی ہے _ کیونکہ شیعوں کا یہ فعل عین دین اور عین عقل ہے لیکن ان کے دشمنوں کاکام بے عقلی ، بے دینی اور حماقت پر مبنی تھا _

3_ قوت اور طاقت کا استعمال کیا گیا _ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ ہر سال لوگ محرم کا چاند کیسے دیکھتے تھے_ان سالناموں میں " اس روز(روز عاشور) رافضیوں اور اہل سنت کی ایک کثیر تعدادآپس میں

---

1) شذرات الذہب ج/3 ص 130از العبر، الامام الصادق علیہ السلام والمذاہب الاربعہ ج/1 ص 95 ، بحوث مع اہل السنہ و السلفیہ ص 145 ، المنتظم لابن الجوزی ج/7 ص 206_

2) البدایہ و النہایہ ، ج 11 ص 275 ، الامام الصادق علیہ السلام و المذاہب الاربعہ ، ج 1 ص 94، بحوث مع اہل السنۃ و السلفیہ ص 144، ص 134_

لڑتی تھی " اس سلسلے میں المنتظم ابن الجوزی اور دیگر کتب کی طرف رجوع کریں [1]_ ان میں سب سے زیادہ دردناک اور شدیدترین واقعہ شاید "کرخ بغداد" کاہے_ جس میں شیعیان اہل بیت علیہ السلام کوگھیر کران کے گھروں کو آگ لگائی گئی اور انکے ہزاروں مردوناور بچوں کو قتل کردیا گیا[2]_ اس بارے میں چند دستاویزات کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "صراع الحریۃ فی عصر المفید" (شیخ مفید کے دور میں آزادی کی جنگ) میں کیا ہے _ خواہشمند افراد وہاں مراجعہ فرمائیں_ البتہ یہاں یہ ذکر کرتے چلیں کہ 437 ہجری میں بغداد میں روز عاشورا شیعوں اور سنیوں کے درمیان ایک سخت جھگڑا ہوا لیکن آخر کار فریقین نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ وہاں موجود یہودیوں کے گھروں کو لوٹ لیا جائے اور ان کے گرجاؤں کو نذر آتش کردیا جائے [3]

اور 442 ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں : " بغداد کے شیعوں اور سنیوں نے آپس میں صلح کرلی اور سب کے سب حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ ہائے اقدس کی زیارت کو گئے اور پھر کرخ میں سب نے صحابہ کے حق میں دعائے رحمت اور مغفرت کی " [4]_

یہاں ہم انہی مطالب پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ یہاں اس سے زیادہ تحقیق و جستجو کی ضرورت اور گنجائشے نہیں ہے_

---

1) بحوث مع اہل السنۃ و السلفیۃ ص 145_ شاید یہ سلسلہ امام زمانہ (عج) کے ظہور تک کبھی بھی رکنے میں نہ آئے ، روز عاشور عزاداروں کا قتل عام اب صرف جزیرہ نمائے عرب یا عراق تک محدود، نہیں ہے بلکہ پاکستان، ہندوستان ، ایران اور دیگر ممالک تک اس کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے_ اور ذرائع بھی جدید تر ہوگئے ہیں_ اس سے ایک بات کا علم ضرور ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے تمام تر مظالم کے باوجود شیعہ مذہب دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے _ اس لئے مظالم کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جا رہا ہے_ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اگر یہ مذہب مطابق عقل ہے تو اس پر خون خرابا کیسا؟ اور اگر بدعت ہے تو کیا اپنے مذہب کی بدعتیں ختم ہوگئی ہیں جو شیعوں کے در پے ہوئے ہیں؟ اور اگر یزید اور اس کے اگلوں پچھلوں پر لعنت برداشت نہیں تو یہ کیسے مسلمان ہیں کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں اور عیسائیوں کے تو جگری دوست ہیں لیکن قاتلان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لعنت کرنے والوں کے جانی دشمن؟ کیا یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود؟ (2) البدایہ و النہایہ ، ج 11 ص 275 (3)البدایہ و النہایہ ، ج 12 ص 54

4) البدایہ و النہایہ ، ج 21 ص 16_ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی یہودیوں یا ان کی ریشہ دوانیوں کا وجود رہا مسلمان آپس میں لڑتے رہے اور ایک دوسرے کو کاٹتے رہے_ اور جو نہی کسی خطے سے ان کا وجود ختم ہوا اور ان کے وجود سے وہ خطہ پاک ہوا تو وہ خطہ امن و آشتی کا گہوارہ بن گیا_ عراق کی تازہ ترین صورتحال اس کی گواہ ہے نیزان لوگوں کا ایک مقولہ" لڑاؤ اور حکومت کرو" نہایت مشہور ہے_

پانچویں فصل:

اسلام میں جہاد کی اہمیت

اسلام ... اور تلوار

اسلام دشمن عیسائی مشنری اس بات کو بڑی اہمیت اور اہتمام کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ اسلام تلوار اور طاقت کا دین ہے_یہاں تک کہ بعض کتابوں میں انہوں نے ایسے کارٹون بنائے ہیں جن میں آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار ہے آپ صلى الله عليه وآله وسلم لوگوں کے سروں پر کھڑے ہیں اور یہ عبارت تحریر ہے "قرآن پر ایمان لے آؤ ... ورنہ تلوار سے تمہاری گردنیں اڑادونگا" پس دشمن گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو اسلام " ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" [1] کا دعویدار ہے وہ اپنے اس دعوے میں سچا نہیں ہے بلکہ وہ عملی طور پر تلوار سے اپنی تبلیغ کا دعویدار ہے_

اس نظریئے کی تقویت میں خود مسلمانوں کی اس مقولے میں طبعی شک و تردید نے بھی مدد کی ہے کہ "اسلام حضرت خدیجہ عليها السلام کے مال اور حضرت علی عليه السلام کی تلوار سے پھیلا" [2]_ مسلمانوں نے اس جملے کے الفاظ پر تو توجہ کی لیکن اس کے مفہوم پر گہری دقت نہیں کی_ ...بلکہ ایسا ہوا کہ بعض قدیم مورخین اور قصہ نویس حضرات نے بھی اس مفہوم کو اسلام سے خارج کرنے میں مدد کی _ کتاب "فتوح الشام للواقدی" سے یہ مطلب بڑی حد تک واضح ہوتاہے_ کیونکہ اس کتاب کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جو اس طرح کے محیر العقول اور خارق العادہ کارناموں اور تباہ کن واقعات سے خالی ہو_ یہ سب کچھ بعض پس پردہ اہداف کی خاطر تھا تا کہ عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے ساتھ ساتھ امویوں کی قدرت اور عظمت بیان کی جائے اموی حکومت کے منظور نظر افراد کے لیے خیالی بہادریاں ثابت کی جائیں اور اس ذریعہ سے

---

1) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ حسنۃ سے دعوت دو_ (النحل125)

2) مفکر اسلام شہید مطہری کا مقالہ مجلہ " جمہوری اسلامی" میں(10جمادی الثانی 1410 ھ شمارہ 261_

حضرت علی علیہ السلام کے موقف اور کارناموں کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے _ اس کے علاوہ اور بھی مقاصد تھے جن کے متعلق گفتگو کی گنجائشے یہاں نہیں ہے _ ان بڑے بڑے سفید جھوٹوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ایک تباہ کن طوفانی موج (سونامی کی لہروں) اور قتل و غارت کا دین دکھائی دینے گا _ یہاں تک کہ خود اکثر مسلمانوں کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہوگیا۔ جس کا جواب دینے کے لئے انہوں نے دائیں بائیں جانا شروع کردیا_ ان مسلمانوں نے جواباً جو مناسب سمجھا اور جس راستے کو اپنی خواہشات کے مطابق دیکھا اختیار کرلیا_

اگر چہ یہ بات تاریخ سے مربوط ہے اور یہاں اس گفتگو کو طول دینے سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتاتا ہم اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لئے سر راہے چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں _

1: اسلام اور دیگر ادیان میں جنگ کے خد و خال

جنگ بدر سے پہلے کے سرایا اور غزوات کی فصل میں اپنی افواج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نصیحتوں کا مختصر ذکر ہوگا _ انہیں دقت سے پڑھنے اور ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے _ مزید مطالعہ کے خواہش مند حضرات بحار الانوار اور کافی کے علاوہ حدیث اور تاریخ کی دیگر کتابوں کا بھی مطالعہ فرمائیں_

ساتھ ہی کتب حدیث اور تاریخ کا دقت سے مطالعہ کرتے وقت جنگی قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے مثالی سلوک سے آگاہی بھی ضروری ہے _ ہم بھی جنگ بدر کی بحث میں انشاء اللہ اس موضوع پر روشنی ڈالیں گے _ اسی طرح علامہ احمدی نے بھی اپنی کتاب " الا سیر فی الاسلام" میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے _ لیکن اس کے مقابلے میں مندرجہ ذیل مطالب ملاحظہ فرمائیں_

الف: انجیل میں لکھاہے"یہ گمان بھی نہیں کرو کہ میں زمین پر امن پھیلانے آیا ہوں، میں زمین پر سلامتی پھیلانے نہیں بلکہ تلوار کے ساتھ جنگ کے لئے آیاہوں"(1)

باء : تورات میں یوں تحریر کیا گیاہے" جب تم جنگ کے لئے شہر کے قریب جاؤ گے تو وہاں کے لوگوں

---

1)انجیل متی اصحاح (سورت) 20 سطر 34_

سے صلح کی استدعا کرو_ اگرانھوں نے مثبت جواب دیا تو وہ تیرے لئے فتح ہوجائے گا _ پس وہاں موجود تمام افراد تیرے غلام ہوں گے_ لیکن اگرانھوں نے صلح نہ کی اور جنگ ہی کی تو شہر کا محاصرہ کر لو اور جب تیرا رب، تیرا معبود تجھے فتح دے دے تو تمام مردوں کی گردنیں تلوار سے اڑادے_لیکن خواتین، بچے اور حیوانات اور جو کچھ شہر میں ہے یہ سب کچھ مال غنیمت ہے جو صرف تیرے لئے ہے_ دشمنوں کا مال غنیمت جو تیرے رب اور معبود نے تجھے عطا کیاہے کھالے، استعمال کر_ وہ تمام علاقے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور یہ علاقے ان اقوام کے نہیں ہیں ،ان میں بھی یہی اعمال انجام دے_ لیکن وہ علاقے جو یہاں کی اقوام کے ہیں اور تیرے رب اور تیرے معبود نے تجھے عنایت کیے ہیں وہاں کا کوئی ذی روح بھی زندہ نہیں رہنا چاہئے"[1]_

جیم: تورات ہی میں لکھا ہے"شہر والوں کو تلوار سے اڑاکے رکھ دو_ شہر کو اس میں موجود تمام چیزوں سمیت جلا دو_اسکے ساتھ حیوانات و غیرہ جو کچھ بھی ہے سب کو تلوار سے نابود کردو _ تما م اشیاء کو اکٹھا کرو اور شہر کے چوک میں جمع کرکے انہیں شہر سمیت آگ لگادو _اس سے وہ شہر ابد تک راکھ کا ٹیلہ بن جائے گا[2]_

یہاں مزیددستاویزات بھی ہیں جن کی تحقیق کا موقع و محل نہیں[3]_

ایک اشارہ

امویوںاور عباسیوں و غیرہ کے کرتو توں نیز جنگوں اور ذاتی دشمنیوں میں ان کے مظالم اور قتل و غارتگری کی وجہ سے ہونے والی اسلام کی بربادی اسلام کی پہچان نہیں بلکہ اسلام پر ہونے والا ظلم ، زیادتی اور خیانت ہے _ کیونکہ اسلام اپنے سے منحرفین کی بدکرداری کا ضامن نہیں ہے اس لئے کہ اسلام اور چیز ہے اور منحرفین کا کردار اور چیز ہے_

---

1) سفر تثنیہ" اصحاح" 20 سطر/10 _ 17

2) سفر تثنیہ "اصحاح" 13 سطر15_

3) سفر تثنیہ الاصحاح 7 ;سطر1 ، 2 سفر سموئیل اول الاصحاح 15 ، عبرانیوں کو پولس کا خط الاصحاح 11 سطر 32 اور اسکے بعد ، انیس الاعلام ج/5 ص 302 و 316 اور دیگر کتب_

2 : جب جنگ ناگزیر ہو

اگر ہم رسول ﷺ کریم کی مشرکوں کے خلافلڑی جانے والی جنگوں کا مطالعہ کرنا چاہیں تو انہیں مندرجہ ذیل نکات میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

الف : وراثت و غیرہ جیسے عوامل سے قطع نظر انسان کی شخصیت; اسکی خصوصیات، عادات، صفات اور مختلف نفسیاتی، روحانی ، فکری ، جذباتی اور دیگر پہلو عام طور پر اس ماحول کے زیر اثر ہوتے ہیں جہاں انسان رہتاہے_ وہ والدین ، استاد اور دوست و غیرہ سے افکار اور دینی مفاہیم و اقدار حاصل کرتا ہے_

پس وہ شخص ذلیل و بزدل ہوگا جس کی تربیت کرنے والوں نے خوف اور دہشت کا رویہ اختیار کیا ہو اور وہ شخص شجاع اور جنگجو ہوگا جسکی تربیت کرنے والوں نے خوف کے برخلاف حوصلہ افزائی کی روش اختیار کی ہو[1]_ اسی طرح وہ بچہ جسے بچپن میں بہت زیادہ توجہ اور شفقت ملی ہو اس کی پرورش بالکل مختلف ہوگی اور جو ظلم و قساوت کو دیکھے گا تو اس کا رد عمل بہت مختلف ہوگا _ چاہے ان دو بچوں نے ایک ہی گھر میں پرورش پائی ہو اور وہ دونوں حقیقی جڑواںبھائی ہوں_

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ذہنی تصورات جنہیں انسان جو اس کے ذریعے حاصل کرتاہے اور انہیں اپنے علم و ادراک کا اہم منبع قرار دیتاہے وہ بھی دوسروں سے بہت مختلف ہوتے ہیں_ اگر ہم دو ایسے جڑواں بچوں کو فرض کر لیں جو اکٹھے رہتے ہوں ان کے حالات بھی ایک جیسے ہوں اور یہ بھی فرض کرلیں کہ تعلیم و تربیت ،وسائل اور حالات زندگی و غیرہ تک بھی یکساں ہوں تو اسکے باوجود بھی ہم دیکھیں گے کہ ان دونوں کے افکار ، نفسیات اور احساسات و غیرہ ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں_ اسکی وجہ وہ ذہنی تصورات ہیں جو دونوں نے اخذ کیے ہیں اورجن سے ان کے تفکر کی تشکیل ہوئی اور ان دونوں کا ان خیالات پر رد عمل مختلف تھا_ جی ہاں چاہے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں بیٹھے ہوں، ایک ہی راستے پر چل رہے ہوں اورایک ہی سکول اور مدرسے میں پڑھ رہے ہوں پھر بھی دونوں کا ذہن ایک ہی خیال کے متعلق مختلف رد عمل ظاہر کرے گا

---

1) یعنی خوف ، دھمکیوں اور دہشت کے سائے میںپلنے والا بچہ خود اعتمادی کے فقدان سے بزدل اور ذلت پسند ہوگا _ لیکن محبت اور شفقت کے سائے میں پلنے والا بچہ خود اعتمادی کے وجود سے بہادر اور سوشل ہوگا_ البتہ لاڈ اور ناز کے سائے میںپلنے والا بچہ خود پسند اور مغرور ہوگا_

چاہے وہ اختلاف جزوی ہی ہو _ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر ایک کانقطہ نظر مختلف ہے_ یہی صورت حال آوازوں،اور خوشبوؤں و غیرہ کے بارے میںبھی _یہ صورت اسکے ہاں اپناایک خاص مقام اور ایک خاص اثر رکھتی ہے، اس کے فکری خطوط کو بھی بدل دیتی ہے_ کبھی تو ان خطوط کو آگے بڑھاتی ہے اور کبھی اس کے آگے بند باندھ دیتی ہے _

تصورات کا اختلاف ان کے ذہنوں میں مختلف نتائج کو جنم دیتاہے_ اسی طرح یہ تصورات روح ، آداب اور احساسات پر مختلف اثرات مرتب کرتے ہیں_

ان باتوں سے ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ لوگ آداب، افکاراور اخلاقیات و غیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر کتنے اثر انداز ہوتے ہیں_آپ خود اگر کسی بدمزاج، غصیلے اور ترش رو دوکاندا ر کے پاس کھڑے ہوں اور پھر کسی ایسے مہذب دوکاندار کے پاس کھڑے ہوںجو مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملے اور بہت اچھے اور میٹھےلہجے کے ساتھ آپ سے گفتگو کرے تو آپ یقیناًاپنے رگ و پے میں ان دونوں کا فرق محسوس کریں گے_ اس سارے عمل کا اثر بچوںاور دوستوں و غیرہ کے ساتھ آپ کے تعلقات پر یقیناً مرتب ہوگا_

پس جب ایک فکر اتنی اہمیت کی حامل اور حساس ہے کہ اس سے انسانی عقیدہ تشکیل پاتا ہے اور انسان اس سے متاثر ہوتا ہے تو یقینا کسی معاشرے میں پیدا ہونے والا انحراف چاہے وہ محدود پیمانے پر ہی ہو وہ صرف انحراف کے مرتکب ہونے والے تک محدود نہیں رہے گا بلکہ چاہے تھوڑی مقدار اور محدود پیمانے پر ہی سہی وہ اس کے ساتھ رہنے والوں اور اس کے دور یا نزدیک کے تعلق داروں پر بھی اثر انداز ہوگا پھر ان سے دوسروں میں سرایت کرجائے گا اور اسی طرح وہ انحراف آگے پھیلتا جائے گا_ (اور انحراف کے مرتکب فرد کا حلقہ شناسائی اور دائرہ اثرجتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوگا انحراف بھی اتنے وسیع پیمانے پر اور تیزی سے پھیلے گا مترجم)_

یہی سبب ہے کہ اسلام برائی سے پوری طاقت کے ساتھ اورعلانیہ نبرد آزما ہوتاہے_ اسلام نے تو چھپ چھپ کر گناہ والے کسی غیبت سے بھی منع کیا ہے تا کہ لوگ کسی بھی برائی یا انحراف کی خبرسننے کی عادت

نہ اپنا لیں کیونکہ اس سے ان کے ذہن برائی سے مانوس ہو جائیں گے پھر ان کے لئے برائی کا ارتکاب آسان ہو جائے گا اور وہ اس کی عادت بنالیں گے _ اسلام تو اتنا بھی نہیں چاہتا کہ ان کے ذہنوں میں برائی کے تصور کا بھی گزر ہو چہ جائیکہ وہ شخص خوداس برائی کی عادت اپنالے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ برائیوں سے دور رہیں لیکن اس کے اثر سے لوگ برائیوں کے مرتکب ہوں گے _ آپ ذرابرائیوں اور نقصان دہ امو ر پر لفظ " المنکر"کے اطلاق پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اسلام چاہتاہے کہ لوگ ان باتوں سے دور اور لاعلم رہیں_ اسی طرح جہاں اسلام چھپ چھپ کر گناہ کرنے والے کی غیبت سے منع کرتاہے تو وہ یہچاہتاہے کہ گناہگار انسان کو ایک فرصت مہیا کی جائے تا کہ وہ اپنے گناہوں سے چھٹکارا حاصل کرسکے نیز اس کی شخصیت کی تعمیر و ترقی کے لئے ا سے ایک مناسب معاشرتی فضا مہیا کرے نیزاس کی عزت و شرافت و غیرہ کی حفاظت کرے اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں جن کے بیان کا مقام یہاں نہیں ہے _

پس اگر انحراف اور کجی کا نقصان اسکے ارتکاب کرنے والے تک محدود نہ رہے اور وہ دوسروں تک سرایت کر جائے تو پھر دوسروں کوبھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود کو اس نقصان سے محفوظ کریں_ اگر شریعت کی بات نہ بھی ہو تو بھی عقل و فطرت کا یہی حکم ہے _ البتہ شریعت ،ذات کے اس حق دفاع کے اعتراف پر ہی اکتفا نہیں کرتی بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کے ذریعہ اس دفاع کو ہر فردپر واجب اور فرض قرار دیتی ہے تا کہ ایک تو یہ لوگ اپنی حفاظت کریں اور دوسرا اس انحراف اور برائی سے دوسروں کو بچائیں [1]_

گذشتہ تمام گفتگو کی روشنی میں رسول ﷺ کریم کے اس فرمان کا راز بھی معلوم ہو جاتاہے کہ اسلام کی نظر میں

---

1)برائی کے ا نجام دینے والے کو دو عذاب (ایک برائی کے انجام دینے پر اور دوسرا عذاب دوسرونکو مبتلاکرنے پر) نہیں ہوں گے بلکہ اس شخص کے لئے صرف ایک ہی عذاب ہے ، وہ اس لئے کہ اس نے (برائی نہ کرنے پر)دوسروں کے اختیار کو سلب نہیں کیا اور نہ ہی اسکا یہ ارادہ تھا_ البتہ اسکے فعل نے دوسروں کے لئے برائی انجام دینے کی راہ ہموار کی اور یہ امر دوسروں کی برائی کا مسبب نہیں_ارتکاب گناہ میں ارادہ اور نیت نیز عذاب کے استحقاق یا عدم استحقاق کے عنصر کو مد نظر رکھتے ہوئے ہماری بات اور مندرجہ ذیل معروف حدیث کے درمیان فرق واضح ہوجائے گا _ معروف حدیث یہ ہے :" جس کسی نے ایک نیک عمل کی بنیاد رکھی اس کو اسکا اجر اور قیامت تک ہر اس شخص کے عمل کا اجر ملے گا جو اس پر عمل کرتا رہے گااور جس کسی نے ایک برے عمل کی بنیاد رکھی تو اس کو اپنے عمل کاگناہ اور قیامت تک ہر اس شخص کے عمل کاگناہ بھی ملے گا جو یہ برائی انجام دے گا"_

سب مؤمن ایک جسم کی مانند ہیں کہ جب بھی جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے_

پس اس بنا پر برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے والے کو یہ نہیں کہا جاسکتاکہ تجھے کیا ؟ تجھے اس سے کوئی مطلب ؟ یا میں آزاد ہوں ... یا اسطرح کے جملے_ کیونکہ یہ امر بالمعروف ہی ہے جو در حقیقت آپ کی حفاظت کرتا ہے_ اور ہر کسی کی آزادی اتنی ہے کہ وہ دوسروں پر کسی قسم کی بھی زیادتی نہ کرے اور نہ ہی اس کی آزادی کو کوئی نقصان ہو _ او رانحراف تو زیادتی کی خطرناک ترین اور ناپسندیدہ ترین صورت ہے _

یہ بڑی واضح سی بات ہے کہ انحراف کے خطرے کو دور کرنے اوربرائی کے خاتمے کی خاطر مختلف مدارج اور مراحل کا خیال رکھا جانا چاہئے_ جیسے آپکا بیٹا اگرکسی برائی یا غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو پہلے مرحلے میں آپ اسے منع کریں گے ، پھراسے سمجھائیں گے ، پھر ڈرائیںدھمکائیں گے،پھر ماریں پیٹیں گے اور پھر خود سے دور کریں گے _ اسی طرح شدت اختیار کرتے جائیں گے_ یہ سب مراحل و مدارج شرعی ، عقلی اور فطری ہیں_ انسان کا کوئی ایک عضواگر بیماری میں مبتلا ہوجائے تو پہلا مرحلہ دوائیوں سے علاج ہے_ اگرپھر بھی ٹھیک نہ ہو تو جراحی "operation" کا مرحلہ آتا ہے _اور اگر اس کے باوجود مرض اتنی خطرناک صورت اختیار کرجائے اور زخم ناسور بن جائے کہ وہ عضو نہ صرف پورے جسم پر بے فائدہ بوجھ بن جائے بلکہ اس کا درد اوراس کی بیماری دوسرے اعضاء میں سرایت کرنے لگے اور انہیں صحیح طریقے سے کام نہ کرنے دے تو اس صورت میں اگر طبیب اس حصے کو علیحدہ نہیں کرے گا تو خود انسان کے تلف ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا_ اس مرحلے میں بدن کے اس حصے کو کاٹنے کی نوبت بھی آسکتی ہے _ نہ کاٹنے کی صورت میں وہ طبیب اس بیمار سے خیانت کا مرتکب ہوگا_ یہی سبب ہے کہ اسلام ، عقل اور فطرت نے مسلمانوں کو ایک جسم کی طرح قرار دیاہے _ جب ایک عضو میں درد ہو تو سارا بدن درد و اضطراب میں مبتلا ہوجاتاہے_یہ بات صرف مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ تمام بنی آدم کے ساتھ ایسا ہی ہے_ پس جو شخص عقیدہ و اخلاق اور آداب و کردار کے لحاظ سے منحرف ہوجائے تو ضروری ہے کہ سب سے پہلے حکمت ، پیاراور موعظہ حسنہ سے

اسکی اصلاح کی جائے پھر ڈرایا دھمکایا جائے اسکے بعد سختی اور شدت کا استعمال کیا جائے _ اگر یہ سارے ذرائع اور و سائل کامیاب نہ ہوں تو پھر اس کاآخری علاج اسے قرنطینہ کرنا ہے اور اگربیماری انتہائی خطرناک اور ناسورہو جائے تو پھر(نہ صرف اس شخص کو قرنطینہ کرنا چاہئے بلکہ) ضروری ہو جاتا ہے کہ اس بیماری کو ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے_اس صورت میں عضو فاسدکو نہ کاٹنا پوری امت بلکہ نسلوں اور انسانیت کے ساتھ خیانت ہوگی_ بلکہ دینی اور عقیدتی انحراف کا خطرہ تو جسمی اور بدنی امراض سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ جسمانی امراض کا دائرہ نسبتاً محدود ہے لیکن دینی، عقیدتی، فکر ی اور اخلاقی انحراف سے جسم، مال و اموال،مقام، انسان ، اخلاقی اقدار ، انسانیتبلکہ سارا معاشرہ تباہ ہوجاتاہے جس کے اثرات آنے والی نسلوں پر بھی پڑتے ہیں _ یہ اس وقت ہوتاہے جب اس منحرف شخص کو جرم اور گناہ انجام دینے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور وہ بڑے سے بڑا جرم و گناہ انجام دیتاچلا جاتاہے_جب اس انسان کی کسوٹی اورمعیار ،فقط اور فقط اسکے ذاتی مفادات ہوں ، تب وہ شخص کسی اور چیز کو اہمیت نہیں دیتا، اللہ کی خوشنودی کو اہم نہیں سمجھتا، امت کی اجتماعی مصلحتوں کو مدنظر نہیں رکھتا، شریعت اور دین کے احکام کو غیر اہم سمجھتا ہے اورعقل و منطق کو کوئی حیثیت نہیں دیتا_

اسی لئے جہاد در حقیقت اس انحراف کو روکنے کا ایک ذریعہ ہونے کی وجہ سے دین اور شریعت سے بڑھ کر عقل اورفطرت کے احکام میں سے ایک حکم ہے_

گزشتہ بحث کی روشنی میں ہم نہایت جرا ت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلا م، جہادکے لئے تلوار استعمال نہ کرتا تووہ حق اور عدل نیز فطرت اور عقل کا دین ہی نہ ہوتا_ اس طرح نہ صرف معاشرے بلکہ ابد تک کے لئے تمام انسانیت کا خائن ہوتا_ ہم جانتے ہیں کہ فکر ، عقل اور قوت مدافعت پر مبنی سیاسست ہی عدل قائم کرنے والے اور ظلم کو مٹانے والے دین ،اسلام کا اصل اصول ہے_

ارشاد باری تعالی ہے:

(و لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا معهم الکتاب و

المیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس و لیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ بالغیب

ان اللہ قوی عزیز) (حدید /25)

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجاہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں اور ہم نے لوہے کو بھی نازل کیا ہے جس میں شدید سختی اور لوگوں کے لئے بہت سے دوسرے فوائد بھی ہیں۔ سب اس لئے ہے کہ خدا یہ دیکھے کہ کون بغیر دیکھے اسکی اور اسکے رسول کی مدد کرتاہے اور یقیناً اللہ بڑا صاحب قوت اور صاحب عزت ہے_

اگر دین خیانت کو اپنی عادت اور اصول قرار دیتا، انسانی نسلوں کی مصلحتوں سے تجاہل برتتااور اس کے احکام میں یہ بہت بڑے نقائص ہوتے تو اس کے قوانین کی انسانوں اور انسانی سماج کو قطعاً ضرورت نہ ہوتی _ پھر تو اسکی راہ میں قربانی دینے بلکہ اس کی حفاظت کرنے اور دین کی عظمت اور سر بلندی کی خاطر کسی بھی کام کا کوئی معنی اور فائدہ نہ رہتا _ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیوں جہاد کو جنت کے دروازوں میں سے ایک ایسا دروازہ قرار دیا گیا ہے جسے اللہ نے اپنے خاص اولیاء کے لئے کھول رکھاہے_ یہ تقوی کا لباس، اللہ تعالی کی مضبوط زرہ اور قابل اعتماد ڈھال ہے ...(1)_

یہ سب تونظریاتی لحاظ سے ہے_ البتہ رسول اسلام ﷺ کے زمانے کے تاریخی حقائق کیا تھے جہاد کے متعلق گفتگو کے دوران اس کی طرف اشارہ کریں گے_

باء :اہل مکہ کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنا ہرمسلمان کا حق تھا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کے لئے سازشیں کیں اور اللہ کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں_ اس لئے ان سب کا حق بنتا تھا کہ وہ عقیدہ ، بیان ، فکر اور دعوت الی اللہ کی آزادی کے حصول کے لئے اہل مکہ کے خلاف جنگ کرتے یہ جنگ خصوصاً اس وقت ضروری ہوجاتی ہے جب دشمن تشدد کے استعمال پر اصرار کرے اور اس کے نیز اس

---

1)ملاحظہ ہو: نہج البلاغہ شرح محمد عبدہ خطبہ جہاد ج 1 ص 63_

کے عقائد کے سامنے منطق اور دلیل کی کوئی حقیقت نہ ہو _ پس اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی جبراً اس کو قبول کرے_اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ سب کو عقیدے، فکر ، اور موقف میں آزادی حاصل ہو _ اس لئے اسلام نے جو علاقے فتح کئے وہاں کے لوگوں کو بعض معاملات میں اختیار دیا_ ان میں سے ایک " قبول اسلام"بھی تھا_ جو کوئی اسلام قبول کرتا وہ پوری رغبت وشوق ، آزادی اور ارادے کے ساتھ نیز مسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی سے دباؤ کے بھی بغیر قبول کرتا_ بہت سارے علاقوں میں تو اسلامی فتح کا انتظار بھی نہ کیا گیا_ فقط اسلام کی اطلاع پر ہی لوگ اسلام کے سامنے جھک گئے_

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلا م اور مسلمان اپنے خلاف ہر طرح کی سختی،زیادتی اور مسلسل ظلم کے سامنے ہاتھ باندھے رکھیں کہ ظالم ان کا خون چوستے رہیں _ یاان لوگوں کے ہر دباؤ اور فیصلوں کے سامنے جھک جائیں جو ہر حال میں انکے خلاف ہیں_نیز اس آزادی کا یہ مطلب بھی نہیںکہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میںایسی تیاری بھی بالکل نہیں کرنی چاہئے کہ جس سے وہ اللہ اور اپنے دشمن کو خوف زدہ کرسکیں_ جس اسلام کی طرف مسلمان دعوت دیتے ہیں اور آزادی فکر و نظر سے اسے قبول کرنے کے خواہاں ہیں وہ فقط ایک انفرادی مذہبی اعمال یا تزکیہ نفس جیسے اعمال ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ایسا عمومی نظام حیات ہے جو عالمی سطح پر یکسر تبدیلیوں کی قیادت کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتاہے _ اور ایک ایسا نظام ہے جس میں سب انسانوں کے حقوق محفوظ ہوں_ یہی وہ بات ہے جس نے اسلام کی وسیع سطح پر حمایت کو یقینی بنایاہے_ کیونکہ اسلام کو ان جابر و ظالم اور لالچی افراد سے ٹکر لینی ہے جو اپنی نفسانی خواہشات اور رجحانات کے مطابق لوگوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں _ہاں جب رائے، فکر اور عقیدہ کی آزادی کا حصول صرف طاقت کے استعمال سے ہی ممکن ہو تو پھر سختی اور شدت استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ معاشرے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے ایک مناسب فضا مہیا کی جائے نیز حقیقی اسلام، ان حکمرانوں کے اسلام میں تبدیل نہ ہوجائے جو اسلام کو اپنی خواہشات اور مفادات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں_ جیسا کہ بعض فرقوں اور مذاہب کے ساتھ ایسا ہی ہوا اور وہ اس شدید بیماری میں مبتلا ہوگئے ،نیز اسلامی

قانون سازی کا محور کوئی بڑی اور سرکردہ شخصیت بھی نہ بننے پائے ورنہ اسلام ایک مردے کی فکر ہوگی جوصرف اور صرف عجائب گھر میں رکھنے کے قابل ہوگی جس کا تعلق معاشرتی زندگی سے قطعاً نہیں ہوگا[1]

اگر رائے ، فکر اور عقیدہ کی آزادی ہو تو یہ بات دوسروںکے حوصلے کا سبب بنے گی کہ وہ لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوکرتکلیفوں ، اذیتوں ، مختلف قسم کے دباؤ اور اس فتنہ کی آگ سے بھی محفوظ رہیں جو اسلام کی نظر میں قتل سے زیادہ خطرناک ہے _ پس مسلما ن جب جنگ کرتے ہیں تو وہ اپنے ان حقوق کے دفاع کے لئے جنگ لڑتے ہیں جو اللہ نے ان کے لئے قرار دیئےہیں_ اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی احادیث بھی ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا_نیز قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالی ہے_

(اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجو من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ...) (الحج 39 ، 40)

جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جارہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر(جنگ کی) اجازت دی گئی ہے اور یقینا اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے_ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے نا حق نکال دیئے گئے ہیںان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہمارا پروردگار ہے_

پس مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس صورت میں ملی کہ دوسروں نے ان پر جنگ مسلط کردی تھی اور انہیں اپنے گھروں سے بھی نکال باہر کیاتھا لیکن اگر ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں غزوات کا ذکر ہے تو قاری کے ذہن میں یہ تصور ابھرتاہے کہ اسلام تو قتل و نابودی کا مذہب ہے_ آپ واقدی کی " فتوح الشام" کی طرف رجوع کرکے دیکھیں _یہ سب کچھ غالباً اس لئے ہے کہ اس میں بنی امیہ کی شان و شوکت اور اقتدار و غلبے کا ذکر ہے_ بعض محققین نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے[1]_

---

1) مصنف کا اشارہ شاید کیمونزم کی جانب ہے جس کے متعلق خمینی بت شکن نے گورباچف کے نام اپنے خط میں پیشین گوئی کردی تھی کہ (دوسرے باطل عقائد و مذاہب کی طرح) یہ بھی تاریخ کے میوزیم میں منتقل ہوجائے گا _ اور ہوا بھی یہی اب صرف چند مردہ پرست ہی اس دنیا میں رہ گئے ہیں جو اسے زندہ رکھنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں _ مترجم

2)آیت اللہ سید مہدی الحسینی الروحانی_

جیم: گزشتہ گفتگو کی روشنی میںیہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی ﷺ اور مسلمانوںکی سیرت اور عادت یہ تھی کہ وہ دشمنوں کے سامنے نہایت منصفانہ انتخاب رکھتے تھے_ حتی کہ ان پیشکشوں کے بعد بعض مشرکین یہ اقرار کرتے تھے کہ اس پیشکش کے بعد اب جنگ پر اصرار ظلم و زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن سریہ ابن جحش میں ابن حضرمی کے قتل کے بعد باقی مشرکوں نے ان پیشکشوں کو ٹھکرانا شروع کردیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں سے جنگ کا پختہ ارادہ کرچکے تھے [1] _

حالانکہ وہ ابن حضرمی کے قتل کا بدلہ دو طرح سے لے سکتے تھے_ایک یہ کہ محدود پیمانے پر اس کا بدلہ لیا جاتا دوسرا یہ کہ دیت قبول کرلی جاتی حالانکہ یہ دونوں عمل عربوں کے رسم و رواج کا حصہ تھے اور ان کی اخلاقیات کے لحاظ سے بعید بھی نہیں تھے _

دال: معاہدے توڑنے والوںکے خلاف قیام کرنااور انہیں اپنی حدود میں رکھنا کیونکہ یہودی معاہدے توڑتے تھے اور پھر کفار و مشرکین مکہ بھی وہ لوگ تھے جو صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ چکے تھے_

ہاء: جنگ کے شعلے بھڑ کانے والوں اورزیادتی کرنے والوں کے مقابلے میں اپنا دفاع _ جن لوگوں نے مدینہ پر لشکر کشی کی اور لوٹ مار مچائی ان کا پیچھا _

بہر حال ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مسلسل معرکہ آرائی جاری رکھی جبکہ مسلمان صلح حدیبیہ تک ہمیشہ اپنا دفاع کرتے رہے_ حتی کہ بخاری لکھتے ہیں کہ نبی کریم(صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے غزوہ بنی قریظہ سے پلٹنے کے بعد فرمایا: " اب ہم ان کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں لیکن وہ ہمارے خلاف جنگ نہیں کرسکتے " _اس کا ذکر انشاء اللہ آئے گا _

کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟

گذشتہ مطالب کی روشنی میں ہمارے لئے واضح ہوجاتاہے : کہ" اسلام علی علیہ السلام کی تلوار سے پھیلا " کے

---

1)تاریخ طبری ج/2 ص 131 کامل ابن اثیر ج/ 2 ص 116_

مقولے کا مطلب ہر گزیہ نہیں ہے کہ حضرت عليه‌السلام نے لوگوںکے سر پر تلوار رکھ کر فرمایا ہو کہ اسلام لے آؤ یا قتل کے لیئے تیار ہوجاؤ_ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی عليه‌السلام کی تلوار فقط اور فقط اسلام کے دفاع کے لئے اٹھی_ اس تلوار نے دشمنوںکی زیادتیوںکو روکا اور آزادی رائے ، فکر اور عقیدہ کی حفاظت کی اور اسلام کے دفاع میں اپنا گہرا اثر چھوڑا_

اور چونکہ اسلامی جنگوں کا مقصد انسان کی حفاظت ، اس کی شخصیت کاتحفظ اور آزادی فکر و عقیدہ و رائے کے لئے فضا ہموار کرنا تھا ،اس لئے ان وجوہات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جنگیں ممکنہ طور پر اتنی مختصر تھیں جن سے فقط مقصد حاصل ہوجائے_یہی وجہ ہے کہ انتہائی ضبط نفس اور تقوی کا خیال رکھا جاتا تھا_ یہاں تک کہ خطرناک ترین حالات اور لحظوں میںبھی ان چیزوں کا لحاظ کیا جاتا تھا_ اسی لئے پیامبر اسلامصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی دس سالہ مدنی زندگی کے مختصر عرصے میں غزوات اور سریوں پر مشتمل دسیوں جنگوں میں مؤرخین کے بقول آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی تلوار سے مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہیںکرتی [1] حالانکہ ان جنگوں سے مشرکین کا مقصد پورے جزیرة العرب میں اسلامی حکومت کے نفوذ و قدرت کے زیادہ ہونے نیزاسکی حدود کو اس سے کہیں زیادہ پھیلنے سے روکنا تھا بلکہ سرے سے اسلام کا ہی قلع قمع کرنا تھا_

ہم نے عجلت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ جہاد کا موضوع تو بہت زیادہ طول و تفصیل کا طالب ہے_ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی آیات ،پیامبر اسلام صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم اور آئمہ ہدی عليه‌السلام کی احادیث ، انکے جہادی موقف اور کوششوں پر گہری نظر ڈالی جائے_

---

1)ملاحظہ ہو سید ھادی خسرو شاہی کا مضمون " سیمای اسلام" _

چھٹی فصل:

جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں

رسول ﷺ کے غزوات اور سرایا:

"غزوہ" سے مراد ایسی جنگ ہے جس میں خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی ہو اور

"سریہ" ' ایسی جنگ ہے جس میں آپ ﷺ نے براہ راست شرکت نہ فرمائی ہو۔

ان جنگوں کی تعداد میں مورخین کے ہاں خاصا اختلاف پایا جاتاہے ۔ہمارے خیال میں اس مطلب کی تحقیق میں کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف ان اہم جنگوں کا ذکر کریں گے جن کا کوئی عمومی فائدہ تھا۔ البتہ اس سے قبل دو نکات کا بیان ضروری محسوس ہوتا ہے ۔

ایک : معرکہ سے فرار

علماء نے یہاں بیان کیا ہے کہ ابتدائے امر میں ایک مسلمان کا دس مشرکین کے مقابلہ سے فرار کرنا جائز نہیں تھا [1] (یعنی ایک مسلمان پر بیک وقت دس مشرکوں کا مقابلہ واجب تھا) پھر اللہ تعالی کی جانب سے مسلمانوں پر تخفیف اور رعایت کا حکم آیا کہ اب ایک مسلمان دو کا مقابلہ کرسکتاہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

(یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مئتین و ان یکن منکم مئة یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون

---

1) الجامع لاحکام القرآن ج 8 ص 44 ، جامع البیان ج 10 ص 27 و تفسیر المنارج 10 ص 77۔

الان خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفاً فان یکن منکم مئة صابرة یغلبوا مئتین و ان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ و اللہ مع الصابرین) (انفال 65 ، 66)

اے پیامبر آ پ ﷺ لوگوں کو جہاد پر آمادہ کریں_ اگر ان میں بیس افراد بھی صبر کرنے والے ہوں گے تووہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سوہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے_ اس لئے کہ کفار سمجھ بوجھ نہیں رکھتے البتہ اب اللہ نے تمہارا بار ہلکاکر دیاہے کیونکہ اس نے دیکھ لیا ہے کہ اب تم لوگوں میں کمزوری پائی جاتی ہے تو اب تم میں اگر سو افراد بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو بحکم خدا دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے_

اس بات کی مزید تفصیل جنگ بدر کے باب کی آخری فصل "جنگ کے نتائج " میں ذکر ہوگی _

دو: سرایا کے لئے نبی ﷺ کی وصیت :

دوسری قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ جب کسی سریہ کے لئے مسلمانوں کو بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو مسلمانوں کو بلاتے_ اپنے سامنے بٹھاتے اور فرماتے:

(سیروا باسم اللہ ، و باللہ و فی سبیل اللہ و علی ملة رسول اللہ و لا تغلوا و لا تمثلوا و لا تعذرو و لا تقتلوا شیخاً فانیاً و لاصبیاً و لا امراة و لا تقطعوا شجراً الاّ ان تضطروا الیها ؟ و ایما رجل من ادنی المسلمین او افضلهم نظر الی رجل من المشرکین فهو جار حتی یسمع کلام اللہ فان تبعکم فاخوکم فی الدین و ان ابی فابلغوه مأمنه و

---

1)تاریخ الخمیس ج/1 ص 356 ، السیرة الحلبیه ج/3 ص 152_

استعينوا باللہ علیہ ...)

اللہ کے نام اور اللہ (کی لا یزال قوت)کے ساتھ اور اللہ کی راہ میں اور رسول ﷺ اللہ کے دین پر ہوکے سفر کرو اور دور تک تیر نہ پھینکو اورنہ ہی کسی کا ناک یا کان کاٹو(1)، کسی کے ساتھ بدعہدی اور خیانت نہ کرنا ، کسی نہایت بوڑھے کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی کسی بچے یا خاتون کو قتل کرنا ، کسی درخت کو نہ کاٹنا مگر یہ کہ کوئی مجبوری پیش آجائے، تم میں سے جس چھوٹے یا بڑے مسلمان نے کسی بھی مشرک پر نظر کرم کی تو وہ ا سے پناہ دینے والا ہے یہاں تک کہ وہ کلام الہی کو سنے پس اگر اس نے اطاعت کی تووہ تمہارا دینی بھائی ہے اور اگر اس نے انکار کیا تو اسے اس کی پناہ گاہ تک چھوڑ آؤ اور اس پر کامیابی کے لئے اللہ سے مدد طلب کرو ... (2) یہ وصیت طولانی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی دیگر وصیتیں بھی ہیں جن کے مطالعہ کے لئے ان کے منابع کی طرف رجوع فرمائیں (3)_ آپ ﷺ نے دشمن پر کبھی بھی شب خون نہیں مارا (4) بلکہ جب کبھی بھی کسی لشکر کو کہیں بھیجتے تو دن چڑھے بھیجتے تھے (5)_

اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر:

ہم اپنی اس کتاب میں تمام غزوات اور سرایا کے متعلق مکمل تفصیلی گفتگو نہیں کرسکتے اس لئے ہم ان جنگوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے جن میں لڑائی ہوئی ہے البتہ دوسرے غزوات اور سرایا کی طرف تھوڑا سا اشارہ بھی کریں گے _ مگر ان میں کوئی ایسا نیا نکتہ پایاجائے جس پر روشنی ڈالنے کے لئے ان کا ذکر ناگزیر ہوجائے تو ان کا بھی تفصیلی ذکر آئے گا _ البتہ اس فصل میں مندرجہ ذیل سرایا کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

---

1)روایت میں لفظ مثلہ کرنا آیا ہے جس کا مطلب ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا دوسرے لفظوں میں ناک کان کاٹنا ہے_

2)الکافی ج/1ص 334 ، 335 ، البحار ج/19 ص 177 ، 179 نیز ملاحظہ ہو سند احمد ج 1 ص 300 و غیرہ ، التہذیب شیخ طوسی ج 6 ص 138 و ص 139 و الاموال ص 35_ (3)النظم الاسلامیہ صبحی صالح ص 514_

4) التہذیب شیخ طوسی ج 6 ص 174 ، الکافی ج 1 ص 334، ص 335 و بحار الانوار ج 19ص 177 تا ص 179 _

5) التراتیب الاداریہ ج 2 ص 22، الجامع ا لصحیح ج 3 ص 517_

ابتدائی جنگیں :

مؤرخین کہتے ہیں کہ :

1_ آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے سات ماہ بعد (البتہ دیگر اقوال بھی ہیں) ابوجہل کا پیچھا کرنے کے لئے جناب حمزہ بن عبدالمطلب کو تیس مہاجرین کا سردار بنا کر بھیجا (یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دستے میں انصار کے کچھ افراد بھی شامل تھے لیکن یہ بات ناقابل وثوق ہے کیونکہ جنگ بدر سے پہلے آپ ﷺ نے کسی بھی انصاری کو کسی جنگی مشن پر نہیں بھیجا تھا) [1] انہوں نے ابوجہل کو تین سو مشرکوں میں گھرے ہوئے جالیا _ لیکن وہاں فریقین کے ثالث مجدی بن عمرو جہنی ان کے اس مشن کے آڑے آگیا اور وہ جنگ کئے بغیر واپس لوٹ آئے _

2_ آپ ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے بعد ٹھیک آٹھویں مہینے کی ابتداء میں دوسو افراد میں گھرے ابوسفیان کو " رابغ" کے میدان میں جا پکڑنے کے لئے عبیدہ بن حارث بن مطلب کی سرکردگی میں ساٹھ افراد کا ایک لشکر بھیجا _ اس سریہ میں مقداد اور عتبہ بن غزو ان ابوسفیان کے دستے سے بھاگ کر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے [2] _

3_ اس کے بعد مہاجرین کے ایک گروہ کی سرکردگی میں سعد بن ابی وقاص کا سریہ بھی ہے جو قریش کے ایک قافلے کا مقابلہ کرنے نکلا تھا لیکن وہ قافلہ ان کی پہنچ سے باہر جا چکا تھا _ البتہ ایک قول کے مطابق یہ واقعہ جنگ بدر کے بعد پیش آیا [3] _

4_ اس واقعہ کے بعد یعنی آپ ﷺ کی ہجرت کے کم و بیش ایک سال بعد غزوہ ابواء کا واقعہ پیش آیا _ اس غزوہ میں آپ ﷺ بنفس نفیس قریش اور قبیلہ بنی مرّہ بن بکر سے جنگ کرنے نکلے لیکن " ابواء" کے مقام پر قبیلہ بنی مرّہ کے سردار سے مڈبھیڑ ہوگئی جہاں انہوں نے آپس میں صلح کرلی اور آپ ﷺ واپس مدینہ پلٹ آئے [4] _

---

1) تاریخ الخمیس ج 1 ص 356، سیرہ حلبیہ ج 3 ص 152، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج 2 ص 245_

2) السیرۃ النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ج 1 ص 360، 359 _ نیز ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس ج 1 ص 359_

3) تاریخ الخمیس ج 1 359_ (4) تاریخ الخمیس ج 1 ص 363، السیرۃ النبویۃ ابن ہشام ج 2 ص 241 ، السیرۃ النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ج 1 ص 361_

5_ اس کے بعد غزوہ " بواط" کا واقعہ پیش آیا (بواط مدینہ کے قریب جہینہ قبیلہ سے متعلق ایک پہاڑی تھی) اس غزوہ میں آپ ﷺ دوسو مہاجرین کو لے کر قبیلہ بنی ضمرہ کے قافلے کا سامنا کرنے نکلے لیکن بواط تک پیچھا کرنے کے بعد پھر واپس پلٹ آئے اور کوئی لڑائی نہیں کی [1] البتہ اس غزوہ میں مہاجرین کی تعداد کے متعلق اپنا اعتراض ہم محفوظ رکھتے ہیں _

6_ مذکورہ غزوہ کے چند دن بعد " غزوۃ العشیرہ " کا واقعہ پیش آیا _ اس میں آپ ﷺ قبیلہ بنی مدلج اور اس کے حلیف بنی ضمرہ سے صلح کر کے واپس مدینہ پلٹ آئے _ اس غزوہ میں بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی _ البتہ اس غزوہ میں حضرت علی علیہ السلام کو " ابوتراب " کا لقب ملا جس کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے [2] _

7_ نخلہ کی وادی میں عبداللہ بن حجش کا سریہ :

اس کے بعد ہجرت کے دوسرے سال رجب یا جمادی الثانی کے مہینے میں عبداللہ بن حجش کی جنگ کا واقعہ رونما ہوا _ جس میں آٹھ یا بارہ مہاجرین نے حصہ لیا تھا _ آپ ﷺ نے عبداللہ بن حجش کو ایک خط دے کر روانہ کیا اور فرمایا کہ اس خط کو دو دن کے بعد کھول کردیکھنا (یہ حکم غالباً اس لئے تھا کہ کوئی اسلام دشمن یہودی اور مشرک اس خط کے مضمون سے مطلع نہ ہونے پائے جس سے یہ بات تمام دشمنوں میں پھیل سکتی تھی) _ دو دن چلنے کے بعد جب اس نے خط کھول کردیکھا تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا تھا :

" اما بعد خدا کی برکت سے اپنے ساتھیوں سمیت نخلہ کی وادی میں جا کر قریش کے ایک قافلے پر گھات لگاؤ (ایک روایت میں آیا ہے کہ قریشیوں کے خلاف گھات لگاؤ) یہاں تک کہ ہمارے پاس کوئی اچھی خبر لے کر آو" _

عبداللہ بن حجش نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے کسی ساتھی پر بھی زبردستی نہیں کرو بلکہ انہیں اس بات کا اختیار دو کہ وہ تمہارے ساتھ جائیں یا پھر واپس پلٹ آئیں _ لیکن اس کے تمام ساتھی اس کے ساتھ ہولئے _ پھر یہ دستہ وادی نخلہ میں ٹھہرا تو وہاں سے قریش کے ایک قافلے کا

---

1) ملاحظہ ہو : تاریخ الخمیس ج 1 ص 363، السیر النبویہ دحلان ج 1 ص 361، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 126، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج 2 ص 249_

2)ملاحظہ ہو : تاریخ الخمیس ج 1 ص 363، السیرۃ النبویہ دحلان ج 1 ص 361 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 126، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج2 ص 249_

گذر ہوا جس پر انہوں نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قافلے پرہلہ بول دیا ، ان کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کر کے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا _ یہ واقعہ اختلاف اقوال کی بناپر رجب کی پہلی تاریخ کو یا اس سے ایک دن پہلے پیش آیا _ پھر جب وہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے پاس آئے تو انہوں نے وہ قافلہ مع مال و اسباب اور دو قیدی آپ ﷺ کے حضور پیش کردیئےیکن آپ ﷺ نے اس سے ایک دھیلا بھی لینے سے انکار کردیا (لیکن ابو ہلال عسکری کہتا ہے کہ عبداللہ بن حجش نے اس مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے پانچواں حصہ رسول ﷺ خدا کے حضور پیش کردیا اور باقی کو اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کردیا _ اور اس کا یہ خمس اسلام کا پہلا خمس تھا) [1] _ البتہ دوسرے مسلمان بھائیوں نے ان کو سخت سرزنش کی _ اس واقعہ کی وجہ سے قریشیوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ (حضرت) محمد ﷺ نے حرام مہینے کی حرمت کو پایمال کیا ہے _ اس مہینے میں ان لوگوں نے خون بہایا، مال لوٹا اور کئی آدمیوں کو قیدی بنایا ہے _ اس وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کو بہت برا بھلا بھی کہا اور اس بارے میں کئی خطوط بھی لکھے _ اس کے ساتھ ساتھ اس معاملہ کو مزید ہوا دینے کے لئے یہودیوں کو بھی بھڑ کانا شروع کردیا_ جب ان کی سرگرمیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو مہاجرین کے اس کام کی دلیل اور توجیہ بیان کرنے کے لئے یہ آیتیں نازل ہوئیں:

(یسالونک عن الشهر الحرام قتال فیه قل قتال فیه کبیر و صد عن سبیل الله و کفر به و المسجد الحرام و اخراج اهله منه اکبر عندالله و الفتنة اکبر من القتل) [2]

اے پیغمبر وہ لوگ آپ ﷺ سے (طنز یہ طور پر) محترم مہینے میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں تو

---

1) الاوائل ، ج 1 ، ص176 ، سیرہ حلبیہ، ج 3 ، ص 157 ، الاستیعاب زندگی عبداللہ بن جحش، نیز ملاحظہ ہو : السیرۃ النبویۃ ابن ہشام ، ج 3، ص 252 و 253_ المغازی واقدی ، ج 1 ، ص 13 ، طبقات الکبری ، ج 2 ، ص 10 ، مطبوعہ1405ھ _ تاریخ الامم و الملوک ، ج 2 ، ص 410تا 413 ، السنن الکبری ، ج 9 ، ص 12 ، دلائل النبوۃ بیہقی ، ج 2 ، ص 307و 308 ، تاریخ الاسلام ذہبی (مغازی) ص 29 ، اسباب النزول ص 36 ، بحارالانوار ، ج 20 ، ص 189و 190، رجال مامقانی ، ج 2 ، ص 173، قصص الانبیاء راوندی ، ص 339_ السیرۃ النبویہ ابن کثیر ، ج 2 ص366، الکامل فی التاریخ ، ج 2 ، ص 113، تاریخ الخمیس ، ج 1 ، ص 365 _ تاریخ یعقوبی ، ج 2 ، ص 69_ الدرالمنثور سیوطی ، ج 1 ص 251_ مجمع الزوائد ، ج 2 ، ص 198_ السیرۃ النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ، ج 1 ، ص 362 و دیگر کتب_

2) بقرہ / 217_

آپ ﷺ انہیں کہہ دیجیے کہ اس مہینے میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ اور خدا کے راستے سے روکنے اور خدا اور مسجد الحرام کے انکار کے مترادف ہے لیکن مسجد الحرام میں رہنے والوں کو اپنے گھروں سے نکال باہر کرنا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا جرم ہے نیز فتنہ اور سازش بھی قتل سے بہت بڑا جرم ہے_

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اس وقت اتری جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کے پاس آکر بطور طنز اور تنقید حرام مہینے میں جنگ کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تو اس آیت کے ذریعہ سے خدانے مسلمانوں کی مشکل آسان کردی اور قریشیوں کو اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر انہیں چھڑوانا پڑا اور آپ ﷺ نے بھی فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا [1]

8_ غزوة العشیرہ کے چند دن بعد غزوہ بدر اولی کا واقعہ پیش آیا_ جب کرز بن جابر فہری ،مدینہ کے چوپائے غارت کر کے اپنے ساتھ لے گیا تو آنحضرت ﷺ خود اس کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے لیکن جب بدر کی جانب سفوان کی وادی تک پہنچے تو وہ آپ ﷺ کی دسترس سے باہر نکل چکاتھا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ دوبارہ مدینہ پلٹ آئے [2]

یہاں ہم کچھ اہم امور پر بحث ضروری تصور کرتے ہیں ان کاتعلق گزشتہ ابحاث سے ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہیں_

1 _ حضرت علی عليه‌السلام کی کنیت ابوتراب قرار دینا:

غزوة العشیرہ میں نبی ﷺ نے امیر المومنین علی عليه‌السلام کی کنیت ابوتراب رکھی_ یہ کنیت حضرت عليه‌السلام کو بہت زیادہ پسند تھی لیکن بنوامیہ اس کنیت کی وجہ سے آپ ﷺ کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے_

---

1) ملاحظہ ہو : تاریخ الخمیس ، ج 1 ص 366 ، السیرة النبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ، ج 1 ، ص 363 و السیرة النبویہ ابن ہشام ، ج 2 ، ص 254و 255_

2)سیرہ حلبیہ ، ج 2 ، ص 128، السیرة النبویہ ابن ہشام ، ج 2 ، ص 251_

جناب عمار بن یاسر کی روایت کے مطابق معاملہ اختصار کے ساتھ کچھ یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اصحاب کے ہمراہ غزوۃ العشیرہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت عمار اور حضرت علی علیہ السلام قبیلہ بنی مدلج کے حالات جانچنے گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے لئے کنواں کھود رہے تھے اور کھجور کے درختوں پر کام کررہے تھے_ دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں پر نیند طاری ہونے لگی تو وہ چل کر کھجور کے درخت کے سائے تلے پہلو کے بل مٹی کے اوپر لیٹ گئے_ حضرت عمار کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابھی ہم سونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ ہمیں اٹھانے کے لئے رسول اللہ بنفس نفیس تشریف لائے اور پاؤں سے ہمیں جھنجھوڑا_ ہم لوگ جس مٹی پر سوگئے تھے اس سے اٹے ہوئے تھے_ اس روز رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کے بدن پر مٹی دیکھ کر ان کو "ابوتراب" کہہ کر آواز دی اور فرمایا :" اے ابوتراب کیا بات ہے ؟"[(1)]_ "مؤاخات" کے متعلق گفتگومیں بھی ابوتراب کی کنیت کا تذکرہ گزرچکاہے_ عبدالباقی العمری نے ان اشعار میں نہایت احسن انداز سے اس معنی کو بیان کیا ہے_

یا ابا الاوصیاء انت لطه---- صهره و ابن عمه و اخوه

ان للہ فی معانیک سراً ---- اکثر العالمین ما علموه

انت ثانی الآباء فی منتهی---- الدور و آباؤه تعد بنوه

اے ابوالاوصیاء(حضرت علی علیہ السلام)آپ علیہ السلام آنحضرتﷺ کے داماد چچازاد اور بھائی ہیں_ اللہ کے ہاں آپ علیہ السلام کے (اسماء القاب اور صفات کے) معانی میں کئی رازپوشیدہ ہیں جنہیں اہل جہاں نہیں جانتے _ آپ علیہ السلام اس آخری دور میں دوسرے ابوالبشر ہیں جن کے آباء بھی ان کے بیٹے کہلاتے ہیں_

---

1)البدایہ والنہایہ ج/3 ص 247، الآحاد والمثانی مخطوط کتابخانہ کوپر لی شمارہ 235، صحیح ابن حبان مخطوط ، البحار ج/ 19 ص 188 ، مسند احمد ج/4 ص 263 و 264، تاریخ طبری ج/2ص 123،124،الکامل ابن اثیر ج/2ص12 ط صادر، سیرۃ ابن ہشام ج/2 ص 249،250، مستدرک الحاکم ج/3 ص 140 ، کنز العمال ج/ 15 ص 123،124ازالمصنف ، البغوی،الطبرانی در الکبیر ،ابن مردویہ ، ابو نعیم در معرفۃ الصحابۃ ،ابن النجار ابن عساکر ودیگرا فراد، شواھد التنزیل ج/2 ص 342 ، مجمع الزوائد ج/9 ص 100، 136از طبرانی در الاوسط و الکبیر ، البزارو احمد اوراس روایت کی بعض اسناد کی اس نے توثیق کی ہے _ تاریخ الخمیس ج/1 ص 364 ، تاریخ ابن عساکرامام علی علیہ السلام کے حالات زندگی ج/3 ص86محمودی کی تحقیق سے، انساب الاشراف ج/2 ص 90، السیرۃ الحلبیہ ج/ 2 ص 126 ، طبقات ابن سعد، السیرۃ النبویہ ابن کثیر ج/2ص363،کتاب الفضائل احمد بن حنبل ج295 ، الغدیر ج/6ص334،عیون الاثر ابن سید الناس ج/1ص226، الامتاع مقریزی ص55 و دلائل النبوہ بیہقی ، ج 2 ، ص 303 اور دیگر حوالہ جات بھی ہیں _بہرحال غزوۃ العشیرۃ کے حالات اگرکوئی تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ کرے تواس مطلب کو پائے گا_

دغابازی اور جھوٹ:

لیکن مذکورہ باتوں کے با وجود بھی بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام کی بی بی فاطمہ علیہا السلام سے شکر رنجش ہوئی تو آپ علیہ السلام نے غصے میں آکر اپنے سر پر مٹی ڈال دی _ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اس خطاب سے نوازا (1) بعض یہ بھی کہتے ہیںکہ جب حضرت علی علیہ السلام جناب فاطمہ علیہا السلام پر ناراض ہوگئے تو مسجد کی طرف چلے گئے اور مٹی پر سوگئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کی تلاش میں نکلے ، جب آپ علیہ السلام کو دیکھا تو اس خطاب سے مخاطب فرمایا (2) اس طرح وہ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام جناب فاطمہ پر سخت گیری کیا کرتے تھے تو جناب فاطمہ علیہا السلام نے کہا: " خدا کی قسم میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے پاس جا کر ان سے تمہاری شکایت کرتی ہوں" _ یہ بات کہہ کر وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف چل پڑیں جبکہ حضرت علی علیہ السلام بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے _ وہاں انہوں نے رسول علیہ السلام خدا سے شکایت کی تو حضرت علی علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت غصہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برابھلا کہا ، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر سے فرمایا:" بیٹی میری یہ بات خوب کان کھول کر سنو اور اسے ذہن نشین کرلو، وہ عورت کبھی راج نہیں کر سکتی جو شوہر کے چپ ہورہنے کی صورت میں اس کی مرضی کے مطابق نہیں چلتی " _ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام جو پہلے چپ کھڑے تھے بولے: "اب میں اسے کچھ نہیں کہوں گا " _ اس پر حضرت فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ اب میں بھی ہرگز ایسا کام نہیں کروں گی جو اسے ناپسند ہوگا (3) ایک داستان یوں بھی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور جناب فاطمہ علیہا السلام کے در میان کچھ تلخ کلامی ہوگئی اور ان کے گھر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا آئے تو حضرت علی علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بستر بچھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر لیٹ گئے جناب زہرا علیہا السلام آئیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طرف لیٹ گئیں اور دوسری جانب حضرت علی علیہ السلام آکر لیٹ گئے _ آپ علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے ہاتھ پکڑ کر اپنے شکم پر رکھا اور دونوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اپنے شکم پر رکھتے رہے حتی کہ دونوں میں پھر سے صلح ہوگئی (4) یہاں بعض نے اس طرح بھی کہا ہے کہ مؤاخات کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

1)السیرة الحلبیة ج/ 2 ص 127 ، انساب الاشراف ج/2 ص 90_ (2)البدایة والنہایة ج/ 3 ص 347 ، الغدیر ج/6 ص 336 ازسیرة ابن ھشام ج /2 ص 237 ، عمدة القاری ج/7 ص 630 السیرة النبویةلابن کثیرج/2ص363از صحیح البخاری ،المناقب للخوارزمی ص 7 ، انساب الاشراف ج/2ص 90 ، معرفة علوم الحدیث للحاکم ص 211_ (3)(4،3)طبقات ابن سعد لیڈن ، ج 8 ، ص 16_

نے حضرت علی علیہ السلام اور کسی اور کے درمیان مؤاخات کا سلسلہ قائم نہ فرمایا تو آپ علیہ السلام پر یہ بات گراں گزری اور آپ علیہ السلام مسجد کی طرف نکل گئے اور مٹی پر سوگئے_ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہیں " ابوتراب" کے خطاب سے مخاطب فرمایا_

لیکن یہ سب اقوال صحیح نہیں ہیں _کیونکہ اس بات سے قطع نظر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت نے میاں بیوی میں صلح کرانے کے لئے (نعوذ باللہ) وہ مزعومہ بھونڈا طریقہ کیوں اختیار کیا اور اپنی بیٹی پر (نعوذ باللہ) ظلم کرنے والے کے مقابلے میں اپنی بیٹی کی حمایت اور طرفداری کی بجائے اسے ہی سرزنش کرنا کیوں شروع کردیا؟ اس کی وجوہات ہماری سمجھ سے بالا تر ہیں ، لیکن پھر بھی ان باتوں سے قطع نظر ہمارے پاس گذشتہ بے بنیاد تہمتوں کے صحیح نہ ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1 _ حضرت بی بی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا مقام اور مرتبہ اس بات سے کہیں ارفع و اعلی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام آپ علیہ السلام پر غضب ناک ہوں _ وہ صدیقہ طاہرہ ہیں _ قرآن کریم کی نص کے مطابق آپ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالی نے ہر طرح کے " رجس" سے پاک و پاکیزہ فرمایا اور ایسا پاک فرمایا جس طرح پاکیزہ رکھنے کا حق ہے _ قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ آپ علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی:

(انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا) (احزاب _33)

اے اہل بیت بس اللہ کا ارادہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے_

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی ذات و الا صفات بھی اس بات سے انتہائی بالاتر اور ارفع و اعلی تھی _کیونکہ آپ علیہ السلام کی شان میں بھی آیہ تطہیرنازل ہوئی_ اسی طرح قرآن پاک میں آپ علیہ السلام کی شان میں نازل ہونے والی دیگر آیات بھی ہیجو آپ علیہ السلام کی سیرت کے بعض پہلوؤنکو واضح کرتی ہیں_

2 _ حضرت علی علیہ الصلوۃ والسلام نے گویا پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ کینہ پرورلوگ آپ علیہ السلام پر جھوٹ

باندھیں گے اور تہمتیں لگائیں گے_اسی لئے آپؑ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ "اللہ کی قسم میں اس (حضرت فاطمہ ؑ) کے آخری دم تک نہ تو کبھی اس پر غضبناک ہوا اور نہ ہی اسے کسی کام پر مجبور کیا اور نہ فاطمہ ؑ نے مجھے کبھی غضبناک کیا اور نہ ہی کبھی میری نافرمانی کی_ میںجب بھی فاطمہ ؑ کی طرف دیکھتا تھا میرے سارے دکھ درد دور ہوجاتے تھے"_[1] 3_اپنی بیوی پر غصہ ہونے کی صورت میں اپنے سر پر مٹی ڈالنا حضرت امیرالمؤمنینؑ جیسے کسی عاقل، حکیم اور دانا انسان سے بہت بعید ہے کیونکہ یہ عمل تو بچوں کی کھیل کود سے زیادہ شباہت رکھتاہے _ 4_ امیرالمومنین ؑ وصی خاتم المرسلین کی ذات گرامی جو جنت و جہنم کو تقسیم کرنے والی ہے وہ کبھی بھی اللہ اور اسکے حبیب ﷺ کو اذیت نہیں دے سکتی کیونکہ جو کوئی اللہ اور اس کے نبی ﷺ کو اذیت دے یقیناً اس کی جزا جنت نہیں ہے اورادھر سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ جس نے فاطمہ ؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس کسی نے فاطمہ ؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا[2]_ نیز فرمایا کہ خدا بھی فاطمہ ؑ کے غصہ پر غضبناک اور اس کے راضی ہونے پر خوش ہوتا ہے[3]_ 5_ حضرت علی ؑ کا پیغمبر ﷺ سے خفا ہونے اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہنے کا کوئی امکان ہی نہیںکیونکہ آپ ؑ جانتے

---

1)مناقب الخوارزمی ص 256، کشف الغمۃ ج/ 1 ص 363، البحار ج/43 ص 134_ (2)البخاری ط مشکول ج/5 ص 36، بحارالانوار ، ج 28، ص 76; احقاق الحق ، ج 10 ، ص 190; حلیۃ الاولیاء ، ج 2 ، ص 40 ; ینابیع المودۃ ص 171و 173 و360;السنن الکبری ، ج 10 ، ص 64و 201; مستدرک حاکم ج 3 ، ص 159 ; نیز اسی کے حاشیہ پر اسی کا خلاصہ ، اعلام النساء ، ج 4 ، ص 125; کنزالعمال ، ج 13 ، ص 93; الاصابہ : 4، ص 378; تہذیب التہذیب ، ج 12، ص 441، نیز ابوجہل کی بیٹی سے حضرت علیؑ کی خواستگاری والے جعلی افسانے میں بھی بعض دیگر منابع ذکر ہوئے ہیں اس لئے ملاحظہ ہو : ذخائر العقبی ، ص 37، 38; کفایۃ الطالب ، ص 365 ; مقتل الحسین خوارزمی ، ج 1 ، ص 53 ; نظم درر السمطین ، ص 176، السیرۃ النبویہ دحلان (برحاشیہ حلبیہ) ، ج 2 ، ص 10; الخصائص نسائی ، ص 120، صفۃ الصفوۃ ، ج 2 ، ص 13، الجامع الصحیح ، ج 5 ، ص 698 ; مسند احمد، ج 4 ، ص 328; البدایہ و النہایہ ، ج 6 ، ص 333 ; نیز الصواعق المحرقہ ، ص 188_ (3) ملاحظہ ہو : فرائد السمطین ، ج 2 ، ص 46 ، مجمع الزوائد ، ج 9 ، ص 203 ; مقتل الحسین خوارزمی ، ج 1 ، ص 52; کفایہ الطالب ، ص 364، ذخائر العقبی ، ص 39 ، اسدالغابہ ، ج 5 ، ص 522، تہذیب التہذیب ، ج 12، ص 442، ینابیع المودۃ ، ص 173، ص 174، ص 179، ص 198; نظم درر السمطین ، ص 177 ; مستدرک حاکم، ج 3، ص 154، 158; تلخیص مستدرک ذہبی (برحاشیۂ مستدرک) ، کنز العمال ، ج 13، ص 96و ج 6 ، ص 219و ج 7 ، ص 111; الغدیر ، ج 7 ، ص 231تا 236; احقاق الحق ، ج 10، ص 116، السنن الکبری ، ج 7 ، ص 64، الصواعق المحرقہ، ص 186و سیر اعلام النبلاء ، ج 2 ، ص 132_

تھے کہ آنحضرتﷺ کا کوئی عمل بھی ان کی ذات اقدس کی طرف سے نہیں بلکہ سب اللہ تعالی کی جانب سے ہوتا ہے_ آپ علیہ السلام کی سیرت تو یہ تھی کہ اگر ایک حرف بھی پیامبراسلام ﷺ کی زبان مبارک سے نکلتا تو آپ علیہ السلام اس پر مو بہ مو عمل فرماتے_حتی کہ جنگ خیبر کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ خیبر کی فتح کے لئے جاؤ اور پیچھے مڑکر نہ دیکھنا تو آپ علیہ السلام اللہ تبارک و تعالی کی ذات اقدس کے توکل پر چلے پھر توقف کیا اور اپنا رخ نہ موڑتے ہوئے عرض کیا : " یا رسولﷺ اللہ ..."[1]_

6_ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے (بوقت شہادت) حضرت علی علیہ السلام سے کہا: " آپ علیہ السلام نے کبھی بھی مجھے جھوٹا اور خائن نہیں پایا اور مشترکہ زندگی کی ابتدا سے اب تک میں نے کبھی بھی آپ علیہ السلام کی مخالفت نہیں کی " _ اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی ان کی اس بات کی تصدیق کی [2]

7_ اس پر مزید یہ کہ آنحضرتﷺ جب بھی جنگ بدر اور احد و غیرہ جیسے مختلف امور میں اپنے صحابیوں سے کوئی مشورہ لیتے تو ان کے جی میں جو بھی آتا کہہ دیتے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے آپ ﷺ کے حضور کبھی بھی اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا_ وہ تو رسولﷺ خدا سے پہلے یا ان کی اجازت کے بغیر کوئی کام کرتے ہی نہیں تھے _ صرف ایک بار ام المؤمنین حضرت ماریہ پر کچھ افراد کے ناروا تہمت [3] کے معاملے میں حضرت علیہ السلام نے آنحضرتﷺ کو بی بی عائشہ کو طلاق دینے کا مشورہ دیا تاکہ اس سے شاید وہ ڈر ، سہم اور پچھتا کر اپنے خیالوں اور کرتوتوں سے باز آجائے اور رسولﷺ خدا اور آپ ﷺ کی ازدواج کو اذیت دینے سے دستبردار ہوجائے_ آپ علیہ السلام کیوں غضبناک ہوتے اوربرا بھلا کہتے ؟ کیا آپ علیہ السلام ہجرت سے قبل آنحضرتﷺ کے برادر نہ تھے؟ اور اس کے بعد کے حالات جیسے بھی رہے آپ علیہ السلام کی یہ اخوت قائم و دائم رہی_

---

1)انساب الاشراف با تحقیق محمودی ، ج 2 ، ص 93; زندگانی امام علی بن ابی طالب علیہ السلام از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ، ج 1 ، ص 159 ، صحیح ابن حبان زندگانی حضرت علی علیہ السلام (قبو سرای لائبریری استانبول میں خطی نسخہ) ، فضائل الخمسۃ من الصحاح الستہ ، ج 1 ، ص 200و الغدیر ، ج 10 ، ص 202_

2) روضۃ الواعظین، ص 151_ (3) ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ چونکہ آنحضرتﷺ سے صاحب اولاد ہوئی تھیں جبکہ بی بی عائشہ اور حفصہ بانجھ ہونے کی وجہ سے صاحب اولاد نہیں ہو سکتی تھیں اس لیئے حسد کے مارے انہوں نے بی بی ماریہ پر بدکاری کا بہت بڑا اور گھٹیا الزام لگایا جسے سن کر آنحضرتﷺ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے ایک انتہائی فیصلہ کیا_ یہاں پر حضرت علی علیہ السلام نے آپ ﷺ کو کچھ مشورے دیئےس پر آنحضرت ﷺ نے تمام معاملہ حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کردیا اور انہوں نے اپنی درایت سے یہ گتھی سلجھادی_

بہر حال ہم ہرگز اللہ کے نبی ﷺ اور قرآن کریم کو نہ جھٹلائیں گے بلکہ ان کی تصدیق کریں گے ۔ ہم ان لوگوں کے باطل خیالات کو کینہ توزی پر مبنی سمجھتے ہیں جو ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل بیت (صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین) کے خلاف رہے ۔

یہ جعل سازیاں کیوں؟

ان باطل نظریات کا سبب شاید یہ تھا کہ لوگ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ رسول خدا ﷺ کے گھر کی طرح حضرت علی علیہ السلام کا گھر بھی جھگڑوں اور اختلافات کی آماجگاہ تھا۔ اور رسول ﷺ خدا کے گھر میں یہ حالات بی بی عائشہ اور حفصہ جیسی آپ ﷺ کی بعض ازواج نے پیدا کئے تھے۔ اس بات سے وہ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حالات تو فطری، معمولی، مطابق معمول اور ازدواجی زندگی کا حصہ ہیں۔ لہذا اس سے کسی کی شخصیت کم نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ بات کسی طرح کے اعتراض اور ملامت کا باعث بنتی ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی ازواج جھگڑالو تھیں ویسی (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی بیٹی بھی تھی ۔ جس طرح عائشہ رسول ﷺ خدا کو ناراض کرتی تھی اسی طرح حضرت فاطمہ علیہا السلام بھی حضرت علی علیہ السلام کو ناراض کیا کرتی تھیں، پس حساب برابر۔

دوسری جہت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ قول کہ جس کسی نے فاطمہ علیہا السلام کو غضبناک کیا پس اس نے مجھے غضبناک کیا، یہ قول جس طرح فلاں فلاں پر صادق آتا ہے اسی طرح یہ قول خود علی علیہ السلام پر بھی صادق آتا ہے۔ یعنی جس طرح جناب ابوبکر اور عمر نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ناراض اور غضبناک کیا اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے بھی انہیں غضبناک کیا پس یہ امر کسی دوسرے پر اعتراض کا باعث نہیں بنتا؟ بلکہ ان تہمتوں سے وہ حضرت علی علیہ السلام کو ایک ایسے شخص کی صورت میں دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام زہرا کو ناپسند تھے اور بی بی کی ان سے شادی بی بی کی مرضی کے بغیر ہوئی تھی ، اور آنحضرت ﷺ نے ان کے (نعوذ باللہ) شر سے بچنے کے لئے ان کا رشتہ منظور کیا تھا ۔ اور ان باتوں سے وہ حضرت علی علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ کی دامادی کی فضیلت اور شرف سلب کرنا چاہتے ہیں ۔

اس کنیت کی اہمیت :

حضرت ابن عباس نے حضرت علی علیہ السلام کی ابو تراب کی کنیت کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام ہی اس زمین کے مالک اور زمین والوں پر خدا کی حجت ہیں _ ان کے ذریعہ سے زمین کی بقاء اورٹھہراؤ ہے _ ان کے بقول : " میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم سے خود سنا ہے کہ قیامت کے دن جب کا فریہ دیکھے گا کہ خدا کے نزدیک شیعیان علی علیہ السلام کا کتنا مقام ، مرتبہ ، ثواب اور قدر و منزلت ہے تو حسرت کے ساتھ کہے گا کہ اے کاش میں بھی تراب ہوتا یعنی اے کاش میں بھی علی علیہ السلام کا شیعہ ہوتا" _ اس کے علاوہ خود امام علی علیہ السلام جو اس کنیت پر فخر کیا کرتے تھے ہرگز دنیا کی خاطر اور دنیا کے راستے میں نہ جیئے اور نہ ہی دنیا آپ علیہ السلام کاہدف تھا_ البتہ ایک عظیم ترین اور افضل ترین ہدف کے حصول کی خاطر دنیا آپ علیہ السلام کی نظر میں ایک ذریعہ اور وسیلہ تھی ، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ آپ علیہ السلام اپنے اہداف و نظریات پر سختی سے قائم ہیں تو پس اب آپ علیہ السلام یقینا مشکلات پر قابو پالیں گے اور ان کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں گے_ ایسے حالات و کیفیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کا حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب کہنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ علی علیہ السلام ہمیشہ اپنے نظریات و اہداف پر انتہائی سختی سے قائم رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا _ یہ دنیا کو اس کے مناسب مقام پر رکھے گا ، دنیا کی رنگینیاں اور حسن و زیبائی اسکو کبھی دھوکانہ دے سکیں گی _ دنیا اسکے نظریات و اہداف اور اعمال میں کبھی تناقض پیدا نہ کرسکے گی_اور نہ ہی وہ اپنے دعوے اور عمل میں کبھی تضاد کا شکار ہوں گے_ یہی سبب ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو یہ کنیت انتہائی پسند تھی_

لیکن بنی امیہ جو حضرت علی علیہ السلام کو اس کنیت کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بناتے تھے ،ان کے نظریات و اعمال بھی ایک دوسرے سے منسجم تھے کیونکہ ان کی اقدار، خواہشات اور اہداف کا محور دنیاتھی_ یہ لوگ انہی چیزوں کے ہونے یا نہ ہونے کے بنیاد پر شخصیات اور نظریات کی اہمیت کا اندازہ لگاتے ،اسی بنیاد پر ان کا احترام یا تحقیر کرتے _ حضرت علی علیہ السلام چونکہ ابوتراب تھے ، انکی نظر میں دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی اس دنیا سے صرف اتنا لیتے جس سے ان کی زندگی قائم رہ سکے او ر اپنے اعلی اہداف تک رسائی حاصل کرسکیںاس وجہ سے بنی امیہ والے ان

میں ایسے اہم عنصر کو مفقود پاتے تھے جو ان کی نظر میں عزت و عظمت اور شرافت و کرامت کا باعث تھا_ اسی سبب سے طبیعی طور پر وہ اس کنیت کا مذاق اڑاتے تھے_ کیونکہ یہ عمل ان کے اہداف و خواہشات سے بالکل مطابقت رکھتا تھا لیکن دین ، قرآن ، عقل سلیم اور سالم فطرت کے بالکل مخالف تھا_

2_ سرایا کا مقصد؟

بعض سرایا کا مقصد قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا تھا_ اسی طرح بعض سرایا کا ہدف مدینہ والوں کے ریوڑ غارت کرنے والے دشمن کا پیچھا کرنا تھا_ جیسے کرز بن جابر کا تعاقب کیا گیا _ ہم یہ بھی جان چکے ہیں کہ ان سرایا میں مسلمانوں کو جنگ کا سامنا نہ تھا اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اورخود پر اعتماد بحال ہوگیا _ ان سرایا کے نتیجے میں مسلمانوں میں اتنی جرات پیدا ہوگئی کہ وہ تعداد اور وسائل کی کمی کے باوجود اسلحہ اور کیل کانٹوں سے لیس قریش کے ہزار بڑے بہادروں کا مقابلہ کرسکیں _اور یہ بات ان کے لئے کوئی خوفناک و ہولناک مسئلہ نہ رہے گر چہ ان کا ظاہری مقصد قریش کے قافلوں کے آگے رکاوٹ کھڑی کرنا تھا_

لیکن یہ تمام باتیں ہمارے لئے قانع کنندہ نہیں ہیں _ ہم ان واقعات کے اغراض و مقاصد جاننے کے لئے ان واقعات کا نئے سرے سے جائزہ لینا چاہتے ہیں _ اس بناپر ہم ان کا مندرجہ ذیل دو عناوین سے جائزہ لیتے ہیں_

اول : صلح اور باہمی عہدوپیمان :

ان سرایا کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ میں رہنے والے قبیلوں کو مسلمانوں کی طاقت ، ان کے جوش و جذبے اور قریش جیسے مضبوط دشمن سے مقابلے کے پختہ ارادے کا ادراک ہواجس کے نتیجہ میں مسلمانوں اور ان قبائل کے در میان صلح کے معاہدے اور دشمن کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کے باہمی عہد وپیمان ہوئے _ اس کے نتیجے میں طبیعی طور پر مدینہ کے مضافات میں رہنے والے قبیلوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کا اتنا

رعب بیٹھ جانا تھا کہ انہیں مدینہ پر بذات خود یا اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر حملہ کرنے کے لئے کئی بار غور سے سوچنا پڑتا _ کیونکہ وہ عملی طور پر یہ دیکھ رہے تھے کہ یہاں ایک ایسی زبردست طاقت موجود ہے جس کے ساتھ ایسے تعلقات بر قرار رکھنا ضروری ہیں جس سے مستقبل میں ان کے علاقائی مفادات کو کوئی نقصان نہ پہنچے _

ان حالات کی روشنی میں مدینے میں امن و استحکام کا یک گونہ احساس پیدا ہوا _ اسی سبب سے مسلمانوں میں قریش کی طرف سے ہونے والی سازشوں کازیادہ آزادی کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا _ یہی چیزیں جنگ بدر اور بعد کے حالات میں نظر آتی ہیں_

یہ معاہدے اور عہد وپیمان قریش کے لئے بہت بڑے نفسیاتی صدمے اور پریشانیوں کا باعث بلکہ ان کے منہ پر انتہائی زوردار طمانچے تھے_ کیونکہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان اب ایک ایسی طاقت بن چکے ہیں کہ مقابل کے دلوں میں رعب اور دہشت طاری کردیتے ہیں اور دوسرے قبیلے خاص کر مکہ کے تجارتی رستے میں بسنے والے ایسے قبیلے بھی مسلمانوں کے ساتھ دفاعی معاہدے کر رہے ہیں جنہیں قریشی مشکلات اور خطرات کے وقت اپنا حامی اور مددگار سمجھتے تھے _ اس پر مزید یہ کہ قریشی پھر مدینہ پر دباؤ ڈالنے اور مدینہ والوں کو مجبور کرنے کے لئے مدینہ کے قریب رہنے والے ان قبائل سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکے _

دوم: قریش کی پریشانی

ان سرایا کا مقصد قریش کا اقتصادی اور نفسیاتی محاصرہ تھا_ مراد یہ ہے کہ جب تک قریش ان مسلمانوں کو بے وطن کرتے رہیںگے ، انہیں تکلیف اور دکھ دیتے رہیں گے ، ان کے اموال کو چھینتے رہیں گے اور بعض کو قتل کرتے رہیں گے تو مسلمان بھی ان کو آزادانہ طور پر نہیں گھومنے دیں گے _ گذشتہ معاہدے میں ہم نے دیکھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مشرکوں پر یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ دوسرے مشرکین کے ساتھ اپنے تعلقات ختم کردیں _ یہاں پر قابل ملاحظہ بات یہ بھی ہے کہ ان سرایا کا مقصد قریش کو قتل کرنا یا ان سے جنگ کرنا نہ تھا_

یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ نے جہنی کی وساطت اور ثالثی کو قبول کرلیا تھا_ اسی طرح عبیدہ بن الحارث نے بھی اس قافلے کا پیچھا نہ کیا جو اس سے آگے نکل گیا تھا نیز قریش کے تین اور قافلے بھی بڑے آسانی اور سلامتی سے گزرگئے تھے اور مسلمان مناسب وقت پر ان تک نہ پہنچ سکے تھے_ یہاں تک کہ جنگ بدر کے موقع پر بھی مسلمان قریش کے قافلے کوپہنچ نہیں پائے تھے لیکن اس کے باوجود قریش نے ہی مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ٹھان لی _ انشاء اللہ اس پر بعد میں گفتگو کریں گے _

پس ان سرایا کا مقصد قریش کو یہ باور کرانا تھا کہ اس علاقے میں قریش اب آزادا نہ دندناتے نہیں پھر سکتے اور نہ اب ان کا قانون چلے گا اور آج کے بعد سے شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں کی امنیت بھی خطرے میں ہے اور جب تک وہ عقل اور منطق سے کام نہیں لیتے، حکمت کی سیدھی راہ اختیار نہیں کرتے نیز ظلم و تکبر اور جور وستم کا راستہ ترک نہیں کردیتے تب تک ان کے ساتھ ایسا ہوتا رہے گا _ اور اب انہیں اپنا مکمل محاسبہ کرنا ہوگا تا کہ انہیں یہ یقین ہوجائے کہ اب ان کے لئے طاقت کے ساتھ اس موقف کی سرکوبی نہایت مشکل ہوگئی ہے اور اب جلد یا بدیر ان کے لئے حقیقت کے اعتراف کرنے اور حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہے گا _ ور نہ دوسری صورت میں وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو دعوت جنگ دیں گے جس کے نتیجے میں ان کا غرور اور تکبر سب کچھ خاک میں مل جائے گا _ اور ہوا بھی یہی _

بہر حال مسلمانوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کو چھیڑنے پر اکتفا کیا اور قافلوں کو لوٹنے کی کوشش نہیں کی صرف اس لئے کہ قریش کے لئے سامنے کا ایک دروازہ کھلا رکھیں اور انہیں اس معاملے میں سوچ بچار کی مہلت دیں _ و گرنہ وہ قافلوں کو لوٹنے کا حق بھی رکھتے تھے _ کیونکہ یہ قریش سے عادلانہ اور منصفانہ بدلہ ہوتا جنہوں نے دشمنی کی ابتدا کی تھی اور ظلم اور زیادتی کی حدیں توڑدی تھیں _ بہر حال اگر مسلمانوں کو یہ لوٹنا مہنگانہ پڑتاتو اپنے حق کے حصول کی جد و جہد میں کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی _ البتہ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان سرایا کا مقصد جنگ نہیں بلکہ کچھ اور تھا کیونکہ ان سرایا میں بھیجے جانے والے مسلمان جنگجوؤں کی تعداد کم

ہوتی تھی_ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ سرایا کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے یہ دلیل کافی اور قانع کرنے والی نہیں ہے کیونکہ تجارتی قافلوں کو روکنے یاانہیں لوٹنے کے لئے کم افراد ہی کافی ہوتے ہیں اور اتنی تعداد میں جنگجوؤں کے شریک ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی _ہم یہاں صرف اس بات کا ذکر کریں گے کہ مسلمانوں کے ان قافلوں پر گھات لگانے اور چھیڑ چھاڑ کے بعد قریش نے جو سب سے بڑا تجارتی قافلہ بھیجا یہ وہی تھا جس کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی (حالانکہ چھیڑچھاڑ طبعی طور پر محافظین کی تعداد بڑھانے کا باعث ہوئی تھی) اس قافلے کی قیادت ابوسفیان کے پاس تھی_ جبکہ اس قافلے کے ساتھ صرف بیس [20] سے کچھ زیادہ افراد تھے حالانکہ یہ قافلے دوہزار سے بھی زیادہ اونٹوں پر مشتمل تھا اور اس میں قریش کا تجارتی سامان بھی موجود تھا _

3_سپاہیوں کو آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں

سرایا کے لئے جانے والے سپاہیوں کو آنحضرت ﷺ کی گذشتہ نصیحتوں کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد صرف زمین کو آباد کرنا اور زمین سے فتنہ و فساد کا خاتمہ تھا ، منحرفوں اور ظالموں سے آپ ﷺ کے جہاد کی نوعیت بھی ایسی ہی تھی بالفاظ دیگر یہ عمل کڑوی دوا کی طرح تھا_ پس جو عمل بھی اس ہدف سے دور ہوتاآنحضرت ﷺ کی نظر میں انتہائی قابل نفرت اور قابل مذمت تھا_چاہے یہ عمل اصحاب نے یا کسی قریبی نے ہی انجام دیا ہو_ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی نصیحتوں کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے تا کہ صاحب انصاف با ضمیر اور زندہ دل انسان بہت سے اہم حقائق کا ادراک کر کے اپنے گفتار اور کردار نیز نظریات اور اعمال میںان سے استفادہ کرے اور اس سے زندگی کا بہترین راستہ منتخب کرے _ حضرت علی علیہ السلام بھی اپنے فوجیوں کو نصیحت کرنے کے معاملے میں آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلے ہیں _ اس بارے میں مندرجہ ذیل منابع کا مطالعہ فرمائیں [1]

_

---

1) تاریخ یعقوبی ج 2 ص 182 و 183، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 1 ص 23 الفتوح ابن اکثم ج 3 ص 45 و 135 و انساب الاشراف با تحقیق محمودی ج 2 ص 262 و ص 240،و ص 302 ص 331 و ص 479_

4_ صرف مہاجرین ہی کیوں ؟

یہ بات قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ جنگ بدر سے پہلے کے غزوات اور سرایا میں صرف مہاجرین کو ہی بھیجتے تھے_اس لئے یہاںیہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اسلام ﷺ ایسا کیوں کرتے تھے؟اور اس امر میں کیا حکمت پوشیدہ تھی ؟

اس کا ایک جواب یہ دیا جاتاہے آپ ﷺ انصار کو سمجھانا چاہتے تھے کہ آ پ ﷺ اپنے مقاصد کے حصول پر مصمم ہیں چاہے انصار مدد نہ بھی کریں اور انصار کہیں یہ تصور نہ کریں کہ آپ ﷺ ،مہاجرین کا بچاؤ کر کے ہمیں اپنے اہداف کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں_اوراس گمان سے انصار کہیں مظلومیت اور کمزوری کا احساس نہ کریں_

ہمارے خیال میں بات اس سے کہیں زیادہ گہری ہے لہذا ہم مندرجہ ذیل عناوین سے اس کا جائزہ لیتے ہیں_

الف: انصار کا گمان

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انصار کا خیال تھاکہ نبی کریم ﷺ کی مدد و نصرت کا فریضہ فقط اپنے علاقے تک ہی محدود ہے_ اگر اچانک کوئی معاملہ پیش آگیا تو وہ اس سے آپ ﷺ کی حفاظت اسی طرح کرینگے جیسے وہ اپنی حفاظت کرتے ہیں لیکن اگر آپ ﷺ خود حملہ فرماتے ہیں یا کسی اور علاقے میں جنگ ہوتی ہے تو انصار آپ ﷺ کی مدد نہیں کریں گے_ اس بات پر غالباً بیعت عقبہ کے موقع پراتفاق ہوا تھا_ اس پر مؤرخین کی یہ بات بھی دلیل ہے جو انھوں نے جنگ بدر کے حالات میں نہایت واضح طور پر بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ انصار آپ ﷺ کی مدد نہیں کریں گے مگر یہ کہ مدینے میں آپ ﷺ پر اچانک کوئی افتاد آن پڑتی _ اس لئے انصار کا آ پ ﷺ کے ساتھ اس جنگ پر جانا ضروری نہیں تھا_ اس کی تفصیلات غزوہ بدر کے حالات میں آئیں گی_

انشاء اللہ تعالی

باء : جنگ اور امن کا مسئلہ

اہل مدینہ کے لئے جنگ کوئی آسان مسئلہ نہ تھا_کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہیں ہی جنگ کی نہایت اہم ذمہ داریوں کو قبـول کرنا ہوگا_ اس راہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی دینی ہوگی _ اور انہیں ہی اپنے وسیع معاشرتی، اقتصادی ، سیاسی اور دیگر تعلقات پـر اس کے اثرات و نتائج کا سامنا کرنا ہوگا_ عربوں کے نزدیک یہ مسئلہ انتہائی اہم اورخطیر تھا کیونکہ یہ مسئلہ خـون، انتقـام، زنـدگی، مـوت، خوشبختی اور بدبختی کا مسئلہ تھا_

جب جنگ کا مطلب ہی یہی کچھ ہے تو پھر ان لوگوں میں اعلی سطح کے صبر، برداشت اور تحمل کے ہو نے کے علاوہ ان لوگـوں کا اپنی مرضی سے ان جنگوں میں حصہ لینا نہایت ضروری تھا_ اگر (آغاز ہی میں) ان پر جنگ کا فریضہ عائد کردیا جاتا تو ممکن تھا کـہ اس کے نتائج بالکل برعکس ہوتے یا شاید انتہائی خطرناک ہوتے جن کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر بہت زیـادہ مشـکلات اور مصیبتیںنازل ہوتیں جن کامداوا بھی مشکل ہوتا_ ان مشکلات سے اپنے عظیم اور اعلی ہدف کی کامیابی کے ساتھ اپنی مرضـی اور عـزت سے نکلنا ممکن نہ ہوتا _

یہی سبب ہے کہ رسول اکرمﷺ نے جنگ بدر اور احد کے سلسلے میں اپنے اصحاب سے مشاورت فرمائی_ اس بات پر ہم انشـاء اللہ بعد میں گفتگوکریں گے_

ج :انصار کے مخصوص حالات

انصار اپنے علاقے میں (اپنے رسوم و رواج اور طبعی سماجی تعلقات میں گھرے)امن و امان کی زندگی بسر کررہے تھے_ یہ لوگ اپـنے ماحول سے بہت زیادہ مانوس تھے_ اپنے معاشی معاملات اور زراعت کے مسائل میں مصروف تھے اور اپنی زمینـوں سے اسـتفادہ کـررہے تھے_ یہ لوگ اپنی خوشحال زندگی کے معاملات میں مگن تھے اور یہی چیز اس بات کا باعث تھی کہ وہ اپنی زندگی سے پیـار کـریں _ ان حالات میںکسی ایسے بہت ہی طاقتور عامل یا سبب کی ضرورت تھی جو انہیں ان حالات سے نکال کرحال اور مستقبل میں کٹھن مشکلات،

اور تکالیف میں گھرے نئے حالات میں لے جاتا_

اسی طرح کل کلاںانصار کو قریش سے جنگ بھی کرنا ہوگی_اور قریش ایک ایسا قبیلہ تھاجو عربوں میںبہت بڑاخطرناک ، بااثر اور بانفوذ بلکہ محترم قبیلہ تھا_ پس انصار کے لئے اہل مکہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو خطرے میں ڈالنے والے کسی بھی کام کے اقدام سے پہلے اپنے آپ کو ذہنی ، عملی اور سماجی طور پر اس نئے معاشرے اور نئے حالات سے ہم آہنگ کرنا ضروری تھا_خصوصاً جبکہ مکہ والوں سے دشمنی مول لینے سے تمام عربوں کی طرف سے دشمنی کا خطرہ لاحق تھا_خاص طور پر ایسے حالات میں جبکہ دوسروں کی نظر میں اہل مدینہ قصور وار بھی ہوں_ اور ایسا ہوا بھی ہے کیونکہ تاریخی دستاویزات میں ابی بن کعب کی یہ بات مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب نے مدینہ ہجرت فرمائی اور انصار نے انہیں پناہ دی توسارا عرب ان کا دشمن بن گیااسکے بعد اہل مدینہ راتوں کو اسلحہ لے کر سوتے اور دن کو بھی اسلحہ سے لیس ہوتے تھے [1] جس پر خدا نے دشمنوں کی سازشوں کا توڑ اور اپنا دفاع کرنے کے لئے انہیں جنگ اور جہاد کی اجازت دی کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا،وان اللہ علی نصرہم قدیر)[2]

لیکن دوسری طرف مہاجرین کے حالات اس لحاظ سے ان سے بالکل مختلف تھے_ ان کی قریش سے جنگ اور نبرد آزمائی سہل اور آسان تھی_ ان کی قریش کے خلاف معرکہ آرائی کی وجوہات واضح طور پربالکل ذاتی اور معاشرتی نوعیت کی تھیں_ کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ قریش ہی وہ ظالم قوت تھی جس نے ان مہاجرین کی اہانت کی ، ان کواذیتوں سے دوچار کیا، ان کے گھروں سے انہیں نکال باہر کیااور ان کے اموال چھین لئے تھے _ اور یہ دھتکارے ہوئے، مغلوب مہاجرین، قریش کے ظلم کومحسوس کر چکے تھے اور یہ جانتے تھے کہ قریش اخلاقیات کے حدوں کو پھلانگ چکے ہیں، معاشرتی رسم و رواج کی بیخ کنی کرچکے ہیں اور عقلی ، دینی اور فطری احکام کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں_ پس ایسے مسلمان مہاجرین کا غصہ اور دفاع

---

1)منتخب کنزالعمال ج/1ص 465دبر حاشیہ مسند احمد) از دلائل النبوة بیہقی ، ابن مردویہ ،ابن منذر،کنز العمال ج/1 ص295 از مذکورہ افراد و از ،طبرانی ، الحاکم، سعیدبن منصور، اور روح المعانی ج/6 ص 98 نیز ملاحظہ ہو : سیرہ حلبیہ ، ج 2 ، ص 123، بحارالانوار ، ج 19، ص 8، اعلام الوری ، ص 55_

2) حج 39/6_

فطری طور پر انتہائی عظیم اور شدید تھا_ اس وجہ سے قریش کے قافلوں کو تنگ کرناان کے لئے نہایت آسان تھا_ کیونکہ یہ تجارتی قافلے اس لٹے پٹے گروہ کے لئے دشمنیوں کا مجسم نمونہ تھے اس لئے کہ ان تجارتی قافلہ والوں کے پاس جو بھی مال تھا سب ان لٹے پٹے اور شہر بدر کئے گئے لوگوں کامال تھا _ خلاصہ یہ کہ مہاجرین کی ان جنگوں کو زیادتی اور دشمنی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ قریشیوں کے خلاف مہاجرین کی جنگ تو انتہائی عادلانہ اور حقوق کے حصول کے لئے تھی _ کیونکہ ان مہاجرین کے ساتھ قریش کا تو معاملہ ہی ایسا تھا اور مخالفین کے ساتھ ان کا سلوک بھی تو بہت برا تھا_ اور وہ مخالف تھے کون ؟ وہ تو باقی لوگوںکی نسبت ان کے سب سے زیادہ قریبی اور پیارے تھے_ پس یہیں سے اندازہ لگایا جاسکتاہے کہ غیروں کے ساتھ ان کا کیا سلوک ہوگا جن کے ساتھ نہ توان کا کوئی قریبی رابطہ و تعلق تھا اور نہ ہی کوئی رشتہ داری بنتی تھی_

د: مہاجرین کی نفسیاتی کیفیت

گذشتہ عرائض کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ انصار کی بہ نسبت مہاجرین کے لئے جہاد نہایت آسان تھا _ کیونکہ یہ دشمنی اور چڑھائی شمار نہیں ہوتی تھی بلکہ دفاع شمار ہوتا تھا _ پس اس صورت میں اس جہاد کے لئے سیاسی اور اجتماعی بلکہ ایسے ذاتی اہداف اور مقاصد بھی پائے جاتے تھے کہ جن کا حصول بھی نہایت ضروری تھا اور جس کی وجہ سے انصار بھی اسلام کی مضبوط ڈھال اور کاٹ دار تلوار کی حیثیت سے اس جہاد میں شامل ہو جاتے _پس مہاجرین نے اپنی فعالیت شروع کردی اور اس فعالیت سے ان غریب الوطن مہاجرین کو ایک موقع ملا کہ وہ اس نئے علاقے کی جغرافیائی شناخت قائم کرسکیں ،چاہے محدود پیمانے پر ہی سہی _ کیونکہ نفسیاتی طور پر مجروح یہ مہاجرین اس نئے علاقے سے اجنبیت کا شدید احساس رکھتے تھے_ انہیں ایک ایسے تحرک کی ضرورت تھی جس سے ان کی خود اعتمادی دوبارہ لوٹ سکے انہیں معنوی ترقی حاصل ہو اور ان میں قوت، استقلال اور آزادی کا احساس و شعوراجاگر ہو _ اب ان تحرکات سے ان میں یہ احساس پیدا ہوگیا تھا کہ ، اب وہ قریش کو تنگ کرنے اور ان پردباؤ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں _ اب ان لوگوں میں خود اعتمادی

کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی ۔

نیز اس علاقے میں رہنے والے دیگر قبائل کے ساتھ رسول ﷺ خدا کے صلح کے معاہدے نے بھی ان کی خود اعتمادی میں مزید اضافہ کردیا تھا ۔ لیکن انصار ان مذکورہ باتونسے بالکل بے نیاز تھے۔ پس وہ مہاجرین جن پر آزمائشوں نے گہرے اثرات چھوڑے ہوں اور صدمات نے ان کے ایمان کو متزلزل کردیا ہو ان کا جہاد کرنا اور اس دین کی راہ میں قربانی دینا انہیں (نفسانی کمزوری کے سبب) شیطان کے چنگل اور وسوسوں میں پھنسنے سے بچا سکتا ہے ۔ کوئی مسلمان جب خود کو دین اور عقیدے کی راہ میں مصروف عمل ، اس راہ میں قربانی دیتا ہوا اور اپنے اس عمل کو پر ثمر اوراس کا نتیجہ خوب سے خوب تر دیکھے گا تو ا سے پھر سے ثبات ، استقلال اور اطمینان قلب حاصل ہوگا اور اس کی آزمائشیں کم سے کمتر ہوں گی جن کا منفی رد عمل بھی نایاب ہوگا اور جس مقصد اور چیز کے لئے اس نے قربانیاں دی ہیں اور مشقتیںاٹھائی ہیں اس کے ساتھ اس کا تعلق مزید پختہ اور مضبوط ہوجائے گا ۔

عربوں میں خون کا معاملہ

عرب، خون کبھی معاف نہیں کرتے تھے اور کبھی بھی اس سے چشم پوشی نہیں کرتے تھے " خون کا بدلہ خون" کی بنیاد پر مختلف قبائل اور اقوام کے آپس میں سیاسی ، اقتصادی ، معاشرتی اور دیگر روابط قائم ہوتے تھے۔ بعض اوقات تو خون کے انتقام کا یہ مسئلہ کئی نسلوں تک چلتا تھا۔

اب جب ایک ایسے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی ضرورت ہے جس مینہر کوئی ایک دوسرے کا ضامن ہو اور ایک جسم کی طرح سب ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں تو ایسے معاشرے کے لئے خون اور اس کے بدلے کا دائرہ ممکنہ حد تک تنگ کرنا ضروری تھا۔تاکہ اس کینے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے جو روحوں میں سرایت کر چکا تھا اور اس کے اثرات آنے والی نسلوں پر کئی دہائیوں بلکہ صدیوں تک باقی رہتے تھے ۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اگر چہ جنگ بدر میں انصار کی تعداد مہاجرین کی نسبت چاریا پانچ گنا زیادہ تھی لیکن اکثر مشرکین کا قتل حضرت علی ﷺ اور حمزہ کے ہاتھوں ہو اجو مہاجر اور قریشی تھے _

بالکل اسی لئے نیز مقتولین کی تعداد کم کرنے کے لئے امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ صفین میں قبیلہ ازداور قبیلہ خثم کو فرمایا کہ صرف اپنے ہم قبیلہ لوگوں کے ساتھ لڑو ، اسی طرح اہل عراق کے ہر قبیلہ کو فرمایا کہ وہ اہل شام کے اپنے ہم قبیلہ افراد کے مقابل ہو ں مگر یہ کہ اہل شام میںان کے ہم قبیلہ افراد نہ ہوں یا بہت کم ہوں مثلاً شامی فوج میں بجیلہ کے بہت کم لوگ تھے تو انہیں قبیلہ لخم کے مقابل قرار دیا [1] یہی معاملہ جنگ جمل میں ہوا_ جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام نے جناب عائشہ کی فوج میں ایک منادی کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا [2] کہ مالک اشتر اور جندب بن زہیر کی تلوار سے بچو [3] پھر آپ علیہ السلام نے ہم ان کی طرف صلح نامہ بھیج کر انہیں کتاب و سنت کے مطابق صلح کرنے کا کہا لیکن ا نہوں نے آپ ﷺ کا قاصد ہی قتل کردیا _ یہ تو ان کوششوں کے علاوہ ہے جو آپ علیہ السلام نے طلحہ ، زبیر اور عائشہ کو جنگ سے روکنے کے لئے صرف کر دی تھیں _ اور آپ علیہ السلام نے ہی بی بی عائشہ کی ناقہ کی کونچیں کٹ جانے پر جنگ ختم کرنے کا اعلان کردیا تھا اور مقتولین پر اظہار افسوس بھی کیا تھا _ اسی طرح جنگ صفین میں بھی آپ علیہ السلام نے معاویہ اور اس کے حلیفوں کو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز رہنے اور احکام خداوندی کو قبول کرنے کے لئے راضی کرنے کی کئی ہفتوں پر محیط بہت کوششیں کیں _

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت علی علیہ السلام انسانوں کو قتل نہ کرنا چاہتے تھے بلکہ آپ علیہ السلام کا مقصد فقط امت محمدیہ ﷺ کی حیات اور زندہ دلی کے لئے کم سے کم نقصان میں فتنہ و فساد کا قلع قمع اور دین کا نفاذ تھا اس بات کی تاریخی گواہی یوں دی جاسکتی ہے کہ مختار ثقفی نے پہلے ابراہیم بن مالک اشتر سے کہا کہ وہ قبیلہ مضر یا اہل یمن کی طرف جائے لیکن پھر اس نے اپنا نظریہ بدل کر اس کے مضر کی طرف جانے کو ترجیح دی _طبری نے لکھا ہے"با

---

1)وقعہ صفین نصر بن مزاحم ص 229 ، انساب الاشراف ج/2 ص 305، الفتوح ابن اعثم ج 3 ص 141و ج 2 ص 299 ،1 و تاریخ الامم و الملوک ج 4 ص 9 اور اس میں آیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے پہلے شامی قبائل کے متعلق جستجو اور پوچھ گچھ کی پھر مذکورہ فیصلہ کیا_

2)الفتوح لابن اعثم ج/ 2 ص 299_ (3)لباب الآداب ص 187 ، الاصابة ج/ 1 ص 248 _الجمل شیخ مفید ص 149_

بصیرت مختارنے سوچا کہ ابراہیم اگر اپنی قوم کی طرف جائے گا تو قتل و غارت بھی کم کرے گا_پس مختار نے یوں کہا کہ جاؤ مضر کی طرف جھاڑوپھیرو "[1]خلاصہ یہ کہ جب ایک ہی قبیلے کے بعض افراد یا بعض گروہوں کے درمیان جنگ ہو تو غالباً خون کم بہتا ہے (جب کہ دو مختلف قبائل میں ایسا نہیں ہوتا) کیونکہ دونوںطرف نسلی ہمدردیاں اور قبائلی قرابت داری موجودہوتی ہے جس سے کینہ ختم کرنا آسان ہوتا ہے_ اس لئے کہ خلوص ، پیار اور محبت سے معمور زندگی کی طرف دوبارہ لوٹنے کے لئے حالات مساعد ہوتے ہیں _ ہماری اس بات کی دلیل یہ ہے کہ قریش ایک لمبی مدت تک انصار کے زخم نہ بھولے اور بدلہ لینے کی کوشش میں انہوں نے نہ صرف کھل کر غم منایا اور نہ ہی کوئی اور کسر چھوڑی_ بلکہ قریش تو (حضرت علی علیہ السلام کے انہیں ذلیل و خوار کرنے کی وجہ سے)پورے قبیلہ بنی ہاشم کے خلاف اپنے دلوں میں سخت کینہ رکھتے تھے _ خود رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم بھی ان کینوں کے نتیجے میں اپنے اہل بیت علیہم السلام پر ہونے والے مظالم کے تصور سے گریہ فرمایا کرتے تھے [2] _

گذشتہ تمام باتیں تو اس بات کے علاوہ ہیں کہ اپنوں کے خلاف اس جہاد میں ان کی آزمائشے بھی ہو رہی تھی ، کیونکہ اپنے رشتہ داروں کے قتل جیسی کٹھن ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے پختہ ایمان اور مکمل اخلاص کی ضرورت ہوتی ہے _ خدا نے بنی اسرائیل کو بھی اسی طرح آزمایا تھا بلکہ خود حضرت اسماعیل علیہ السلام کے معاملے میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی طرح کا امتحان لیا تھا _

قریش اور انصار

انصار کے خلاف قریش کے جذبات اور عزائم کے مطالعے کے سلسلے میں سب سے پہلے جنگ بدر کے بعد کہے گئے ابوسفیان کے مندرجہ ذیل اشعار کا مطالعہ ضروری ہے _

---

1)تاریخ طبری ط الاستقامة ج/4 ص 521_

2) ملاحظہ ہو: امالی شیخ صدوق ص 102، فرائد السمطین ج 2 ص 36، بحار الانوار ج 28 ص 37، ص 38، ص 41، ص 51و ص 81و ج 43 ص 172و ص 156 ، العوالم ص 216، ص 217و ص 218، کشف الغمہ اربلی ج 2 ص 36، انساب الاشراف بلاذری و مسند ابویعلی ج 1 ص 427، مجمع الزوائد ج 9 ص 118 ، مستدرک حاکم ج 3 ص 139، المطالب العالیہ ج 4 ص 61 طبع دار المعرفہ_

آلیت لا اقرب النساء و لا

یمس راسی و جلدی الغسل

حتی تبیروا قبائل الاوس والخزرج

ان الفؤاد یشتعل

میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اوس و خزرج کو نابود نہیں کردوں گا تب تک میں عورتوں کے قریب جاؤں گا نہ اپنے جسم کے کسی حصے کو دھوؤں گا_ کیونکہ دل مسلسل آگ میں جل رہاہے_

اس بات کو انصار بھی اچھی طرح جانتے تھے _اسی لئے جب پیامبر اسلام ﷺ کی رحلت ہوئی تو انصار نے بہت گریہ کیا کیونکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ لوگ آپ ﷺ کے چلے جانے کے بعد ان کے ساتھ کیا کریں گے[1]_

ان لوگوں نے سعد بن عبادہ کی بیعت بھی صرف اور صرف اسی خیال کے تحت کی _اس بات کو حباب بن منذر نے سقیفہ کے دن یوں بیان کیا:" ہمیں تو اس بات کا ڈرہے کہ حکومت تمہارے بعد ان لوگوں کے ہاتھ آجائے گی جن کے آباء و اجداد ، بھائیوں اور بیٹوں کو ہم لوگ قتل کرچکے ہیں "_[2] حضرت علی علیہ السلام نے سعد بن عبادہ کے اپنے لئے بیعت طلب کرنے کی وجوہات بھی بیان کی ہیں _ آپ علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو ایک خط میں لکھا : "جب سعد نے دیکھا کہ لوگ ابوبکر کی بیعت کرنے لگے ہیں تو اس نے پکار کر کہا کہ لوگو خدا کی قسم جب میں نے دیکھا کہ تم لوگ حضرت علی علیہ السلام سے روگردانی کرچکے ہو تب میں نے یہ کام کیا _ او رجب تک علی علیہ السلام بیعت نہیں کرتے میں بھی تم سے بیعت نہیں لیتا _ اور علی علیہ السلام کی خاطر میں کچھ بھی نہیں کروں گا چاہے وہ بیعت کر بھی لیں "_ نیز اسی خط میں ہی ایک جگہ تحریر ہے کہ انصار نے کہا : " پس اگر تم حکومت علی علیہ السلام کے سپرد نہیں کرتے تو ہمارا سردار دیگر تمام لوگوں سے زیادہ اس کا حق دار ہے " [3] اس سے واضح ہوتا ہے کہ انصار نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ انہیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ عرب اور قریش مل کر علی علیہ السلام کو اقتدار نہیں دینا چاہتے، جبکہ نبی ﷺ کو سخت ،

---

1) مسند احمد ج 5 ص 339 و مجمع الزوائد ج 9 ص 34 از مسند احمد _

2) حیاۃ الصحابہ ج 1 ص 420_

3) معادن الحکمۃ ص 153 و 154 ، نیز اسی کتاب کے ص 470، تا 473 کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں تو اس میں کثیر منابع تحریر ہیں _

غلیظ اور(نعوذ باللہ) توہین آمیز الفاظ میں تحریر لکھنے سے منع کئے جانے اور پھر اسامہ کے لشکر کی روانگی میں تاخیر اور دیگر واقعات و حالات سے ان کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا تھا _

آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعدوہی ہوا جس کاڈر تھا یعنی انصار کو مصیبتوں نے گھیر لیا ،ان پر مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ساری قوتیں ، ترجیحات اور اہمیتیں مہاجرین کو حاصل ہوگئیں_ یہ اس بات کی تائید و تصدیق تھی جو آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا تھا کہ میرے بعد تم لوگوں پر مصیبتیں آئیں گی_ پھر فرمایا تھا کہ تم لوگ صبر کرنا یہاں تک حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو_[1]

مندرجہ ذیل امور اسکی دلیل ہیں_

1 _ محمد بن مسلمہ نے جب قریش کو قیمتی پوشاکیں پہن کر تکبر کرتے ہوئے دیکھا تو مسجد میں آکر بلند آواز سے تکبیر بلند کی جس پر حضرت عمر نے اسے بلوا یا اور اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے تکبر و خودپسندی کے اس منظر کو بیان کیا پھر کہا : "استغفر اللہ میں دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا " [2] _ حالانکہ محمد بن مسلمہ حکمران طبقے کے قریبیوں اور انتہائی وفادار یا رو انصار میں سے تھا جس پر وہ اطمینان و اعتماد کا اظہار کیا کرتے تھے_

2 _ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے آخری ایا م میںمالداروں کا زائد مال لے کر مہاجرین کے فقیروں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا _[3]

3_ حضرت عمر جمعہ کے دن دو اہم کام کیا کرتے ایک یہ کہ مہاجرین کے یتیموں کے اموال کی دیکھ بھال کرتے تھے اور دوسرا غلاموں کے حالات کا جائزہ لیتے[4]_

---

1) ملاحظہ ہو : حیاۃ الصحابہ ج 1 ص 409 و ص 411 و ص 414_

2)حیاۃ الصحابہ ج/ 1 ص 413 ،کنز العمال ج/ 1 ص 329 ،از ابن عساکر _

3)ہمارے مضمون " ابوذر سو شلسٹ ، کیمونسٹ یا مسلمان"کا آخری حصہ ہماری کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ والاسلام" میں ملاحظہ کریں_

4) المصنف ج/2 ص 349 اوراس کے حاشیہ ج/1ص 69 پر مالک سے _

4 _ حضرت عمر انصار کی ضروریات اور درخواستوں کا کوئی خیال نہ رکھتے تھے البتہ ابن عباس اگر کبھی رابطہ کرتے تو کچھ کردیتے_[1] _

5 _ صرف بنی ہاشم ہی تھے جو انصار کا خیال رکھتے تھے حضرت عمر کے زمانے کے بعدتو انصار کے حالات مزید بگڑ گئے حتی کہ :

6 _ یزید نے کعب بن جعیل کو بلایا اوراس سے انصار کی برائی بیان کرنے کا مطالبہ کیا _ کعب نے اس سے کہا: "کیا تم مجھے دوبارہ شرک کی طرف پلٹاناچاہتے ہو_کیا میں اس قوم کی برائی بیان کرو ں جس نے رسول اللہ ﷺ کی نصرت کی اور انہیں پناہ دی ؟" اس کے بعد کعب نے یزید کو اخطل نصرانی کے متعلق کہا جس نے یزید کی فرمائشے پر یہ شعر پڑھا_

ذهبت قريش بالسماحة والندى

واللؤم تحت عمائم الانصار [2]

قریش نے بڑی سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کیا لیکن انصار کے عماموں تلے کمینگی چھپی ہوئی ہے_

7 _ اسکے بعد یزید نے" حرہ " کے واقعہ میں ظلم و جنایات کی حدیں توڑ کے رکھ دیں_ اس واقعہ میں انصار کے عزیزوں کو ذلیل کیا گیا ، ان کی ہتک حرمت کی گئی ، ان کی عزتوں کو لوٹا گیااور ان کے مردوں کو قتل کردیا گیا_ یہ واقعہ اموی حکمرانوں کے ننگ و عار کا منہ بولتا ثبوت ہے اور انکے ماتھے پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کلنک کاٹیکا بن کے رہ گیا _ امویوں نے پرانے بغض ،کینے اور دشمنی کی بناپر ذلت و عار کا ارتکاب کیالیکن یہ رسوائی ہمیشہ کے لئے کینہ پرور اموری حکمرانوں اور ان کے چاہنے والوں اور پیروکاروں کے دامن پر کبھی نہ مٹنے والا داغ بن گئی ہے _

---

1) حیاۃ الصحابہ ج/ 1 ص 414 ، 415، 416_

2)الشعر والشعراء لابن قتیبۃ ص 302_

تاریخی دغابازی

مدائنی کہتاہے کہ مجھے ابن شہاب نے بتایا ،اس نے کہا کہ مجھے خالد بن عبداللہ القسری نے کہا کہ میرے لئے نسب نامہ لکھو _ میں نے "مضر" کے نسب نامے سے شروع کیا _ ابھی اسے مکمل بھی نہ کیا تھا کہ اس نے کہا : "اس کو کاٹ دو ، کاٹ دو _ اللہ ان کی جڑیں کاٹے "_ پھر اس نے کہا :" میرے لئے کوئی سیرت تحریر کرو" _ میں نے کہا : " اگر کہیں حضرت علی بن ابن طالب کی سیرت کا ذکر آجائے تو کیا اسے بھی لکھوں ؟" تو خالد نے کہا : "نہیں ،لیکن صرف اس صورت میں کہ ا سے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں دکھاؤ" (خدا خالد اور اسکے چاہنے والوں پر لعنت کرے اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر اللہ کا درود و سلام ہو) [1]

جب معاویہ کو حضرت علی علیہ السلام کا اپنے فضائل پر مشتمل خط ملا تو اس نے کہا : " اس خط کو چھپا دو کہیں شامیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے و گرنہ وہ علی بن ابی طالب کے حامی بن جائیں گے" [2] _ ہشام بن عبدالملک نے اعمش کو خط لکھ کر اس سے عثمان کے فضائل اور حضرت علی علیہ السلام کی برائیاں لکھنے کا مطالبہ کیا لیکن اس نے انکار کردیا [3] _ شعبی کہتا ہے کہ اگر میں حضرت علی علیہ السلام پر جھوٹ گھڑ نے کے بدلے میں ان امویوں سے غلام بننے یا گھر سونے سے بھر دینے کا مطالبہ بھی کرتا تو وہ ایسا کر گذرتے [4] _ ابو احمد عسکری کا کہنا ہے کہ اوزاعی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے (حدیث کساء کے علاوہ) فضائل اہل بیت علیہم السلام کی کوئی روایت ذکر نہیں کی ، واللہ اعلم _ اسی طرح زہری نے بھی صرف ایک حدیث ذکر کی ہے _ یہ دونوں بنی امیہ کے مظالم سے ڈرتے تھے _ [5] ان مؤرخین کی اس تاریخی دغابازی پر یہی دلیل کافی ہے کہ مورخین کے اس دعوے کے باوجود کہ جنگ جمل میں سات سو مہاجر اور انصار ، ستر یا اسی بدری اور بیعت شجرہ میں شامل دو سو صحابی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے [6](شعبی کے بقول) دشمنان علی علیہ السلام اور تاریخی دھوکہ باز مؤرخین کی ڈھٹائی اس حد

---

1)الاغانی ج/ 19 ص 59_ (2) معجم الادباء ج 5 ص 266_ (3) شدرات الذہب ج 1 ص 221_

4) تاریخ واسط ص 173_ (5) اسعد الغابہ ج 2 ص 20_

6) المعیار و الموازنہ ص 22، مستدرک حاکم ج 3 ص 104، الغدیر ج 10ص 163 از صفین و ص 266 تا ص 268 و از شرح نہج البلاغہ ج 1 ص 483و جمہرۃ خطب العرب ج 1 ص 179، ص 183 _

تک بڑھ گئی کہ وہ یہ کہنے لگے : " جس کو یہ گمان ہو کہ جنگ جمل میں چار سے زیادہ بدری صحابی موجود تھے ا سے جھٹلادو _ علی علیہ‌السلام اور عمار ایک طرف اور طلحہ اور زبیر بھی ایک طرف تھے" [1] _ اسکافی کہتا ہے کہ معاویہ نے صحابہ اور تابعین کے ایک گروہ کو پر کشش تنخواہ اور مراعات پر صرف اس لئے ملازم رکھا ہوا تھا کہ وہ حضرت علی علیہ‌السلام کے خلاف ایسی گھٹیا حدیثیں گھڑیں جس سے لوگ حضرت علی علیہ‌السلام سے متنفر ہوجائیں اور آپ علیہ‌السلام پر انگلی اٹھانے لگیں _ اور انہوں نے بھی معاویہ کی من پسند حدیثیں گھڑیں _ ان صحابیوں میں ابوہریرہ ، عمروبن عاص اور مغیرہ بن شعبہ بھی تھے اور تابعیوں میں عروۃ بن زبیر نام آور ہے [2] _ نیز معاویہ شامیوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا تھا کہ حضرت علی علیہ‌السلام اور آپ علیہ‌السلام کے ساتھی بے نمازی ہیں [3] _

یہی معاملہ انصار کے ساتھ بھی تھا_ زبیر بن بکار کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک جب ولی عہد تھا حج کرنے کے لئے نکلا اور مدینے سے گزرا تو ابان بن عثمان سے کہا کہ وہ پیامبر اسلام صلی‌الله‌علیه‌وآله‌وسلم کی سیرت اور غزوات کا حال تحریر کرے_ ابان نے کہا : " صحیح سیرت کا ایک نسخہ میرے پاس ہے جسے میں نے بہت مؤثق آدمی سے لیا ہے" _ سلیمان نے کہا: " اس سے ایک نسخہ تیار کرو" ابان نے نسخہ تیار کیا اور لے گیا _ جب سلیمان نے اس پر نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ عقبتین (عقبہ اولی اور عقبہ ثانیہ کے معروف واقعے) میںانصار کا ذکر ہے اورجنگ بدر میں بھی انصار کا ذکر ہے تو اس نے کہا کہ میں تو ان لوگوں کے لئے کسی ایسی فضیلت کا قائل نہیں _ اس واقعہ میں یا تو ہمارے خاندان کے متعلق جھوٹ لکھا گیا ہے یا پھر انصار ایسے نہیں تھے _

ابان نے کہا : "اے امیر شہید مظلوم [4] کے ساتھ ان کی ظلم و زیادتی ہمارے حق بات بیان کرنے سے مانع تو نہیں ہے _ وہ لوگ ایسے ہی تھے جیسے اس کتاب میں تحریر ہے " _

سلیمان نے کہا :"جب تک میں امیر المؤمنین سے پوچھ نہ لوں مجھے اس نسخے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ

---

1) العقد الفرید ابن عبدربہ ج 4 ص 328 _ (2) شرح نہج البلاغہ معتزلی ج 4 ص 64_

3)الغدیر ج 9 ص 122 از صفین منقری ص 402 و تاریخ طبری ج 6 ص 23 و شرح نہج البلاغہ معتزلی ج 2 ص 278 و از الکامل فی التاریخ ج 3 ص 135_

4) یہاں شاید مراد حضرت عثمان ہیں جنہیں اپنے محل میں قتل کردیا گیا تھا _ مترجم

ہوسکتاہے وہ مخالفت کریں" پس اس نے اس کتاب کو جلانے کا حکم دیا ـ

جب سلیمان واپس پہنچا اور اپنے باپ کو سب کچھ ذکر کیاتو عبدالملک نے کہا : "ایسی کتاب کی تمہیں کیا ضرورت ہے جس میں ہماری فضیلت بیان نہ ہوئی ہو ؟ تم شامیوں کو وہ باتیں بتانا چاہتے ہو جسے ہم نہیں چاہتے کہ وہ جانیں " ـ اس نے جب اس نسخے کے پھاڑ نے [1] کی اطلاع دی تو عبدالملک نے اس کے اس کام کو سراہا ـ

پھر یہ روایت ، سلیمان کے قبیصہ بن ذؤیب کو سارا ماجرا بیان کرنے اور اس کے جواب کے بعد کہتی ہے کہ : پس سلیمان نے کہا :" اے ابواسحاق کیا مجھے امیر المؤمنین اور انکے خاندان کی جانب سے انصار سے دشمنی اور انہیں اتنا پسماندہ رکھنے کی وجوہات کے متعلق نہیں بتائیں گے ؟"

اس نے جواب دیا: " بھتیجے اس کا آغاز کرنے والا معاویہ بن ابی سفیان تھا ـاس کے بعد عبدالملک کے والد اور پھر تمہارے والدنے یہ کام کیا " ـ سلیمان نے کہا: " کس بنیاد پر ایسا ہوا ؟" اس نے جواب دیا : "خدا کی قسم میںنابھی تمہیں بتانا ہی چاہتا تھا " ـ پھر کہا : "' انصار نے بنی امیہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور ان کی ایک رسوائی حضرت عثمان کا قتل بھی ہے ـ اس وجہ سے بنی امیہ نے ان سے کینہ روا رکھااور ان سے غضبناک رہے اوریہ کینہ انہوں نے نسل در نسل پروان چڑھایا لیکن میں تو امیر المؤمنین کے متعلق پہلے یہ گمان کرتا تھا کا ان کہ انصار کے ساتھ رویہ دوسروں سے مختلف ہوگا اب تم یہ بات اس سے جاکر پوچھ سکتے ہو "ـ

سلیمان کہنے لگا:" اللہ کی قسم میں ایسا ہی کرونگا" وہ بولتا رہا اور قبیصہ بھی وہاں موجود تھا ـ اسی نے جاکر عبدالملک کو ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کی رو داد سنائی تو عبدالملک نے کہا :"اللہ کی قسم میں اس کے علاوہ کچھ کرہی نہیں سکتا ـان کا ذکر بھی اب چھوڑو ـ "

---

1) چند سطر اوپر اس کتاب کے جلائے جانے کا ذکر ہے لیکن یہاں پھاڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا ذکر ہے ـ بظاہر تو اس واقعہ میں تضاد پایا جاتا ہے لیکن دستاویز چونکہ عربی زبان میں ہے اور عربی میں جلانے کو (حرق) اور پھاڑنے کو (خرق) کہتے ہیں اس لئے اس میں صرف ایک نکتہ کا فرق ہے جو شاید طباعت کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے بہر حال یہ فیصلہ یہاں مشکل ہے کہ " حرق" ہے یا " خرق" البتہ اصل منبع اور مآخذ سے معلوم ہوسکتا ہے ـ مترجم

اسکے بعد سب لوگ خاموش ہوگئے[1] لیکن قبیصہ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ انصار کی محرومیوں کا دور معاویہ کے زمانے سے شروع ہوا _

انصار کی مایوسیوں کا دور تو حضرت عمر بلکہ حضرت ابوبکر کے زمانے سے شروع ہوا تا ہم یہاں تحقیق کا مقام نہیں_ بہر حال کسی انصاری نے یہ اشعار کہے ہیں_

ويل امها امة لو ان قائدها

يتلوا الكتاب و يخشى العار والنار

اما قريش فلم نسمع بمثلهم

غدراً و اقبح فى الاسلام آثارا

ضلوا سوى عصبة حاطوا نبيهم

بالعرف عرفاً و بالانكار انكارا[2]

کتنی اچھی ہے وہ قوم جس کا سردار جب بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو گناہ اور جہنم کے تصور سے بھی ڈرتا ہے _لیکن قریش کی خیانت اور اسلام میں انکے انتہائی مکروہ اعمال کی مثال ہم نے کبھی نہ سنی _ نبی ﷺ کریم کے سب سے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ سب کے سب گمراہ ہیں _ بہرحال اچھائی کا بدلہ بھی اچھائی ہوتا ہے جبکہ برائی کا بدلہ برائی ہے _

ایک اور انصاری نے کہا ہے_

دعاها الى حرماننا و جفائنا

تذكر قتلى فى القليب تكبكبوا

---

1)اخبار الموفقيات ص 332 _ 334_

2) الحور العين ص 215_

فان يغضب الابناء من قتل من مضى

فو الله ما جئنا قبيحاً فتعتبوا [1]

انہوں نے ہمیں محرومیاں دیناور ہم پر ظلم کی داستان رقم کی _وہ جنگ بدر کے اپنے مقتولین کو یاد کر کے تڑپتے اور لوٹتے رہتے ہیں _ ماضی میں بڑوں کے قتل سے اگر ان کے بیٹے آج ہم پر غضبناک ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا تھا جس پر وہ ہم پر غصہ ہو رہے ہیں_

ھ: انصار کے متعلق پیامبر اسلام ﷺ کی تاکید:

امویوں کی انصار سے دشمنی اپنے مقتولین کی وجہ سے نہیں بلکہ در اصل اسلام سے دشمنی تھی اور اسی اسلام دشمنی کی وجہ سے وہ انصار کے بھی دشمن ہوگئے تھے کیونکہ انصار نے خدا اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کی تھی اور خدا نے ان کے ذریعہ سے شرک کو مٹایا تھا اور مشرکوں کو ذلت اور رسوائی سے دوچار کیا تھا _ یہی علت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بار بار تاکید فرمائی کہ انصار سے محبت کرواور ان کا احترام کرو کیونکہ انہوں نے ہی اس دین کو پناہ دی ، اس کی نصرت کی اور ان کے پاس جو کچھ بھی تھاسے اس دین کے لئے وقف کردیا _ آنحضرت ﷺ نے انصار کی محبت کو ایمان اور ان سے نفرت کو نفاق شمار فرمایا [2] اور فرمایا: " جس نے انصار سے محبت کی اس نے میرا دل جیت لیا اور جس کسی نے انصار سے دشمنی اور نفرت کی اس نے میری دشمنی اور غضب کو للکارا" [3] _

---

1) الحورالعین ص 215 از امیرنشوان حمیری _

2)مسند احمد ج 5 ص 285، ج 6 ص 7، ج 4 ص 283، ص 292، ج 3 ص 130 ، نیز انصار کے فضائل کے متعلق ملاحظہ ہو مسند احمد ج 4 ص 70 و ج 6 ص 382، مسند ابویعلی ج 7 ص 191 و 285، 285، منحة المعبود ج 2 ص 138، 138، صحیح مسلم ج 1 ص 60 سنن ابن ماجہ ج 1 57 ، 58، 140 ، صحیح بخاری ج 2 ص 198، 199 و مجمع الزوائد ج 10 ص 39 ، 40_

3) مجمع الزوائد ج9 ص 376 عن الطبرانی فی الصغیر و الکبیر، البدایة والنہایة ج3 ص 203 ، فتح الباری ج1 ص 59 ، 60 ، مجمع الزوائد باب حب الانصار ج10 ص 28 ، 42 اس کے علاوہ کتب احادیث میں ایک باب انصار کے فضائل سے مخصوص ہے_

یہ زیادہ تر انصار ہی تھے جنہوں نے اکثر مہاجرین کے برخلاف اہل بیت علیہ السلام اور امیر المومنین علیہ السلام کی راہ میں قربانیاں دیں _اس کے برخلاف مہاجرین ایسے نہ تھے_ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں انصار نے امیر المؤمنین علیہ السلام کا ساتھ دیا_انصار کے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام کے مقام ، مرتبے اور احترام کی دلیل عمروبن عاص کی زبیر بن بکار کے ذریعہ بیان کردہ وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ سعد بن عبادہ کے لئے بیعت لینے کی انصار کی ناکام کوششوں کے بعد مسجد نبوی میں عمرو بن عاص نے انصار کے خلاف بہت سخت اور غلیظ زبان استعمال کی _ زبیر کہتا ہے : " پھر جب وہ متوجہ ہوا تو وہ عباس بن عبدالمطلب کے بیٹے فضل کو دیکھ کر اپنے کئے پر بہت نادم ہوا کیونکہ ایک تو جناب عبدالمطلب کی اولاد کی انصار کے ساتھ ننھیالی رشتہ داری تھی اور دوسرا انصار بھی اس وقت حضرت علی علیہ السلام کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کا دم بھرتے تھے " پھر روایت یہ بتاتی ہے کہ کس طرح حضرت علی علیہ السلام نے مسجد میں آکر انصار کا دفاع کیا _ یہ واقعہ بہت طویل ہے [1]_ بنی ہاشم نے انصار کا ساتھ اس لئے دیا کہ ایک تو پیامبر گرامی اسلام کی وصیت تھی _اور دوسرا سقیفہ کے دن جب سعد بن عبادہ کی بیعت نہ ہوسکی تو انہوں نے کہا کہ ہم صرف علی علیہ السلام کی بیعت کرینگے [2] یہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے قریش کے بڑے بڑے سور ماؤں اورمتکبروں کو ہلاک کیا تھا_

ان ساری باتوں کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ لوگ صحیح معنوں میں با ایمان اور پکے دین دار تھے اور انہیں دین کا گہرا شعور حاصل تھا _یہاں تک کہ ان کی خواتین بھی ایسی ہی تھیں _یہاں یہ ذکر بھی کرتے چلیں کہ علماء کہتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سارا علم انصار کے پاس تھا [3] نیز حضرت عائشہ انصار کی خواتین کے بارے میں فرماتی ہیں : " اگر چہ قریش کی عورتوں کی فضیلت بہت زیادہ ہے لیکن خدا کی قسم میں نے انصار کی عورتوں سے زیادہ با فضیلت کسی کو نہیں دیکھا، اللہ کی کتاب کی تصدیق کرنے میں ان سے زیادہ قوی کوئی نہیں اور نہ ہی نزول قرآن پر ایمان میں ان سے کوئی آگے ہے" [4] _

---

1) الموفقیات ص 595 و 596، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6 ص 33_

2) تاریخ ابن اثیر ج 2 ص 325_ (3) التراتیب الاداریہ ج 2 ص 325_

4)الدرالمنثور ج/5 ص42 از ابن ابی حاتم، ابی داود،ابن مردویہ ، تفسیر ابن کثیر ج/3 ص 284، مسند ابوعوانہ ج 1 ص 317 و حیاۃ الصحابہ ج 3 ص 87_

حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے :" انصار کی خواتین سب سے بہترین خواتین ہیں وہ دین سیکھنے کے لئے بالکل بھی نہیں شرماتیں "[(1)]_

جنگ انصار پر معاف نہ تھی:

گذشتہ بحث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انصار کو جنگوں میں بالکل شرکت ہی نہیں کرنا چاہئے تھا _ کیونکہ اس مسئلے کا تعلق اسلام سے ہے اور اسلام تو ساری امتوں بلکہ تا ابد تمام بنی نوع بشر کے لئے ہے_

اس کی اہمیت اور اس کو در پیش خطرات بہرحال انصار کی اہمیت اور انہیں قریش کی طرف سے در پیش خطرات سے زیادہ ہےیں خاص کر اس صورت میں جب اس قسم کی صورتحال کے رد عمل کے طور پر اسلام ، ان کی حفاظت کی ضروری ضمانت بھی فراہم کرتا ہے البتہ جو کچھ ہوا وہ امت کے اسلامی قوانین پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ تھا اور نہ ہی ان ضمانتوں کا خیال رکھا گیا _ اور یہ ایک علیحدہ بات ہے _

پس انصار کے لئے جنگ میں شرکت کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا البتہ یہ بھی ضروری تھا کہ قریش اور اسلام دشمنوں کے کینے کی شدت کم کرنے کے لئے کوئی عملی کام کیا جائے تا کہ مستقبل میں انصار کو در پیش مشکلات اور خطرات میں کچھ حد تک کمی کی جائے _ اور ہوا بھی اسی طرح_ انشاء اللہ جنگ بدر کی بحث میں قریش اور انصار کے مسائل پر مزید بات ہوگی_

---

1)_ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ج1 ص 24 ، المصنف عبدالرزاق ج 1 ص 314،اس کے حاشیہ میں ہے کہ یہ روایت بخاری ، مسلم اور ابن ابی شیبہ سے منقول ہے ، کنز العمال ج 5 ح 3145 نیز خواتین انصار کی علم دین سیکھنے کی کوششوں سے متعلق ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج2 ص 321_

چھٹا باب:

غزوہ بدر کا عظیم معرکہ

پہلی فصل : جنگ کی فضاؤں میں

دوسری فصل : جنگ کے نتائج

تیسری فصل : مال غنیمت اور جنگی قیدی

چوتھی فصل : سیرت سے مربوط کچھ ابحاث

پہلی فصل :

جنگ کی فضاؤں میں

قریش کی ناکام سازش

نبی ﷺ کریم کے مدینہ رہنے کے کچھ عرصہ بعد ،جنگ بدر کے واقعہ سے پہلے ،جن دنوں آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف فرما تھے ، کفار قریش نے عبداللہ ابن ابی بن سلول اور اوس و خزرج کے بت پرستوں کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا جس میں تحریر تھا :

" مدینہ والوں نے ہمارے ایک مطلوبہ آدمی کو پناہ دے رکھی ہے ، حالانکہ مدینہ والوں میں تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے یا تو تم لوگ اسے قتل کر ڈالو یا اسے نکال باہر کرو نہیں تو پھر ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو پورے عرب کو تمہارے بائیکاٹ پر اکٹھا کرلیں گے یا پھر ہم سب مل کر تمہارے اوپر چڑھائی کردیں گے اور اس صورت میں تمہارے تمام جنگجوؤں کو تہہ تیغ اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے حلال کردیں گے " _

جب یہ خط عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں تک پہنچا تو انہو ں نے ایک دوسرے کے ساتھ رابطے کر کے سب کو اکٹھا کیا اور سب آنحضرت ﷺ کے قتل پر متفق ہوگئے _ جب یہ خبر نبی ﷺ کریم اور آپ ﷺ کے اصحاب تک پہنچی تو انہوں نے ایک گروہ کی صورت میں ان لوگوں سے ملاقات کی اور کہا : " قریش کی دھمکیوں سے تم بہت ہی زیادہ متاثر ہوگئے ہو _ وہ تمہارے خلاف اتنی بڑی چال نہیں چل سکتے جتنی بڑی تم خود اپنے خلاف چل رہے ہو _ تم تو اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کرنا چاہتے ہو _" پس جب انہوں نے نبی ﷺ کریم کی زبانی یہ الفاظ سنے تو منتشر ہوگئے اور آپ ﷺ کے قتل سے دستبردار ہوگئے _ اور جب یہ بات قریش تک پہنچی تو (وہ بہت جزبز ہوئے اور آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی ترکیبیں سوچنے لگے جس کے نتیجے میں) جنگ بدر کا واقعہ رونما ہوا [1] _

---

1)المصنف صنعانی ج 4 ص 358 و 359_

بدر کی جانب روانگی:

سترہ[17] رمضان المبارک 2 ہجری میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان بدر عظمی کی جنگ ہوئی_اور وہ اس طرح کہ غزوۃ العشیرہ میں مسلمانوں نے قریش کے جس قافلے کا پیچھا کیا تھا وہ ان سے بچ بچا کر شام نکل گیا تھا_آنحضرتﷺ پھر بھی اس کی تاک میں تھے ، یہاں تک کہ اس کی واپسی کا آپﷺ کو علم ہوا _ یہ قافلہ ابو سفیان کی قیادت میں کم و بیش تیس [30] یا چالیس [40] یا زیادہ سے زیادہ سترہ [70] سواروں پر مشتمل تھا جس میں قریش کا تجارتی سامان بھی موجود تھا_اس کی مالیت کے بارے میں اتنا تک بھی کہا جاتا ہے کہ اس سامان کی مالیت پچاس [50] ہزار دینار کے برابر تھی _ حالانکہ اس وقت پیسوں کی بہت زیادہ قیمت ہوتی تھی[1]_

بہرحال جب آپﷺ کو اس قافلے کی آمد کا علم ہوا اور آپﷺ نے مسلمانوں کو اس قافلے کی طرف جانے کا کہا تو لوگوں نے تردید کے ساتھ آپﷺ کی آواز پر لبیک کہا ، کیونکہ بعض تو فوراً آمادہ ہوگئے لیکن کچھ لوگوں نے پس و پیش کیا _ شاید وہ قریش کے انتقامی حملے سے ڈرتے تھے کیونکہ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ قریش کے بنیادی مفادات کو نشانہ بنانا ان کے غضب اور انتقام کا باعث بن سکتا ہے _

اس کے متعلق کئی مؤرخین کہتے ہیں :" نبیﷺ کریم کی حکم عدولی کرکے بہت سے صحابہ مدینہ میں رہ گئے اور ان لوگوں نے اس مشن پر جانا گوارا نہیں کیا _ اس مشن پر جانے کی بات پر بہت اختلاف اور لے دے ہوئی_ کئی صحابیوں کو آپﷺ کا اس مشن پر جانا بھی اچھا نہ لگا اور بعض صاحب رائے اور با بصیرت افراد بھی اس مشن پر نہیں گئے ، کیونکہ انہیں جنگ چھڑ جانے کا گمان بھی نہیں تھا ، وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ مال غنیمت کے حصول کے لئے جا رہے ہیں_ اور اگر انہیں یہ گمان بھی ہوتا کہ وہاں جنگ بھی چھڑجائے گی تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے بلکہ آپﷺ کے ساتھ نکل پڑتے "[2]_

---

1)اس کی مالیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا یا جاسکتا ہے کہ وہ مال دو ہزار سے بھی زیادہ اونٹوں پر لدا ہوا تھا _ مترجم_

2)ملاحظہ ہو ، شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج 14 ص 85 ، المغازی واقدی ج 1 ص 20 و 12 ، بحار الانوار ج 19 ص 328 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 143_

جبکہ واقدی کہتا ہے :" رسول ﷺ خدا کے کچھ صحابیوں نے بدر جانا گوارا نہیں کیا _ وہ کہنے لگے کہ ہم تعداد میں بہت کم ہیں ،حالانکہ یہ من پسند بات نہیں تھی _ بہر حال اس بات پر صحابیوں میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہوگیا" [(1)] خدانے اس واقعہ کی حکایت یوں بیان کی ہے (کما اخرجک ربک من بیتک بالحقّ و ان فریقاً من المؤمنین لکارھون _ یجادلونک فی الحق بعد ما تبیّن کانّما یساقون الی الموت و ھم ینظرون)[(2)]_ "خدا نے تمھیں (بدر کی طرف نکلنے کے لئے بالکل اسی طرح کہا ہے) جس طرح گھر سے (ہجرت کے لئے) نکلنے کا کہا تھا _ لیکن اس کے باوجود مؤمنوں کا ایک ٹولہ اسے گوارا نہیں کرتا _ وہ حق کے واضح ہونے کے بعد بھی تمہارے ساتھ ایسے جھگڑتے اور بحث کرتے ہیں گویا کہ انہیں ان کے جانتے بوجھتے ہوئے موت کی طرف زبردستی لے جایا جارہا ہو "_ جی ہاں وہ اس لئے جانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ قریش اتنی بڑی بات پر ہرگز چپ نہیں رہ سکتے_

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مؤرخین کی یہ بات کہ مدینہ رہنے والے صحابیوں کو ہرگز یہ گمان بھی نہیں تھا کہ آنحضرتﷺ کو جنگ کا سامنا بھی کرنا پڑے گا[(3)]_ نہ صرف بے جا ہے بلکہ یہ جنگ سے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے ناکام اور نہایت نامعقول بہانہ تراشی ہے _ وگرنہ گذشتہ آیت ، مذکورہ نظریئے کے غلط ہونے پر بہترین دلیل ہے_

بہرحال ادھر سے مسلمان تجارتی قافلے کو روکنے کے ارادے سے نکلے تو ابوسفیان کو ادھر اس بات کا علم ہوگیا _ جس پر اس نے ایک قاصد مکہ بھیج کر قریش کو قافلہ بچانے کے لئے بلوایا_

لوگوں سے ڈرنے والے

یہاںیہ کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمان بن عوف ، سعد بن ابی وقاص ، مقداد اور قدامہ بن مظعون کو جب مکہ

---

1) المغازی واقدی ج 1 ص 131_

2)انفال ، 5،6_

3)الکامل ابن اثیر ج 2 ص 116_

میں اذیتیں دی جاتی تھیں تو وہ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم سے مشرکین سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے جبکہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم انہیں اس کی اجازت نہیں دیتے تھے _ لیکن پھر جب انہیں لڑائی اور بدر کی طرف جانے کا حکم ملا تو کچھ لوگوں پر یہ بات گراں گذری جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(الم تر الی الذین قیل لهم کفوا ایدیکم و اقیموا الصلوة و آتوا الزکوة اذا فریق منهم یخشون الناس کخشیة الله او اشد خشیة و قالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لو لا اخرتنا الی اجل قریب قل متاع الدنیا قلیل و الآخرة خیر لمن اتقی) [1]

"ان لوگوں کی حالت تو دیکھو جنہیں یہ کہا گیا تھا کہ ابھی (لڑائی سے) اپنے ہاتھ روک رکھو اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو تو (جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو) ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جس طرح خدا سے ڈراجاتا ہے بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر جنگ کا فریضہ کیوں عائد کیا ہے ؟ تھوڑی دیر اور رک جاتے_ (اے نبی صلى الله عليه وآله وسلم) ان سے کہہ دو کہ دنیاوی ساز و سامان اور فائدہ بہت کم ہے اورپرہیزگاروں کے لئے آخرت سب سے بہتر ہے"_

لیکن ہم کہتے ہیں کہ مقداد کی شخصیت ، نفسیات اور چند صفحات بعد ذکر ہونے والے اس کے عظیم موقف کی رو سے ایسا نہیں لگتا کہ اس پر جنگ کا فریضہ گراں گذرا ہو _ اس پر مزید یہ کہ گذشتہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ افراد نے جنگ کے معاملے میں بزدلی دکھائی ہے _ اور ان کا لوگوں سے یہ ڈر اور خوف ، خوف خدا سے بھی بہت زیادہ تھا_ اور اس کی وجہ زندگی اور دنیا سے محبت تھی _ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ مقداد ہرگز بزدل نہیں تھا اور نہ ہی وہ دین اور اسلام کے ارشادات سے ہٹ کر دنیا سے محبت کرنے والا شخص

---

1)بحار الانوار ج 19 ص 209 ، مجمع البیان ج 3 ص 77 و الدر المنثور ج 2 ص 184 از نسائی ، ابن جریر ابن ابی حات ، حاکم اور اس کے مطابق روایت صحیح ہے ، بیہقی در السنن ، عبد بن حمید و ابن منذر _

تھا اور اس کا طرز زندگی ہماری اس بات کی بہترین دلیل ہے_اسی طرح مذکورہ روایت اور آیت میں بھی آیا ہے کہ مذکورہ افراد میں سے بعض پر جنگ ناگوار گذری ہے ، سب پر نہیں _ البتہ مقداد کے علاوہ روایت میں مذکور دیگر افراد کے طرز زندگی اور مختلف موقعوں پر ان کے موقف اور نظریات سے ظاہر ہونے والی دنیا داری اور دنیا سے محبت سے لگتا ہے کہ ان پر جنگ کا فریضہ گراں گذرا ہوگا_

عبدالرحمن بن عوف کے متعلق تو بہر حال کوئی شک نہیں کہ اس نے یہ بات کی ہوگی _ کیونکہ بعض روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے[1] اور اس شخص نے مرتے وقت بہت مشہور و معروف ترکہ چھوڑا جس کی وجہ سے ابوذر ، عثمان اور کعب الاحبار کے درمیان جھگڑا ہوا[2] مؤرخین و غیرہ صراحت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف قریش کا سب سے مالدار شخص تھا[3] _ شوری کے دن بھی اس کا موقف بہت مشہور ہے _ اسی نے حضرت علی عليه‌السلام کے حق میں آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی تمام وصیتوں اور خدا کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا _ وہ تو دنیا سے محبت اور دنیا کو اہمیت دینے کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے احکام کی زیادہ پروا نہیں کیا کرتا تھا_ اور قدامہ کو شراب پینے پر حضرت عمر نے حد میں کوڑے مارے تھے اور اس نے حضرت علی عليه‌السلام کے بیعت سے انکار کیا تھا [4]_ اور یہ سب کام اس نے دنیا طلبی اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں کئے تھے_

اور سعد نے بھی حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے انکار کردیا تھا_ اور جنگوں میں بھی اس نے حق کا ساتھ دینے سے انکار کردیا تھا_ حضرت علی عليه‌السلام نے بیت المال سے اس کا الاؤنس کاٹ دیا تھا ، عمار نے اس سے قطع تعلق کرکے بول چال بھی بند کردی تھی اور اسی نے کوفہ کے بیت المال کا کچھ مال غبن کر لیا تھا[5]_

---

1)در منثور کی روایتوں کے اطلاق سے مذکورہ بات سمجھ میں آتی ہے _ ملاحظہ فرمائیں_ (2) ملاحظہ ہو : مروج الذہب ج 2 ص 340 ، مسند احمد ج 1 ص 63 ، حلیة الاولیاء ج 1 ص 160، الغدیر ج 8 ص 351، انساب الاشراف ج 5 ص 52، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 3 ص 54و ج 8ص 256 ، تفسیر المیزان ج 9 ص 251 ،258 و تاریخ الامم و الملوک و دیگر کتب_ (3)کشف الاستار عن مسند البزار ج 3 ص172 و مجمع الزوائد ج 9 ص 72_

4)قاموس الرجال ج 7 ص 385 اور اس کی شراب خوری کی حد کے متعلق ملاحظہ ہو: الاصابہ ج 3 ص 228و 229، الاستیعاب ج 3 ص 361 ، اسد الغابہ ج 4 ص 199 ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج20 ص 23_ (5)قاموس الرجال ج 4 ص 312 ، 315_

اس کے علاوہ اور باتیں بھی ہیں جو اس کی دنیا طلبی اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام سے لا پروائی پر دلالت کرتی ہےیں_ پس ہوسکتا ہے آیت اور روایت کا مدّ نظر یہی افراد ہوں لیکن اس وقت کی سیاست اور سیاست دانوں کے منظور نظر ہونے کس وجہ سے راویوں نے ان کا نام چھپا کر دوسرے افراد کے ساتھ ملا دیا ہو_ اور یہ بات بالکل واضح ہے_

عاتکہ کا خواب

مؤرخین کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا تھا کہ اونٹ پر سوار ایک شخص یہ آواز لگاتا آرہا ہے کہ اے آل غالب (البتہ ایک روایت میں یا آل غدُر " اے کمینو" آیا ہے) کل صبح کو اپنی قبروں کی طرف نکل پڑو _ پھر ابو قبیس کے پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھکا اور مکہ کے تمام گھروں میں اس کا ایک ایک ٹکڑا گرا_

عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی عباس کو سنا یا اور اس نے عتبہ بن ربیعہ کو یہ خواب سنا یا تو اس نے کہا : "اس کا مطلب ہے کہ قریش پر مصیبت آنے والی ہے "_ لیکن ابوجہل نے یہ سن کر کہا :" لو اب عبدالمطلب کے خاندان میں دوسری نبیہ پیدا ہوگئی ہے_ لات و عزّی کی قسم ہم تین دن تک صبر کریں گے _ اگر اس کا خواب سچا ہوا تو ٹھیک و گرنہ ہم اپنے درمیان یہ تحریر لکھ لیں گے کہ بنی ہاشم کا گھرانہ عرب کے تمام مردوں اور عورتوں سے زیادہ جھوٹا ہے"_پھر جب تیسرا دن ہوا تو ایک ایلچی یہ آواز لگاتا ہوا آیا :" اے آل غالب اے غالب کی اولاد غضب ہوگیا ، غضب ہوگیا "[1]_

---

1)ملاحظہ ہو : سیرہ حلبیہ ج 2 ص 143 و 144، تاریخ الامم و الملوک ج 2 ص 136و 137 ، الروض الانف ج 3 ص 43 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 369 از ابن اسحاق ، المغازی واقدی ج 1 ص 29 ، السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج 2 ص 259 ، دلائل النبوۃ بیہقی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ج 3 ص 29 و 30، الکامل فی التاریخ ج 2 ص 116 و 117 ، تاریخ الاسلام (مغازی) ص 53، بحار الانوار ج 19 ص 245 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 357 و السیرۃ النبویۃ ابن کثیر ج 2 ص 382 _

قریش کی تیاری :

قریش کے تمام بڑوں اور سرداروں نے لشکر کی تیاری میں اپنا مال دیا _ اور انہوں نے یہ اعلان بھی کردیا کہ جو بھی اس جنگ پر نہیں جائے گا ہم اس کا گھر تباہ کر دیں گے_ اس لئے جو بھی اس جنگ پر خود نہ جاسکا اس نے اپنی جگہ پر کسی آدمی کو ضرور بھیجا[1]_ ابولہب نے بھی اپنی جگہ پر عاصی بن ہشام کو ان چار ہزار درہم کے عوض بھیجا جو بقولے جوئے میں ہارنے کی وجہ سے اس کے ذمے واجب الادا تھے[2]_

امیہ بن خلف کا موقف

امیہ بن خلف جنگ پر جانے میں پس و پیش کر رہا تھا _ کیونکہ کچھ عرصہ پہلے عمرہ کی غرض سے جب سعدبن معاذ مکہ آیا تھا تو دونوں کے درمیان دوستی کی وجہ سے وہ امیہ کے ہاں ٹھہرا _ ایک دن سعد ، امیہ کے ساتھ طواف کرنے نکلا تو راستے میں ابوجہل سے مڈ بھیڑ ہوگئی _ ابوجہل نے سعد سے کہا :" تم دیکھ لو کہ یہاں کس طرح امن و امان اور اطمینان سے مکہ میں طواف میں مصروف ہو حالانکہ چند چھو کرے بھاگ کر تمہارے پاس آگئے ہیں اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ان کی مدد کر رہے ہو اور انہیں پناہ دے رہے ہو؟ لیکن خدا کی قسم اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہیں ہوتے تو اپنے گھر تک صحیح سالم واپس نہیں جاسکتے تھے" _ سعد نے اس سے اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے کہا :" اگر تم مجھے یہ دھمکی دے رہے ہو تو میں تمہیں اس سے بڑی اور سخت دھمکی دے سکتا ہوں _ تمہارا (تجارتی) راستہ مدینہ سے ہی گذرتا ہے"_امیہ نے اپنے گمان میں سردار مکہ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنے پر سعد کو ٹوکا تو سعد نے کہا :" چھوڑ دو مجھے ، خدا کی قسم میں نے خود رسول ﷺ خدا سے یہ بات سنی ہے کہ وہ تم لوگوں کو قتل کرنے والے ہیں" _ جس پر امیہ نے کہا :"کیا مکہ میں آکر؟" _ تو سعد نے کہا : " یہ میں نہیں جانتا " _ امیہ نے کہا : " خدا کی قسم محمد ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا" _ اور

---

1)السیرة النبویہ ابن ہشام ج 2 ص 261_

2) اسیرة الحلبیہ ج 2 ص 145، انساب الاشراف ج 1 ص 292، السیرة النبویة ابن ہشام ج2 ص 261، تاریخ الخمیس ج 1 ص 370 ، المغازی واقدی ج 1 ص 33، تاریخ الامم و الملوک ج 2 ص 137 و البدایہ و النہایہ ج 3 ص 258_

وہ بہت گھبرا گیا (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اسی گھبراہٹ اور خوف میں اپنے کپڑے گیلے کردیئے اور مکہ سے کبھی نہ نکلنے کا تہیہ کرلیا _ اسی بنا پر وہ مکہ سے نکلنے سے ہچکچا رہا تھا _ پھر جنگ بدر کے موقع پر ابوجہل نے امیہ سے ساتھ جانے کے لئے بہت اصرار کیا _ حتی کہ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس دھونی والی انگیٹھی لے آیا اور اس نے اس کے سامنے انگیٹھی رکھ کر کہا : " لو عورتوں کی طرح بیٹھ کر دھونی دو کہ تم نامرد ہو" _ جس پر اس کی غیرت کی رگ پھڑک اور جانے کا پکا ارادہ کرلیا حالانکہ اس کی بیوی نے یہ کہہ کر اسے روکنا بھی چاہا کہ دیکھ لو خدا کی قسم محمد ﷺ جھوٹ نہیں بولتا لیکن وہ جانے پر مصمم ہی رہا اور بدر میں مارا گیا[1] _

مذکورہ واقعہ پر چند نکات

یہاں مندرجہ ذیل تین نکات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے:

1_یہاں پر قابل ملاحظہ بات سعد کی ابوجہل کو "مدینہ کے راستے میں اس پر ڈاکہ ڈالنے اور اس کا راستہ روکنے "کی دھمکی ہے _ اور اس دھمکی پر عملدار آمد ابوجہل کی" مدینہ والوں کو مکہ نہ آنے دینے "کی دھمکی سے زیادہ سخت تھی اور ابوجہل پر یہ بات نہایت گراں گذری _ اور اس کا سبب بھی نہایت واضح ہے کیونکہ مکیوں کی اقتصادی زندگی تجارت سے وابستہ تھی _ اور ان کا اہم ترین تجارتی مرکز شام تھا_ اور اگر ان پر اتنا سخت اقتصادی دباؤ پڑتا کہ انہیں دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا تو اس سے ان کی سیاسی ، معاشرتی اور اجتماعی حیثیت خطرے میں پڑجاتی اور دوسرے قبائل پر سے ان کا رعب ، نفوذ اور ان کی اہمیت جاتی رہتی _ پھر وہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے کس بات پر اور کیوں جنگ کرتے ؟ کیا ان کی جنگ اس نفوذ اور سرداری کی بقاء کے لئے نہیں تھی جسے وہ ہر چیز سے بلند و بالا اور بڑھ کر سمجھتے تھے؟_ ہجرت کے متعلق گفتگو میں اس بارے میں بھی مختصراً گفتگو ہوئی ہے_

---

1)سیرہ حلبیہ ج 2 ص145 نیز ملاحظہ ہو : صحیح بخاری کتاب المغازی ، باب غزوہ بدر و باب علامات النبوۃ و السیرۃ النبویہ ابن کثیر ج2 ص 834و 835_

2_یہاں ہم یہ مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ امیہ بن خلف کے نظریات ، گفتار اور کردار عقل اور ضمیر کے تابع نہیں ہیں _ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی سچائی کا قائل ہونے کے باوجود بھی جب جنگ پر نہ جانے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اپنی جان کے خوف سے ایسا کرتا ہے _ اور جنگ کا قصد بھی اس لئے نہیں کرتا کہ اس کا نظریہ بدل جاتا ہے بلکہ وہ غیرت ، جوش اور جاہلی غرور اور نخوت میں آکر جنگ کا فیصلہ کرتا ہے _ جس کی وجہ سے اسے دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا _ خدا نے اس جیسے افراد کی حالت واضح الفاظ کے ساتھ یوں بیاں کی ہے:

(و جحدوا بها و استقينتها انفسهم ظلما و علواً فانظر كيف كان عاقبة المفسدين) [1]

" اورانہوں نے حقیقت کے قائل ہونے کے باوجود بھی تکبر اور دشمنی کی وجہ سے اس کا انکار کیا _ اب تم دیکھ لو ان فسادیوں کا کیا حشر ہوا"

3_ اس واقعہ میں اس بات کی واضح دلالت بھی پائی جاتی ہے کہ تمام لوگوں کے دلوں میں آنحضرتﷺ کی بہت زیادہ عظمت اور اونچی شان بیٹھی ہوئی تھی نیز وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں آنحضرتﷺ کو اپنی باتوں میں بالکل سچا پاتے تھے اور وہ تہہ دل سے اس حد تک اس حقیقت کے قائل اور معترف تھے کہ وہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اپنی باتوں میں بالکل سچے ہیں اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے _ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود وہ مادی اور دنیاوی فوائد اور قبائلی اثر و رسوخ و غیرہ کی خاطر آپﷺ سے دشمنی کو ضروری سمجھتے تھے_

طالب بن ابی طالب کی جنگ سے واپسی

مشرکین کے ساتھ ساتھ بنی ہاشم کے بھی پانچ آدمی عباس ، عقیل ، نوفل بن حارث اور طالب بن ابی طالب بھی اس جنگ میں شریک ہوئے _ طالب کو تو زبردستی لے آیا گیا جس پر اس نے یہ رجز کہا :

---

1)نمل ، 14_

يا رب اما يغزون طالب

فى مقنب من هذہ المقانب

فليكن المسلوب غير السالب

و ليكن المغلوب غير الغالب

پالنے والے طالب ان لٹیروں کے ٹولے میں پھنس کر اس جنگ کے لئے آیا ہے _ میری خواہش ہے کہ یہ شکست کھا کر لٹ پٹ جائیں ، فتح کے نشے میں یہ لٹیرے لوٹ مار کریں گے_

اس رجز کے بعد قریشیوں کا طالب کے ساتھ جھگڑا ہوگیا _ جس میں انہوں نے کہا : " خدا کی قسم ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ تمہارا دل محمد صلى الله عليه وآله وسلم کے ساتھ ہے" _ اس لئے وہ دوسرے کئی لوگوں کے ساتھ واپس مکہ لوٹ آیا_ اسی وجہ سے نہ تو وہ بدر کے مقتولین میں نظر آیا ، نہ قیدیوں میں اور نہ ہی مکہ واپس جانے والوں میں نظر آیا[1]؟ _ بعض نے یہ دعوی بھی کیا ہے وہ جنگ بدر میں اس وقت ماراگیا جب مشرکوں نے اسے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بھیجا[2]_

ہمارا نظریہ

الف: ... یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ (راستے میں پلٹ جانے کے باوجود بھی) مکہ پہنچنے والے لوگوں میں نظر نہ آئے ہوں ، حالانکہ ابن ہشام نے رسول صلى الله عليه وآله وسلم خدا کی مدح اور (ابن ہشام کے بقول) قلیب (جنگ بدر)کے مقتولین کے مرثیہ میں اس کے اشعار نقل کئے ہیں جس میں وہ نوفل اور عبدشمس کے خاندان سے بنی ہاشم سے جنگ نہ کرنے کی اپیل کرتا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ صرف دکھ، درد، تکلیفیں اور مصیبتیں ہی ہوں گی_

---

1)ملاحظہ ہو : بحار الانوار ج 19 ص 294 و 295 ، روضہ کافی ص 375، تاریخ طبری ج 2 ص 144، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 121، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 271، تاریخ الخمیس ج 1 ص 375، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 266 ، انساب الاشراف ج 2 ص 41، البتہ اس میں صرف یہ آیا ہے کہ وہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے_

2)تاریخ الخمیس ج 1 ص 163_

اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

فما ان جنينا فی قريش عظيمة

سوی ان حمينا خير من وطا التربا

اخاثقة فی النائبات مرزا

کريماً ثناه ، لا بخيلا و لا ذربا

يطيف به العافون يغشون بابه

يؤمّون نهراً لا نزوراً و لا ضرباً

فوالله لاتنکف عينی حزينة تململ

حتی تصدقوا الخزرج الضربا[1]

قریش نے ہم بنی ہاشم کے ساتھ ایسی جانی دشمنی کیوں کرلی ہے ؟ حالانکہ ہم تو قریش کے خلاف کسی بھی زیادتی کے مرتکب نہیں ہوئے _ ہم نے تو صرف روئے زمین کی سب سے بہترین ، فیاض ، اور شریف شخصیت کی حمایت کی ہے جو سختیوں میں قابل اعتماد ساتھی ہے _ اس نے کبھی بخل اور ترشروئی نہیں کی ہے_ اچھائی کے متلاشی پروانوں کا اس کے گرد ایسے جم گھٹا لگا رہتا ہے جیسے لوگ کسی لبالب بھری نہر پر جمع ہوجاتے ہیں_ اس کی عطا نہ کم ہوتی ہے نہ کبھی ختم ہوتی ہے بلکہ یکساں طور پر سب کے لئے جاری ہے _ پس اب میں ہمیشہ گریاں اور نالاں رہوں گا یہاں تک کہ خزرج والوں کی جیت نہیں ہوتی_

اس کی یہ نظم اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنگ بدر کے واقعہ کے بعد بھی زندہ رہا_ البتہ اس کا جنگ بدر کے مقتولین پر گریہ شاید قریش کا ساتھ دینے کی غرض سے ہوگا (کیونکہ وہ خود کا فریا مشرک نہیں تھا) اس لئے کہ نبی ﷺ کریم کے متعلق اس کے مدحیہ اشعار اور نوفل اور عبد شمس کے خاندان سے اس کی بنی ہاشم کے خاندان سے نہ لڑنے کی التجا ہماری مذکورہ بات پر دلالت کرتی ہیں_ وگرنہ اس کے اس شعر کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟

---

1) سیرہ ابن ہشام ج 3 ص 27 و 28 و البدایہ و النہایہ ج 3 ص 340_

و لیکن المسلوب غیر السالب

و لیکن المغلوب غیر الغالب

ب: ایک مرسل روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ طالب مسلمان ہوگیا تھا [1] اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل شعر بھی اسی کا ہے:

و خیر بنی هاشم احمدﷺ

رسول الا له علی فترة [2]

اور بنی ہاشم کے بھی بہترین فرد زمانہ جاہلیت میں مبعوث ہونے والے خدا کے رسولﷺ حضرت محمدﷺ ہیں_

البتہ یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ قریش نے جنگ بدر و غیرہ میں (حضرت علی علیہ السلام کے کارناموں کی وجہ سے) مارے جانے والے اپنے ساتھیوں کا انتقام لینے کے لئے طالب سے چھٹکارے کی خاطر کوئی چال چل دی ہو جس کی وجہ سے آج تک طالب کا کوئی صحیح اتا پتا معلوم نہیں ہوسکا_

مجبور اور واپس پلٹ جانے والے

جب ابوسفیان اپنا تجارتی قافلہ بچا کر دوسرے راستے سے نکال کرلے گیا تو اس نے قریش سے اب واپس پلٹنے کو کہا لیکن ابوجہل بدر جاکر وہاں تین دن تک شراب و کباب کی محفل سجانے پر اس لئے مصر رہا کہ تمام عرب ان کے اس خروج اور اتنے بڑے مجمع کے متعلق سنیں گے تو ہمیشہ کے لئے ان سے ڈرتے رہیں گے_ لیکن اخنس بن شریق وہاں سے قبیلے بنی زہرہ کے افراد کو لے کر واپس پلٹ گیا_

البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قبیلہ کے دو افراد جنگ بدر میں مارے گئے _ بلکہ تلمسانی نے تو" الشفاء" کی شرح میں یہاں تک بھی لکھا ہے کہ خود اخنس بھی جنگ بدر میں ماراگیا تھا البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عمر کی خلافت کے دوران مرا تھا_

---

1) البحار ج/19 ص 294_

2)شرح نہج البلاغۃ ج 14 ص 78_

مؤرخین اخنس کی قبیلہ بنی زہرہ کے ساتھ واپسی کی وجوہات کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے چپکے سے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا محمدﷺ جھوٹ بولتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ اس نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا _ ہم تو اسے "امین" کہا کرتے تھے، لیکن یہ تو دیکھو کہ عبدالمطلب والوں کے پاس اگرسقایت (پانی پلانے) ، رفادت (مہمان داری) اور مشورت کے عہدوں کے ساتھ ساتھ نبوت بھی آجائے تو پھر ہمارے لئے کیا بچے گا؟ _ یہ بات سن کر اخنس پیچھے ہٹ گیا اور بنی زہرہ والوں کو لے کر واپس لوٹ آیا(1)_

اسی طرح قبیلہ بنی عدی کا بھی کوئی فرد جنگ بدر میں شریک نہیں ہوا _ اور بنی ہاشم نے بھی واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو ابوجہل نے انہیں نہیں جانے دیا اور کہا : " (حضرت محمدﷺ کے) یہ رشتہ دار تب تک ہمارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے جب تک ہم صحیح سالم واپس نہیں لوٹ جاتے"(2)_

مذکورہ افراد کے متعلق نبی کریمﷺ کا موقف

مکہ میں نبیﷺ کریم اور مسلمانوں کے متعلق بنی ہاشم کے مؤقف اور ان کی حمایت کی وجہ سے نیز مذکورہ وجوہات کی بناپر آنحضرتﷺ نے جنگ بدر میں بنی ہاشم کے افراد کو قتل کرنے سے منع فرمایا _ آپﷺ نے اسی طرح ابوالبختری ولید بن ہشام کو بھی قتل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ شخص بھی بائیکاٹ والی دستاویز کی مخالفت اور بائیکاٹ ختم کر نے میں پہل کرنے والوں میں شامل تھا اور آپﷺ کو نہ صرف خود اذیت نہیں دیتا تھا بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کام سے روکتا تھا_ لیکن بدر میں جب اس نے اپنے ساتھی کے بغیر قیدی بننا گوارا نہ کیا تو اسے اس کے ساتھی سمیت قتل کردیا گیا _ اسی طرح آپﷺ نے حارث بن نوفل کو بھی قتل کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ اسے جنگ کے لئے زبردستی لایا گیا تھا، لیکن اس سے ناآشنا ایک شخص نے اسے قتل کردیا_ اور زمعہ بن اسود کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا_

---

1)ملاحظہ ہو ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 153_

2)ملاحظہ ہو : سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 271، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 154، ج 1 ص 291 و تاریخ الاسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 31، 33_

آپ ﷺ کے مؤقف پر ایک سر سری نظر

گذشتہ واقعہ سے سبق لینے کے لئے مندرجہ ذیل نکات بیان کئے جاتے ہیں:

الف: مذکورہ افراد کے قطعی موقف کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جنگ سے مقصد کامیابی ، غلبہ ، حکومت اور سلطنت کا حصول نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کو خون بہانا، پسر مردہ ماؤں اور بیواؤں کو رلانا اور کشتوں کے پشتے لگانا پسند تھا_ بلکہ آپ ﷺ کا مقصد اور ہدف تو ان باتوں سے افضل اور اعلی تھا جس کا عام فائدہ تمام امت کو بلکہ کئی نسلوں کو پہنچتا اور آپ ﷺ ممکنہ حد تک انتہائی کم قربانیوں سے اپنے اصلی مقصد تک رسائی چاہتے تھے_

ب: آپ ﷺ لوگوں کے موقف اور نظریات کی قیمت ان کے حسن خلق ، اچھی عادت اور فطرت ، بہادری اور نیک خصلتوں کی وجہ سے لگاتے تھے_ چاہے وہ شخص کوئی بھی ہوتا ، اس کی وابستگی جس کے ساتھ بھی ہوتی اور اس کا عقیدہ اور نظریہ جو بھی ہوتا اس سے آپ ﷺ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ ہی وہ کامل انسان اور انسانیت کے ایسے رسول ﷺ تھے جو ان اچھی صفات کو صحیح طریقے سے سمجھ سکتے تھے اور کسی بھی دوسرے شخص سے زیادہ ان کی قیمت لگا سکتے تھے_ اسی وجہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کا یکساں موقف رہا جنہوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ چاہے ایک بار ہی سہی حسن سلوک اور نیک رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا_کیونکہ آپ ﷺ کا یہ مذکورہ موقف صرف اپنے عزیزوں اور خاندان والوں کے ساتھ منحصر نہیں تھا _اس لئے کہ آپ ﷺ رشتہ داریوں سے متاثر ہو کر کوئی موقف یا نظریہ اپنا نے وا لے نہیں تھے اور اس جیسا پرخطر موقف عقل سلیم کے لحاظ سے آپصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصلحت میں تھا بھی نہیں_

ج: آپ ﷺ ان مشکل گھڑیوں کو بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے جن سے بعض لوگ گھبرائے ہوئے تھے_ ان لوگوں پر یہ گھڑی آئی ہوئی تھی کہ قریش نے انہیں ایسا مؤقف اپنا نے پر مجبور کردیا جو ان کے اغراض و مقاصد یا کم از کم ذاتی خواہشات اور رجحان کے برخلاف تھا_ اگر چہ کہ ایک لحاظ سے وہ قصور وار بھی تھے کیونکہ وہ حق کی مدد کرسکتے تھے اور عقل سلیم کے مطابق ایک صحیح موقف بھی اپنا سکتے تھے _ جس طرح کہ ان کے دیگر

مسلمان بھائیوں نے اس طرح کیا تھا اور اپنے آپ کو ہنسی خوشی مشقتوں اور تکلیفوں میں جھونک دیا تھا _ یہاں تک کہ خدا نے ان کی مدد کی اور حق کا بول بالا ہوا_

جنگ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ لینا

مسلمان جب بدر کے قریب پہنچے اور انہیں قریش کے اکٹھے ہونے اور جنگ کے لئے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو وہ اس بات سے بہت خوفزدہ ہوئے_ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کرنے یا تجارتی قافلے کے پیچھے جانے کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ لیا_

حضرت ابوبکر نے کھڑے ہوکر کہا : " یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ یہ قریشی اپنے لشکر کے ساتھ غرور اور تکبر میں اور کیل کانٹوں سے مکمل طور پر لیس ہو کر آرہے ہیں_ یہ ہمیشہ سے بے ایمان کافر اور ناقابل شکست رہے ہیں_ جبکہ ہم جنگ کرنے کے لئے بھی نہیں نکلے"[1] _ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے اس سے فرمایا:" بیٹھ جاؤ" _ تو وہ بیٹھ گیا _ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا :" مجھے مشورہ دو " _ تو عمر نے کھڑے ہوکر ابوبکر کی بات دہرائی _ اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ جانے کو کہا تو وہ بیٹھ گیا_ لیکن واقدی اور حلبی نے مذکورہ باتوں کو عمر سے منسوب کرتے ہوئے ابوبکر کے متعلق کہا کہ اس نے بہترین مشورہ دیا تھا [2]_

پھر مقداد نے اٹھ کر کہا : " یا رسول اللہ ٹھیک ہے کہ وہ مغرور قریشی ہیں اور ساتھ ہی ان کا لاؤ لشکر ہے ، لیکن ہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے ، تصدیق کرنے والے اور یہ گواہی دینے والے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں_ خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جھاؤ جیسے سخت درخت کے تنے کے گودے یا نوکیلی خاردار جھاڑیوں میں گھسنے (دوسرے لفظوں میں گہرے کنویں میں کو دنے) کا حکم بھی دیں گے تو ہم بے چون و چرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان میں گھس جائیں گے_ اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی اسرائیل کی وہ بات نہیں کریں گے

---

1) البتہ جناب ابوبکر کے اور بھی الفاظ ہیں جن میں انہوں نے تجارتی قافلے کے لوٹ مار کی ترغیب دلائی تھی جو یہاں مذکور نہیں ہےں لیکن دیگر کتابوں میں مذکور ہےں_ مترجم_

2)ملاحظہ ، مغازی واقدی ج 1 ص 48 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 150، در منثور ج 3 ص 166از دلائل النبوة بیہقی ، بحار الانوار ج 19 ص 247 و تفسیر قمی ج 1 ص 258_

جو انھوں نے حضرت موسی علیہ السلام سے کی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں جاکر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں[1]_ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا رب جاکر لڑیں ہم بھی آپ ﷺ کے شانہ بشانہ جنگ کریں گے_ خدا کی قسم ہم آپ ﷺ کے دائیں ، بائیں ، آگے اور پیچھے چاروں طرف سے لڑیں گے (اور آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے) اور اگر آپ ﷺ سمندر میں بھی کو دجائیں گے اور برک الغماد [2] تک بھی لے جائیں گے تو بھی ہم آپ ﷺ کے ساتھ رہیں گے_

یہ بات سن کر آپ ﷺ کے چہرہ کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے خوش ہو کر اسے دعا دی بلکہ مؤرخین کے مطابق آپ ﷺ کھلکھلا کرہنسے تھے[3]_

نوٹ : مذکورہ تمام باتیں مہاجرین کی تھیں اور ان کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ ہر قیمت پر اس ٹکراؤ سے بچنا چاہتے ہیں لیکن مقداد نے مہاجر ہونے کے با وجود شیخین کی مذکورہ باتوں کو ٹھکرادیا اور ان کے موقف کو رد کردیا_

پھر تاریخی دستاویزات کے مطابق آپ ﷺ نے انصار کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:" مجھے مشورہ دو " _ اس بات سے آپ ﷺ کی مراد انصار تھے، کیونکہ آپ ﷺ کی فوج کا بیشتر حصہ انصار پر مشتمل تھا_ نیز آپ ﷺ کو اس بات کا خطرہ بھی تھا کہ ان کے ذہن میں یہ بات نہ ہو کہ ان پر صرف مدینہ میں ہی دشمن کے حملہ کے وقت آپ ﷺ کی مدد کرنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے مدینہ سے باہر نہیں_ پس سعد بن معاذ نے (البتہ سعد بن عبادہ کا نام بھی لیا گیا ہے لیکن یہ ایک خیال اور وہم سے زیادہ کچھ نہیں ، اس لئے کہ وہ تو بچھو و غیرہ کے ڈسنے کی وجہ سے چلنے پھر نے سے معذور تھا اس لئے وہ بدر نہیں جاسکتا تھا)[4] کھڑے ہوکر کہا : " یا رسول ﷺ اللہ میرے ماں باپ بھی آپ ﷺ پر

---

1)بنی اسرائیل کی مذکورہ بات سورہ مائدہ آیت 24 میں مذکور ہے_ (2) تاریخ الخمیس ج 1 ص 373 کے مطابق برک الغماد حبشہ کا ایک شہر ہے جبکہ واقدی کی المغازی ج 1 ص 48 کے مطابق برک الغماد مکہ سے سمندر کی جانب پانچ دن کے فاصلے پر ساحل کے ساتھ ایک جگہ ہے جبکہ یہ جگہ مکہ سے یمن کے راستے میں آٹھ دن کے فاصلے پر ہے_ (3) تاریخ الخمیس ج 1 ص 373 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 150 ازالکشاف و المغازی و اقدی ج 1 ص 48 _ البتہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جس بات کو مؤرخین نے بہترین مشورہ قرار دیا وہ رسول ﷺ خدا کی ناراضگی موجب کیوں بنا؟ (4) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 150_

قربان شاید آپ ﷺ ہم سے مشورہ چاہتے ہیں؟" _ آپ ﷺ نے فرمایا:" ہا نبالکل" _ اس نے کہا :" شاید آپ ﷺ نکلے کسی اور کام سے ہیں اور آپ ﷺ کو حکم کسی اور کام کاللا ہے؟ "_ آپ ﷺ نے فرمایا:" ایسا ہی ہے"_ تو اس نے کہا :" یا رسول ﷺ اللہ میرے ماں باپ بھی آپ ﷺ پر قربان ہم تو آپ ﷺ پر ایمان لاچکے ہیں، آپ ﷺ کی تصدیق کر چکے ہیں اور یہ گواہی بھی دے چکے ہیں کہ آپ ﷺ خدا کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں_ پس آپ ﷺ ہمیں جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں" یہاں تک کہ اس نے کہا :" خدا کی قسم اگر آپ ﷺ ہمیں یہ حکم دیں کہ اس سمندر میں کود پڑو تو ہم آپ ﷺ کے حکم پر کود پڑیں گے_ آپ ﷺ خدا کا نام لے کر ہمیں لے چلیں ، ہوسکتا ہے ہمارے کارنامیوں سے خدا آپ ﷺ کو راضی اور خوشنود کردے"_

اس بات سے آپ ﷺ نہایت خوش ہوئے اور انہیں آگے بڑھنے کا کہا اورانہیں یہ خوشخبری دی کہ خدا نے مجھ سے دوگروہوں (تجارتی قافلے یا لشکر قریش) میں سے کسی ایک پر کامیابی کا وعدہ کیا ہے_ اور خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا _ پھر آپ ﷺ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ گویا میں ابوجہل بن ہشام ، عتبہ بن ربیعہ اور ہشام کی لاشیں دیکھ رہا ہوں ... _ پھر آپ ﷺ وہاں سے چلے اور بدر آکر پڑاؤکیا_

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ تجارتی قافلے کاپیچھا کرنے کے خواہش مند تھے اور جنگ سے کترا رہے تھے[1]_

خداوند عالم نے قرآن مجید میں مذکورہ بات کا تذکرہ اپنی اس آیت میں کیا ہے:

(واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انها لکم وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم و یرید اللہ ان یحق الحق بکلماته ویقطع دابر الکافرین) [2]

---

1)در منثور ج 3 ص 163، 169 از ابن جریر ، ابوالشیخ ، ابن منذر ، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ، کشاف ، بیہقی و عبد بن حمید و البدایہ و النہایہ ج 3 ص 263_

2)انفال : 7_

اور (وہ قت یاد کرو) جب خدا نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا ہی ہے لیکن تم یہ چاہتے تھے کہ بے وقعت چیز تمہارے ہاتھ لگے جبکہ اس بات سے خدا کاارادہ حق کابول بالا کرنے اور کافروں کی جڑیں کاٹنے کا تھا"_

بہرحال آگے بڑھنے سے قبل مندرجہ ذیل چھ نکات کی طرف اشارہ کرتے چلیں:

1_ آنحضرت ﷺ کا اپنے صحابہ سے مشورہ

اس بارے میں ہم پہلے بھی جنگوں میں مہاجرین کو بھیجنے کی وجوہات کے متعلق گفتگو کے دوران بات کرچکے ہیں اور بعد میں بھی غزوہ احد کے باب میں " جنگ چھڑنے سے پہلے" کی فصل میں اس بارے میں انشاء اللہ سیر حاصل گفتگو کریں گے_

لیکن یہاں اس اشارے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بدر جیسی فیصلہ کن جنگ میں آپ ﷺ کا اپنے صحابہ سے مشورہ لینا ضروری تھا کیونکہ اس علاقے میں کم از کم مستقبل قریب تک ایمان اور کفر کا انجام اس جنگ کے نتائج پر منحصر تھا_بلکہ یہ ہمیشہ کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس طرح کہ آپ ﷺ نے اپنی اس دعا " خدا یا اگر تیرے یہ پیارے مارے گئے تو تیری عبادت کبھی نہیں ہوگی" میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے_

البتہ یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان کے مشورے کی بذات خود کوئی ضرورت نہیں تھی _ آپ ﷺ نے ان سے مشورہ اس لئے لیا کہ اس جنگ کا بوجھ بھی انہیں ہی اٹھا نا تھا اور نتائج بھی انہیں ہی بھگتنا تھے_ پھر آپ ﷺ اس ذریعے سے ان کے اندر کا حال بھی جاننا چاہتے تھے جس سے آپ ﷺ مؤمن کو منافق سے ، بہادر کو بزدل سے ، صحیح سمجھ دار کو کم سمجھ جاہل سے ، دوست کو دشمن سے ، طاقتور کو کمزور سے اور مفاد پر ست کو فریضے پر عمل کرنے والے اطاعت گذار سے جدا کرنا چاہتے تھے_ ہماری اس بات کی دلیل سعدبن معاذ کا آنحضرت ﷺ سے وہ سوال ہے جس میں اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ شاید آپ ﷺ نکلے کسی کام سے ہیں اور آپ ﷺ کو

حکم کسی اور کام کا ملا ہے؟ جس پر آپ ﷺ نے جواب دیا تھا کہ ہاں ایسا ہی ہے_ اور یہ جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جنگ کا فیصلہ پہلے سے ہوچکا تھا اور خدا کی طرف سے یہ حکم پہلے ہی آچکا تھا_ پس آپ ﷺ کے مشورے کی وجوہات وہی تھیں جو ہم ابھی کہہ چکے ہیں، پہلے بھی کہہ چکے تھے اور غزوہ احد میں بھی کہیں گے_

2_ بہترین رائے ، قریش سے جنگ

یہ بات بھی واضح ہے کہ صحیح رائے قریش سے جنگ ہی تھی جس میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی بھی تھی_

کیونکہ مسلمان ایک دورا ہے پر کھڑے تھے:

یا تو تجارتی قافلے اور قریش کی فوج کا سامنا کئے بغیر مسلمان واپس پلٹ جاتے_ اور یہ بات مسلمانوں کی واضح روحی اور نفسیاتی شکست اور مشرکوں ، یہودیوں اور منافقوں کو اپنے اوپر جری کرنے کا باعث تھی_

یا پھر وہ تجارتی قافلے تک پہنچ کر کئی لوگوں کو قتل یا قید کرنے کے بعد اسے لوٹ لیتے _ اس صورت میں قریشی ہرگز خاموش نہ رہتے بلکہ وہ وسیع پیمانے پر اور مکمل طور پر لیس ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرتے _ وہ تو اس صورتحال میں مسلمانوں کے واپس مدینہ پہنچنے سے بھی پہلے مدینہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں پر مہلک وار کرسکتے تھے_ کیونکہ اتنی بڑی تعداد اور تیاری کے ساتھ قریشی اتنی بڑی بات پر چپ نہیں رہ سکتے تھے بلکہ وہ جلدی سے اپنی جاتی ہوئی حیثیت ، ہیبت ، رعب و دبدبے اور بزرگی کے اعادے کی کوشش کرتے_

پس مسلمانوں کے سامنے صرف ایک ہی راستہ باقی رہتا تھا_ اور وہ قریش (کو پہلے اپنا عادلانہ ،عاقلانہ اور قابل قبول چہرہ اور طاقت دکھانے نیز منصفانہ پیشکش سامنے رکھنے کے بعد اب ان)کے مقابل کھڑا ہونا تھا_ پس ان حالات میں قریش سے جنگ ہی بہترین اور بے مثال انتخاب تھا_ خاص طور پر جب وہ قریش کے تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکل بھی چکے تھے اور اس کام سے ان کا پیچھے ہٹنا مسلمانوں کے لئے عدیم المثال پیچیدگیوں، مشکلات اور اعتراضات کا باعث بنتا_

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر مسلمان عزت اور وقار کی ایسی زندگی گذارنا چاہتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی ہمسایہ ، مشرک ، یہودی ، منافق اور کوئی بھی دشمن ان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھے تو انہیںجنگ کے لئے پیش قدمی کرنی ہوگی_ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے_

3_ نفسیاتی تربیت:

اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے چلیںکہ :

الف: اس جنگ میں پہلے پہل عام مسلمانوں کا مقصد مال کا حصول تھا_ لیکن خدا اور رسول ﷺ نے انہیں اس دنیاوی مقصد سے کہیں بلند ، قیمتی اور بہترین ہدف کی طرف لے جانا چاہا ورنہ قریشیوں کی اس لشکر کشی اور جنگ کے پیچھے بھی تو دنیاوی ، اقتصادی ، اجتماعی (معاشرتی) اور سیاسی مقاصد کار فرماتھے_پھر تو مسلمانوں اور مشرکوں میں کوئی فرق باقی نہ رہتا_

ب: جنگ بدر نے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی کی روح پھونکنے اور بھر پور قوت اور شجاعت کے ساتھ آئندہ کے خطرات کا سامنا کرنے کی جرات پیدا کرنے میں اپنا بہت بڑا اثر دکھا یا _ کیونکہ انہیں خدا کے "ہوکر رہنے والے حتمی "کام کی انجام دہی کے لئے قریش کے جابروں، متکبروں اور سرداروں کو قتل اور قید کرنا پڑا اور اس امتحان میں وہ سرخرو ہوگئے ہیں تواب انہیں عرب اور عجم سمیت پوری دنیا سے جنگ کی تیاری کرنی تھی _

4_ جنگ سے متعلق مشوروں پر ایک سرسری نگاہ

یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ اکثر مؤرخین نے اس مرحلے میں عمر اور ابوبکر کا کلام حذف کر کے صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ ابوبکر نے کھڑے ہوکر اچھی رائے دی او رعمر نے بھی کھڑے ہوکر بہترین مشورہ دیا پھر

مقداد نے کھڑے ہوکر فلاں بات کی [1]_ بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں کی طرف ایسی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں جن کا آنحضرت ﷺ کے سوال سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا_[2] بہرحال شیخین کی مذکورہ باتیں چونکہ اکثر مؤرخین کو اچھی نہیں لگیں اس لئے وہ مذکورہ طریقے سے اس سے کنی کترا گئے _ لیکن یہ واضح سی بات ہے کہ آنحضرتﷺ کا مقداد کی باتوں پر خوش ہوکر ا سے دعائیں دینا اس بات کی دلیل ہے کہ شیخین کی باتیں آپﷺ کے مشاورتی مقاصد سے میل نہیں کھاتی تھیں بلکہ وہ تو آپﷺ کے اعلی مقاصد کے بالکل برخلاف تھیں_ وگر نہ اگر ان کی باتیں لائق ذکر ہوتیں تو ان کے چاہنے والے راوی اور مؤرخین ان کی باتوں کو ضرور بڑھا چڑھاکر پیش کرتے_ لیکن مقداد کا مشورہ چونکہ بالکل صحیح ، منطقی اور آپﷺ کے اعلی اہداف و مقاصد کے موافق نیز آپﷺ کی توقعات کے عین مطابق تھا اس لئے مقداد آنحضرتﷺ کی دعاؤں اور تعریفوں کا مستحق ٹھہرا_

بلکہ کتابوں میں یہاں تک بھی آیا ہے کہ جب آنحضرتﷺ کو ابوسفیان کے تجارتی قافلے کی آمد کی اطلاع ملی تو آپﷺ نے اپنے صحابیوں سے مشورہ لیا_ یہاں ابوبکر نے کوئی بات کی لیکن آپﷺ نے اس کی بات کو رد کردیا اور عمر نے بھی کوئی بات کی تو آپﷺ نے اس کی باتوں کو بھی ٹھکرا دیا [3] _ پس آپﷺ کا ان کی باتوں کو رد کردینا صرف اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپﷺ انصار کا جواب سننا چاہتے تھے بلکہ آپﷺ کی رو گردانی ان دونوں کے قریش سے جنگ نہ کرنے پر اکسانے نیز ان الفاظ کے ساتھ قریش کی تعریف کرنے کی وجہ سے تھی کہ یہ ہمیشہ سے ناقابل شکست اور بے ایمان کا فر رہے ہیں _ وگرنہ آپﷺ نے مقداد کی باتوں سے خوش ہوکر اسے دعائیں کیوں دی تھیں؟ حالانکہ وہ بھی تو ایک مہاجر تھا ؟حتی کہ ابن مسعود نے اس کے اس موقف کے متعلق کہا کہ اس کی ہم وزن کسی بھی چیز سے زیادہ مجھے اس کا ساتھی بننا بہت پسند تھا[4]_ اور ابوایوب انصاری

---

1) بطور مثال ملاحظہ ہو: البدایہ و النہایہ ج 3 ص 262 و الثقات ج 1 ص 157_

2)وہ بات قریش کے تجارتی قافلے کو لوٹنے والی بات تھی (3) صحیح مسلم باب غزوہ بدر ج 5 ص 170 مسند احمد ج 3 ص 219 دو اسناد کے ساتھ نیز از الجمع بین الصحیحین ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 263 و السیرة النبویہ ابن کثیر ج 2 ص 394_

4) صحیح بخاری باب " تستغیثون ربکم" مطبوعہ المیمنیہ ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 262 _ 263و سنن نسائی _

نے بھی اپنی باتوں کے دوران یہ اظہار کیا کہ ہم انصار جماعت کی یہ حسرت رہی کہ اے کاش اس دن ہم نے بھی مقداد کی طرح باتیں کہی ہوتیں (اور پیغمبر ﷺ کی دعائیں سمیٹی ہوتیں) تو یہ چیز ہمیں بہت زیادہ مال سے بھی زیادہ پسند تھی _ جس پر خدا نے یہ آیت نازل کی تھی (کما اخرجک ربّک من بیتک بالحق و ان فریقاًمن المؤمنین لکارھون) [(1)] _

گذشتہ تمام باتوں کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کلام مہاجرین و انصار سب کے لئے دعوت عام تھا _ اسی طرح جنگ پر بیعت نہ کرنے کے لحاظ سے مہاجرین بھی انصار ہی کی طرح تھے_ بس مؤرخین کی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کے مخاطب صرف انصار تھے صحیح نہیں ہے_

5_ مقداد اور سعد کی باتوں پر آنحضرت ﷺ کے سرور کی وجوہات

مقداداور سعد بن معاذ کی باتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو کوئی مشورہ نہیں دیا نہ جنگ کا اورنہ ہی صلح کا بلکہ انہوں نے تو صرف آپ ﷺ کی بے چون و چرا اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا تھا_ انہوں نے تو اپنی کسی رائے کا اظہار کیا نہ آپ ﷺ کو کسی چیز کا مشورہ دیا _ اور یہ ایمان خلوص ، اطاعت ، فرض شناسی اور موقع شناسی کی انتہا ہے _

خدا کا فرمان ہے کہ (و ما کان لمؤمن و لامؤمنة اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم) [(2)]

ترجمہ : " جب خدا اور اس کا رسول ﷺ کوئی فیصلہ کرلیں تو کسی بھی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو اپنی مرضی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے " _ نیز (یا ایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ و رسولہ و اتقو اللہ ان اللہ سمیع علیم) [(3)] ترجمہ : " اے مؤمنو خدا اور اس کے رسول ﷺ سے کسی بھی چیز میں پیش قدمی نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرو کہ خدا خوب سننے اور جاننے والا ہے "

_ اور خدا کے ان

---

1) البدایہ و النہایہ ج 3 ص 263 و ص 264 از ابوحاتم و ابن مردویہ_

2) احزاب /36 _

3) حجرات_

فرامین کی روشنی میں یہ دونوں شخصیات خدا اور اس کے رسولﷺ کے فیصلے کے سامنے اپنی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے اور اپنے لئے کسی بھی مرتبے کے قائل نہیں تھے اور رسولﷺ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خوشی اور سرور بھی ان کے اسی گہرے اور پختہ ایمان اور بے چون و چرا فرمانبرداری کی وجہ سے تھی _

6_ حضرت علی علیہ السلام نے مشورہ کیوں نہیں دیا؟

یہاں قابل ملاحظہ بات یہ بھی ہے کہ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے عقلمندی اور دانائی کا سرچشمہ ہونے کے باوجود اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی اپنا موقف اور مشورہ سنانے کی انہیں کوئی جلدی تھی_ آپ لوگوں کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے ؟

اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا موقف بعینہ آنحضرت ﷺ کا ہی موقف تھا _ کیونکہ آیت مباہلہ میں خدا نے ان الفاظ میں حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ کی ذات اور نفس قرار دیا :

(فقل: تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم ونسائنا و نسائکم و انفسناو انفسکم)

تو (اے پیغمبر ﷺ اس صورت میں انہیں) کہہ دو کہ پھر آؤ ہم اور تم اپنے اپنے سپوتوں ، عورتوں اور اپنی سب سے پیاری شخصیتوں کو بلالیں ...

مزید یہ کہ حضرت علی علیہ السلام خدا اور اس کے رسولﷺ سے کسی بھی معاملے میں پیش قدمی کرنے والے تھے ہی نہیں _ اور اس موقع پر وہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلے کے سامنے خاموشی ، رضا اور سر تسلیم خم کرنے کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے اور اس کام میں انہیں کوئی عار بھی محسوس نہیں ہوتا تھا _

" حباب" اچھی رائے والا

مؤرخین کے بقول جب رسولﷺ خدا نے بدر کے مقام پرپانی کے کنویں کے قریب پڑاؤ کیا تو حباب بن

منذر نے آپ ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ دشمن کی فوج کی بہ نسبت آپ ﷺ پانی کے زیادہ قریب پڑاؤ کریں اور وہاں پانی کا ایک حوض بنائیں پھر دیگر تمام کنوؤں کا پانی نکال لیں_ اس سے مسلمان تو پانی استعمال کرسکیں گے لیکن مشرکین ایسا نہ کرسکیں گے _ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا توحباب کے مشورہ کو درست پایا_ اس پر حباب کو " حباب ذوالرا ی " (حباب بہترین رائے والا) پکارا جانے لگا [1] _

لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے _ کیونکہ :

ایک : پختہ دلیلوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ جو کچھ سوچتے یا کرتے تھے وہ سب صحیح اور بہترین ہوتا تھا _ اور یہ نظریہ کہ آپ ﷺ دنیاوی معللات میں غلطی کرسکتے تھے ، ناقابل اعتبار ہے کیونکہ یہ بات عقل اور آیات و روایات کے بالکل برخلاف ہے (البتہ خطا اور نسیان سے عصمت کے اختیاری ہونے کی گفتگو عنقریب ہوگی انشاء اللہ)

دو : " عدوة القصوی " جہاں مشرکوں نے پڑاؤ کیا تھا پانی بھی وہاں تھا اور وہ ایک بہترین زمین تھی جبکہ " عدوة الدنیا " میں کوئی پانی نہیں تھا ، جبکہ وہاں کی زمین اتنی نرم تھی کہ اس میں پاؤں دھنس جاتے تھے [2]

تین : مسلمانوں سے پہلے مشرکوں نے بدر کے مقام پر آکر پڑاؤ کیا تھا _ اور یہ معقول ہی نہیں ہے کہ انہوں نے ایسی جگہ جا کر پڑاؤ کیا ہو جہاں کوئی پانی نہ ہو اور پانی والا حصہ اوروں کے لئے چھوڑدیا ہو_

چار : خود ابن اسحاق یہ بیان کرتا ہے کہ مشرکین حوض سے پانی لینے آئے تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں پانی بھرنے دیا جائے [3] _ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے بھی جنگ صفین میں آنحضرت ﷺ کی پیروی میں اپنے سرکش دشمنوں کو بھی پانی لینے کی اجازت دے رکھی تھی_ حالانکہ انہوں نے پہلے آپ علیہ السلام کو اسی

---

1) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 272 ، تاریخ الخمیس ج 1ص 376، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 155، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 122، سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 403و ص 402 و البدایہ والنہایہ ج 3 ص 267 و غیرہ _ (2) ملاحظہ ہو : فتح القدیر ج 2 ص 291 از زجاج و ص 311 و کشاف ج 2 ص 203 تا 223 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 ، تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 292 از ابن عباس ، قتادہ ، سدی و ضحاک ، در منثور ج 3 ص 171 از ابن منذر ، ابوالشیخ ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 154 ، سیرہ ابن کثیر ج 2 ص 400 ، کشاف ، انوار التنزیل و مدارک و غیرہ _ (3) ملاحظہ ہو : الکامل ابن اثیر ج 2 ص 123_

پانی سے محروم کیا ہوا تھا [1] اور یہ واضح سی بات ہے کہ دشمنوں کو پانی سے روکنا اور منع کرنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اخلاقیات اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے سازگار نہیں ہے _

پس صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے پہل مسلمانوں کے پاس پانی نہیں تھا _ لیکن ایک رات خدا نے موسلا دھار بارش برسائی تو وادی میں سیلاب سا آگیا اور مسلمان نے کئی حوض (گڑھے) بنالئے ، خود بھی پانی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا ، نہایا دھویا بھی اور اپنی مشکیں بھی بھر لیں [2]_ اس بات کی طرف یہ آیت اشارہ کررہی ہے _ (اذ یغشیکم النعاس امنة منه و ینزل علیکم من السماء ماءً لیطہرکم بہ و یذہب رجز الشیطان و لیربط علی قلوبکم و یثبت بہ الاقدام) [3] پس حوض بنانے کے وجوہات وہ نہیں جو پہلے ذکر ہوئی ہیں بلکہ یہی ہیں جواب ذکر ہوئی ہیں_

مسلمانوں اور مشرکوں کی تعداد اور ساز و سامان

جناب طالوت کے ساتھیوں کی تعداد کے مطابق آنحضرت ﷺ بھی اس جنگ میں اپنے تین سو تیرہ صحابیوں کو لے کرنکلے (البتہ کم یا زیادہ تعداد کے اقوال اور نظریات بھی ہیں لیکن مذکورہ قول اکثر بزرگان کا نظریہ ہے [4] _ اور ان کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر دود ویا تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے _ خود نبی کریم ﷺ ، حضرت علی علیہ السلام اور مرثد بن ابی مرثد (البتہ بعض مؤرخین کے مطابق تیسرا شخص زید بن حارثہ تھا) ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے _ مؤرخین کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اس لشکر میں ایک گھوڑا مقداد کا ضرور تھا لیکن باقی کے متعلق اختلاف ہے _ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ فقط یہی ایک گھوڑا تھا[5]اور یہ قول حضرت علی علیہ السلام سے بھی منقول ہے [6] ایک نظریہ یہ ہے کہ ایک گھوڑا زبیر کا یا مرثد کا بھی تھا جبکہ یہ بھی کہا

---

1) ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب " الاسلام و مبدا المقابلة بالمثل " _ (2) ملاحظہ ہو : کشاف ج 2 ص 203 وص 204 و تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 292 البتہ اس میں حوض بنانے کا ذکر نہیں ہے _ (3) انفال /11_ (4)سیرہ حلبیہ ج2 ص 149_ (5) تاریخ الخمیس ج 1 ص 371 از کشاف ، مناقب ابن شہر آشوب ج 1 ص 187 ، بحار الانوار ج 9 1 ص 323 از تفسیر عیاشی ج 2 ص 25 و 54 و حیاة الصحابہ ج 1 ص 493 از الترغیب ج 1 ص 1316 از ابن خزیمہ نیز ملاحظہ ہو _ المغازی ذہبی (تاریخ الاسلام) ض 56و 59 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 149 ، دلائل النبوة بیہقی مطبوعہ مکتبة العلمیہ ج 3 ص 38 و ص 39 و 49 ، المغازی واقدی ج 1 ص 27 و تاریخ الام و الملوک ج 2 ص 35_ (6) تاریخ طبری ج 2 ص 135، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 149 و سیرہء نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 388_

گیا ہے کہ دونوں کے گھوڑے تھے_ اسلحہ میں صرف چھے ڈھالیں اور آٹھ تلوار یں تھیں[1]

ان تین سو تیرہ سپاہیوں میں سے مہاجرین کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں_ چونسٹھ(64) بھی کہا گیا ہے ستر (70) بھی، چھیتر(76) بھی ، ستتر (77) اور اسی (80) تک بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو سو ستر (270) انصاری تھے اور باقی دوسرے لوگ تھے _ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں [2]_ اور انصارمیں سے کہا گیا ہے کہ ایک سو ستر (170) خزرجی تھے البتہ اس تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتاہے_ لیکن مشرکین نشے میں بد مست تھے اور اپنے ساتھ ڈفلی بجانے والی گلوکار ائیں بھی لائے تھے جنہیں انہوں نے راستے سے ہی واپس پلٹا دیا تھا_ ان کے ساتھ سات سو اونٹ تھے[3]_ البتہ گھوڑوں کی تعداد میں اختلاف ہے _ چارسو بھی کہا گیا ہے [4]، دو سو بھی کہا گیا ہے اور ایک سو بھی [5] نیز دیگر اقوال بھی ہیں_ اور ان سب کے پاس ڈھالیں تھیں اور ڈھال والی فوج کی کل تعداد چھ سو(600) تھی [6]_ پورے لشکر کے کھانے پینے کا بند و بست کرنے والے کل بارہ آدمی تھے جن میں عتبہ ، شیبہ ، عباس ، ابو جہل اور حکیم بن حزام بھی تھے _ البتہ مشہور یہ ہے کہ مؤخر الذکر بعد میں مؤلفة القلوب میں شمار ہونے لگا تھا _ بہرحال ان بارہ آدمیوں میں سے ہر ایک پورے لشکر کے ایک دن کا کھانا اپنے ذمہ لے لیتاتھا _ اور وہ ان کے لئے نو یا دس اونٹ ذبح کرتا تھا_

---

1) ملاحظہ ہو :مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب ج 1 ص 187، بحار الانور ج 19 ص 206، مجمع البیان ج 2 ص 214 البتہ دار احیاء التراث کی طباعت کے مطابق ج 1 ص 415 و تاریخ الخمیس ج 1 ص 371_

2) ملاحظہ ہو : بحارالانوار ج 19 ص 323، دلائل النبوة بیہقی ج 3 ص 40، البدایة و النہایہ ج 3 ص 269، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146، حیاة الصحابہ ج 1 ص 603 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 371، انساب الاشراف ج 1 ص 290، مجمع الزوائد ج 6 ص 93، الکامل فی التاریخ ج 2 ص 118 و دیگر کتب_

3) ملاحظہ ہو گذشتہ چند حاشیوں میں مذکور منابع_

4) تفسیر قمی ج 1 ص 262_ (5) ملاحظہ ہو : مناقب آل ابی طالب ج 1 ص 187، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146، بحار الانوار ج 19 ص 224 و ص 206، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 118 ، مجمع البیان و دیگر کتب نیز سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 387_

6) التنبیہ و الاشراف ص204 و سیرہ نبویہ ابن کثیر ج 2 ص 387_

مشرکوں کی ہٹ دھرمی اور کینہ توزی

بدر کے کنویں پر مسلمانوں نے قریش کے چند ایک غلاموں کو پکڑ ان سے تجارتی قافلے کے متعلق پوچھ گچھ کی توانہوں نے اس سے لا علمی کا اظہار کیا جس پر مسلمانوں نے انہیں مارا پیٹا_ اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے ، آپ ﷺ نے جلدی جلدی نماز مکمل کی اور فرمایا:" وہ تمہیں سچ سچ بتا رہے ہیں تو تم انہیں مار رہے ہو کیا جھوٹ بولنے پر انہیں چھوڑ و گے؟ " _ پھر آپ ﷺ نے ان سے لشکر قریش کی تعداد کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس سے بھی لا علمی کا اظہار کیا_ جس پر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا : " وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" _ انہوں نے کہا :" نو سے دس تک ذبح کرتے ہیں" _ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا : " اس کا مطلب ہے وہ لوگ نو سو سے ایک ہزار تک کی تعداد میں ہیں"[(1)]_ (البتہ اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی گئی ہے حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد تین ہزار تک تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے) _ پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا تو انہیں قید کر لیا گیا _ جب مشرکین کو اس بات کا علم ہوا تو وہ اپنے بدر آنے پر بہت نادم اور پریشان ہوئے کیونکہ تجارتی قافلے کے صحیح سالم بچ نکلنے کی خبر سن کر بھی انہوں نے عربوں پر اپنی دہشت بٹھانے کے لئے بدر آنے پر بہت اصرار کیا تھا_ عتبہ بن ربیعہ (جس کا بیٹا ابو حذیفہ رسول ﷺ کریم کے ساتھ تھا) نے بھی یہ اعتراف کیا تھا کہ تجارتی قافلے کی نجات کے بعد ان کا بدر آنا ہٹ دھرمی اور کینہ توزی پر مبنی تھا_ حالانکہ واپسی کا متفقہ فیصلہ کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں لیکن ابوجہل نے واپسی سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا : " نہیں ، لات و عزّی کی قسم جب تک ان پر یثرب میں دھا و ابول کر انہیں قید کرکے (ذلت اور خواری کے ساتھ) مکہ نہیں لے آئیں گے یہاں سے واپس نہیں پلٹیں گے _ تا کہ سارے عرب میں اس بات کا چرچا ہو اور آئندہ کوئی بھی ناپسندیدہ شخص ہمارے اور ہمارے تجارتی راستے کے درمیان رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرے"[(2)]

البتہ

---

1) ملاحظہ ہو : سیرہ نبویہ ابن ہشام ج 2 ص 269 تا ص 298 ، المغازی و اقدی ج 1 ص 53 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 263تا ص 264، دلائل النبوۃ بیہقی ج 2 ص 327 و ص 328، السنن الکبری ج 9 ص 147 و ص 148 ، زاد المعاد ج3 ص 175، صحیح مسلم ج 5 ص 170، کشف الاستار ج 2 ص 311 ، طبقات الکبری مطبوعہ صادر ج 2 ص 15، تاریخ الامم و الملوک ج 2 ص 132 تا ص 134 و ص 142 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 152_

2) بحار الانوار ج 19 ص 250 از تفسیر قمی نیز ملاحظہ ہو : المغازی واقدی ج 1 ص 71_

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے اخنس بن شریق کے ایماء پر بنی زہرہ کا قبیلہ وہیں سے واپس پلٹ گیا تھا_

دونوں فوجوں کا پڑاؤ

مشرکین، بدر کے مقام پر پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے مکہ کے راستے پر پڑنے والی" عدوۃ القصوی " نامی وادی میں پڑاؤ کیا جہاں پانی موجود تھااور ان کے پڑاؤ کی جگہ سخت تھی_ قریش کا تجارتی قافلہ بھی مشرکین کی فوج کے پیچھے موجود تھا[1] ارشاد خداوندی ہے (و الرکب اسفل منکم) _جبکہ مسلمانوں نے مدینہ کی جانب پڑنے والی " عدوۃ الدنیا " نامی وادی میں پڑاؤ کیا جہاں پانی بھی نہیں تھا اور زمین بھی ایسی نرم تھی کہ قدم بھی نہیں جم سکتے تھے _ جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کی جگہ فوجی نقطہ نظر سے نہایت نامناسب تھی _ لیکن خدا نے دشمنوں کے مقابلے میں اپنے بندوں کی مدد اور حمایت کی اور راتوں رات مشرکوں کی جگہ پر بارش برسی تو ان کی جگہ کیچڑ میں تبدیل ہوگئی جبکہ اسی بارش نے مسلمانوں کی جگہ پر برس کر زمین کو سخت اور ٹھوس کردیا تھا اور مسلمانوں نے گڑھوں اور تالابوں میں پانی بھر لیا تھا[2]_

مسلمانوں کی معنویات اور پروردگار کی عنایات

جب مسلمانوں تک مشرکوں کی کثرت کی خبر پہنچی تو وہ گھبراگئے اور خدا سے دعا اور زاری کرنے لگے_ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا نے مشرکوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر یہ دعا مانگی :" پروردگار اپنی مدد کا وعدہ پورا کر _ خدایا اگر تونے اپنے ان عزیزوں کو ماردیا تو پھر زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں ہوگی"_

---

1) البتہ عنقریب ذکر ہوگا کہ وہ تجارتی قافلہ صحیح سالم بچ کرنکل گیا تھا کیونکہ ابوسفیان اس قافلہ کو مدینہ اور مسلمانوں کے رستے سے دور ساحل سمندر کے راستے سے بچا کر لے گیا تھا_

2) سیرہ نبویہ ابن ہشام ج 2 ص 271 و ص 272 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 ، تاریخ الامم و الملوک مطبوعہ الاستقامہ ج 2 ص 144 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 154، الکامل فی التاریخ ج 2 ص 122، دلائل النبوۃ بیہقی مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ ج 3 ص 35 و البدایہ و النہایہ ج 3 ص 266_

اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

(اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین و ما جعله الله الا بشری و لتطمئن به قلوبکم) (10)

" (اور وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر مدد مانگ رہے تھے تو خدا نے بھی تمہاری سن لی اور قطار اندر قطار ایک ہزار فرشتے بھیجے اور خدا نے انہیں صرف خوشخبری دے کر بھیجا تا کہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں"

پس کمزوری اور گھبراہٹ محسوس کرکے خدا سے امداد کی درخواست کرنے والے مسلمانوں کی مدد صرف ان کی تسکین خاطر اورروحانی تقویت نیز سرد پڑتے دلوں کو گرمانے کے لئے تھے _ پھر اس کے بعد خدا نے مسلمانوں پر نیند طاری کردی اور وہ سوگئے اور اس کے بعد خدا نے بارش بھیج دی _ اس کا ذکر خدا نے یوں کیاہے (اذ یغشیکم النعاس امنة منه و ینزل علیکم من السماء ماء لیطهرکم به و یذهب عنکم رجز الشیطان و لیربط علی قلوبکم و یثبت به الاقدام) (2) _ ترجمہ " (یاد کرو اس وقت کو) جب خدا کی طرف سے تمہیں پر امن نیند نے آلیا اور آسمان سے اس لئے مینہ برسا کہ تمہیں (اور تمہارے دلوں کو) صاف ستھرا کردے ، شیطان کے وسوسوں کو نکال باہر کرے ، تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور تمہیں ثابت قدم رکھے"_

جی ہاں اتنے ہولناک خطرے کا سامنا کرنے والے ایسے لوگوں کے لئے اونگھ اور ہلکی نیند بہت ضروری تھی جویہ جانتے تھے کہ ان کے پاس اس خطرے کا سامنا کرنے اور اسے ٹالنے کے لئے کوئی قابل ذکر مادی وسائل نہیں ہیں_ ہاں یہ نیند ان کے لئے ضروری تھی تا کہ ایسی خطرناک رات میں شیطانی وسوسے ان پر غلبہ نہ پالیں جس میں چھوٹی چیزیں بھی بڑی اور موٹی نظر آتی ہیں_ اور اگر وہ چیز خود طبیعی طور پر بڑی ہو تو پھر

---

1) انفال : 9و 10_

2) ص : 11_

کیا حال ہوگا؟ _ یہ نیند اس لئے بھی ضروری تھی کہ انہیں اطمینان اور سکون کی ضرورت تھی " امنة " _ نیز اسی امن و سکون اور ایمان کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کی بھی ضرورت تھی تا کہ خطرے کا سامنا کرتے وقت وہ کمزوری نہ دکھائیں اور کمزوری ، تاثیر پذیری اور گھبرا ہٹ کی بجائے عقل سے کام لیں اور غور و فکر کے ساتھ کوئی کام کریں اور موقف اپنائیں_ اسی نیند اور بارش کے ذریعہ سے خدا نے ان کے دلوں کو مضبوط اور طاقتور بنادیا _ حتی کہ وہ ان باتوں سے یہ جان کر مطمئن ہوگئے کہ ان پر خدا کی نظر کرم ہے اور خدا کی الطاف و عنایات ان کے شامل حال ہیں_ جس کے بعد انہیں کمر شکن حادثات اور دشمن کی صف شکن کثیر تعداد کی بھی کوئی پرواہ نہ رہی _ جبکہ اس کے بدلے میں خدا نے کافروں کے دلوں میں رعب اور خوف طاری کر دیا تھا_ اس کی طرف انشاء اللہ بعد میں اشارہ کریں گے_

یہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خدا نے سورہ " محمد ﷺ "جیسی مکی سورتوں میں ، اپنے انبیاء کے خلاف گروہ بندی کرکے محاذ آرائی کرنے والوں اور ثمود اور فرعون کے ذکر کے بعد یہ خبر دے دی تھی اور پیشین گوئی کر دی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسے حادثات و واقعات پیش آئیں گے جو ان گروہوں کے ساتھ پیش آئے تھے_ بعض کے بقول آیت (جند ما ہنالک مہزوم من الاحزاب)[1]_ترجمہ " یہاں کئی ایسے لشکر بھی ہیں جو چھوٹے گروہوں سے شکست کھانے والے ہیں" _ واقعہ بدر کے متعلق ہے_

اس جنگ کے مقاصد

یہاں پر سب سے اہم اور قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم یہاں خود صراحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ یہ جنگ ایک فیصلہ کن جنگ ہے _ اور اس کا مقصد بھی خدا کی عبادت کے لئے آزادی کا حصول تھا _ اس جنگ سے نہ ذات کی پرستش مقصود تھی ، نہ مال ، نہ کوئی امتیاز ، نہ مقام ، نہ حکومت اور نہ ہی کوئی اور چیز _ یعنی خدا کی عبادت میں آزادی کے حصول کے علاوہ اس جنگ کا کوئی اور مقصد نہیں تھا _

---

1) ص : 11 _

خاص طور پر جب قریش کو یہ احساس بھی ہوگیا تھا کہ وہ اقتصادی اور نفسیاتی طور پر تنگی ، ذلت اور کمزوری کا شکار ہوگئے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوگیا تھا کہ شام اور دیگر علاقوں تک جانے والے ان کے تجارتی قافلوں کے راستے اتنے پر خطر ہوگئے ہیں کہ قریشیوں کے ارادے پست کر سکتے ہیں بلکہ ان کے وجود کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کمزور موقف اپنا نے پر بھی مجبور ہو جائیں گے _ (اس صورت میں مسلمان ان اہداف کی خاطر بھی لڑسکتے تھے لیکن ان کا مقصد ان چھوٹی چیزوں سے کہیں بلند و بالا تھا)_ جبکہ مشرکوں نے بھی اپنا موقف واضح کردیا تھا _ اور یہ بتادیا تھا کہ اس جنگ سے ان کا مقصد عربوں پر اپنی دھاک بٹھانا اور اپنے اور تجارتی راستے کے درمیان کسی ناپسندیدہ شخص کو حائل ہونے سے روکنا تھا _ فریقین کے اہداف نیز ہر ایک کی بہ نسبت جنگ کے نتائج میں بھی زمین اور آسمان کا فرق تھا _ جس پر انشاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے_

صف آرائی

جب صبح ہوئی تو حضرت رسول ﷺ خدا نے اپنے اصحاب کی صفوں کو منظم کیا _ اس دن آپ ﷺ ﷺ کا علم مبارک امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں تھا [(1)]_ اور عنقریب غزوہ احد میں ہم یہ بھی انشاء اللہ ثابت کریں گے کہ جنگ بدر بلکہ ہر موقع پر حضرت علی علیہ السلام ہی آپ ﷺ کے علمدار تھے [(2)]_ پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کے ایک سے زیادہ علم تھے کہ مصعب بن عمیر یا حباب بن منذر کے پاس بھی ایک علم تھا ، یہ صحیح نہیں ہے _ مگر یہ کہا جائے کہ مہاجرین کا پرچم مصعب کے پاس اور انصار کا پرچم

---

1) المناقب خوارزمی ص 102، الآحاد و المثانی ابن ابی عاصم النبیل کو پلی لائبریری میں خطی نسخہ نمبر 235 ، مسند الکلابی در انتہاء المناقب ابن مغازلی ص 434 ، خود المناقب ابن مغازلی ص 366، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 3 ص 33 و ص 34 ، مستدرک حاکم ج 3 ص 11 ، اس کے حاشیہ پر تلخیص مستدرک ذہبی ، مجمع الزوائد ج 9 ص 125 ، منقول از شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید طبع اولی ج 2 ص 102 ، جمہرۃ الخطب ج 1 ص 428، الاغانی مطبوعہ دار الکتب ج 4 ص 175 وتاریخ طبری مطبوعہ دار المعارف ج 2 ص 430_

2) زندگانی امام امیر المؤمنین علیہ السلام از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 1 ص 145 ، ذخائر العقبی ص 75 از احمدور المناقب ، طبقات ابن سعد ج 3حصہ اول ص 14 ، کفایۃ الطالب ص 336 ، اسی کے حاشیہ میں از کنز العمال ج 6 ص 398 از طبرانی و الریاض النضرہ ج 2 ص 202 نیز اسی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بات کو نظام الملک نے اپنی کتاب امالی میں ذکر کیا ہے_

حباب کے پاس تھا یا اس طرح کی کوئی اور بات کہی جائے تو اور بات ہے وگرنہ اختلاف کو دور کرنے کی غرض سے پرچم (رایۃ) اور علم (لواء) میں فرق بیان کرنے کی ان کی کوشش بھی ایک بے سود اور ناکام کوشش ہے _ کیونکہ دونوں چیزوں کے متعلق روایات ملتی ہیں کہ یہ دونوں چیزیں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ خاص تھیں _ جس طرح کہ مندرجہ ذیل حاشیوں میں مذکور دستاویزات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے [(1)] _ نیز مزید وضاحت انشاء اللہ واقعہ جنگ احد کے بیان میں ہوجائے گی_

مزید یہ کہ ابن سعد اور ابن اسحاق نے یہ ذکر کیا ہے کہ پرچم (رایۃ) واقعہ بدر کے بعد اور جنگ خیبر کے دوران بنایا گیا [(2)] _ یہ تو اس صورت میں ہے کہ ہم علم (لواء) اور پرچم (رایۃ) کے درمیان کسی فرق کے قائل ہوں وگرنہ بعض اہل لغت کے مطابق یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں [(3)]_

طوفان سے قبل آرام

حضرت رسول ﷺ خدا نے صحابہ کی صفین منظم کرنے کے بعد ان سے فرمایا ، " نگاہیں نیچی کرلو ، لڑائی میں پہل مت کرو اور کسی سے بھی بات مت کرو " [(4)]_مسلمانوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل میں خاموشی اختیار کر لی اور نگاہیں نیچی کرلیں_ اس صورتحال نے قریشیوں پر اپنا واضح اثر دکھا یا حتی کہ جب ان کا ایک آدمی کسی گھات و غیرہ کی تلاش میں اپنے گھوڑے پر سوار مسلمانوں کے لشکر کا چکر لگا کر اپنی فوج کی طرف واپس پلٹا تو اس نے وہاں جاکر کہا : " ان کے لشکر کے کسی بھی جگہ اور حصہ سے گھات یا کسی مدد و غیرہ کی کوئی امید نہیں ہے _ لیکن یثرب (مدینہ) کے جنگجو دردناک اور اچانک موت ساتھ لائے ہیں _ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ ایسے گونگے ہوگئے ہیں کہ کچھ بھی نہیں بول رہے؟اور اژدہوں کی طرح پھنکار رہے ہیں _ ان کی

---

1) ملاحظہ ہوں پچھلے دو حاشیوں میں مذکور منابع_

2) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 147_

3،4) سیرہ حلبیہ ج ص 147 و ص 148_

پناہ گاہیں صرف ان کی تلواریں ہیں؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ پیچھے نہیں ہٹیں گے بلکہ مارے جائیں گے اور کم از کم اپنی تعداد جتنا افراد مارکر ہی مریں گے"_ اس پر ابوجہل نے اسے برابھلا کہا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس بات سے اس کے ساتھیوں میں خوف کی لہر دوڑ رہی تھی _

پھر ابوجہل نے مسلمانوں کی قلیل تعداد کو نشانہ بناتے ہوئے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہا : " وہ تو گنتی کے چند آدمی ہیں ، اگر ہم اپنے غلاموں کو ان کی طرف روانہ کردیں تو وہ بھی انہیں ہاتھ سے پکڑ کرلے آئیں گے_"

اس کے بعد آپ ﷺ نے مشرکین کی طرف اپنے ایک آدمی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ" اے قریشیو میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا _ مجھے تم عربوں کے حوالے کر کے واپس چلے جاؤ_اگر میں سچا ہوا تو میری بڑائی اور بلندی تمہاری ہی بلندی اور عظمت ہے لیکن اگر میں جھوٹا ہوا تو عرب کے درندے میرا کام تمام کرکے تمہارا مقصد پورا کردیں گے _" یہاں پر مؤرخین کے بقول عتبہ بن ربیعہ نے مشرکوں سے اس بات کو قبول کرنے پر زور اصرار کیا لیکن ابوجہل نے اس پر بزدلی کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ (حضرت) محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر اس کا پتا پانی ہوگیا ہے _ اور اسے (حضرت) محمد ﷺ کے ساتھ شامل ہونے والے اپنے بیٹے ابوحذیفہ کی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے _ جب عتبہ تک ابوجہل کی یہ بات پہنچی تو وہ غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا اورکہا : " ابھی اس چوتیے [1] کو معلوم ہوجائے گا کہ کس کا پتا پانی ہوا ہے میرا یا اس کا ؟ " _ اس بات سے اس کی غیرت کی رگ بھی پھڑکی اور اس نے اپنے بھائی شیبہ اوربیٹے ولید کے ساتھ زرہ پہنی اور وہ رن میں جاکر حریف طلب کرنے لگے_

یہاں پر ہم مندرجہ ذیل نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:_

---

1) ان الفاظ سے لگتا یہی ہے کہ اس نے ابوجہل کو مفعول ہونے کی گالی دی تھی، کیونکہ انصار بھی اسے اسی نام سے پکارتے تھے_ ملاحظہ ہو: مجمع الامثال ج1 ص 251 ضرب المثل "اخنث من مصفر استه" ، البرصان والعرجان ص 102 و ص 103 متن و حاشیہ ، الغدیر ج 8 ص 251 از الصواعق المحرقہ ابن حجر ص 108 ازدمیری در حیاۃ الحیوان نیز الدرۃ الفاخرہ فی الامثال السائرہ ج1 ص 188_

الف: مشرکین کے خوف کی وجوہات:

مشرکین کو اس بات کا پورا پورا علم تھا کہ مسلمان جنگ کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں_ اور اپنے دین اور عقیدے کی راہ میں کم از کم اپنی تعداد جتنے آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد سب کے سب مرنے کے لئے بالکل تیار ہیں_ اور اسی بات نے مشرکوں کے دل میں رن کی دھاک بٹھادی کیونکہ وہ تو اپنے خیال میں اس دنیا میں بقاء اور دنیاوی لذتوں اور فائدوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے یہ جنگ لڑ رہے تھے_ اس صورتحال میں مسلمانوں کا غیض و غضب کی شدت سے سکوت بھی ان کے خوف کی فضا میں اضافے کا باعث بنا اور مشرکوں کے دلوں میں ان کا خوف اور رعب مزید بیٹھ گیا _ اور ابھی ان کی سرگردانی اور حیرت میں مزید اضافہ ہونا تھا کیونکہ کچھ دیر بعد شروع ہونے والی جنگ کی صورتحال اور مد مقابل کی چالوں سے وہ لا علم تھے اور انہیں کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں مل رہا تھا جو انہیں جنگ کی صورتحال ، مد مقابل کی چالوں اور جنگ کے اثرات اور نتائج کی طرف رہنمائی کرتا_

اور مسلمانوں کے متعلق ابوجہل کا یہ کہنا کہ یہ تو گنتی کے چند آدمی ہیں، یہ مسلمانوں سے مشرکوں کے مرعوب نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا _ کیونکہ اس نے یہ بات صرف اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کی تھی _ کیونکہ اس نے جنگ کے متعلق اپنے ساتھیوں کی تردید اور بزدلی کا خاص طور پر مشاہدہ کیا تھا_ یہاں یہ اضافہ بھی ضرور کرتے چلیں کہ خداوند عالم نے بھی جنگ کے بعض مراحل میں مسلمانوں کی نظر میں مشرکوں کو اور مشرکوں کی نظر میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھلایا تا کہ وہ آپس میں ضرور لڑیں اور خدا کا فیصلہ پورا ہو کر رہے_ اس بارے میں مزید گفتگو اس فصل کے اواخر میں ہوگی_

ب : مشرکین کو نبی ﷺ کریم کی پیشکش پر ایک نگاہ :

آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کے ساتھ ان کے نقطہ نظر ، طرز تفکر ، مفاد اور ان کی نفسیات کے مطابق بات کرنے کی کوشش کی _نیز آپ ﷺ کی یہ باتیں ان کے اس مفاد کے بھی مطابق تھیں جس کے تحفظ کے لئے (وہ

اپنے ہی دعوے کے مطابق) یہاں لڑنے آئے تھے_ آپ ﷺ کا یہ جملہ " اگر میں سچا ہوا تو میری وجہ سے تمہاری ہی شان بڑھے گی " ان مشرکوں کی حب جاہ سے بالکل میل کھاتا ہے _ کیونکہ ان کی طاقت اور سرکشی کی وجہ سے ان کے اوپر سرداری اور حکومت کا بھوت اس حد تک سوار ہوگیا تھا کہ ان کے نسلی اور قبائلی تعلقات پر بھی اثر انداز ہوگیا تھا اور وہ اس کی خاطر اپنے باپ اور بیٹوں سے بھی لڑنے مرنے پر تیار ہوجاتے تھے_

پھر آپ ﷺ کا ان سے یہ فرمانا کہ " اگر میں جھوٹا ہوا تو عرب کے درندے میرا کام تمام کرکے تمہارا مقصد پورا کردیں گے"_ یہ بات بھی ان کی زندگی کے ساتھ محبت اور مالی مفاد سے میل کھاتی ہے _ اور آپ ﷺ کی شان و شوکت کے اعتراف کے ساتھ آپ ﷺ سے جنگ کئے بنا ان کے واپس پلٹنے کا بھرم بھی رکھتی ہے اور اس بات سے وہ اپنی پسپائی کی تاویل اور توجیہ کرکے اپنی آبرو بھی بچا سکتے تھے_ لیکن قریش کی سرکشی اور تکبر اس بہترین ، منطقی اور قیمتی مشورے کو ماننے سے مانع ہوئی اور وہ اپنے جھوٹے تکبر اور احمقانہ اور بے باکانہ ڈینگوں کے سبب جنگ کرنے اور اس کے ہولناک نتائج بھگتنے پر بضد رہے_

ج: رسول ﷺ خدا جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتے_

یہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ خود رسول ﷺ خدا بھی جنگ کی ابتداء نہیں کرتے اور مسلمانوں کو بھی حکم دیتے ہیں کہ جنگ شروع نہ کریں بلکہ آپ ﷺ مقابل کو اس مخمصے سے آبرومندانہ طریقے سے نکلنے کا ایک موقع دینا چاہتے تھے _

لیکن اگر وہ اس پیشکش کو ٹھکرا دیتے اور اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی سے مسلمانوں پر چڑھائی پر بضد رہتے تو پھر مسلمان بھی اپنا دفاع کرنے اور حملہ آور کی چالوں کا جواب دینے کا حق رکھتے تھے ، چاہے وہ حملہ آور کوئی بھی ہو اور جیسا بھی ہو_

حضرت علی علیہ السلام کا بھی آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں بلکہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی دشمنوں کے ساتھ یہی رویہ رہا_ بلکہ یہ تو(رسول ﷺ خدا کی اتباع کرنے والے ائمہ ہدی کی پیروی میں)شیعیان علی عليه السلام کی رسم

اور ان کا خاصہ ہے _ اس پر مزید گفتگو جنگ بدر کی گفتگو کے بعد "سیرت سے متعلق کچھ ابحاث " کے فصل کے ذیل میں دیگر بحثوں کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ شیعوں کی خصوصیات کی بحث میں ہوگی _ البتہ اس کے کئی اشارے ذکر بھی ہوچکے ہیں_

نبی کریم ﷺ سائبان تلے؟

مؤرخین کے بقول بدر میں صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے لئے کھجور کی چھڑیوں سے ایک چھولدار ی تیار کی جس میں آپ ﷺ کے ساتھ صرف جناب ابوبکر تھے اور کوئی بھی نہیں تھا_ مؤرخین یہ دعوی بھی کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے بھی اتفاق کیا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ چند تازہ دم اصیل گھوڑے تیار رہیںتا کہ اگر جنگ میں کامیابی ہوئی تو ٹھیک ورنہ آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوکر مدینہ میں اپنے دیگر صحابیوںسے ملحق ہوجائینگے(1)_

لیکن یہ بات کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہے _ کیونکہ معتزلی کے بقول : " وہ چھولداری کی بات تو نہایت حیرت انگیز ہے _ چھولداری بنانے کے لئے ان کے پاس کھجور کی چھڑیوں کی اتنی بڑی تعداد کہاں سے آگئی تھی ؟ حالانکہ بدر میں تو کھجور کے درخت نہیں تھے_ اور ان کے پاس جو تھوڑی بہت چھڑیاں تھیں بھی تو وہ ان کے لئے ہتھیاروں کا کام دے رہی تھیں_ کیونکہ منقول ہے کہ سات صحابیوں کے ہاتھ میں تلوار کی جگہ چھڑیاں تھیں جبکہ باقی صحابی تلواروں ، تیروں اور بھالوں سے مسلح تھے _ البتہ یہ نادر نظریہ ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ تمام افراد ہتھیاروں سے مسلح تھے _ ہوسکتا ہے کہ چند چھڑیاں بھی ساتھ ہوں اور ان پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈال کر کوئی سایہ بنایا گیا ہو ورنہ یہاں کھجور کی چھڑیوں سے چھپر بنانے کی کوئی معقول وجہ نظر میں آتی " (2) لیکن ہم کہتے ہیں کہ :

الف : معتزلی کی یہ بات کہ تمام مہاجرین کے پاس اسلحہ تھا یہ ناقابل قبول ہے _ اس لئے کہ گذشتہ

---

1) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 222 و ص 279 ، المغازی واقدی ج 1 ص 49 و ص 55 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 122 ،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 ص 118 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 155 _156 و ص 161 و دیگر کثیر مآخذ.

2) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج 4 ص 118

دستاویزات میں ان کے اسلحہ کی تعداد مذکور ہوچکی ہے اور ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو معتزلی کی بات کی تائید کرتی ہو _ بلکہ لگتا یہی ہے کہ تھوڑے افراد ایسے تھے جو تیر کمانوں سے مسلح تھے کیونکہ آنحضرتﷺ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ جب مشرکین نزدیک پہنچیں تب ان پر تیراندازی کرو _ شاید بعض کے پاس نیزے ، بعض کے پاس لاٹھیاں اور بعض کے پاس تلوار یا خنجر تھے اور کچھ لوگوں کے پاس کھجور کی خشک چھڑیاں بھی تھیں جن سے وہ اپنا بچاؤ کرتے تھے اور موقع پانے کی صورت میں دشمن پر حملہ بھی کر سکتے تھے _

ب: اس کا آخری نتیجہ بھی بے جاہے _ کیونکہ جن چھڑیوں پر کپڑا و غیرہ ڈال کرسائبان و غیرہ بنایا جاتا ہے انہیں خیمہ کہا جاتا ہے چھپر نہیں _ بلکہ بعض کی رائے میں تو اسے خیمہ بھی نہیں کہتے _ اسی طرح معتزلی کا ان لوگوں کی اور ان کے تلواروں کی تعداد کے متعلق نظریہ بھی گذشتہ باتوں کے سبب مشکوک ہوجاتا ہے _

البتہ بنیادی طور پر ہم بھی اس مزعومہ سائبان کے وجود اور آنحضرتﷺ کے اس میں بیٹھنے اور شکست کی صورت میں آپﷺ کے فرار کے انکاری ہیں لیکن ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

ایک : نبیﷺ کریم جنگ کے کٹھن لمحات میں فرار کرنے والے تھے ہی نہیں _

دو : مختلف مؤرخین سے منقول آپﷺ کی یہ دعا " اللهم ان تهلک هذه العصابة لا تعبد " (خدایا اگر تو نے اپنے ان عزیزوں کو ماردیا تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا)

بھی اس دعوے کو جھٹلاتی ہے کہ اس جنگ میں مشرکوں کی کامیابی کی صورت میں آپﷺ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر فرار کا ارادہ رکھتے تھے _ کیونکہ آنحضرتﷺ کے مدینہ پلٹ جانے کی صورت میں بھی کرہ ارض پر خدا کی عبادت نہیں ہوسکتی تھی (اس لئے کہ بعد والی شق کے مطابق وہ آپﷺ کا اور آپﷺ کے ماننے والوں کا پیچھا کرتے اور جان لئے بغیر دم نہ لیتے) _ تو آپﷺ یہ بات فرما کر پھر یہ کام کیوں کرتے ؟

تین : اگر آنحضرتﷺ جنگ بدر میں (نعوذ باللہ) شکست کھا جاتے توبھی مشرکین آپﷺ کو اپنی جان بچا کر کہیں جا کر پھر سے فوج اکٹھا کرنے کا موقع نہیں دیتے _ بلکہ وہ مدینہ پر ہی چڑھائی کر کے اس میں اپنے لئے مشکلات کھڑی کرنے والوں کو سرے سے ہی نابود کردیتے _ اس لئے کہ وہ اب مدینہ کے قریب بھی

آئے ہوئے تھے ، کامیابی و کامرانی کامزہ بھی چکھ چکے ہوتے تھے اور ان کے پاس تعداد اور تیاری کے لحاظ سے ایک آئیڈیل اور قابل رشک فوج بھی موجود تھی_

چار : آپﷺ چھپر کےنیچے محافظ کے ساتھ کیسے جاکر بیٹھ سکتے تھے؟ حالانکہ انہی مؤرخین کے بقول آپﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر خواب میں اپنے آپﷺ کو تلوار سونت کر یہ آیت پڑھتے ہوئے مشرکوں کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا تھا (سیھزم الجمع و یولون الدبر) ترجمہ : " عنقریب ان کی فوج تتر بتر ہوکر پسپائی اختیار کرے گی " [1] _ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ آپﷺ نے بنفس نفیس جنگ بدر میں شرکت کرکے سخت لڑائی لڑی تھی [2] اور یہ بات بھی جنگ میں آپﷺ کی شرکت پر دلالت کرتی ہے کہ کچھ لوگ آپﷺ کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے،ایک آپصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں ، ایک بائیں ، ایک آگے اور ایک پیچھے تھا[3]_اور حضرت علی علیہ السلام کی زبانی بھی منقول ہے کہ " جنگ بدر کے موقع پر ہم آنحضرتﷺ کے ذریعہ مشرکین سے اپنا بچاؤ کرتے تھے _ آپﷺ سب سے زیادہ دلیر شخصیت تھے اور آپﷺ ہی سب سے آگے تھے"[4]

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب ابوبکر اس وقت کہاں تھے؟ کیا رن میں رسول ﷺ خدا کے ساتھ تھے؟ یا پھر جاحظ کے عنقریب ذکر ہونے والے دعوے کے مطابق وہ قائد ، سردار اور رہنما کا کردار ادا کرنے کے لئے اکیلے چھو لداری میں بیٹھ گئے تھے؟ واقعہ بدرکے بعد ایک فصل میں جناب ابوبکر کی بہادری اور چھولداری میں اس کے بیٹھنے کا ذکر آئے گا _ انشاء اللہ تعالی _

پانچ : جب مسلمانوں کے پاس صرف مقداد کے گھوڑے کے سوا کوئی اور گھوڑا تھا ہی نہیں تو پھر آنحضرتﷺ کے (نعوذ باللہ) فرار کے لئے تیار کئے اصیل گھوڑے کہاں سے آگئے تھے؟ اور یہ گھوڑے دین اور مسلمانوں سے دفاع کے لئے جنگ میں کیوں کام نہ آئے؟ حالانکہ وہاں ان کی اشد ضرورت تھی_

---

1) تاریخ طبری ج 2 ص 172_ (2) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 123 و ص 167 لیکن اس نے مذکورہ بات کی خلاف واقع توجیہ کی ہے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ یہاں جہاد کا مطلب دعا ہے _ یہ سب باتیں چھپر والی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں ہیں_

3) المغازی واقدی ج 1 ص 78_

4) ملاحظہ ہو : تاریخ طبری ج 2 ص 135، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 123، البدایہ و النہایہ ج 6 ص 37 و حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 677 از احمد و بیہقی_

نکتہ:

حضرت علی عليه‌السلام سے منقول گذشتہ روایت کو اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی اس کی یہ توجیہ کرنی ہوگی کہ آپ عليه‌السلام اپنے بارے میں نہیں بلکہ دوسروں کے متعلق مذکورہ جملہ ارشاد فرما رہے ہیں[1] کیونکہ حضرت علی علیہ السلام نہ مشرکوں سے ڈرنے والے تھے اور نہ ہی انہیں اپنی حفاظت کے لئے کسی پناہ گاہ کی ضرورت تھی _ انہیں جائے پناہ کی ضرورت کیونکر ہو سکتی تھی جبکہ بدر کے آدھے سے زیادہ مقتولین کو انہوں نے اکیلے ہی قتل کیا تھا اور باقی نصف کے قتل میں بھی شریک تھے _ آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی مذکورہ بات کی مثال ایسے سے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہمارے شہر میں یہ چیز کھائی جاتی ہے ، یہ پہنی جاتی ہے یا ہم اس شہر میں فلاں چیز بناتے ہیں_ حالانکہ ہو سکتا ہے اس شخص نے کبھی بھی وہ چیز نہ کھائی ہو ، وہ لباس نہ پہنا ہو یا وہ چیز نہ بنائی ہو_

جنگ کی ابتداء:

جنگ کی ابتداء عتبہ ، شیبہ اور ولید نے دوبدو لڑائی کے لئے حریف طلب کرنے کے ساتھ کی ، جن کے جواب میں ادھر سے تین انصاری نکلے، لیکن انہوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ، ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہم تو قریش سے اپنا ہم پلہ حریف طلب کر رہے ہیں_ ان کی اس بات پر رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم خدا نے انہیں واپس بلا لیا اور آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے جنگ کی ابتداء اپنے رشتہ داروں سے کی کیونکہ آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم انصار سے اس جنگ کا آغاز نہیں کرنا چاہتے تھے[2]_ اور یہ کہہ کر آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے حضرت علی عليه‌السلام ، حمزہ اور عبیدہ بن حارث کو پکارا:" عبیدہ چچا جان علی عليه‌السلام اٹھو اور ان سے اپنے اس حق کا مطالبہ کرو جسے خدا نے تمہارے لئے قرار دیا ہے ... ..."_

جب وہ رن میں گئے تو عتبہ نے ان سے حسب و نسب کے متعلق پوچھا تو سب نے اپنا تعارف کرایا اور شیبہ نے جناب حمزہ سے اس کا حسب نسب پوچھا تو اس نے کہا :" میں عبدالمطلب کا سپوت اور خدا اور اس

---

1) البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی شجاعت اور بے جگری سے لڑائی کے بیان میں مبالغہ آرائی کی ہو کہ علی عليه‌السلام جیسا نڈر شیر بھی آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی پناہ ڈھونڈھ رہا تھا_ اس کی اردو میں مثال میرا نیس کا یہ مصرع ہے انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں (بلکہ پوری نظم)_

2) تفسیر قمی ج 1 ص 664، بحار الانور ج 19 ص 313 و ص 353 و سعد السعود ص 102 _

کے رسول صلى الله عليه وآله وسلم کا شیر حمزہ ہوں" _ اس پر شیبہ نے کہا: " اے خدا کے شیر اب تمہارا سامنا حلفاء [1] کے شیر سے ہے اب دیکھتے ہیں تم میں کتنا دم خم ہے"_

بہرحال ،حضرت علی علیہ السلام جب ولید کو قتل کرکے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ جناب حمزہ اور شیبہ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہیں اور دونوں کے ہاتھوں میں اپنی اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار ہے _ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی علیہ‌السلام نے جناب حمزہ سے فرمایا:" چچا جان اپنا سرنیچے کیجئے " _ اور چونکہ جناب حمزہ طویل القامت تھے اس لئے انہیں اپنا سر شیبہ کے سینے میں گھسانا پڑا ، تو حضرت علی عليه‌السلام نے شیبہ کے سر پر تلوار کا ایسا زور دار وار کیا کہ اس کا آدھا حصہ (بھیجا) اڑکر دور جاگرا _ ادھر عتبہ نے عبیدہ کی ٹانگ کاٹ دی تھی اور عبیدہ نے بھی اس کا سر پھوڑا ہوا تھا پھر حضرت علی عليه‌السلام نے آکر اس کا کام بھی تمام کردیا _ یوں حضرت علی عليه‌السلام تینوں کے قتل میں شریک ہوئے تھے_[2] اور کتاب " المقنع " میں ہندہ جگر خوارہ کے مندرجہ ذیل اشعار بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام تینوں کے قتل میں حصہ دار تھے:_

ما کان لی عن عتبة من صبر

ابی ، و عمی و شقیق صدری

اخی الذی کان کضوء البدر

بهم کسرت یا علی عليه‌السلام ظهری [3]

عتبہ کی جدائی پر مجھ سے صبر نہیں ہوسکتا _ اے علی عليه‌السلام تونے میرے باپ، چچا اور میرے جگر کے ٹکڑے اور چاند سے بھائی کو مار کرمیری کمر توڑ دی ہے_

---

1) یہ زمانہ جاہلیت کے اس عہد کی طرف اشارہ ہے جس میں قریش کے چند خاندانوں اور قبیلوں نے خون میں ہاتھ رنگ کر ایک دوسرے کی مدد اور حمایت کا اعلان اور عہد کیا تھا_ اسے حلف لعقة دم کہا جاتا تھا ، معاہدے کے فریقوں کو حلیف اور سب کو حلفاء یا احلاف کہا جاتا تھا _ حضرت علی عليه‌السلام نے بھی نہج البلاغہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے _مترجم_ (2) ملاحظہ ہو : المناقب ج 3 ص 119 از الاغانی و غیرہ ..._

3) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 283 ب، العثمانیہ ، قسم نقوض الاسکافی ص 432 ، بحار الانوار ج 19 ص 292 و المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 121_

اسی طرح سید حمیری مرحوم نے حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کی ثنامیں مندرجہ ذیل شعر کہے ہیں:_

و له ببدر وقعة مشهوره

كانت على اهل الشقاء دماراً

فا ذاق شيبة و الوليد منية

اذ صبحاه جحفلاً جراراً

و اذاق عتبة مثلها اهوى لها

عضباً صقيلاً مرهفاً تياراً[1]

حضرت علی علیہ السلام نے بدر میں مشہور و معروف کارنامہ سرانجام دیا _ آپ ﷺ نے اس دن ان بدبختوں کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا _ جب دن کو بہت بڑے لشکر سے آپ علیہ السلام کا سامنا ہوا تو آپ علیہ السلام نے شیبہ اور ولید اور اسی طرح عتبہ کو بھی اپنی تیز ، آبدار اور کاٹ دار تلوار سے موت کا جام پلایا_ نیز حسان بن ثابت کے اشعار کے جواب میں قبیلہ بنی عامر کے کسی شخص نے مندرجہ ذیل اشعار کہے جو ہمارے مدعا کی تائید کرتے ہیں:_

ببدر خرجتم للبراز فردكم

شيوخ قريش جهرة و تاخروا

فلما اتاهم حمزة و عبيدة

و جاء على بالمهند يخطر

فقالوا نعم اكفاء صدق فاقبلوا

اليها سراعاً اذ بغوا و تجبروا

فجال على جولة ها شمية

فدمرهم لما بغو ا و تكبروا[2]

بدر میں تم لوگ لڑنے نکلے تو قریش کے سرداروں نے کھلم کھلا تمہیں واپس پلٹا دیا اور تم سے جنگ گوارا نہیں کیا اور دوسرے جنگجوؤں کے منتظر ہوئے_ پھر جب حضرت علی علیہ السلام ، حمزہ اور عبیدہ

---

1) دیوان سید حمیری ص 215 و المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 122_ (2) المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 119 و بحار الانوار ج 19 ص 291_

کاٹ کار تلواریں لہراتے ہوئے نکلے تو انہوں نے مطمئن ہو کر کہا کہ ہاں یہ بالکل ہمارے ہم پلّہ ہیں_ اور جب انہوں نے تکبّر کے ساتھ انہیں للکارا تو وہ جلدی سے جنگ میں کود پڑے اور جب انہوں نے تکبر اور سرکشی دکھانی شروع کردی تو حضرت علی علیہ السلام کا ہاشمی خون جوش میں آیا اور انہوں نے ان سب کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا_

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو ایک خط میں لکھا:"بالکل میں ہی ابوالحسن تمہارے دادا عتبہ ، چچا شیبہ ، ماموں ولید اور بھائی حنظلہ کا قاتل ہوں _ ان کا خون خدا نے ہی میرے ہاتھوں بہا یا تھا _ اب بھی میرے پاس وہی تلوار ہے اور میں نے اسی رعب و دبدبے اور جوش سے اپنے دشمنوں کو پچھاڑ اتھا"(1)_

تینوں جنگجوؤں کے قتل کے بعد

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حمزہ جناب عبیدہ بن حارث کو اٹھا کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی خدمت میں لے آئے تو اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا :" یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کیا میں شہید نہیں ہوں؟" _ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بالکل تم تو میرے اہل بیت کے سب سے پہلے شہید ہو"_ (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے شہیدوں کا تانتا بندھ جائے گا _ اور ہوا بھی یہی) _ پھر اس نے کہا : " اگر اس وقت آپ علیہ السلام کے چچا بزرگوار زندہ ہوتے اور اپنی آنکھوں سے یہ ماجرا دیکھتے تو یہ جان لیتے کہ ہم ان کی باتوں سے بہر حال بہتر ہیں"_

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا :" تم کس چچا کی بات کر رہے ہو ؟ "_ اس نے کہا :" ابوطالب کی ، کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ :

كذبتم و بيت الله يبزى مُحَمَّد

و لما نطا عن دونه و نناظل

و نسلمه حتى نصرع دونه

و نذهل عن ابنائنا و الحلائل

---

1) الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 435 ، شرح نہج البلاغہ محمد عبدہ ج 3 ص 13 و الغدیر ج 10 ص 151_

(قریشیو) خدا کی قسم تم یہ جھوٹ کہتے ہو کہ محمد ﷺ ایک تر لقمہ ہے _ کیونکہ ہم اس کی حمایت میں تیروں تلواروں اور نیزوں سے تم سے سخت جنگ کریں گے اور اپنے بیوی ، بچوں کو بھی اس پر قربان کردیں گے اور تم ہماری لاشوں سے گذر کر ہی اس تک پہنچ سکوگے (یعنی وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ حضرت ابوطالب نے صرف باتیں کی تھیں لیکن ہم عمل کرکے دکھا رہے ہیں _ از مترجم)"_ اس پر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا :"کیاتم یہ نہیں دیکھ رہے کہ اس کا ایک بیٹا خدا اور اس کے رسول ﷺ کی آنکھوں کے سامنے بپھرے ہوئے شیر کی طرح چوکس کھڑا ہے اور دوسرا بیٹا حبشہ کی سرزمین میں خدا کی راہ میں جہاد میں مصروف ہے؟ " _ اس نے عرض کیا :" یا رسول ﷺ اللہ آپ ﷺ اس حالت میں بھی مجھے ڈانٹ رہے ہیں؟ " _ تو آپ ﷺ نے فرمایا :" میں تم پر ناراض نہیں ہو الیکن تم نے میرے پیارے چچا کا نام لیا تو مجھے اس کی یاد ستانے لگی "[1]_

اس روایت کے آخری حصے کو چھوڑ کر بہت سے مؤرخین نے اس روایت کو نقل کیا ہے _ مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت ان چھ مذکورہ افراد کے بارے میں نازل ہوئی (هذان خصمان اختصموا فی ربهم فالذین کفروا قطعت لهم ثیاب من نار)ترجمہ : " یہ دونوں متحارب (گروہ) اپنے اپنے رب کی خاطر لڑ رہے تھے اور کافروں کے لئے جہنم کی آگ کے کپڑے تیار ہو چکے ہیں"_ اور بخاری میں مذکور ہے کہ ابوذر قسم اٹھا کر کہتا تھا کہ یہ آیت انہی مذکورہ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے[2]_نیز حضرت علی علیہ السلام ،جناب حمزہ اور عبیدہ کے بارے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی (من المومنین رجال صدقوا

---

1) تفسیر قمی ج 1 ص 265، بحار الانوار ج 19 ص 255 البتہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 80 میں ہے کہ اس دن رسول ﷺ خدا نے عبیدہ اور ابوطالب علیہ السلام دونوں کے لئے مغفرت طلب فرمائی _ نیز الغدیر ج 7 ص 316 _ لیکن نسب قریش مصعب زبیری ص 94 میں یوں آیا ہے کہ عبیدہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا : " یا رسول اللہ کاش ابوطالب آج زندہ ہوتے تو اپنے ان اشعار کا مصداق اور تعبیر دیکھ لیتے ..."_ بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ عبیدہ کے ادب اور اخلاص سے یہی بات زیادہ سازگار ہے _ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ گذشتہ بات بھی اس کے ادب اور خلوص کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو دین کی راہ میں جان قربان کئے ہوئے دیکھ رہا تھا، اس بنا پر اس کی مذکورہ بات میں کوئی حرج نہیں تھا _(2) بخاری مطبوعہ میمینہ ج 3 ص 4 ، المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 118 از مسلم البتہ ابوذر کی قسم کے بغیر ، مستدرک حاکم ج 2 ص 386 اور اسی نے اور ذہبی نے اس کی تخلیص میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے ، الغدیر ج 7 ص 202از تفسیر ابن کثیر ج3 ص 212 ، تفسیر ابن جزی ج 3 ص 38 ، تفسیر خازن ج 3 ص 698 ، تفسیر قرطبی ج 2 ص 25_ 26 ، صحیح مسلم ج 2 ص 550 و طبقات ابن سعد ص 518 اور ابن عباس ، ابن خیثم ، قیس بن عباد ، ثوری ، اعمش ، سعید بن جبیر اور عطاء سے بھی یہی منقول ہے_

ما عاهدوا الله علیه ...) ترجمہ : " مومنوں میں کئی ایسے افراد بھی ہیں جنہوں نے خدا سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا ... [1]_البتہ یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت فقط حضرت علی علیہ السلام کے حق میں اتری[2]_ اس کے علاوہ جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کی تعریف میں کئی اور آیات بھی نازل ہوئیںجنہیں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں[3]_

اس واقعہ کی روشنی میں ہم مندرجہ ذیل چند عرائض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے مہذب اور محدود پیمانے پر اپنے چچا کے ناروا ذکر پر غصہ ہوسکتے ہیں تو خود ہی سوچئے کہ جناب ابوطالب پر کفر اور شرک کا ناروا الزام لگانے اور انہیں خدا کی بھڑکتی ہوئی آگ میں دردناک عذاب کے مستحق ٹھہرانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا موقف اور ردّ عمل ہوگا؟ کیا آپ لوگوں کے خیال میں اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوں گے؟ ہرگز نہیں_ حالانکہ یہ بے بنیاد باتیں سیاست کی ابجد سے بھی ناواقف افراد کی طرف سے صرف سیاسی مقاصد کے لئے گھڑی گئیں_

ب: اپنے رشتہ داروں سے آنحضرت علیہ السلام کی جنگ کی ابتداء:

یہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی انصار کے تین جنگجوؤں کو واپس بلا کر حضرت علی علیہ السلام ، حمزہ اور عبیدہ بن حارث کو رن میں جاکر سب سے پہلے دشمن کا سامنا کرنے کا حکم دیا [4] _ اور یہ تینوں شخصیات

---

1) الصواعق المحرقہ ص 80_ (2) المناقب خوارزمی ص 188 و الکفایۃ خطیب ص 122_

3) المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 118 و دیگر کتب_

4) البتہ امالی سید مرتضی ج 1 ص 275 ، اعلام الوری ص 308، بحار الانوارج 48 ص 144 اور المناقب ابن شہر آشوب ج 4 ص 316 میں ایک روایت مذکور ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے نفیع انصاری سے فرمایا :" ... اور اگر تم عزت اور فخر میں مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو یہ سن لو کہ خدا کی قسم ہمارے قبیلے کے مشرکوں نے تمہاری قوم کے مسلمانوں کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھتے ہوئے ان سے جنگ نہیں کیا بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اے محمدّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش سے ہمارے ہم پلہّ جنگجوؤں کو ہمارے مقابلے میں بھیج" _ لیکن میرے خیال میں دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مشرکین بھی ان سے جنگ کے لئے راضی نہ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی انہیں رن میں بھیجنے کا دل نہ ہو_

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں _ اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی حضرت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کریم کے متعلق فرمایا: " جب جنگ چھڑ جاتی تھی اور دوبدو لڑائی کے لئے حریف طلب کئے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے رشتہ داروں کو آگے کر کے اپنے صحابہ کو بچالیتے تھے _ جس کی وجہ سے عبیدہ جنگ بدر میں ، حمزہ جنگ احد میں اور جعفر جنگ مؤتہ میں مارا گیا ..."(1)_

یہاں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جنگوں کی ابتداء اپنے رشتہ داروں سے کرتے ہیں تو اس بات سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مہاجرین و انصار کو نہ صرف زبانی کلامی بلکہ عملی طور پر یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہیں اپنے مقاصد تک پہنچنے اور اپنی ذات اور اپنے رشتہ داروں سے خطرات کوٹا لنے کا ذریعہ (یعنی صرف قربانی کا بکرا) نہیں بناناچاہتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیش نظر ایسے اعلی مقاصد تھے جن کے حصول کے لئے سب کو شریک ہونا پڑے گا اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی خوشی ، غمی ، سختی ، آسانی ، دکھ اور سکھ تمام حالات میں ان کے ساتھ برابر کے شریک تھے_ اور دوسروں سے جان کی قربانی طلب کرنے سے پہلے خود قربانی پیش کرتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جتنا بھی ہوسکتا تھا دوسروں کو خطرات سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے، چاہے اس کے بدلے میں اپنے ہی رشتہ داروں کو خطرات میں جھونک دینا پڑتا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جھونک دیتے_

اور یہ ایسی بات ہے جسے ہر اعلی مقصد رکھنے والے شخص ، سیاست دان اور ہر لیڈر کے لئے بہترین نمونہ عمل ہونا چاہئے_ اسے چاہئے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے خود قربانی پیش کرے ، پھر اگر اسے دوسروں کی قربانیوں کی ضرورت پڑی تو اس کے پاس قربانی طلب کرنے کا جواز ہوگا اور ہر کوئی یہ کہے گا کہ وہ اپنے مطالبے میں سچا اور حق بجانب ہے_ اور اسے عملی طور پر اپنے اغراض و مقاصد کی طرف بڑھنے کی بجائے مضبوط قلعوں میں بیٹھ کر صرف دوسروں کو زبانی کلامی احکام صادر کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو اس ہدف کی طرف پیش قدمی کرنے والوں سے مستثنی سمجھ کر دوسروں پر صرف حکم

---

1) انساب الاشراف ج 2 ص 81 ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 15 ص 77 ، کتاب صفین مزاحم ص 90 ، نہج البلاغہ حصہ خطوط خط نمبر 9 ، العقد الفرید ج 4 ص 336، المناقب خوارزمی ص 176 و نہج البلاغہ ج 3 ص 10 و ص 11_

چلانے پر اسے اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے بھی دوسروں کے شانہ بشانہ اپنے مقصد کی طرف بڑھنا چاہئے بلکہ اسے دوسروں سے آگے آگے ہونا چاہئے کیونکہ ہدف چاہے کتنا ہی بلند ، اعلی اور مقدس ہو لیکن پھر بھی اس کی جانب پیش قدمی پر اکسانے اور ابھارنے کے لئے صرف باتوں کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی خاطر خواہ نتیجہ نکلتا ہے بلکہ اس کے ساتھ عمل کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

ج : شیبہ کا توہین آمیز رویہ:

ہم نے وہاں یہ بھی مشاہدہ کیا کہ حضرت حمزہ کے اپنے آپ کو خدا اور رسول ﷺ خدا کے شیر کہنے پر شیبہ نے ان کا کس طرح مذاق اڑایا اور اپنے " حلفاء"کے شیر ہونے پروہ کس طرح اکڑ رہا تھا ۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا اور حقیقت اس کے بالکل بر عکس ہے۔ ان حلفاء کے خاص مفاد اور قبائلی طرز تفکر پر مبنی حلف کے بعض پست اور بے وقعت اہداف و مقاصد پر ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں۔ انہی مقاصد کے حصول کے لئے وہ بدر جیسی جنگیں لڑ رہے تھے۔ اور ہم سب کو معلوم ہے بلکہ ان مشرکوں کو بھی معلوم تھا کہ خدا ، رسول ﷺ خدا اور شیر خدا کے روئے زمین پر قربانی دینے کا مقصد صرف اور صرف دنیا اور آخرت میں انسانیت کی نجات ، بھلائی اور کامیابی ہے۔

د: خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والا حق:

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ کو نسا حق تھا جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام ، حضرت حمزہ اور جناب عبیدہ کو جنگ کا حکم دیتے ہوئے یوں اشارہ فرمایا تھا :" ان سے اپنے اس حق کا مطالبہ کرو جسے خدا نے تمہارے لئے قرار دیا ہے"۔ کیا یہ وہی عقیدے اور فکر کی آزادی کا حق نہیں تھا؟ اور کیا یہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والے، انہیں اپنے ہی گھروں سے نکال باہر کرنے والے اور ان کا مال لوٹنے والے بلکہ کئی مسلمانوں کو قتل کرنے والے اور ان سب پربد ترین زیادتیوں کے مرتکب ہونے والے قریشیوں اور ان کے حملے کے مقابلے میں دین الہی اور اپنی ذات کے دفاع کا حق نہیں تھا؟

خلاصہ کلام : یہ کہ مسلمان آزاد زندگی گذارنا چاہتے تھے اور منحرفوں اور ظالموں کے مقابلے میںدین الہی کا دفاع کرنا چاہتے تھے_ اور مظلوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر ظلم اور زیادتی کرنے والے سے انصاف کا مطالبہ کرے_ خاص کر جب حضور نبی کریم ﷺ نے ان مشرکین کے سامنے وہ مذکورہ پیشکش رکھی تھی لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے بھول کر بھی باز نہیں آئے بلکہ وہ پھونکوں سے چراغ الہی کو بجھانے ، مسلمانوں سے جنگ کرنے اور انہیں نیچا دکھانے پر بضدر ہے ، اسی لئے خداوند عالم کو یہ کہنا پڑا (اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ا ن اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّا ان یقولوا ربنا اللہ) [1]

جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے

جب ابوجہل نے عتبہ ، شیبہ اور ولید کو قتل ہوتے دیکھا تو حالات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا : " ربیعہ کے بیٹوں کی طرح جلد بازی اور تکبر نہ کرو _ ایسا کرو کہ یثرب والوں (یعنی انصاریوں) پر حملہ کر کے ان سب کو گا جرمولی کی طرح کاٹ کر رکھ دو اور قریشیوں کو اچھی طرح کس کر قید کر لو تا کہ انہیں مکہ لے جا کر ان سے اچھی طرح پوچھ گچھ کریں کہ وہ کس گمراہی پر تھے "_

اور ابن عباس اس آیت (و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی) کے متعلق کہتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کہنے پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا:" مجھے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کردو " _ حضرت علی علیہ السلام نے آپ ﷺ کو مٹھی بھر چھوٹے سنگریزے اٹھا کردیئے ایک روایت کے مطابق وہ مٹی سے بھی اٹے ہوئے تھے) _ آنحضرت ﷺ نے وہ کنکریاں لے کر مشرکوں کے چہروںکی طرف (شاہت الوجوہ کہہ کر) پھینک دیں تو تمام مشرکوں کی آنکھیں کنکریوں سے بھر گئیں _ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ کنکریاں ان کی آنکھوں کے علاوہ ان کے منہ اور ناک کے نتھنوں میں بھی جا پڑیں _ پھر تو مسلمانوں نے انہیں یکے بعد دیگرے قتل یا قید کرنا شروع کردیا [2] البتہ یہاں ابن عباس کا کام فقط مذکورہ آیت کو اس معجزاتی عمل سے مطابقت دینا تھا_

---

1) حج / 39و 40_ (2) بحار الانوار ج 19 ص 229 از تفسیر ثعلبي ، المناقب ابن شهر آشوب ج 1 ص 189 نیز ملاحظہ ہو سیرہ حلبیہ ج 2 ص 167_

جنگ بدر میں فرشتوں کا کردار

علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ خدا نے جب فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا توکیا وہ صرف مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے اور بزدلی دور کرنے کے لئے آئے تھے یا انہوں نے خود بھی جنگ میں حصہ لیا تھا؟_ البتہ قرآن مجید کی یہ آیت اس دوسرے نظریئےو رد کرتی ہے (وما جعله الّا بشری و لتطمئن به قلوبکم) [(1)] ترجمہ : " اور خدا نے فرشتوں کو صرف کامیابی کی خوشخبری دے کر بھیجا تا کہ اس طریقے سے تمہارے دل مطمئن ہوں " _ لیکن چند ایک دیگر آیتیں ان کے جنگ میں شریک ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں _ سورہ انفال کی یہ بار ہویں آیت بھی ان میں سے ہے _ (اذ یوحی ربک الی الملائکه انی معکم فثبتو االذین آمنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب ، فاضربوا فوق الاعناق و اضربوا منهم کل بنان)

ترجمہ : (یاد کرو اس وقت کو) جب تمہارے ربّ نے فرشتوں کو یہ وحی کی کہ (مسلمانوں کو جا کر خوشخبری دوکہ گھبراؤ نہیں) میں تمہارے ساتھ ہی ہوں اور مؤمنوں کو ثابت قدم رکھو _ میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دونگا _ تو جا کر ان کے پس گردن بلکہ ہر طرف سے وار کرو " _ البتہ یہ اشارہ اس صورت میں قابل قبول ہوگا جب آیت میں (فاضربوا ...) کے مخاطب فرشتے ہوں ، جس طرح کہ آیت سے بھی بظاہر یہی لگتا ہے _ لیکن اگر اس آیت میں مخاطب مسلمان جنگجو ہوں تو پھر اس آیت میں بھی فرشتوں کے جنگ کرنے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ہوگا _

بہر حال صورتحال جو بھی ہو ، ایک بات مسلّم ہے کہ تمام فرشتے حضرت علی علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے [(2)] اور ہوسکتا ہے کہ وہ کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعدا د زیادہ دکھانے کا سبب بنے ہوں

---

1) انفال / 15 _

2) بحار الانوار ج 19 ص 285 از المناقب ، لیکن دیگر مؤرخین سے مروی ہے کہ وہ فرشتے زبیر کی شکل و صورت میں نازل ہوئے _ کیونکہ زبیر کے سر پر زرد عمامہ (پگڑی) تھا اور ملائکہ بھی سر پر زرد عمامے باندھے ان پر نازل ہوئے _ اس بارے میں ملاحظہ ہو: مستدرک حاکم ج 3 ص 361 ، حیاۃ الصحابہ ج 3 ص 586 از مستدرک و کنز العمال ص 268 از طبرانی و ابن عساکر و مجمع الزوائد ج 6 ص 84 لیکن مذکورہ بات کی نفی دلائل النبوہ ابو نعیم ص 170 و حیاۃ الصحابہ ج 3 ص 586 میں مذکور وہ روایتیں کرتی ہیں جن میں آیا ہے کہ جنگ بدر کے دن ملائکہ سر پر سفید عمامہ باندھے نازل ہوئے تھے _

کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (و یکثرکم فی اعینھم) " اور خدا نے ان کی آنکھوں میں تمھیں کثیر جلوہ گر کیا "_

جنگ جمل میں بی بی عائشہ کا کردار

اسی مناسبت سے ہم یہاں یہ ذکر بھی کرتے چلیں کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کرتے ہوئے) جنگ جمل میں بی بی عائشہ نے بھی کہا تھا کہ مجھے مٹھی بھر مٹی چاہئے _ جب اسے مٹی فراہم کی گئی تو بدروالوں کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سلوک کی طرح اس نے بھی حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے اس پر پھونک مارتے ہوئے کہا : " شاہت الوجوہ " (چہرے بگڑ جائیں) _ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا : (و ما رمیت از رمیت و لکن الشیطان رمی و لیعودن و بالک علیک ان شاء اللہ) (شیطان نے تمہارے ذریعہ یہ مٹی پھینکی ہے _ اس کا برا انجام بھی انشاء اللہ تمہاری ہی گردن پکڑے گا) [1] _

اسی طرح جب بی بی عائشہ نے حضرت علی علیہ السلام کو جنگ جمل میں اپنی فوج کی صفوں میں ایسے چکر لگاتے ہوئے دیکھا جیسے جنگ بدر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا اپنی فوج کی صفوں کی نگرانی کر رہے تھے ، تواس نے کہا : "اسے دیکھو تو سہی مجھے تو لگتا ہے کہ وہ تم پر کامیابی کے لئے دوپہر کے وقت سورج کے زوال کا انتظار کر رہا ہے " [2] اور ہوا بھی ایسے ہی ، نیز اس موقع پر بھی امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے بالکل سچ فرمایا تھا_

شکست اور ذلت

بہر حال خدا نے مشرکین کو بہت بری طرح شکست سے دوچار کیا _ اس جنگ میں ابوجہل بھی مارا گیا _

---

1) کتاب الجمل شیخ مفید ص 186 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 1 ص 257 نیز ملاحظہ ہو الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 325_

2) الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 214 _ یہاں بدر اور جمل کے واقعات اور شخصیتوں کے کردار و گفتار کی عینی یا عکسی مشابہت بھی نہایت حیرت انگیز ہے البتہ یہاں تفصیل کی گنجائشے بالکل نہیں ہے لیکن ذہن قارئین سے بھی پوشیدہ نہیں ہے _ مترجم

رسول ﷺ خدا نے اسے پہلے ہی پیشین گوئی کردی تھی کہ خدا اسے آپ ﷺ کے سب سے کمزور صحابی کے ہاتھوں مارے گا _ بلکہ آپ ﷺ نے وقوعہ سے پہلے ہی اسے جنگ بدر کا سارا واقعہ بتا دیا تھا [1] _ تو اسے ایک انصاری نے قتل کردیا تھا پھر ابن مسعود نے آکر اس کا سر کاٹ دیا تھا_ یہ بھی منقول ہے کہ ابن مسعودنے اسے آخری سانسوں میں پایا تو اس نے آکر اس کا کام تمام کردیا _ لیکن پہلی بات حقیقت سے قریب ترہے اس لئے کہ اس کا سامان ابن مسعود کے علاوہ کسی اور نے غنیمت کے طور پر لوٹا تھا _

جنگ بدر کا سب سے پہلا بھگوڑا ابلیس ملعون تھا _ کیونکہ روایات کے مطابق وہ مشرکین کو قبیلہ بنی کنانہ کے ایک بزرگ سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں دکھائی دیتا تھا _ اور وہ اس لئے کہ قریش قبیلہ بنی بکر بن عبد مناف کو کسی خونی معاملے کی وجہ سے اپنے ساتھ ملانے سے ڈرتے تھے جس کی وجہ سے ابلیس قریشیوں کو سراقہ کی شکل میں نظر آیا اور انہیں مطلوبہ ضمانت فراہم کی اور وہ سب ساتھ ہولئے _ لیکن جب اس نے مشرکین کی حالت زار دیکھی اور مسلمانوں کی مدد کو آئے ہوئے ملائکہ کو بھی مشاہدہ کیا تو وہ اس کام سے پیچھے ہٹ گیا جس کی وجہ سے مشرکین شکست کھا گئے تو مکہ والے یہ کہنے لگے کہ سراقہ بھاگ گیا _ لیکن (اصلی) سراقہ نے کہا : " مجھے تو تمہارے جانے کا بھی اس وقت پتہ چلا جب تمہاری شکست کی خبر مجھے ملی " _ پھر انہیں مسلمان ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو شیطان تھا _

یہ بھی مروی ہے کہ جب ابوسفیان نے قافلہ کو مکہ پہنچادیا تو خود واپس پلٹ آیا اور قریش کی فوج کے ساتھ مل کر بدر کے میدان تک آیا _ اور اس جنگ میں اسے بھی کئی زخم لگے اور وہ واپس بھاگتے ہوئے گھوڑے سے گرپڑا اور پھر پیدل ہی مکہ جاپہنچا _ [2]

---

1) بحار الانوار ج 19 ص 267 از الاحتجاج و حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب تفسیر ص 118 و ص119

2) تاریخ الخمیس ج 1 ص 375_

دوسری فصل:

جنگ کے نتائج

جنگ کے نتائج :

جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قید کرلئے گئے _ البتہ یہ بھی منقول ہے کہ پینتالیس آدمی قتل اور اتنے ہی قیدی ہوئے _ لیکن ہوسکتا ہے اس دوسرے نظریئےی بنیاد بعض مؤرخین کی یہ بات ہو کہ مذکورہ مقدار میں یا اس سے زیادہ مشرکین قتل ہوگئے _ جس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ان کے مقتولین اور قیدیوں کی آخری تعداد ہے _ لیکن مذکورہ بات اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ مقتول مشرکین کی کل تعداد اتنی تھی بلکہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ راوی کو اتنی تعداد کا علم ہوسکا ہے _

لیکن مسلمانوں کے شہدا کے متعلق مختلف نظریات ذکر ہوئے ہیں _ نو بھی مذکور ہے ، گیارہ بھی اور چودہ شہیدوں کا نظریہ بھی ہے کہ جس میں سے چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصاری _ البتہ قید کوئی نہیں ہوا تھا _ جبکہ مال غنیمت میں مشرکین کے اڑھائی سو اونٹ ، دس گھوڑے (البتہ ابن اثیر کے مطابق تیس گھوڑے) اور بہت زیادہ ساز و سامان ، اسلحے ، چمڑے کے بچھونے ، کپڑے اور چمڑے مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے [1] _

حضرت علی علیہ السلام کے کارنامے:

مشرکین کے اکثر مقتولین ، مہاجرین بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں اور خاص کر خود حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے تھے_ اور اس دن کافروں کو بہت بڑی مصیبت ، اور شکست دینے کی وجہ سے کافروں نے آپ علیہ السلام کو " الموت الاحمر" (سرخ موت) کا نام دیا [2] _

____

1) المغازی واقدی ج 1 ص 102 و 103 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 118 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 183_

2) المناقب ابن شہر آشوب ج 2 ص 68_

اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ شعبی ہمیں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ " پورے عرب کو اس بات کا اعتراف ہے کہ علی علیہ السلام سب سے زیادہ بہادر شخصیت تھے" [1] _ اور گذشتہ فصل میں " جنگ کی ابتدا" کے تحت عنوان حسان بن ثابت کے اشعار کے جواب میں قبیلہ بنی عامر کے ایک آدمی کے اشعار اور اپنے مقتولین کے مرثیہ میں ہندہ کے اشعار بھی اس بارے میں ذکر ہوچکے ہیں _

نیز مشرکین قریش کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتے ہوئے اسید بن ابی ایاس نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

فی کل مجمع غایة اخزاکم

جذع ابرعلی المذاکی القرح

للہ درکم المیا تنکروا

قد ینکر الحر الکریم و یستحی

ھذا ابن فاطمة الذی افناکم

ذبحاً و قتلاً قعصة لم یذبح

اعطوه خرجاً و اتقوا تضریبه

فعل الذلیل وبیعة لم تربح

این الکھول و این کل دعامة

فی المعضلات و این زین الابطح

افناھم قعصاً و ضرباً یفتری

بالسیف یعمل حده لم یصفح[2]

---

1) نور القبس ص 249_

2) اسد الغابہ ج 4 ص 20 و 21 ، زندگی امام علی علیہ السلام در تاریخ دمشق باتحقیق محمودی ج 1 ص 15 ، ارشادمفید ص 47 ، المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 121 ، بحار الانوار ج 19 ص 282 ، انساب الاشراف با تحقیق محمودی ج 2 ص 188 و تیسیر المطالب ص 50 _

ہر ٹکراؤ پر آخر کار اس نے تمہیں خوار کیا _ سوئی کی طرح کا ایک لاغر آدمی اچھے بھلے شہ زوروں پر غالب آرہا ہے _ تمہیں خدا کا واسطہ بتاؤ کیا اب بھی تمہیں شرمندگی محسوس نہیں ہوئی؟ حالانکہ ان باتوں سے تو کسی بھی شریف آزاد خیال آدمی کو بھی شرمندگی اور پچھتاوا ہوسکتا ہے _ یہ فاطمہ (بنت اسد) کا چھوکرا تمہیں گا جرمولی کی طرح کاٹ کاٹ کر نیست و نابود کرتا جارہا ہے _ اس کے تند و تیز مہلک وار سے بچ بچا کر اسے اپنے اس پست کام اور بے فائدہ بیعت کا مزا چکھاؤ _ کہاں ہیں وہ بزرگ ، کہاں ہیں مشکلات میں وہ پناہ گا ہیں اور کہاں ہیں مکہ اور بطحاء کے سپوت _ علی علیہ السلام نے ہی انہیں فوری موت کا مزہ چکھایا ہے _ اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے ان کا کام تمام کردیا ہے _ وہ اکیلے ہی یہ کام کررہا ہے اور کسی کو معاف بھی نہیں کر رہا _

وہ علی علیہ السلام کو سرخ موت کیوں نہ کہتے ؟ جبکہ بعض روایات کے مطابق جنگ بدر میں ہی جبرائیل علیہ السلام نے آسمان اور زمین کے درمیان آکر ندادی :

(لافتی الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار)

(جوان ہے تو صرف علی علیہ السلام ہے اور تلوار بھی ہے تو صرف ذوالفقار ہی ہے)

البتہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبرائیل نے یہ صدا جنگ احد میں لگائی تھی _ انشاء اللہ اس بارے میں مزید بات بعد میں ہوگی _ بہر حال مشرکین کے ستر مقتولین میں سے آدھے کو حضرت علی علیہ السلام نے بذات خود اکیلے ہی واصل جہنم کیا تھا اور باقی نصف کے قتل میں بھی شریک رہے تھے [1] _ اور شیخ مفید نے تو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے چھتیس مشرکین کا نام بھی ذکر کیا ہے [2] _ ابن اسحاق کہتا ہے کہ جنگ بدر میںاکثرمشرکین کو حضرت علی علیہ السلام نے ہی قتل کیا تھا [3] _ طبرسی اور قمی کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ستائیس

---

1) ملاحظہ ہو : دلائل الصدق ج 2 ص 353 کے ضمن میں نہج الحق _ اور اس بات پر فضل ابن روز بہان جیسے متعصب نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا _

2) الارشاد ص 43 و 44 ، بحارالانوار ج 19 ص 277 و 316از الارشاد و اعلام الوری ص 77_

3) المناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 120 و بحارالانوار ج 19ص 291

مشرکوں کو قتل کیا [1] _ جبکہ اسامہ بن منقذ کہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ مشرکوں کے قتل میں شریک ہونے کے علاوہ چوبیس کو آپعليه‌السلام نے بذات خود قتل کیا [2] _ شبلنجی کہتا ہے کہ " بعض مؤرخین کے بقول غزوہ نویسوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر میں کل ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور راویوں کے متفقہ فیصلے کے مطابق ان میں سے اکیس آدمیوں کو صرف حضرت علی عليه‌السلام نے قتل کیا اور چار کے قتل میں دوسروں کا ساتھ دیا البتہ آٹھ مقتولین کے قاتل کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے " [3] _ واقدی نے کل بائیس مقتولین کا نام لیا ہے جن میں سے اٹھارہ حضرت علی عليه‌السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے جبکہ چار کے متعلق اختلاف ہے [4] اور معتزلی اور ابن ہشام نے (بالترتیب) کہا ہے کہ حضرت علیعليه‌السلام نے انتیس مشرکوں کو فی النار کیا یا کل باون مقتولین میں سے اتنے کے قتل میں دوسروں کا ساتھ دیا [5] لیکن تعدا دمیں یہ اختلاف زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے کیونکہ ان مقتولین کا نام ذکر کرنے والے مؤرخین نے تھوڑی کمی بیشی کے ساتھ پچاس کے لگ بھگ مقتولین کا نام ذکر کیا ہے [6] _ ان میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے ان میں سے نصف یا اس سے بھی زیادہ تعداد کو قتل کیا اور اگر یہ لوگ باقی افراد کا نام بھی جان لیں تو یقینا (دوسروں کے ساتھ مشرکین کے قتل میں شراکت کے علاوہ) خود حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد ستر کے نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ تک پہنچ جائے گی _ حقیقت تو بالکل یہی ہے لیکن ان مزکورہ مؤرخین کے بعد آنے والے مؤرخین نے ان پچاس افراد کو (جنہیں مذکورہ افراد نے پچاس کے ضمن میںنام کے ساتھ ذکر کیا ہے) کل تعداد سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ تعداد کل تعداد کا ایک حصہ ہے _ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بعض مؤرخین جن افراد کا نام ذکر کرتے ہیں ان

---

1) ملاحظہ ہو ، تفسیر قمی ج 1 ص 271 و بحار الانوار ج 19 ص 240 از مجمع البیان

2) لباب الہ‌آداب ص 173 (3) نور الابصار ص 86 (4) المغازی واقدی ج 1 ص 147 تا ص 152

5) ملاحظہ ہو : سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 365 تا ص 372 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 208 تا 212

6) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 212 و ابن ہشام و واقدی و غیرہ

سے دیگر مؤرخین بالکل ناواقف ہیں اور اسی طرح معاملہ برعکس بھی ہے _ اور یہ چیزہماری اور شیخ مفید و غیرہ کی باتوں کی تائید اور تاکید کرتی ہے _

بہرحال ، امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے لوگوں میں مندرجہ ذیل افراد بھی تھے _ طعیمہ بن عدی ، ابوحذیفہ بن ابوسفیان ، عاص بن سعید بن عاص(جس سے سب لوگ ڈرتے تھے) ، نوفل بن خویلد (یہ قریش کا شریر ترین آدمی تھا) اور عاص بن ہشام بن مغیرہ [1] _

ایک اور جھوٹی روایت

بعض لوگوں کے گمان میں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو جناب عمر بن خطاب نے ہی ہلاک کیا تھا [2] وہ روایت کرتے ہیں کہ عمر نے سعید بن عاص سے کہا : " میں نے تمہارے باپ کو نہیں بلکہ اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا " [3] _

لیکن یہ مشکوک بات ہے کیونکہ :

مذکورہ عاص ، عمر کا ماموں نہیں تھا _ اس لئے کہ عمر کی ماں حنتمہ ہشام بن مغیرہ کی نہیں بلکہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھی _ اور جن علماء نے اسے ہشام کی بیٹی کہا ہے [4] انہوں نے غلط کہا ہے _ ابن حزم کہتا ہے : " ہاشم کا حنتمہ کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تھا " [5] اور ابن قتیبہ نے کہا ہے : " اور عمر بن خطاب کی ماں ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی حنتمہ تھی جو عمر کے باپ کی چچا زاد تھی " [6] _

بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حنتمہ سعید بن مغیرہ کی بیٹی تھی [7] _

---

1) المنمق ص 456 وا لاغانی مطبوعہ ساسی ج 3 ص 100_ (2) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 368 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 145 و نسب قریش مصعب زبیری ص 301_ (3) المغازی واقدی ج 1 ص 92 ، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 289 ، نسب قریش مصعب زبیری ص 176 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 290 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 381 ، حیاة الصحابہ ج 2 ص 333 و الاصابہ و الاستیعاب _ (4) تاریخ عمر بن خطاب ابن جوزی ص 19_ (5) جمہرة انساب العرب ص 144_

6) الشعر و الشعراء ص 348_ (7) تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 20_

البتہ بعض نے یہ احتمال دیا ہے کہ اس نے اسے اپنا ماموں کہہ کر اس سے اپنا مادری قبلیہ مراد لیا ہے کیونکہ عرب لوگ اپنے مادری قبیلہ کے ہر فرد کو اپنا ماموں کہتے تھے جیسا کہ شاعر کا کہنا ہے :

ولو انی بلیت بھاشمی

خؤولته بنی عبدالمدان

اور چاہے میں اس ہاشمی کے چنگل میں پھنس جاؤں جن کے ماموں بنی عبدالمدان کا قبیلہ ہے_

لیکن یہ احتمال اس کی باتوں سے ناسازگار ہے کیونکہ " خالی " (میر اماموں) کے لفظ سے ذہن میں فوراً حقیقی اور سگے ماموں کا تصور بھر تا ہے _ اور لفظ" اخوال" (میرے ماموں) کے مادری قبیلے پر اطلاق کا یہ لازمہ نہیں ہے کہ یہ بات بھی صحیح سمجھی جائے کہ کوئی شخص " خالی " (میرا ماموں) کہہ کر مادری قبیلے کا ایک فرد مراد لے جبکہ وہ اس کا سگا ماموں ہو ہی نہ _ پس یہ کہنا تو صحیح ہے کہ " بنو مخزوم اخوالنا " (قبیلہ بنی مخزوم ہمارا مادری قبیلہ ہے) لیکن " فلان المخزوی خالی " (قبیلہ بنی مخزوم کا فلاں شخص میرا ماموں ہے _ جبکہ وہ سگا نہ ہو یہ) کہنا صحیح نہیں ہے _ اس لئے کہ دوسرے جملے سے حقیقی اور سگا ماموں مراد لیا جاتا ہے _

بلکہ بعض مؤرخین نے تو حنتمہ کو مخزومی (قبیلہ بنی مخزوم کی عورت) بھی ماننے سے سرے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہاشم نے اسے راستے میں پڑا ہوا دیکھا تو اسے اٹھا کر ساتھ لے آیا اور اسے پال پوس کر اس کی شادی خطاب سے کردی _ اس کی پرورش کرنے اور پالنے پوسنے کی وجہ سے عرب اپنی عادت کی بناپر حنتمہ کو ہاشم کی بیٹی کہا کرتے تھے[1]_

تو پھر صحیح کیا ہے ؟

ہو سکتا ہے کہ ابن ابی الحدید معتزلی اور شیخ مفید کی بیان کی ہوئی مندرجہ ذیل روایت زیادہ معتبر ، حقیقت

---

1) د لائل الصدق ج 3 حصہ 1 ص 56_

سے قریب تر اور اس وقت کے سیاسی حالات اور سیاسی فضا کے مناسب تر ہو _اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ عثمان بن عفان اور سعید بن عاص حضرت عمر کی خلافت کے ایام میں اس کے پاس آئے _ عثمان تو اس محفل میں اپنی پسندیدہ جگہ پر آکر بیٹھ گیا لیکن سعید آکر ایک کونے میں بیٹھ گیا تو عمر نے اسے دیکھ کر کہا:" تم مجھ سے کترا کیوں رہے ہو ؟ ایسے لگتا ہے جیسے میں نے ہی تمہارے باپ کو قتل کرڈالا ہو اسے میں نے نہیں ابوالحسن (حضرت علی عليه‌السلام) نے قتل کیا ہے " (البتہ شیخ مفید کی روایت میں یوں آیا ہے کہ پھر عمر نے کہا : "جب میں نے تمہارے باپ کو لڑائی کے لئے تیار دیکھا تو اس سے ڈرگیا اور اس سے ادھر ادھر ہونے لگا تو اس نے مجھ سے کہا کہ خطاب کے بیٹے کہاں بھاگے جا رہے ہو ؟ لیکن علی عليه‌السلام اس کی طرف آیا اور اسے جالیا _ ابھی خدا کی قسم میںا پنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ اس نے اسے وہیں مارڈالا) _ وہاں حضرت علی علیہ السلام بھی موجود تھے، انہوں نے کہا : " خدایا معاف کرنا _ شرک اپنی تمام برائیوں سمیت مٹ گیا اور اسلام نے گذشتہ تمام نقوش مٹادیئےیں _ لیکن تم کیوں لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا رہے ہو؟" عمر اس بات کا جواب نہ دے پایا_ لیکن سعید نے جواب میں کہا : " لیکن اگر میرے باپ کا قاتل اس کے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو پھر مجھے اس کا افسوس ہوتا " (2) _

پس اس روایت میں یہ بات تو ملتی ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام نے عمر کی جان بچائی لیکن یہ بات نہیں ملتی کہ عمر نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا ہو _ البتہ (جس طرح پہلے بتا چکے ہیں) عاص ، عمر کا ماموں بھی نہیں تھا یا کم از کم اس کا عمر کا ماموں ہونا نہایت مشکوک ہے _ نیز اس روایت میں خاص کر سعید اور حضرت علی علیہ السلام کی باتوں میں کئی اور اشارے بھی ملتے ہیں _صاحبان فہم کو غور و فکر کی دعوت ہے_

نکتہ

جنگ بدر اور جنگ احد و غیرہ نے مشرکین کے دلوں پر حضرت علی علیہ السلام کی بہت زیادہ دھاک

---

1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 4 1 ص 144 و ص 145 و الارشاد ص 46_

بٹھادی تھی _ حتی کہ یہ بھی منقول ہے کہ قریشی جب بھی حضرت علی علیہ السلام کو کسی لشکر یا گروہ میں دیکھ لیتے تو ایک دوسرے کو وصیتیں کرنے لگ جاتے تھے_

ایک مرتبہ جب آپ علیہ السلام نے دشمن کی فوج کو تتر بتر کردیا تو ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کہا:"مجھے ایسے لگا کہ ملک الموت(موت کا فرشتہ) بھی اسی طرف جاتا ہے جس طرف علی علیہ السلام جاتا ہے"[1]_

مشرکین کے مقتولین ، کنوئیں میں:

جنگ ختم ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں موجود ایک کنوئیں کو مٹی سے بند کراکے مشرکین کی لاشوں کو اس میں ڈالنے کا حکم دیا تو سب لاشیں اس میں ڈال دی گئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مقتول کا نام لے کر پکارتے ہوئے پوچھا _"کیا تم لوگوں نے اپنے خداؤں کے وعدہ کی حقیقت دیکھ لی ہے ؟ میں نے تو اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا ہے _ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدترین قوم تھے _ تم نے مجھے جھٹلایا لیکن دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی ، تم نے مجھے در بدر کیا لیکن دوسرے لوگوں نے مجھے ٹھکانہ دیا اور تم نے مجھ سے جنگ کی جبکہ دوسروں نے میری مدد کی " یہاں عمر نے کہا :" یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرنے والوں سے باتیں کر رہے ہیں؟"_ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:" وہ میری باتیں تم لوگوں سے زیادہ سن اور اچھی طرح سمجھ رہے ہیں لیکن وہ میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے"[2]_ لیکن بی بی عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات "انہوں نے میری باتیں سن لی ہیں"کاانکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"وہ میری باتیں پہلے سے ہی جان چکے تھے"_ اور اپنی مذکورہ بات کی دلیل کے طور پر یہ آیتیں پیش کی ہیں (انک لا تسمع الموتی)ترجمہ : " آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کو کوئی بات نہیں سنا سکتے" _ اور (و ما انت بمسمع من فی القبور)[3] ترجمہ : " اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں لیٹے مردوں کو کوئی بات نہیں

---

1) محاضرات الادبا راغب اصفہانی ج 2 ص 138_ (2) ملاحظہ ہو : فتح الباری ج 7 ص 234 و ص 234 نیز اسی مقام پر حاشیے میں صحیح بخاری ، الکامل ابن اثیر ، ج 2 ص 29 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 386 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 82 و حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 333 و ص 334_

3) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 82 ، نیز ملاحظہ ہو : مسند احمد ج 2 ص 31 و ص 38 و دیگر کتب _

سنا سکتے"_ لیکن بخاری میں قتادہ سے مروی ہے کہ خدا نے ان کی روحوں کو ان کے جسم میں واپس لوٹا دیا جس کی وجہ سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی باتیں سن لیں_ اور بیہقی نے بھی یہی جواب دیا [1]_

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر قتادہ کی بات صحیح ثابت ہوجائے تو یہ سردار انبیا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ایک معجزہ ہوگا_

البتہ حلبی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ مردوں کا حقیقت میں سننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ جب ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے مضبوط تعلق پیدا ہوجائے تو ان کے کانوں سے سننے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے _ اس لئے کہ سننے کی یہ حس ان کے اندر باقی رہتی ہے _ اور مذکورہ دو آیتوں میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے وہ مشرکوں کو نفع پہنچانے والا سماع ہے _ اس کی طرف سیوطی نے بھی اپنے اشعار میں یوں اشارہ کیا ہے:

سماع موتی کلام اللہ قاطبة

جاء ت به عندنا الاثار فی الکتب

و آیة النفی معناها سماع هدی

لا یقبلون و لا یصغون للادب

تمام مردوں کے خدا کے کلام کو سننے کے متعلق ہماری کتابوں میں کئی روایتیں منقول ہیں _ اس لئے وہ قابل قبول ہے البتہ آیت میں جس سماع کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ہدایت قبول کرنے والا سماع ہے کیونکہ وہ اپنی بے ادبی کی وجہ سے ہدایت کی ان باتوں پر کان نہیں دھرتے_

اس لئے کہ خدا نے زندہ کافروں کو قبر میں پڑے مردوں سے اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ وہ نفع بخش اسلام سے کوئی نفع حاصل ہی نہیں کرنا چاہتے [2]_

---

1) ملاحظہ ہو : بخاری باب غزوہ بدر نیز ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 279 میں معتزلی کا بیان _

2) ملاحظہ ہو : سیرہ حلبیہ ج 2 ص 82_

کیا " مہجع" سید الشہداء ہے؟

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں دونوں فوجوں کی صفیں منظم ہوگئیں تو سب سے پہلے "مھجع" (عمر کا غلام) جنگ کرنے نکلا اور مارا گیا _ بعض مشائخ کے بقول " امت محمدیہ ﷺ میں اسے سب سے پہلا شہید کہا گیا" _ اور اس کے متعلق رسول ﷺ خدا نے فرمایا کہ مھجع تمام شہیدوں کا سردار ہے (1)_ لیکن یہ تمام باتیں مشکوک ہیں ، کیونکہ :

1_ یہاں یہ سوال پیدا ہوتے ہیں کہ اس امت کا سب سے پہلا شہید مھجع کیوں کہلائے گا اور عمار کے والد جناب یا سریا ان کی والدہ جناب سمیہ اسلام کے پہلے شہید کیوں نہیں کہلائے جاسکتے ؟ حالانکہ یہ دونوں شخصیات جنگ بدر سے کئی برس پہلے شہید ہوئے_ نیز اسی جنگ بدر میں مھجع سے پہلے شہید ہونے والے عبیدہ بن حارث کو ہی اسلام کا سب سے پہلا شہید کیوں نہیں کہا جائے گا؟

2_ ان کا یہ کہنا کہ صفوں کے منظم ہونے کے بعد وہ سب سے پہلے جنگ کرنے نکلا، ناقابل قبول ہے _ کیونکہ مسلمانوں سے سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام ، جناب حمزہ اور جناب عبیدہ بن حارث جنگ کے لئے نکلے تھے_

3_ " مھجع" کے سید الشہداء ہونے والی بات کے ساتھ یہ روایت کیسے جڑے گی کہ " حضرت حمزہ " سیدالشہداء ہیں ؟ (2)_ اس بات کا ذکر انشاء اللہ غزوہ احد کی گفتگو میں ہوگا_ وہ حضرت علی علیہ السلام کا یہ شعر بھی خو دہی نقل کرتے ہیں کہ :

محمّد النبی اخی و صہری

و حمزۃ سیدالشہداء عمی (3)

---

1) سیرہ حلبیہ 2 ص 61 نیز ملاحظہ ہو : المصنف ج 5 ص 351_

2) سیر اعلام النبلاء ج 1 ص 172 ، مستدرک حاکم ج 3 ص 195، ص 199 ، تلخیص ذہبی (مطبوعہ بر حاشیہ مستدرک) ، مجمع الزوائد ج 9 ص 268 ، حیاۃ الصحابہ ج 1 ص 571 و تاریخ الخمیس ج 1 ص 164 و ص 165_

3) روضۃ الواعظین ص 87 ، الصراط المستقیم بیاضی ج 1 ص 277 ، کنز الفوائد کراجکی مطبوعہ دار الاضواء ج 1 ص 266 و الغدیر ج 6 ص 25 تا 33 از نہایت کثیر منابع _

نبی کریم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم میرے (چچا زاد) بھائی اور میرے سسر ہیں اور سیدالشہدا جناب حمزہ میرے چچا ہیں _

اسی طرح خود حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " اور سیدالشہداء حمزہ بھی ہم میں سے ہی ہیں"[1]_

4_ ان کی یہ بات کہ" مھجع مسلمانوں کاپہلا شہید ہے" اس بات کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں " کے سب سے پہلے شہید عمیر بن حمام ہیں"[2]؟_

حلبی نے اس کی یہ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ عمیر انصاری مقتول تھا جبکہ اول الذکر مہاجر تھا _ لیکن پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سب سے پہلا انصاری شہید تو حارثہ بن قیس تھا _ لیکن اس جواب کو پھر خود اس نے ہی یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ حارثہ کسی نا معلوم تیر سے مارا گیا تھا اور اس کا قاتل نا معلوم تھا[3]_

لیکن یہ واضح سی بات ہے کہ یہ صرف لفظوں کا کھیل ہے _ کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں اسلام کا سب سے پہلا شہید ہے یا بدر میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا شہید ہے تو نہ ہی اس کے آلہ قتل کی کوئی بات ہوتی ہے نہ اس کے شہر یا علاقے کی اور نہ ہی اس کے قوم و قبیلہ کی _ و گرنہ بطور مثال یہ کہا جانا چاہئے تھا کہ فلاں مہاجرین کا سب سے پہلا شہید ہے اور فلاں انصار کا اولین شہید ہے_ یا فلاں سب سے پہلے تیر سے شہید ہوا یا نیزے سے شہید ہو ا یا اس طرح کی دیگر باتیں ہوتیں تو یہ اس کے مطلوب اور مقصود سے زیادہ سازگار ہوتا_ پھر بھی اگر حلبی کی بات صحیح مان لی جائے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدالشہداء کا لقب عمیر بن حمام ، عبیدہ یا حارثہ بن قیس کو چھوڑ کر صرف مھجع کو کیوں دیا گیا ؟ اور اسے ایسا لقب کس وجہ سے دیا گیا ؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے اسلام کی ایسی مدد اور حمایت کی تھی کہ دوسرے نہیں کر سکے تھے؟ یا یہ باقی دوسروں سے ذاتی اور اخلاقی فضائل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا؟ یا صرف اس وجہ سے اسے سید الشہداء کا لقب ملا

---

1) الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 273 و الاصابہ ج 1 ص 354 ، نیز ملاحظہ ہو : بحار الانوار ج 44 ص 140 و المسترشد ص 57_

2) الاصابہ ج 3 ص 31 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 161_

3) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 161_

کہ وہ عمر بن خطاب کا غلام تھا؟ پس اس وجہ سے اس کے پاس ایسی فضیلت ہونی چاہئے جو سیدا لشھداء حضرت حمزہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی ؟ ہمیں تو نہیں معلوم شاید سمجھدار قاریوں کو اس کا علم ہو_

ذوالشمالین:

بدر میں ذوالشمالین بھی رتبہ شہادت پر فائز ہوا (اسے ذوالشمالین اس لئے کہتے تھے کہ وہ ہر کام اپنے دونوں ہاتھوں سے کیا کرتا تھا) _ اس کا اصل نام عمیر بن عبد عمر و بن نضلہ بن عمر و بن غبشان تھا[1] _ البتہ یہاں (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کے بھول چوک اور ذوالشمالین کے آپ ﷺ پر اعتراض کا ایک لمبا واقعہ مذکور ہے، لیکن چونکہ اسے " سیرت سے متعلق چند ابحاث " میں ذکر کریں گے اس لئے یہاں اس کے ذکر سے چشم پوشی کرتے ہیں _ پس وہاں مراجعہ فرمائیں_

البتہ جنگ بدرسے متعلق دیگر حالات و واقعات کے بیان سے قبل درج ذیل نکات بیان کرتے چلیں:

الف : جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی خطیر مہم

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:" جنگ بدر کے موقع پر میں کچھ دیر جنگ کرتا اور کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد میں یہ دیکھنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس آتا کہ آپ ﷺ کا کیا حال ہے اور کیا کر رہے ہیں_ میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ سجدے کی حالت میں " یا حی یا قیوم "کا ورد کر رہے ہیں اور اس سے آگے کچھ نہیں فرما رہے ،میں پھر واپس لڑنے کے لئے چلا گیا _ پھر کچھ دیر لڑنے کے بعد واپس آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ ابھی تک اسی ورد میں مصروف ہیں اسی لئے میں پھر واپس جنگ کرنے چلاگیا اور اسی طرح بار بار وقفے وقفے سے آپ ﷺ کی خبرگیری کرتا رہا ، یہاں تک کہ خدا نے ہمیں فتح سے ہمکنار کیا"[2]

---

1) ملاحظہ ہو : سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 337 ، طبری اس کی تاریخ کے ذیل میں ص 157، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 491، نسب قریش مصعب زبیری ص 394 ، الاصابہ ج 1 ص 486 و طبقات ابن سعد ج 3 ص 119_

2) البدایة و النهایہ ج 3 ص 275 و ص 276 از بیہقی و نسائی در الیوم واللیلة ، حیاة الصحابہ ج 1 ص 502 از مذکورہ و از کنز العمال ج 5 ص 267 از حاکم، بزار ، ابو یعلی و فریابی_

البتہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنحضرتﷺ سرے سے جنگ بدر میں شریک ہی نہیں ہوئے _ ہوسکتا ہے آپﷺ جنگ بدر کے شروع میں مسلمانوں کا دل بڑھانے کے لئے شریک ہوئے ہوں اور جب آپﷺ کو یہ مقصد حاصل ہوگیا تو آپﷺ میدان جنگ سے علیحدہ ہوکر دعاؤں اور راز و نیاز میں مصروف ہوگئے ہوں[1]_

چند نکات:

1_ حضرت علی علیہ السلام ان سخت حالات میں بھی آنحضرتﷺ کی مسلسل خبرگیری کرتے رہے اور آپﷺ سے ان جان لیوا گھڑیوں میں بھی ایک لحظہ اور ایک پل کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے _ اسی طرح یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام دیگر مقامات اور حالات میں بھی آنحضرتﷺ کی خبرگیری کرتے تھے اور آپﷺ کی حفاظت اور حمایت کو حضرت علیہ السلام نے اپنے ذمہ لے لیا تھا _ کیونکہ یحیی سے مروی ہے کہ ہمیں موسی بن سلمہ نے یہ بتایا ہے کہ میں نے جعفر بن عبداللہ بن حسین سے حضرت علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہما السلام کے (مسجد نبوی ﷺ میں) ستون کی بابت پوچھا تو اس نے کہا :" باب رسول اللہ کی طرف یہاں ایک حفاظتی چوکی تھی اور حضرت علی علیہ السلام اس میں تربت رسول ﷺ کی طرف رخ کرکے بیٹھتے تھے اور آنحضرتﷺ کی حفاظت کیا کرتے تھے"[2]_ سمہودی نے بھی اپنی کتاب میں اس ستون کا ذکر " اسطوان المحرس " (حفاظتی چوکی والا ستون) کے نام سے کیا ہے[3]_

2_ ان سخت اور کٹھن گھڑیوں میں بھی آنحضرتﷺ کا دعا اور مبداء اعلی یعنی پروردگار یکتا سے رابطے کا اہتمام قابل ملاحظہ ہے _ کیونکہ وہی اصل طاقت اور کامیابی کا سرچشمہ ہے _ آپﷺ مسلمانوں کو یقین اور صبر

---

1) گذشتہ بات معقول اور مسلم نظر آتی ہے البتہ لگتا یہی ہے کہ آپﷺ کفار کے منہ میں خاک ڈال کر تھوڑی دیر جنگ میں مصروف رہے ہوں گے تا کہ مسلمانوں کی جنگ کے لئے حوصلہ افزائی ہو اور جب وہ جنگ میں مصروف ہوگئے ہوں گے تو آپﷺ رن سے نکل کر مصلی میں مصروف دعا ہوگئے ہوں گے_ و اللہ العالم _ از مترجم _

2) وفاء الوفاء ج 2 ص 448_

3) ایضاً_

عطا کرنے اور انہیں خدا کے لطف و عنایات کے شامل حال کرنے کے لئے خدا سے براہ راست رابطہ کئے ہوئے تھے کیونکہ خدا کے لطف و کرم کے بغیر نہ ہی فتح اور کامیابی امکان ہے اور نہ ہی کامیابی ملنے کی صورت میں اس کی کوئی قدر و قیمت ہے_

3_ اسی طرح اس جنگ میں سب سے زیادہ تکلیف اٹھانے والے حضرت علی عليه‌السلام کا خضوع و خشوع بھی لائق دید ہے_ انہوں نے پینتیس 35 سے زیادہ آدمیوں کو بذات خود فی النار کیا تھا اور باقی پینتیس 35 کے قتل میں بھی شریک ہوئے تھے ، لیکن ہم انہیں یہ کہتا ہوا دیکھتے ہیں کہ " خدا نے آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے ذریعہ سے ہمیں فتح عنایت کی " یعنی حضرت علی صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم اس کامیابی کو آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے مرہون منت جانتے ہیں اور اس کامیابی میناپنے سمیت کسی کا بھی کوئی قابل ذکر کردار نہیں سمجھتے تھے_

ب : جنگ فیصلہ کن تھی

یہ بات واضح ہے کہ اس جنگ کو فریقین اپنے لئے فیصلہ کن سمجھتے تھے _ مسلمان خاص کر حضرت رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کریم یہ سوچ رہے تھے کہ اگر وہ خدا نخواستہ شکست کھا گئے تو پھر روئے زمین پر کبھی بھی خدا کی عبادت نہیں ہوگی _ جبکہ مشرکین بھی یہ چاہتے تھے کہ مہاجرین کو اچھی طرح کس کر انہیں اپنی گمراہی کا مزاچکھائیں اور انصاریوں کو بھی نیست و نابود کرکے رکھ دیں تا کہ بعد میں کوئی بھی ان کے دشمن کے ساتھ کبھی اتحاد نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی کبھی ان کے تجارتی راستے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ڈال سکے اور اس کے نتیجے میں پورے خطہ عرب پر ان کی دھاک بیٹھ جائے_ ہاں مال ، دنیا اور جاہ و حشم پر مرمٹنے والے لوگوں کے نزدیک یہ چیزیں نہایت اہم تھیں اور بالکل اسی لئے انہوں نے آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم اور آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے ساتھیوں کو بہت تنگ کیا ، گھروں سے نکال باہر کیا اور ان سے جنگ کیا حالانکہ وہ ان کے اپنے فرزند ، بھائی ، بزرگ اور رشتہ دار تھے_ ان کے لئے سب کچھ دنیا ہی تھی اور نہ اس سے پہلے کوئی چیز تھی اور نہ بعد میں کچھ ہے_ اسی چیز نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور انہیں اپنے رشتہ داروں پر جرم و جنایت کے مرتکب ہونے پر اکسا یا جس کی وجہ سے انہوں

نے اپنوں کو مختلف قسم کے شکنجوں کا نشانہ بنایا، ان کا مذاق اڑایا ، پھر ان کا مال و اسباب لوٹا، انہیں اپنے گھروں سے نکال باہر کیا اور آخر کار انہیں جڑ سے اکھاڑنے اور نیست و نابود کرنے کے لئے ان کے خلاف سخت ترین جنگ لڑی_

ج: شکست ، طاقت کا عدم توازن اور فرشتوں کی امداد

کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ کوئی چھوٹا لشکر کسی بڑی فوج کو شکست دے دیتا ہے _ لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ اس چھوٹی فوج میں ایسے امتیازات اور ایڈ و انٹیج پائے جاتے ہیں جو بڑے لشکر میں نہیں ہوتے_ مثال کے طور پر اسلحہ با رود کی کثرت ، زیادہ نظم و ضبط ، زیادہ معلومات اور منصوبہ بندی اور کسی خاص معین جنگی علاقے یعنی جغرافیائی لحاظ سے اسٹرٹیجک جگہ پر قبضہ بھی انہی امتیازات میں سے ہیں_

لیکن مسلمانوں اور مشرکوں کا اس جنگ میں معاملہ بالکل ہی الٹ تھا _ کیونکہ جنگی تجربہ ، کثرت تعداد ، اسلحہ کی بھر مار اور جنگی تیاری اورسازو سامان و غیرہ سب کچھ مشرکین کے پاس تھا جبکہ مسلمانوں کے پاس کسی خاص حدود اربعہ میں معین کوئی خاص جنگی علاقہ بھی نہیں تھا_ بلکہ انہیں تو اس جنگ کا سامنا تھا جسے مشرکین نے اپنی مرضی کی جگہ اور وقت پر ان پر مسلط کر دیا تھا_ بلکہ اکثر مشرکین کو اس علاقے میں بھی امتیاز اور برتری حاصل تھی _ جنگی تکنیک اور اسلوب بھی و ہی پرانا تھا، یعنی فریقین کو وہی معروف اور رائج طریقہء کار اپنانا تھا_ اور اس میں بھی قریش کو برتری اس لحاظ سے حاصل تھی کہ اس کے پاس عرب کے ایسے مشہور شہسوار موجود تھے جو اپنے تجربے اور بڑی شہرت کے باعث ان تقلیدی جنگوں میں برتری کے حامل تھے _ پس جنگ کے متوقع نتائج مشرکین کے حق میں تھے_

لیکن جنگ کے حقیقی نتائج ان متوقع نتائج کے الٹ نکلے اور وہ اتنی بڑی تیاری اور کثیر تعداد والے ہر لحاظ سے برتری کے حامل فریق کے بالکل برخلاف تھے_ کیونکہ مشرکوں کو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ خسارہ اٹھانا پڑا _ اس لئے کہ مسلمانوں کے آٹھ سے چودہ شہیدوں اور مشرکین کے ستر مقتولوں اور ستر قیدیوں کے

درمیان کونسی نسبت ہے؟ حالانکہ ہر لحاظ سے مشرکوں کاپلڑا مسلمانوں سے بہت بھاری تھا_ کیا آپ لوگ بتاسکتے ہیں کہ اس غیر متوقع نتیجہ کا کیا راز اور سبب ہے؟

اس کا جواب خود خدا نے قرآن مجید میں یوں دیا ہے

(اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلاً و لو اراکھم کثیراً لفشلتم و لتنازعتم فی الامر ، ولکن اللہ سلم انه علیم بذات الصدور و اذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً و یقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً)

" (اس وقت کو) یاد کر و جب خدا نے خواب میں تمھیں ان کی کثیر تعداد کو کم جلوہ گر کیا اور اگر خدا ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم تو دل ہار بیٹھتے اور خود جنگ کے معاملے میں ہی آپس میں جھگڑنےلگتے لیکن خدا نے تمہیں اس سے محفوظ رکھا کیونکہ وہ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے_ اور جنگ کے وقت بھی خدا نے تمہاری آنکھوں میں ان کی تعداد گھٹا کر دکھائی نیز انہیں بھی تمہاری تعداد گھٹا کر دکھائی تا کہ خدا کا ہونے والا کام ہو کر رہے"[1]

نیز ارشاد خداوندی ہے :

(و اذ زین لھم الشیطان اعمالھم ... لا غالب لکم الیوم من الناس و انی جار لکم)[2]

" اور یاد کرو جب شیطان نے کافروں کے اس برے کام کو اچھا کردکھایا ...لیکن آج وہ لوگ تم پر غلبہ نہیں پا سکتے کیونکہ آج تم میری پناہ میں ہو"

---

1) انفال /43، 44_

2) انفال /48_

اسی طرح یہ بھی فرماتا ہے :

(کما اخرجک ربک من بیتک بالحق و ان فریقاً من المؤمنین لکارھون) [1]

" جس طرح خدا نے تمہیں اپنے گھر سے بر حق نکالا ہے لیکن مؤمنوں کے ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی"

اسی طرح رسول ﷺ خدا نے بھی فرمایا ہے :" رعب اور دبدبے سے میری مدد اور حمایت کی گئی ہے اور زمین کو بھی میرے لئے سجدہ گاہ اور باعث طہارت بنا یا گیا ہے" [2]

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کو آپس میں لڑانے کے لئے خدا ئی عنایت ، لطف بلکہ طاقت کار فرماتھی تا کہ بہت سے مسلمانوں کے دل سے مشرکوں کی ہیبت اور دہشت نکل جائے _ کیونکہ جب مسلمان قریش سے لڑلیں گے تو دوسروں سے لڑنے کیلئے وہ اور زیادہ جری اور طاقتور ہوں گے_ اور یہ خدائی مشن درجہ ذیل چیزوں میں خلاصہ ہوتا ہے:

1_ آیتوں میں مذکور گھٹا نے بڑھا نے والے طریقے سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی_

2_ ملائکہ کے ساتھ مسلمانوں کی مدد_

3_ اسلام دشمنوں کے دل میں رعب اور دہشت بٹھانا_

تشریح : فریقین کے جنگی اہداف ہی مادی اور انسانی خسارے بلکہ تاریخ کے دھارے کو کسی بھی طرف موڑنے کے لحاظ سے جنگ کے نتائج کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہم پہلے بھی کئی بار یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ اس جنگ سے مشرکین کا مقصد مطلوبہ زندگی اور ان امتیازات اور خصوصیات کا حصول تھا جن

---

1) انفال /5_

2) سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 233 ، بخاری ج 1 ص 46و ص 57، ج 2 ص 107 و ج 4 ص 135 و ص 163، سنن داری ج 2 ص 224 ، صحیح مسلم ج 2 ص 63 تا ص 65 ، الجامع الصحیح ج 4 ص 123 ، کشف الاستار ج 1 ص 44 و ج 3 ،ص 147 ، سنن نسائی ج 1 ص 209و ص 210و ج 6 ص 3 ، مسند احمد ج 1 ص 98 و ص 301 و ج 2 ص 222 و ص 264 ، ص 268 ، ص 314، ص 366 ، ص 412 ، ص 455 و ص 501 ، ج 3 ص 304 ، ج 4 ص 416و ج 5 ص 145 و ص 148 و ص 162 و ص 248 و ص 256 ، مجمع الزوائد ج 6 ص 65 و امالی طوسی ص 56_

سے وہ اپنی آسودگی ، فرمانروائی اور سرداری کی لمبی لمبی آرزوؤں کی تکمیل کی توقع کر رہے تھے_ پس جب وہ لڑبھی اس دنیاوی زندگی کے لئے رہے تھے تو اس مقصد کے لئے ان کا قربانی دینا کیسے ممکن ہے؟ اس کا مطلب تو پھر ہدف کو کھونا اور مقصد کی مخالفت کرنا ہے_ مؤرخین کی مندرجہ ذیل روایت بھی ہمارے بیانات کی تصدیق کرتی ہے _ وہ کہتے ہیں کہ جب طلیحہ بن خویلد نے اپنے بہت سے ساتھیوں کو رن سے فرار کرتے ہوئے دیکھا تو پکارا" منحوسو کیوں بھاگ رہے ہو؟"_ تو ان میں سے کسی نے کہا :" میں تمھیں بتاتا ہوں کہ ہم کیوں بھاگ رہے ہیں ہم اس لئے بھاگ رہے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص کی یہی خواہش ہے کہ اس سے پہلے اس کا ساتھی مرے (یعنی وہ سب سے آخرمیں مرے) حالانکہ ایسے ایسے افراد سے ہمارا سامنا ہے جو اپنے ساتھیوں سے پہلے مرنا چاہتے ہیں"[(1)]_ اسی طرح جب جنگ جمل میں زبیر کے پیٹھ دکھا کر بھاگنے کی خبر حضرت علی علیہ السلام تک پہنچی تو آپؑ نے فرمایا : " اگر صفیہ کے بیٹے کو معلوم ہوتا کہ وہ حق پر ہے تو وہ جنگ سے کبھی پیٹھ دکھا کر نہ بھاگتا ..."[(2)]_ اور مامون کی فوج کا ایک بہت بڑا جرنیل حمید طوسی کہتا ہے : " ہم آخرت سے تو مایوس ہوچکے ہیں اب صرف یہی ایک دنیاہی رہتی ہے ، اس لئے خدا کی قسم ہم کسی کو اپنی زندگی مکدّر کرنے کی اجازت نہیں دیں گے" [(3)]_

لیکن تمام مسلمانوں کابلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ قریش کی جڑیں کاٹنے والے حضرت علیؑ اور حمزہ جیسے ان بعض مسلمانوں کا مقصد اخروی کامیابی تھا جنہوں نے دشمنوں کو تہہ تیغ کرکے مسلمانوں کی کامیابی میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا_ وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں دوبھلائیوں میں سے کوئی ایک ضرور ملے گی_ یا تو وہ جیت جائیں گے اور اس صورت میں انہیں دنیاوی اور اخروی کامیابی نصیب ہوگی یا پھر شہید ہوجائیں گے اور اس صورت میں بھی انہیں حتی کہ دنیاوی کامیابی بھی نصیب ہوگی اور آخرت تو ہے ہی _ اور ایسے لوگ جب موت

---

1) سنن بیہقی ج 8 ص 176و حیاۃ الصحابہ ج 3 ص 770 از سنن بیہقی_

2) المصنف عبدالرزاق ج 11 ص 241 اور اس روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ پیٹھ دکھا کر بھاگتے ہوئے قتل ہوا _ جیسا کہ بعض نے صراحتاً کہا بھی ہے_

3) نشوار المحاضرات ج 3 ص 100_

کو فوجی اور ظاہری کامیابی کی طرح ایک کامیابی سمجھتے ہیں اور اپنی جان بچا کر فرار ہونے کو (چاہے اس فرار سے ان کی جانیں بچ بھی جائیں اور وہ بڑی پر آسائشں اور پر سکون زندگی اور دنیاوی نعمتوں سے بہرہ مند ہو بھی جائیں پھر بھی اسے) اپنے لئے ذلت ، رسوائی ، تباہی اور مرجانے کا باعث بلکہ مرجانے سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے بعد انہیں اخروی تباہی اور دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا_ (جب صورتحال یہ ہو) تو یہ زندگی ان لوگوں کے لئے ناقابل قبول اور ناپسندیدہ بلکہ مکروہ ہوگی اور اس زندگی سے وہ ایسے بھاگیں گے جیسے مشرکین موت کے ڈر سے بھاگ رہے تھے_ اور طلیحہ بن خویلد کا جواب دینے والے شخص نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا جسے ہم بیان کرچکے ہیں_

جب عمیر بن حمام کو پتہ چلا کہ رسول ﷺ خدا شہید ہونے والوں کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں (اس وقت عمیر کے ہاتھ میں چند کھجور تھے جنہیں وہ آہستہ آہستہ کھا رہا تھا) تو اس نے کہا :" واہ بھئی واہ میرے اور جنت میں داخلے میں صرف ان کے قتل کرنے کا ہی فاصلہ ہے"_ یا یہ کہا :" اگر زندہ رہا تو یہ کھجور آکر کھاؤں گا_ واہ وہ تو ایک لمبی زندگی ہے" _ پھر وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجوریں پھینک کر لڑنے چلا گیا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگیا(1)_

(یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانثاروں کے لئے موت کیوں شہد سے بھی زیادہ میٹھی تھی)_بلکہ جب ماؤں کو پتہ چل جاتا کہ ان کے فرزند جنت میں ہیں تو انہیں اپنے فرزند کے بچھڑنے کا کوئی بھی دکھ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ بسا اوقات خوش بھی ہوتی تھیں_ جب حارثہ بن سراقہ کسی نامعلوم تیر سے مارا گیا تو اس کی ماں نے آنحضرت ﷺ سے کہا :" یا رسول ﷺ اللہ مجھے حارثہ کے متعلق بتائیں ، اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرلوں گی وگرنہ اتنی آہ و زاری کروں گی کہ ساری خدائی دیکھے گی "_ (جبکہ ایک اور روایت کے مطابق اس نے یوں کہا:" ... وگرنہ میں حد سے زیادہ گریہ کروں گی" نیز دیگر روایت میں آیا

1) ملاحظہ ہو : الکامل ابن اثیر ج 2 ص 126 ، تاریخ الخمیس ج 1 ص 380 ، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 279 ، البدایہ والنہایہ ج 3 ص 277 از مسلم و احمد ، سنن بیہقی ج 9 ص 99 ، مستدرک حاکم (با اختصار) ج 3 ص 426 و حیاۃ الصحابہ ج 1 ص 424 از گذشتہ بعض منابع_

ہے" ... تو روؤں گی پیٹوں گی نہیں لیکن اگر وہ دوزخ میں گیا ہے تو میں مرتے دم تک روتی رہوں گی ")_ اور ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا جنت میں ہے تو وہ ہنستے ہوئے واپس پلٹی اور کہنے لگی :" مبارک ہو حارث مبارک ہو" [(1)]_اسی طرح جنگ بدر میں شہید ہونے والے عمیر بن ابی وقاص کو جب رسول خدا ﷺ نے مدینہ میں ٹھہرانا چاہا تو وہ (فرط جذبات اور آپ ﷺ کی مدد سے محرومی کے احساس سے) روپڑا[(2)] جس پر آپ ﷺ نے اسے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی _ اور اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں_جنہیں یہاں بیان کرنے کی گنجائشے نہیں ہے_

گذشتہ تمام باتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کو کتنی شدت سے مرجانے یا پھر کامیاب ہونے کا شوق تھا _ اور کافروں کو صحت و سلامتی کے ساتھ زندہ رہنے کی تمنا تھی _ کیونکہ مسلمان تو موت کو ایک پل اور شہادت کو عطیہ اور سعادت سمجھتے تھے لیکن وہ لوگ موت کو خسارہ ، فنا اور تباہی سمجھتے تھے_ ان کی مثال بھی بنی اسرائیل کی طرح تھی_

اور بنی اسرائیل دنیا اور دنیا داری کے لئے بہت زیادہ اہمیت کے قائل تھے اور ان کی سوچوں بلکہ عقیدے میں بھی آخرت کی کوئی جگہ نہیں تھی_ ان کی متعلق خدایوں فرماتا ہے:

(قل ان کانت لکم الدار الاخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنو الموت ان کنتم صادقین و لن یتمنوه ابداً بما قدمت ایدیهم و الله علیم بالظالمین و لتجدنهم احرص الناس علی حیاة و من الذین اشرکوا یود احدهم لو یعمر الف سنة و ما هو بمزحزحه من العذاب ان یعمر و الله بصیر بما یعملون) [(3)]

---

1) ملاحظہ ہو : مستدرک حاکم ج 3 ص 208 ، البدایہ و النہایہ ج 3 ص 274 از شیخین ، سنن بیہقی ج 9 ص 167 ، حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 652 تا ص 653 از مذکورہ منابع و از کنز العمال ج 5 ص 273 و 275 و ج 7 ص 76 و از ابن سعد ج 3 ص 68 _

2) نسب قریش مصعب زبیری ص 263 ، الاصابہ ج 3 ص 35 از حاکم ، بغوی ، ابن سعد و واقدی_

3) بقرہ / 94 تا 96_

"(اے رسول ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر آخرت کا مقام بھی خدا کے نزدیک صرف تمہارا ہی ہے تو ذرا مرنے کی خواہش تو کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو _ لیکن وہ اپنے کر توتوں کی وجہ سے ہرگزموت کی تمنا نہیں کرسکتے اور خدا ظالموں کو سب سے بہتر جانتا ہے _ انہیں تو آپ ﷺ زندہ رہنے کا سب سے زیادہ خواہشمند پائیں گے حتی کہ مشرکوں سے بھی _ان کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار سالہ زندگی مل جائے _ وہ جتنی بھی زندگی کرلیں وہ اسے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتی _ اور خدا ان کے کردار کو بخوبی جانتا ہے"_

اسی بنا پر جنگ بدر میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ابتداء میں خدا مسلمانوں کو ان کی نظر میں گھٹا کر دکھاتا تاکہ وہ اپنی سلامتی اور بقاء کے زیادہ احتمال کی وجہ سے آسانی اور آسودہ خیالی سے اس جنگ میں کود پڑتے _ کم از کم وہ جنگ میں جم کر لڑتے اور فرار کا تصور بھی نہ کرسکتے تاکہ حضرت علی علیہ السلام قریش اور شرک کے بڑے بڑے فرعونوں ، سرپھروں، گروگنڈالوں اور سپاہیوں کو قتل اور قیدی کرلیں_ حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے کہ " جب جنگ کا شعلہ بھڑکا تو آپ ﷺ نے ہی اسے بجھایا ، گمراہی بڑھنے لگی یا مشرکوں کا جمگھٹا ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے بھائی کو اس میں جھونک دیا اور وہ اسے اچھی طرح روند کر اور تلوار سے اس کے شعلے بجھا کر ہی وہاں سے واپس لوٹا _ وہ خدا کی ذات میں جذب (فنا فی اللہ) ہوچکا تھا ..."[1]_

لیکن پھر جنگ چھڑنے کے بعد ضروری تھا کہ مشرکین مسلمانوں کی تعداد کی کثرت دیکھیں تاکہ وہ رعب اور دہشت کے مارے نہ لڑسکیں_یہاں خدا نے مسلمانوں کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کی _اور ان کے ذریعہ سے ان کی تعداد بڑھائی اور فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ لڑیں اور مشرکین کا سر قلم کریں نیز ان کے دلوں میں رعب ، دہشت اور دھاک بٹھادیں _خدا نے بھی جنگ کے شروع ہونے کے بعد پیش آنے والے اس آخری مرحلہ کا ذکر اس آیت میں یوں کیا ہے:

(اذ یوحی ربک الی الملا ئکة انی معکم فثبتواالذین

---

1) بلاغات النساء ص 25 مطبوعہ النہضة الحدیثہ و اعلام النساء ج 4 ص 117_

آمنو سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب فاضربوا فوق الا عناق و اضربوا منهم کل بنان)[1]

"(وہ وقت یادکرو)جب تمہارے پروردگارنے فرشتوں سے کہا کہ میں تمہارا پشت پناہ ہوں (تم جاکر) مؤمنوں کا دل بڑھاؤ،میں بھی کافروں کے دل میں دہشت پیدا کردوں گا پھر تم انہیں ہر طرف سے مارکر ان کی گردن ہی ماردو"_

اور یہ بات واضح ہے کہ ڈرپوک اور بزدل دشمن پر چڑھائی چاہے وہ کتنا ہی طاقتور ہو اس کمزور دشمن پر حملہ سے زیادہ آسان ہے جو موت سے بے پروا ہو کر خود ہی حملہ آور ہو_پس یہ معرکہ جنگجوؤںکا سامنا کرنے سے کترانے والے مشرکوں کے حق میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے حق میں تھا_ اس بنا پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ خود مشرکین بھی مشرکین کے خلاف لڑرہے تھے اور یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے اس فرمان کی تشریح اور تفسیر ہے کہ "میرا سامنا جس سے بھی ہوا اس نے اپنے خلاف میری مدد کی (اپنے آپ کو میرے حوالہ کردیا)" [2] اور فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کا ایک اور پہلو بھی تھا جس کا ملاحظہ بھی نہایت ضروری ہے _اور وہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ممکن تھا کہ بعض مسلمانوں کے ایمان اور یقین کا درجہ بلند نہ ہوتا اور اس جنگ میں ان کا یقین اورمان ٹوٹ جاتا یا کم از کم ان کا ایمان کمزورہو جاتا اس لئے خدا نے مسلمانوں پر لطف و کرم کرتے ہوئے ان کی فرشتوں سے مدد کی تاکہ وہ انہیں جیت کی خوشخبری دیں ،ان کا دل بڑھائیں اور جنگ کے آغاز میں ان کی آنکھوں میں مشرکوںکو گھٹا کر دکھائیںجس سے وہ جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں _اس کے علاوہ خدا کے فضل سے فرشتوں کی مدد کے اور طریقے بھی تھے _ان باتوں سے اس بات کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کیوں مشرکین کے مقتولین کی تعداد شہداء اسلام سے کئی گنا زیادہ تھی اور ان کے ستر افراد بھی قیدکر لئے گئے حالانکہ مسلمانوں کا کوئی بھی فردگرفتار نہیں ہوا_اور اس مدد کے نتائج صرف جنگ بدرتک ہی محدودنہیں تھے بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان ہر جنگ میں ایسے نتائج ظاہر ہوئے اور واقعہ کربلا بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے _

---

1)انفال/12_

2)نہج البلاغہ حکمت 318_

د: انصار کے خلاف قریش کا کینہ

1_ ابوجہل کی گذشتہ باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ قریش انصار کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا چاہتے تھے حتی کہ ابو جہل نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تھا کہ انصار کو گا جر مولی کی طرح کاٹ کررکھ دو لیکن قریشیوں کی بہ نسبت ان کا موقف مختلف تھا _کیونکہ ابو جہل نے ان کے متعلق کہا تھاکہ ان کی مشکیں اچھی طرح کس کر انہیں مکہ لے جاؤتا کہ وہاںانہیں ان کی گمراہی کا مزہ چکھایا جائے _شاید مشرکوں نے قریشیوں سے اپنے پرانے تعلقات بحال رکھنے کے لئے ان کے خلاف یہ موقف اپنا یا ہو کیونکہ ہر قریشی مسلمان کا مکہ میں کوئی نہ کوئی رشتہ دار موجود تھا _اور وہ اپنے رشتہ دار کے قتل پر راضی نہیں ہو سکتے تھے چاہے وہ ان کے عقیدے اور مذہب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو _اور یہی قبائلی طرز فکرہی تو تھا جواتنے سخت اور مشکل حالات میں بھی مشرکین کی سوچوں پر حاوی اور ان کے تعلقات اور موقف پر حاکم تھا _

2_ہم یہ تو جان چکے ہیں کہ رسول ﷺ خدا اور مسلمانوں کو پناہ اور مدد دینے والے انصار کے خلاف قریش کا کینہ نہایت عروج پر تھا اور ان کے کینے کی دیگ بری طرح ابل رہی تھی _اس بات کا تذکرہ ابو جہل نے سعد بن معاذ سے کسی زمانے میں (شاید بیعت عقبہ یا سعد کے حج کرنے کے موقع پر_مترجم)کیا بھی تھا اور اب وہ یثرب والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے آیاتھا _لیکن ہم یہ بھی ملاحظہ کرتے ہیں کہ ان کے دل میں یہ کینہ کئی دہائیوں تک رہا بلکہ سقیفہ کے غم ناک حادثے میں انصار کی خلافت کے معاملے میں قریش کی مخالفت اوردوسروں کی بہ نسبت حضرت علی علیہ السلام کی طرف انصار کے رجحان نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا _اور یہ کینہ مزید جڑپکڑ گیا کیونکہ انہوں نے ہراس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دیا جس میں قریش آپ کے مد مقابل تھے[1] حتی کہ جنگ صفین میں معاویہ کو نعمان بن بشیر اور مسلمہ بن مخلدسے کہنا پڑا:''اوس اور خزرج کی طرف سے پہنچنے والی زک سے مجھے بہت دکھ اور نقصان اٹھانا پڑاہے _وہ اپنی تلواریں گردن میں حمائل کرکے جنگ کا مطالبہ کرنے آکھڑے ہوتے ہیں _حتی کہ انہوں نے میرے شیر

---

1)ملاحظہ ہو :المصنف ج5ص456وص458ودیگر کتب_

کی طرح بہادر ساتھیوں کو بھی چو ہے کی طرح ڈرپوک بنا کرر کھ دیا ہے _حتی کہ خدا کی قسم میں اپنے جس شامی جنگجو کے متعلق بھی پوچھتا ہوں تو مجھے یہ کہا جاتا ہے اسے انصار نے قتل کردیا ہے_اب خدا کی قسم میں ان سے بھر پور جنگ کروں گا "[1]اسی طرح نعمان بن بشیر نے انصار کے ساتھ اپنی ایک گفتگو میں کہا ،"جب بھی (حضرت علی عليه‌السلام پر)کوئی مشکل آن پڑی تم لوگوں نے ہی ان کی یہ مشکل آسان کی ہے" [2]اسی طرح بنی امیہ کے بزرگ عثمان بن عفان کے خلاف انصار کے موقف اور اس کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں ان کے فعال اور مؤثر کردار نے قریش کے ان کے خلاف کینے کو مزید ہوادی _حتی کہ معاویہ نے اس کے غم میں مندرجہ ذیل شعر کہا :(گرچہ یہ واضح ہے کہ عثمان پراس کا رونا دھونا اس کے سیاسی مقاصد کے تحت تھا و گرنہ عثمان سے اسے کوئی بھی ہمدردی نہیں تھی) _

لاتحسبوا اننی انسی مصیبته

و فی البلاد من الا نصار من احد[3]

یہ کبھی مت سوچنا کہ روئے زمین پر کسی ایک انصار ی کے ہوتے ہوئے میں عثمان کا غم بھول جاؤ ں گا_

بہر حال معاویہ سے جتنا بھی ہو سکتا تھا اس نے انصار کے خلاف اپنے د ل کی بھڑ اس نکالی لیکن پھر اس کے بعداس نا بکار کے ناخلف یزید نے کربلا میں اہل بیت رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کو شہید کرنے کے بعد "واقعہ حرہ" میںانصار سے نہایت برا اور شرمناک انتقام لیا تھا[4]

احمد بن حنبل نے بھی ابن عمر کی ایک بات نقل کی ہے جس کے مطابق وہ اہل بدر کے مہاجرین کو ہر موقع پر اہل بدر کے انصار پر ترجیح دیا کرتاتھا البتہ اس بارے میں "جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں "کی فصل میں

---

1) شرح نہج البلا غہ ابن ابی الحدید ج8 ص 84و ص85نیز ملاحظہ ہو ص 44و ص87_

2)شرح نہج البلاغہ ابن ابی ا لحدیدج 8ص88_

3)شرح نہج البلا غہ ابن ابی الحدید ج 8 ص 44_

4)ملاحظہ ہو تاریخ الامم و الملوک ، الکامل فی التاریخ اور دیگر کتابوں میں واقعہ حرہ _

"جنگ میں مہاجرین کو پہلے بھیجنے کی وجوہات "میں یہ بحث ہو چکی ہے _اس موضوع کے سیر حاصل مطالعہ کے لیئے وہاں مراجعہ فرمائیں_

3_ایک اور پہلو سے اگر دیکھا جائے تو قریش اس جنگ میں انصار کو ایسا یادگار سابق سکھا نا چاہتے تھے کہ وہ پھر کبھی ان کے دشمنوں سے گٹھ جوڑکرنے کا ارادہ بھی نہ کر سکیںقریش کی نظر میں انصار کا یہی جرم ہی کافی تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو اتنی طاقت اور قوت فراہم کردی تھی کہ وہ ان کے مقابلہ میں آنے کی جرات کربیٹھے_اسی لئے ابو جہل (جسے پہلے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا)نے اپنے سپاہیوں کو انتہائی سخت حکم دیتے ہوئے کہا تھا کہ مکیوں کے ہا تھ سے کوئی بھی (یثربی)انصاری نہ چھوٹنے پائے (اور سب کا قلع قمع کردیا جائے)_آخر میں یہ اضافہ بھی کرتے چلیں کہ مدینہ والے قحطانی نسل کے تھے جبکہ مکہ والے عدنانی نسل کے تھے (اور دیگر تعصبات کے علاوہ اس میں نسلی تعصب بھی شامل تھا)_

پہلے اہل بیت علیہ السلام کیوں ؟

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ دیگر تمام لوگوں سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اہل بیت علیہ السلام کو جنگ میں بھیجنے کا راز ہماری گذشتہ تمام معروضات ہوسکتی ہیںتا کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اور اپنے اہل بیت علیہ السلام کی قربانی پیش کریں _ اسی لئے تاریخ ،حضرت علی علیہ السلام ،حضرت حمزہ علیہ السلام ،حضرت جعفر علیہ السلام اور اس دین سے نہایت مخلص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر بہترین صحابیونکے کرداراور بہادریونکو ہرگز فراموش نہیں کر سکتی بلکہ یہ تا ابد یادگار رہیں گی_پس حضرت علی علیہ السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھرانہ اسلام کی مضبوط ڈھال تھے اور خدا نے ان کے ذریعہ دین کو بھی بچایا اورانصار کے خلاف قریش (جن کی اکثریت اسلام دشمن تھی)کے کینے کی شدت کو بھی کم کیا_یہ سب کچھ انصار کا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے تھا ،کیونکہ انصار اور اسلام کے خلاف قریش کےکینے نے مستقبل میں ان دونوں پر سخت ، گہرے اور برے اثرات مرتب کئے _

ھ:حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گھرانے پر جنگ بدر کے اثرات :

ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ اکثر مشرکین ،مہاجرین خاص کر امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام اور ان کے چچا حمزہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے _اور یہ بھی بتاچکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے بذات خود پینتیس سے زیادہ مشرکوں کوفی النار کیا تھا اور باقیونکو قتل کرنے میں بھی دوسروں کا ہا تھ بٹا یا تھا_

اس بات سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ قریش چاہے جتنا بھی اسلام کا مظاہرہ کرتے رہیں ،اسلام کے ذریعہ جتنا بھی مال و مقام حاصل کرتے رہیں اور چاہے حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گھرانے سے محبت اور مودت کی جتنی بھی آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم سے مروی روایات دیکھتے رہیںپھر بھی وہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گھرانے سے کبھی بھی محبت نہیں کر سکتے تھے _

حاکم نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ عباس غضبناک چہرے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میںآیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا :"کیا بات ہے ؟"اس سوال پر اس نے کہا :"ہمارا قریش سے کوئی جھگڑاہے کیا؟"_آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :"تمہارا قریش سے جھگڑا؟"اس نے کہا :"ہاں جب وہ ایک دوسرے سےملتے ہیں تو بڑے تپاک سےملتے ہیں لیکن ہمیں بے دلی سے ملتے ہیں "_یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے سخت غضبناک ہوئے کہ غصہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے در میان والی رگ ابھر آئی _پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ٹھنڈاہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :"اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے، جب تک کوئی شخص خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی خاطر تم لوگوں سے محبت نہیں کرے گا تب تک اس کے دل میں ایمان داخل ہوہی نہیں سکتا" (1) اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے بھی قریش کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا تھا :"انہوں نے ہم سے قطع تعلق اور ہمارے دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے "(2)انشاء اللہ جنگ احد کی گفتگو میں اس کی طرف بھی اشارہ کریں گے _

---

1)مستدرک حاکم ج 3 ص 333 نیز تلخیص مستدرک ذہبی اسی صفحہ کے حاشیہ پر، مجمع الزوائد ج 9ص 269و حیاۃ الصحابہ ج 2ص 487و ص 488 ازگذشتہ منابع _

2)البتہ اگر یہ صدمے کسی معصوم رہنما کو سہنے پڑیں تو وہ اپنی تدبیر ،فراست اور خداداد علم ،عقل اور صبر سے انہیں برداشت کر لیتا ہے اور پائیداری دکھاتا ہے _دوسرے لوگ یہ تکلیفیں نہیں جھیل سکتے اور ان کے لئے انہیں جھیلنے اور ان سے سرخرو ہو کر باہر آنے کے لئے کوئی مناسب راہ حل نہیں ہوتا _اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا صرف حضرت علی علیہ السلام کوہی آگے کرتے اور انہیں قریش کا سامنا کرنے کی پر زور تاکید کرتے تھے_

ابن عباس سے مروی ہے کہ عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا :"اگر قریشی تمہیں نا پسند کرتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے ؟تمہی نے تو ان کے ستر جنگجو افراد کو تہہ تیغ کیا ہے جس کی وجہ سے اب ان کے چہرے (غصہ کی وجہ سے)دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح ہو گئے ہیں "[1] اس کے علاوہ ،صاحبان احلاف (ابو سفیان پارٹی)بدر اور احد و غیرہ کے اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے ہر وقت موقع اور فرصت کی تلاش میں رہتے تھے _وہ جنگ جمل اور صفین میں تو ناکام ہو گئے لیکن انہیں اپنے زعم باطل میں واقعہ کربلا میں اس کا اچھا موقع مل گیا تھا _پھر تو انہوں نے اہل بیت عليه‌السلام اور ان کے شیعوں پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کردی _وہاں ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس موقع پر یزید نابکار اپنے کفر اور مذکورہ جذبات کو نہ چھپا سکا _کیونکہ اس نے یہ جنگ ،بدر کے اپنے بزرگ مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے لڑی تھی اور اس میں وہ اپنی خام خیالی میں کامیاب ہوگیا تھا_ وہ اس کے بعد ابن زبعری کے کفریہ اشعار بھی پڑھتا تھا اور اس میں وحی و نبوت کے انکار پر مشتمل اپنے اشعار کا اضافہ بھی کرتا تھا _ وہ نا بکار ،جوانان جنت کے سردار اور نبی صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے نوا سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر چھڑی سے وار کرتے ہوئے یہ اشعار کہتا تھا :

لیت اشیاخی ببدر شهدوا

جزع الخزرج من وقع الا سل

لا هلو و استهلوا فرحاً

ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القرم من اشیاخهم

و عدلنا ه ببدر فاعتدل

لعبت هاشم بالملک فلا

---

1)معرفۃ الصحابہ ابو نعیم ورقہ ،22مخطوط در کتابخانہ طوپ قپو سرای کتاب نمبر 497/1و شرح نہج البلا غہ ابن ابی الحدید ج 9 ص 22_

خبر جاء و لا وحی تزل

لست من خندف ان لم انتقم

من نبی احمدﷺ ما کان فعل [1]

کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ آج زندہ ہوتے اور تلوار کی زد میں آنے والے خزرجیوں (انصاریوں)کی گھبراہٹ اور چیخ و پکار کا نظارہ کرتے تو فرط مسرت سے ان کے چہرے دمک اٹھتے اور وہ ہلّڑ بازی کرنے لگتے پھر مجھے مبارک باد دیتے ہوئے کہتے کہ یزید تمہارا بہت بہت شکریہ_ ہم نے ان لوگوں کے بڑے بڑوں کو آج قتل کرکے بدر کا بدلہ چکا دیا ہے _اب ہمارا حساب برابر ہوگیا ہے _بنی ہاشم نے حکومت کا کھیل کھیلاتھا و گرنہ نہ نبوت کی کوئی خبر آئی ہے اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی ہے_ اگر میں نے (نعوذ باللہ ، حضرت) محمد ﷺ کے گھرانے سے ان کے کئے کا بدلہ نہ لیا تو میں خندف کا بیٹا ہی نہیں ہوں _

اسی طرح بدر کے متعلق خالد قسری کے ساتھ قتادہ کی گفتگو بھی ملاحظہ ہو[2] حالانکہ قتادہ ایک مشہور و معروف شخصیت اور اہل بصرہ کا بزرگ محدث تھا_

شہدائے انصار

اگر چہ جنگ بدر میں مسلمانوں مہاجرین کی تعداد لشکر اسلام کا چو تھا یا پا نچواں حصہ تھی ، لیکن ان کے شہید مختلف اقوال کی بنا پر شہدائے انصار کے تیسرے بلکہ نصف حصہ سے بھی زیادہ تھے _ حالانکہ اگر تعداد اور کمیت کو مد نظر رکھا جائے تو اس تناسب کو اس سے کم بلکہ بالکل ہی کم ہونا چاہئے تھا _یعنی مہاجرین کی تعداد کل کا چوتھا یا پانچواں حصہ تھی_جبکہ شہدائے مہاجرین کی تعداد کل شہیدوں کا تیسرا بلکہ آدھا حصہ تھی_بطور مثال

---

1)مقتل امام حسین علیہ السلام مقرم ص 449و ص 450و اللھوف ص 75و 76_

2)بحار الانوار ج 19ص 298و ص 300و روضہ کافی ص 111تا ص 113_

اگر کل تعداد 100فرض کرلیں تو مہاجرین کی تعداد بیس20سے پچیس 25 تک ہو گی _جبکہ ہر تین بلکہ دو انصاری کے شہید ہونے کے ساتھ ایک مہاجر بھی شہید ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بیس انصاری کے ساتھ ساتھ سات سے دس تک مہاجر بھی شہید ہوئے حالانکہ اس حساب سے ہر بیس انصاری کے مقابلے میں صرف چارسے پانچ مہاجرین کو جام شہادت نوش کرنا چاہئے تھا جبکہ لشکر اسلام 313 مجاہدین پر مشتمل تھا، ان مینمہاجرین کی تعداد 78 سے 63 افراد بلکہ اس سے بھی کم تھی _ اور شہدائے اسلام کی کل تعداد زیادہ سے زیادہ چودہ بتائی گئی ہے _ جن میں کم از کم چھ مہاجر اور آٹھ انصاری تھے_ حالانکہ اپنی تعداد کے تناسب سے ان کے شہیدوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین سے چارتک ہونی چاہئے تھی بلکہ اگر انصار اور مہاجرین کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو اس تعداد کو اس سے بھی کم ہونا چاہئے تھا_اس سے اس جنگ میں مہاجرین کے بھر پور کردار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مترجم_

آیت تخفیف کے متعلق علامہ طباطبائی کا نظریہ :

یہاں علامہ طبا طبا ئی کی ایک بات ہماری گفتگو سے متعلق بھی ہے اس لئے اس کے خلاصے کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے _وہ کہتے ہیں کہ:

ارشاد ربّانی ہے:

(یا ایها النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مئتین و ا ن یکن منکم مئة یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانهم قوم لا یفقهون _الآن خفف الله عنکم و علم ان فیکم ضعفاًفان یکن منکم مئة صابرة یغلبوا مئتین و ان یکن منکم الفاً یغلبوا الفین باذن الله و الله مع الصابرین _ ما کان لنبی

ان یکون له اسری حتی یثخن فی الا رض تریدون عرض الدنیا و الله یرید الا خرة و الله عزیز حکیم)

" اے نبی ﷺ مؤمنوں کو جنگ کے لئے تیار کرو کہ تمہارے بیس بہادر افراد ان کے دوسو جنگجوؤں پر غلبہ پالیں گے ،اسی طرح تمہارے سو آدمی ان کے ایک ہزار جنگجوؤںپر بھی کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ وہ نا سمجھ لوگ ہیں لیکن اب خدا نے یہ جان کر کہ تم کمزور ہو گئے ہو تمہیں چھوٹ دے دی ہے _ پس اب تمہارے سو بہادر جنگجوان کے دوسو آدمیوں پر غلبہ پالیں گے اور خدا کے حکم سے تمہارے ایک ہزار آدمی ان کے دو ہزار سپاہیوں پر غالب آجائیں گے _ اور خدا پائیداری دکھانے وا لے بہادروں کے ساتھ ہے _اور مشرکوں کا اچھی طرح قلع و قمع کئے بغیر نبی ﷺ کا ہاتھ روک لینا مناسب نہیں ہے _ تم لوگ تو دنیا داری اور اس کے حصول کے لئے جنگ لڑنا چا ہتے ہو لیکن خدا تمہاری اخروی بھلائی چاہتا ہے اور خدا با عزت اور دانا ہے،،[1]

پس خدانے یہاں بیس آدمیوں کے دو سو سپاہیوں پر غلبہ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ دو سو نا سمجھ ہیں لیکن یہ بیس آدمی سمجھ دار اور چالاک ہیں _ اور یہ اس لئے ہے کہ اس وقت مومنین خدا پر ایمان کے بل بوتے پر جنگ لڑتے تھے اور یہ ایمان ایسی بھر پور طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی بھی طاقت نہیں کر سکتی ، اس لئے کہ وہ اس صحیح سو چ اور عقیدے پر مبنی ہے جو شجاعت ، جرات ، ذکاوت ، استقامت ، وقار ، اطمینان اور خدا پر بھروسہ جیسے صفات حسنہ کے زیور سے انہیں آراستہ کرتا ہے _ نیز ان میں یہ یقین بھی پیدا کرتا ہے کہ وہ یقینا دومیں سے کوئی ایک اچھائی حاصل کر ہی لیں گے یعنی یا تو وہ کامیاب ہو جائیں گے یا پھر رتبہ شہادت پر فائز ہو جائیں گے _ اور یہ کہ موت کا مطلب فنا نہیں ہے جس طرح کافروں کی غلط سوچ ہے بلکہ موت تو سعادت اور دار بقاء (جنت) کی طرف منتقلی کا نام ہے_پس کفار ،شیطان کی گمراہیوں اور نفسانی خواہشات کے بھروسے پر آئے تھے اور بہت کم ہی ایسا ہو تا ہے کہ نفسانی خواہشات موت تک بھی ثابت رہیں_ اور نہ بدلیں ، کیونکہ جب

---

1)انفال /65تا 67_

سب کچھ جان بچانے اور آسودہ رہنے کے لئے ہی ہے تو پھر جان کا نذرانہ کس لئے دیں؟

پس علم اور ایمان کے ساتھ ساتھ مومنوں کی سمجھ داری جنگ بدر میں ان کی کامیابی کی وجہ بنی جبکہ کافروں کے کفر اور نفسانی خواہشات کے علاوہ ان کی بے وقوفی اور جہالت ان کی شکست کا باعث بنی ـ لیکن اس کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو ان کی روحانی اور معنوی طاقت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور وہ کمزور ہوتے گئے کیونکہ گذشتہ پہلی آیت یعنی (ذلک بانھم قوم لا یفقھون) میں مذکور ان کی سمجھ داری اور دوسری آیت یعنی (واللہ مع الصابرین) میں مذکور ان کی پائیداری ، صبر اور دلیری کم ہوگئی ـ اور اس کمزوری کی ایک عام وجہ یہ ہے کہ ہر گروہ ،قوم یا جماعت اپنی بقاء اور اہداف زندگی کے حصول کی جد و جہد کرتی ہے ـ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اہداف دنیاوی ہیں یا دینی ہیں ـ بہر حال یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ وہ لوگ چونکہ پہلے پہل اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کی راہ میں کچھ رکاوٹیں پاتے ہیں اور بنیاد ہلا دینے والے خطرات کو محسوس کرتے ہیں تو وہ اپنے اہداف کے حصول ، رکاوٹوں کے خاتمے اور خطرات سے نپٹنے کے لئے سخت جد و جہد کرتے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں ـ نیز اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ تک دینے سے نہیں ہچکچاتے ـ اورہنسی خوشی سب کچھ لٹا دیتے ہیں لیکن جب وہ اپنے اغراض و مقاصد کی راہ میں کچھ قربانی دے دیتے ہیں ، ان کے لئے راستہ تھوڑا سا ہموار ہوجاتا ہے اور فضا کچھ سازگار ہوجاتی ـ

نیز تعدا د بھی زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنی قربانیوں کے نتائج سے بہرہ مند ہونا شروع کردیتے ہیں اور نعمتوں اور آسائشوں میں رہنا شروع کردیتے ہیں ـ

جس کے نتیجے میں ان کا جوش و جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے ـ اور یہ واضح سی بات ہے کہ کسی جماعت یا معاشرے کے افراد اگر کم ہیں تو بلا تردید وہ عام طور پر اپنے مقاصد اور اہداف کے حصول کے لحاظ سے یقین

اپنی ذہنی اور فکری سطح ، صفات اور اخلاقیات کے بلند مرتبے پر فائز ہوتے ہیں اور جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے ان میں ضعیف الاعتقاد ، منافق اور بیمار ذہن افراد کی تعد اد میں بھی اضافہ ہو تا رہتا ہے_ جس کے نتیجے میں اگر عام افراد کو بھی ساتھ مد نظر رکھیں تو مجموعی طور پر ان کی روحانی ، معنوی اور جذباتی طاقت کی سطح نیچے آ جاتی ہے _ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ کسی گروہ کے افراد جتنا کم ہوں گے ، ان کے دشمن جتنا زیادہ طاقتور ہوں گے اور مختلف تکلیفوں ، مصیبتوں اور پریشانیوں نے انہیں جتنا زیادہ گھیرا ہو گا وہ اتنا ہی مصمم ، تیز ، چالاک ، بہادر ، جنگجو اور چست ہوں گے _ اور جوں جوں ان کی تعداد بڑھتی جائے گی ان کے جذبات اتنے ہی ٹھنڈے پڑتے جائیں گے ، ذہنی بیداری کم ہوتی جائے گی اور دماغ خراب ہو تا جائے گا[1]_

ہماری مذکورہ باتوں کی بہترین دلیل آنحضرت ﷺ کے غزوات ہیں_ قارئین جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد، تیاری ، حالات و واقعات اور نتائج کا احد، خندق ، خیبر اور حنین جیسی دیگر جنگوں میں مسلمانوں کی تعداد ، تیاری ، حالات و واقعات اور نتائج کا موازنہ اور تقابل کرکے دیکھ سکتے ہیں_ اور جنگ حنین کے نتائج تو اتنے ہولناک اور بھیانک تھے کہ خدا کو یہ فرمانا پڑا :

(و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً وضاقت علکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین

)(توبہ25)

"اور جنگ حنین میں جب تمہاری کثرت تعداد نے تمہیں غرور میں مبتلا کردیا تو تمہیں کسی چیز نے فائدہ نہیں پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر الٹے پاؤں بھاگے"

---

1) اس ساری بات کو دسیوں برس پہلے علامہ اقبال نے دو لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:

میں تم کو بتا تا ہوں تقدیر امم کیا ہے

شمشیر و سناں اول طاؤوس و رباب آخر

ہماری ان باتوں سے اب مذکورہ آیتوں کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے_ نیز ان باتوں پر وہ مذکورہ تیسری آیت بھی دلالت کرتی ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ لوگ دنیاوی مفاد کی خاطر جنگ سے ہاتھ روکنا چاہتے تھے_ اور چونکہ پہلی دو مذکورہ آیتیں دو مختلف زمانوں میں روحانی اور جذباتی طاقت کی طبیعت اور کیفیت بیان کر رہی ہیں اس لئے دو آیتوں کے بیک وقت نزول میں کوئی مانع نہیں ہے_ کیونکہ دو زمانوں میں دو مختلف احکام کی موجودگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک حکم کو بیان کرنے والی ایک آیت ایک زمانے میں جبکہ دوسرے حکم کو بیان کرنے والی آیت دوسری موقع پر نازل ہو ، کیونکہ یہ آیتیں ایک طبیعی حکم کو بیان کررہی ہیں کسی شرعی حکم کو نہیں _علامہ طباطبائی پھر فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں فقہ (سمجھداری) اور دوسری آیت میں صبر کی تعلیل بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صبر (پائیداری) ایک شخص کا پلڑا روحانی طاقت کے لحاظ سے اپنے جیسے دو آدمیوں پر بھاری کرتی ہے جبکہ فقہ ایک شخص کا پلڑا اس جیسے پانچ آدمیوں پر بھاری کردیتی ہے_ پس اگر یہ دونوں چیزیں کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں تو اس کی روحانی طاقت کا پلڑا دس آدمیوں پر بھی بھاری ہو جاتاہے [1]البتہ فقہ سے صبر جدا نہیں ہے گرچہ صبر سے فقہ جدا ہوسکتی ہے[2]_

---

1)بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ اگر یہ دو صفات کسی شخص میں جمع ہو جائیں تو اس شخص کو اپنے جیسے سات آدمیوں جتنا طاقتور بنا دیتی ہیں _ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے ، کہ فقہ سے پیدا ہونے والی پانچ گنا طاقت کو صبر آکر دوگنا کردیتا ہے اور یہی بات ہی دونوں آیتوں کے مفہوم کے زیادہ مناسب ہے _ کیونکہ فقہ سے صبر اور دوسری صفات حمیدہ بھی حاصل ہوجاتی ہیں پھر صبر آکر اس کی موجودہ طاقت کو دوگنا کردیتا ہے _

2) ملاحظہ ہو: المیزان علامہ طباطبائی ج 9 ص 122 تا ص 125_

تیسری فصل:

مال غنیمت اور جنگی قیدی

مال غنیمت کی تقسیم :

اس جنگ میں ڈیڑھ سو 150 اونٹ ، دس گھوڑے (جبکہ ابن اثیر کے مطابق تیس گھوڑے) اور بہت سا سازو سامان ، اسلحہ اور چمڑے و غیرہ کے بچھونے اور چیزیں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگے _ لیکن مسلمانوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ کیا یہ مال غنیمت صرف لڑنے والے جنگجوؤں کو ملنا چاہئے یا پھر ان سب کو بھی ملنا چاہئے جو اس لشکر میں پیچھے رہ کر ان کے دوسرے کاموں میں مصروف ہیں ؟ اس اختلاف اور جھگڑے کی وجہ سے مال غنیمت کی تقسیم کا عمل رسول ﷺ خدا کے سپرد کردیا گیا _ آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت اکٹھا کر کے اسے عبداللہ بن کعب کے ذمہ لگا دیا اور باقی صحابہ کو بھی اس کے اٹھانے اور حفاظت میں اس کا ساتھ دینے کا حکم دیا _ بقولے مندرجہ ذیل آیت بھی اسی بارے میں نازل ہوئی :

(یسالونک عن الانفال قل الانفال للہ و للرسول فاتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم و اطیعو اللہ و رسولہ ان کنتم مؤمنین) (انفال/1)

اے رسول ﷺ وہ لوگ آپ ﷺ سے انفال (مال غنیمت) کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ انفال خدا اور رسول ﷺ کا ہے اور اگر تم مؤمن ہو تو خدا سے ڈرو اور آپس میں صلح صفائی کرلو او ر خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو _

آپ ﷺ نے وہ مال غنیمت وہاں نہیں بلکہ مدینہ واپس آتے ہوئے راستے میں تقسیم کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان اختلاف کی شدت کو ختم کرکے انہیں طبیعی حالت میں واپس لے آنا

چاہتے تھے تا کہ وہ اپنی دنیاوی خواہشات سے ہٹ کر اس بارے میں کچھ سوچیں_ تب آپ ﷺ نے وہ سارامال ان کے درمیان تقسیم کردیا اور اس سے خمس بھی نہیں نکالا _

رسول خدا ﷺ نے خمس کیوں نہیں لیا ؟

بہر حال رہا یہ سوال کہ رسول ﷺ خدا نے جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے خمس کا حصہ کیوں نہیں لیا ؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید آپ ﷺ خداکے اذن سے اپنے اور ذوی القربی کے حقوق سے گذر تے ہوئے جنگجوؤں کا حوصلہ بڑھانے اور ان کا دل جیتنے کے لئے انہیں زیادہ حصہ دنیا چاہتے ہوں گے خاص کراس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ یہ مشرکین کے خلاف ان لوگوں کی پہلی زبر دست لڑائی ہے اور دوسرا آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ انہیں حصول مال کی کتنی شدید خواہش اور لالچ ہے _اس کی مزید وضاحت قیدیوں سے متعلق گفتگو میں ہوگی _

اس کی مثال اس روایت میں بھی ملتی ہے کہ حضرات حسنین (حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین) علیہما السلام نے حضرت علی علیہ السلام کے ایام خلافت میں اپنے والد سے خمس سے اپنا حصہ مانگا تو انہوں نے فرمایا: " وہ تو تمہارا حق ہے مجھ سے طلب کر سکتے ہو لیکن میں ابھی معاویہ سے جنگ میں مصروف ہوں(جس کے لئے مجھے اخراجات کی اشد ضرورت رہتی ہے)اس لئے اگر تم چاہو تو اپنے اس حق سے گذر سکتے ہو "[1]

البتہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اس وجہ سے وہاں خمس نہ لیا ہو کہ اس وقت تک خمس والی آیت نازل نہ ہوئی ہو_ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ خمس کا حکم غزوہ بدر کے بعد آیاہوگا ،حتی کہ بعض اقوال یہ بھی ملتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلا خمس غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر نکالاتھا [2]لیکن ہمیں اس بات کے صحیح ہونے میں شک ہے کیونکہ بعض دستاویزات کے مطابق آپ نے جنگ بدر سے کچھ ما ہ پہلے سریہ عبداللہ بن حجش میں

---

1)السنن الکبری ج6ص 363_

2)الثقات ابن حبان ج 1ص 211_

سب سے پہلا خمس لیاتھا_بلکہ ہم یہاں تک بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی حدیث مناشدہ[1] میں ابن عسا کرنے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مشاورتی کو نسل کے افراد کو قسم دیتے ہوئے کہا تھا :"تمہیں خدا کی قسم کیا میرے اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کے علاوہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قریبی کے ایمان لانے سے بھی پہلے خمس لیا ہو ؟" سب نے کہا :" نہیں بخدا "[2] _ اس دستاویز کی روسے خمس ،مکہ میں بعثت کے ابتدائی ایام میں حتی کہ آپکے گھرانے کے کسی فرد کے اسلام لانے سے بھی پہلے فرض ہو اتھا _ البتہ اس دستاویز پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت سے بھی پہلے بعثت کے چوتھے یا پانچویں سال تک حضرت جعفر ،حضرت حمزہ اور جناب ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے _ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دعوی کیسا کہ کسی قریبی کے مسلمان ہونے سے پہلے میں اور فاطمہ علیہا السلام خمس لیتے تھے ؟) _جبکہ اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ: (ایک):_حضرت ابو طالب علیہ السلام ،رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدااور حضرت خدیجہ علیہا السلام کو کسی مال کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ یہ شخصیات شعب ابی طالب جیسے کٹھن حالات میں بھی اپنا ہی مال خرچ کرتے تھے _ اور یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے _ اور حضرت جعفر علیہ السلام کے متعلق بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ خمس کے مستحق ہوں شاید وہ بھی مالدار آدمی تھے اسی طرح وہ اس وقت ملک حبشہ میں رہ رہے تھے اسی طرح حضرت حمزہ بھی شاید مالدار آدمی تھے _ (دو):یہ بھی ممکن ہے کہ خمس کا حکم بعثت کے ابتدائی دنوں میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر رشتہ داروں کے مسلمان ہونے سے پہلے آیا ہو اور حضرت خدیجہ علیہا السلام نے خمس نکالا ہو اور اس سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا حصہ ملاہو لیکن حضرت فاطمہ زہراعلیہا السلام ولادت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی حصہ دار بن گئی ہوں _ البتہ اس مذکورہ دستاویز کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ حضرت زہرا علیہا السلام بعثت کے اوائل میں پیدا ہوئیں _

---

1) خلیفہ ثانی نے بوقت وفات گذشتہ رہنماؤں کی مخالفت کرتے ہوئے نئے خلیفہ کی تعیین کے لئے ایک چھ رکنی کو نسل یا کمیٹی تشکیل دی تھی _تعیین خلیفہ کے وقت دھاندلی ہونے لگی تو حضرت علی علیہ السلام نے اس کمیٹی کے افراد کو قسمیں دے دے کران سے اپنے فضائل اور صفات منوائے لیکن دھاندلی ہو کر رہی اور حضرت علی علیہ السلام کا حق غصب ہو گیا _ اس حدیث کو حدیث منا شدہ کہتے ہیں _مترجم

2)زندگانی امام علی علیہ السلام از تاریخ ابن عسا کر با تحقیق محمودی ج 3ص 90وص 95،المناقب خوارزمی ص225،فرائد السمطین ج1 ص322نیز زندگانی امام علی علیہ السلام ج3ص 88و ص 89کے حاشیہ میں حدیث منا شدہ کے کثیر منابع و مآخذ بھی مذکور ہیں نیز ملاحظہ ہو: الضعفاء الکبیر ج 1 ص 211 _(البتہ اس میں "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر رشتہ داروں کے ایمان لانے سے پہلے "والا جملہ مذکور نہیں ہے ، ولئالی المصنوعہ ج 1ص 362)_

رسول خدا ایک بار پھر خمس اپنے اصحاب میں بانٹ دیتے ہیں

جس طرح آپ ﷺ نے جنگ بدر میں خمس نہیں لیا ،اسی طرح آپ ﷺ نے بعض دیگر مقامات پر بھی خمس نہیں لیا_مروی ہے کہ جنگ حنین کے واقعہ میں آپ ﷺ نے اپنے حق یعنی خمس کو اپنے صحابیوں میں تقسیم کر دیاتھا _ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کچھ زمین اور ایک موٹا تازہ جوان اونٹ یا کوئی اور چیز ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا : "مجھے پروردگار کی قسم خدا نے تمہیں جو بھی مال غنیمت یا جو رزق دیا ہے اس میں سے صرف خمس ہی میرا حق بنتا ہے اور وہ بھی میں تمہیں لوٹا ئے دیتا ہوں "(1)

یہ تو ان لوگو ں کے ساتھ نبی ﷺ کریم کا سلوک تھا لیکن دوسروں کا سلوک کیسا تھا ؟ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے خاص حق "فئے"پر بھی قبضہ کر لیا اور آپ ﷺ کے اہل بیت علیہ السلام تک کو بھی اس سے محروم رکھا ،بلکہ آنحضرت ﷺ کے تمام وارثوں کو آپ ﷺ کے تمام ترکہ سے ہی محروم کردیا اور یہ بات کسی بیان کی محتاج نہیں ہے_ البتہ ہم بھی " سیرت سے متعلق چند باتیں" کی فصل میں نفع اور تمام مال میں خمس کے فریضے پر گفتگو کریں گے_

حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں غربت کا خاتمہ :

ابو عبیدہ و غیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سال میں تین مرتبہ لوگوں میں مال تقسیم کیا کرتے تھے ایک مرتبہ تین دفعہ بانٹنے کے بعد اصفہان سے کچھ مال آیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ چوتھی مرتبہ تقسیم کا بھی جلدی جلدی بندو بست کرو ، میں تمہارا کوئی خزانچی نہیں ہوں _ تو آپ علیہ السلام نے وہ طبق لوگوں میں تقسیم کرادیئےسے بعض نے تو لے لیا لیکن بعض نے واپس کردیا لیکن آپ ﷺ نے انہیں اپنا حصہ لینے پر مجبور کردیا (2) جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں تمام لوگ اس حد تک خود کفیل اور بے نیاز ہو گئے تھے کہ حکومتی

---

1)الموطاء ج 2ص 14مطبوعہ با تنویر الحوالک ،الا موال ابو عبید ص 444و 447،الفتوح ابن اعثم ج 2 ص 122،مسند احمد ج5 ص 316 ص 319 ، 326 و الثقات ج 2 ص 48)_ (2)الاموال ابو عبید ص 384،کنز العمال ج 4ص 378وص318،حیاۃ الصحابہ ج 2ص 236،زندگانی امام علی علیہ السلام از تاریخ ابن عساکر بہ تحقیق محمودی ج 3 ص 181و انساب الاشراف با تحقیق محمودی ج 2 ص 132_

تقسیم کو بھی واپس کرنے لگے تھے _ اور ایسا کیوںنہ ہو جبکہ حضرت علی علیہ السلام یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں [1] اور بیت المال کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کی سیرت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے_[2]

جبکہ دوسروں کے دور حکومت میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد کے پاس تن کو ڈھانپنے کے لئے صرف دوہی ٹکڑے ہوتے تھے جس سے وہ صرف اپنا آگا اور پیچھا ہی چھپا سکتے تھے _ اور کچھ بھی نہیں تھا ، اس لئے انہیں " ذو الرقعتین" کہتے تھے[3]

اہم نوٹ : خمس اور اقربا پروری؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خمس کا مخصوص حکم ایک خاندان کو برتری دینے کے مترادف اور باعث ہے ؟ اور کیا یہ ذات پات کے فرق پر مبنی ہے ، جیسا کہ بعض لوگوں کو ایسی باتیں کرنا اچھا بھی لگتا ہے _ اور اس کا جواب یہ ہے کہ:

1_ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس اللہ ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام علیہ السلام کی ملکیت ہے _ اور آیت خمس میں مذکور باقی افراد خمس کے استعمال اور خرچ کرنے کے موارد ہیں _ اور در حقیقت خدا نے عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقیروں کو امام علیہ السلام کی زیر سرپرستی قرار دیا ہے _ اگر ان کا اپنا حصہ ان کے لئے کفایت نہ کرے اور ان کا فقر دور نہ کر سکے تو امام علیہ السلام اپنے حصہ سے اس کی کمی پوری کرتا ہے_ اور اگر ان کے حصہ سے کچھ بچ جائے تو وہ باقی حصہ امام علیہ السلام کا ہوگا_ ہوگا _ اور امام علیہ السلام اپنے اس حصہ کو ان شرعی امور میں خرچ کرے گا جو دین کی سربلندی ، حفاظت اور مسلمانوں کے حالات سدھرنے کا باعث ہوں _ اور وہ مال جو ان شخصیتوں (سادات کے فقیروں ، مسکینوں اور مسافروں) کو دیا جائے گا وہ صرف ان کی ضرورتوں کے پورے ہونے کی حد تک ہو گا_ کیونکہ زکات ان پر حرام ہوچکی ہے _ اسی طرح زکات غیر سادات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فرض ہوئی ہے _ البتہ غیر

---

1)البدایہ و النہایہ ج 8ص 5از بغوی و حیاۃالصحابہ ج 2 ص 310_

2)اور قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام مہدی علیہ السلام کے دور حکومت کے متعلق بھی ملتا ہے کہ وہ دور ایسا خوشحال ہوگا کہ صدقہ دینے والے صدقہ دینے کے لئے ہر طرف پھر رہے ہوں گے لیکن لینے والا کہیں نہیں ملے گا_

3)المصنف عبدالرزاق ج 6 ص 267 نیز ص 268 و سنن بیہقی ج 7 ص 209 _

سادات میں سے کسی ایک کو دوسروں پر کوئی برتری اور امتیاز حاصل نہیں ہوگا _ جبکہ سادات کے فقیروں کو خمس دینا رسول ﷺ کریم کی تعظیم اور لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی شان اور منزلت کے اعتراف کے برابر ہے _ جبکہ اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی یا کسرشان بھی نہیں ہوتی _ اور اس بات سے امت اسلامیہ عقیدے کے لحاظ سے بھی اور عملی طور پر بھی مضبوط اور با صلابت ہو جاتی ہے اور امت اسلامیہ کو اسی صلابت ہی کی اشد ضرورت ہے _

خداوند عالم نے قرآن مجید میں مذکورہ صورت کے علاوہ بھی نبی ﷺ کریم کے احترام اور تکریم کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کے لئے بہت زیادہ اہتمام کیا ہے _ ارشاد خداوندی ہے

(يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى و لا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم بعضا) (1)

اے مؤمنوتم نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آواز زیادہ اونچی نہ کیا کرو بلکہ تمہاری آواز ان سے نیچی اور دھیمی ہونی چاہئے اور ان کو اونچی آواز سے اس طرح بھی مت پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو_

اسی طرح خدا نے آنحضرت ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا بھی حکم دیا ہے اور یہ سب صرف اس لئے ہے کہ خدا ان باتو ںسے دین ، انسان اور انسانیت کی بھلائی چاہتا ہے _

اس کے ساتھ یہ بھی بتاتے چلیں کہ خمس کی یہ عطا اتنی بلا قید و شرط بھی نہیں ہے کہ سب مال کسی خاص قوم یا خاندان کے پاس جمع ہو جائے جبکہ دوسروں کو اس کی اشد ضرورت رہے _ بلکہ شرط یہ ہے کہ ہر سید کو اس کے سال بھر کے خرچہ کی مقدار جتنا دیا جائے گا جس سے اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں _ روایات اور مجتہدین کے فتو ے بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں _ اسی طرح سہم امام بلکہ بعض فتاوی کی بنا پر سہم سادات بھی امام علیہ السلام یا پھر مجتہد کے اختیار میں ہوتا ہے _

---

1)حجرات /22

لیکن زکات کے متعلق ایسا نہیں ہے بلکہ کوئی بھی کسی فقیر کو اتنی بہت زیادہ زکات بھی دے سکتا ہے کہ اس کی کا یا اچانک پلٹ جائے اور وہ فقیر سے امیر ہو جائے _

2_ خمس نے تاریخ کے دورانیے میں دین کی حفاظت میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے _ اسی خمس نے مرجعیت کے ساتھ لوگوں کے تعلقات مضبوط رکھے اور دونوں کے اندر ایک دوسرے پر اعتماد پیدا کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا _ ظالم و جابر حکام کے ظلم و زیادتیوں نیز محرومیوں کے اثرات پر غلبہ پانے میں لوگوں کی مدد کی اور ان کی بہت سی ضروریات کو پورا کیا _ معاشرے کی خدمت کرنے والے علمی اور رفاہی اداروں کی تشکیل میں بھی بہت زیادہ اور عظیم کردار ادا کیا اور معاشرے کی روحی ، مادی اور ذہنی سطح بلند کی _ اسی طرح خمس کے ساتھ ساتھ اس مذہبی موقف نے بھی مذہبی معاشرے کی روحی اور ذہنی سطح کے بلند کرنے میں اپنا کردار ادا کیا کہ کسی ظالم و جابر حاکم کے ساتھ کسی قسم کے تعلق کے بغیر یا اس کے سامنے جھکے بغیر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل میں آزاد ہونا چاہئے_ اور اس ظالم حاکم کو اپنے اوپر ایسے کسی قسم کے دباؤ ڈالنے کا موقع نہ دیں کہ جس سے وہ انہیں غیر دینی راستوں پر لے جائے اور وہ انہیں اپنے اغراض و مقاصد کے حصول اور اہداف تک رسائی کا ذریعہ بنائے _پس ان کی شان ، عظمت ، سر بلندی اور اعتبار اس ظالم حاکم کے مرہون منت نہیںہے کہ جس کی وجہ سے ان پر اس ظالم حاکم کے ساتھ دینی اور عقائدی حدود کے باہر کسی قسم کا تعلق اور واسطہ رکھنا ضرور ی ہو_ اسی بات سے ہمیں آیت اللہ سید روح اللہ موسوی خمینی کی دینی قیادت اور رہبری میں ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی میں دیگر عوامل کے علاوہ خمس کے عظیم کردار کا بھی علم ہوتا ہے

3_ چونکہ بعض لوگوں میں دین سے دفاع اور اس کی حفاظت کا ذاتی احساس اجاگر کرنے کے لئے خمس بھی اپنا حصہ ادا کرتا ہے اس لئے دین کو ہمیشہ خمس کی ضرورت رہتی ہے _ اور یہ طبیعی بات ہے کہ اس خطیر ذمہ داری کا ذاتی احساس اور جذبہ آنحضرتﷺ کے اہل بیت علیہم السلام میں یعنی سادات میں سب سے زیادہ ہے _ اور خمس کو ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے بطور ضمانت اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کا ذریعہ قرار دینے

سے ان میں دین سے دفاع کا مذکورہ جذبہ مزید اجاگر ہوگا اور نکھرے گا نیز دین کی راہ میں جان دینے پر بھی زیادہ آمادہ کرے گا[1]

یہیں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فاسد عقیدوں اور مشکوک فرقوں حتی کہ وہابیت جیسے باطل اور گمراہ فرقے نے کس طرح اس جیسے تعصب اور اقربا پروری سے کام لے کر اپنے آپ کو زندہ رکھا ہوا ہے _ چونکہ آل سعود جیسے کچھ لوگ اپنا وجود وہابیت کے مرہون منت جانتے ہیں اس لئے وہ اس کی حفاظت ، پابندی اور ترویج کو اپنی ذات ، حکومت اور سلطنت کی بقاء کے لئے ضروری جانتے ہیں _اور ان تمام باتوں سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب حقہ بھلائی اور حق کی حفاظت اور ترویج کے لئے اس عنصر سے استفادہ کرنے کاسب سے زیادہ حق دار ہے _

ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ حکام جس مذہب سے بھی ناراض ہو جاتے اور اس پر اپنا غصہ نکالنا چاہتے تو وہ مذہب تھوڑی سی کوشش کے ساتھ ہی نیست و نابود ہوجاتا تھا _ کیونکہ اس کے بقاء اور اس پر پابند رہنے والے شخص کی حفاظت کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہوتی تھی _ لیکن خالص خدائی تعلیمات پر مشتمل مذہب اہل بیت عليهم السلام میں چونکہ بڑی بڑی کینہ پرور اور ظالم طاقتوں کے مقابلے میں بھی استمراراور بقاء کی بہت سی شرعی، عقلی اور عملی ضمانتیں موجود ہیں اور ان ضمانتوں کے سائے میں وہ کئی کئی صدیوں تک بھی اپنے اور اپنے پیروکاروں پر دباؤ نہ صرف برداشت کر سکتی ہے بلکہ کر بھی چکی ہے اور کر بھی رہی ہے اس لئے وہ پائندہ اور تابندہ ہے _ البتہ یہ بات دین اسلام کی عظمت ، وسعت اور پاکیزگی کی صرف ایک دلیل ہے ، باقی بھی ہیں جو اپنے مقام پر ذکر ہو چکی ہیں اور ہوں گی _

---

1) البتہ اسلام نے ان سادات کے لئے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ وہ خمس و غیرہ کو گناہ کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو_ بلکہ اس سید کو محتاج ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نیک اور پرہیزگار ہونا چاہئے _ اور وہ جتنا نیک ہوگا اتنا ہی مستحق خمس ہوگا_

جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے ولے بعض افراد کا مال غنیمت سے حصہ :

الف : طلحہ اور سعید بن زید:

مورخین یہاں کہتے ہیں کہ طلحہ اور سعید بن زید نے جنگ بدر میں شرکت نہیں کی تھی _ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں تجارتی قافلے کی تازہ ترین صورتحال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا تو وہ بدر کی طرف آپ ﷺ کی روانگی کے بعد مدینہ واپس لوٹے تھے _ وہ جنگ میں شرکت کے لئے گھر سے نکلے بھی لیکن راستے میں دیکھا کہ آپ ﷺ جنگ سے فارغ ہو کر واپس تشریف بھی لارہے ہیں _ یہ صورتحال دیکھ کر آپ ﷺ نے جنگ بدر کے مال غنیمت سے ان دونوں کو بھی ان کا حصہ دیا _[1]

لیکن یہ بات مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے :

1_ ہمیں ایک اور دستاویز میں ملتا ہے کہ وہ شام تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے اور وہ آپ ﷺ کی جنگ بدر سے واپسی کے بعد لوٹے تو آپ ﷺ نے ان کی آمد پر ان دونوں کا حصہ نکال کر انہیں دیا [2]_

البتہ اس دستاویز کی آخری شق صحیح نہیں ہے_ کیونکہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر صرف ان دونوں کوہی مال غنیمت کا حصہ کیوں دیا ؟ اور کیاجنگ نہ کرنے والوں کا جنگ کرنے والوں کے مال غنیمت سے شرعی طور پر کوئی حق بنتا ہے ؟ پھر کسی مجبوری و غیرہ کے تحت جنگ سے پیچھے رہ جانے والے دیگر لوگوں کی بجائے صرف ان دونوں کو حصہ دینے پر وہ لوگ راضی کیسے ہو گئے؟ اور نبی ﷺ کریم اگر دیگر مسلمانوں کو مال عطا کرنا بھی چاہتے تھے تو انہیں اپنے حصہ سے عطا کرنا چاہئے تھا دوسروں کے مال سے نہیں ، جس طرح آپ ﷺ نے جنگ میں شریک افراد کے ساتھ یہ کام کیا تھا_

---

1)ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج 2 ص 147 و ص 185 و غیرہ_ (2)سیرہ ابن ہشام ج2 ص 339 و 340 ، التنبیہ و الاشراف ص 205 لیکن اس میں لفظ " قیل" (منقول ہے) کے ساتھ ذکر ہوا ہے ، الاصابہ ج2 ص 229 و الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 2 ص 219_

2_ دیگر مورخین کی پیروی میں سیوطی نے بھی مذکورہ دونوں افراد کی اس فضیلت سے انکار کیا ہے بلکہ عثمان کے علاوہ اس نے ہر کسی کی اس فضیلت سے انکار کیا ہے _ وہ کہتا ہے : " جنگ بدر کے موقع پر حضرت عثمان کا حصہ علیحدہ کر لیا گیا جبکہ اس کے علاوہ جنگ بدر سے غیر حاضر رہنے والے کسی شخص کے لئے بھی کوئی حصہ نہیں رکھا گیا_ اس روایت کو ابو داؤد نے ابن عمر سے نقل کیا ہے _ خطابی کہتا ہے کہ یہ فضیلت صرف حضرت عثمان کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ رسول ﷺ خدا کی (لے پالک) دختر کی تیمار داری میں مصروف تھا"[1]البتہ ہم حضرت عثمان کے لئے بھی اس تخصیص کے قائل نہیں ہیں جسے انشاء اللہ آگے جا کر ثابت کریں گے _

3_ شورا والوں سے (جن میں طلحہ اور عثمان بھی شامل اور موجود تھے) حضرت علی علیہ السلام کی حدیث مناشدہ میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا : "کیا تم لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جسے جنگ میں شرکت کرنے پر بھی حصہ ملاہو اور شرکت نہ کرنے پر بھی حصہ ملا ہو؟" تو سب نے نفی میں جواب دیا [2] البتہ ہو سکتا ہے کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے پر آپ علیہ السلام کو حصہ اس لئے دیا گیا ہو کہ آپ علیہ السلام بھی اس وقت کسی جنگی مہم میں مصروف ہوں یا آنحضرت ﷺ نے اپنے حصہ سے جس طرح دیگر جنگجوؤں کو دیا تھا اسی طرح آپ علیہ السلام کو بھی دیا ہو _ البتہ یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں حضرت علی علیہ السلام صرف جنگ تبوک سے ہی پیچھے رہے تھے اور شرکت نہ کر سکے تھے باقی تمام جنگوں میں آپ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے شانہ بشانہ رہے _ زمخشری نے فضائل العشرہ میں کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں بیٹھے جنگ تبوک کا مال غنیمت تقسیم کررہے تھے _ آپ ﷺ ہر کسی کو ایک ایک حصہ دیتے جارہے تھے لیکن حضرت علی علیہ السلام کو دو حصے دیئے _ اس پر زائدہ بن اکوع نے اعتراض کیا تو نبی ﷺ کریم نے اسے یہ جواب دیا کہ (حضرت) علی علیہ السلام کی جگہ جبرائیل جنگ تبوک میں جنگ کررہا تھا اور اسی نے (حضرت)علی علیہ السلام کو دو حصے دینے کا حکم دیا ہے [3]

نوٹ: حضرت علی علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کے بھائی حضرت جعفر علیہ السلام کو بھی شرکت کرنے پر ایک حصہ اور نہ

---

1)سیرہ حلبیہ ج2 ص 185_ (2)زندگانی امام علی علیہ السلام از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 3 ص 93 ، اللئالی المصنوعہ ج1 ص 362 و الضعفاء الکبیر ج1 ص 211 و ص 212_ (3)ملاحظہ ہو:سیرہ حلبیہ ج 3 ص 142_

کرنے پر بھی ایک حصہ ملاتھا _ کیونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جناب جعفر علیہ السلام کا بھی حصہ علیحدہ کیا تھا (1) لیکن یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے مذکورہ دعوے کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام نے جن لوگوں کو قسمیں دی تھیں ان میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور اس خصوصیت کا حامل تھاہی نہیں _ اور یہ بات حضرت جعفر علیہ السلام کے مذکورہ خصوصیت کے حامل ہونے سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ جنگ مؤتہ میں شہید ہو چکے تھے اور اس موقع پر موجودہی نہیں تھے_

ب:عثمان بن عفان

مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول ﷺ خدانے جنگ بدر کے مال غنیمت سے عثمان بن عفان کا حصہ بھی علیحدہ کر لیا تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہی اسے اپنی زوجہ جناب رقیہ کی تیمار داری کے لئے وہیں رہنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس کا حصہ علیحدہ کر لیاتھا _ اسی وجہ سے مؤرخین نے جناب عثمان کو بدری صحابیوں سے شمار کیا ہے (2) لیکن ہم مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اسے صحیح نہیں سمجھتے :

1_ حدیث منا شدہ میں شورا والوں کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کا دعوی ذکر ہو چکا ہے اور اس میں خود عثمان بھی موجود تھا اور اس نے بھی اعتراف کیا تھا _

2_کچھ دیگر روایتیں کہتی ہیں کہ وہ خود چیچک کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جنگ بدر میں شرکت نہ کر سکا تھا (3) تو پھر ہم کس روایت کی تصدیق کریں ؟ اس کی یا اُس کی ؟

3_ کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ سے پیچھے رہ جانے والے دوسرے افراد کی بجائے صرف جناب عثمان کا حصہ کیوں علیحدہ کیا گیا؟اور اس بات پر پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں نے اعتراض کرکے اپنے حق کا

---

1)سیر اعلام النبلاء ج1 ص 216_ (2)ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج 2ص 146،ص147و 185اور تاریخ کی کوئی بھی دوسری کتاب _

3)سیرہ حلبیہ ج 2 ص 146 و ص 185_

مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ پھراس بات پر جنگجو مسلمانوں نے بھی اعتراض کیوں نہیں کیا ؟ اور کیا کسی بیماری کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے شخص کو یہ حق حاصل ہو جاتاہے کہ وہ جس جنگ میں شریک نہیں ہوا اس جنگ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں حصہ دار بن جائے ؟

4_عثمان والی بعض روایات یہ کہتی ہیں کہ آنحضرتﷺ نے جناب رقیہ کی تیمار داری کے لئے عثمان کے ساتھ اسامہ بن زید کو بھی ٹھہرایاتھا اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی خبر پہنچنے کے بعد اس بارے میں اس کا بھی یک گونہ کردادرہا تھا حالانکہ اس وقت اس کی عمر دس سال سے بھی کم تھی _لیکن اس کے با وجود عثمان کے حصہ کی طرح آنحضرتﷺ نے اس کا حصہ علیحدہ نہیں کیا ؟؟

5_ تاریخ میں ملتا ہے کہ عبد الرحمن بن عوف ،عثمان کو جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے کے طعنے دیا کرتا تھا ایک مرتبہ اس کی ملاقات ولید بن عقبہ سے ہوئی تو ولید نے اس سے کہا :"تم امیر المؤمنین عثمان کے حق میں جفا کیوں کرتے ہو ؟"_تو عبد الرحمن نے اس سے کہا :"اس سے کہہ دینا کہ میں نہ جنگ عینین (جبکہ بقول عاصم اس کی مراد جنگ احد ہے)سے بھا گاہوں اور نہ جنگ بدر سے پیچھے ہٹاہوں اور ہاں حضرت عمر کی سنت بھی میں نے نہیں چھوڑی ہے "_ اور ولید نے جاکر عثمان کو عبد الرحمان کا یہ پیغام پہنچایا _یہاں مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے جنگ بدر میں شرکت نہ کرنے کی وجہ جناب رقیہ کی تیمار داری بتائی [1] نیز بقول مؤرخین ابن عمر نے بھی جناب عثمان پر اعتراض کرنے والے ایک شخص کے جواب میں یہی عذر پیش کیا تھا [2]_

لیکن ان کا یہ عذر صحیح نہیں ہے بلکہ صرف ایک بہانہ ہے _کیونکہ اس کی یہ مجبوری عبدالرحمن بن عوف جیسے بزرگ صحابی اور اس اعتراض کرنے والے شخص سے کیسے پوشیدہ تھی؟ حالانکہ اس وقت کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی _ اور اگر جناب عثمان کا اس سے کوئی حصہ علیحدہ کیا گیا تھا تو یہ اس کے لئے بہت بڑی فضیلت

---

1)مسنداحمد ج1 ص 68وص75،الا وائل ج1ص305وص 306،محاضرات الادباء راغب اصفہانی ج 2 ص 184،الدر المنثور ج2ص 89از احمد و ابن منذر ،البدایہ و النہایہ ج 7ص207،شرح نہج البلا غہ ابن ابی الحدید ج 5 ص 21تا ص22،المغازی واقدی ج1ص 278،الغدیر ج 9 ص 327و ج 10ص 72از احمد و ابن کثیر و از ریاض النضرہ ج 2 ص 97_ (2)مستدرک حاکم ج 3 ص 98،الجامع الصحیح ترمذی ج 5 ص 625،مسند احمد بن حنبل ج 2 ص 101،البدایہ و النہایہ ج 7ص 207از بخاری و الغدیر ج 10ص 71از حاکم و ص70از احمد و از صحیح بخاری ج 6ص122)_

کی بات تھی اور یہ بات جنگ بدر اور احد میں شرکت کرنے والے ،مؤاخات کے دن عثمان کا بھائی بننے والے ،اس کے لئے خلافت کی سیج تیار کرنے والے اور نبی ﷺ کریم کے بعد کائنات کی سب سے بہتر اور افضل شخصیت امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام پر اسے ترجیح دینے والے عبدالرحمن بن عوف سے ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی _تو پھر عبد الرحمن بن عوف اسے فضیلت کی بات پر کیوں طعنے دیتا تھا ؟ یا پھر ایسی بات نہیں تھی وہ لوگ عثمان پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے اس کی قابل تعریف باتوں پر تعریف کی بجائے اس کی برائی کرتے تھے ؟

6_ جب بن مسعود کوفہ سے مدینہ آیا تو وہ مدینہ میں ایسے وقت داخل ہواجس وقت عثمان بن عفان رسول ﷺ خدا کے منبر پر بیٹھ کرتقریر کررہا تھا _ جب اس کی نظر اس نو وارد پر پڑی تو اس نے دوران تقریر ہی کہہ دیا :''لوگوا تمہارے پاس ابھی ایک ایسا حقیر اور برا جانور آیا ہے جس کا کام صرف کھانے ،اگلنے اور نکالنے میں مصروف رہناہے ''_ اس پر ابن مسعود نے کہا : ''میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں تو جنگ بدر اور بیعت رضوان کے موقع پر رسول ﷺ خدا کا ساتھی ہوں '' [1] اور اس بات سے وہ دونوں مقامات پر عثمان کی عدم موجود گی کی وجہ سے اسے طعنہ دے رہا تھا _

7_ اسی طرح سالم بن عبداللہ کے پاس بھی ایک آدمی نے آکر گذشتہ دوآمیوں کی طرح عثمان پر اعتراض کیا تھا[2] پس یہ مزعومہ فضیلت ان سب لوگوں سے کیسے مخفی رہی ؟

8_ آخر میں ہم جناب رقیہ کی تیمار داری کے لئے رسول ﷺ خدا کے عثمان کو مدینہ میں رہ جانے کی رخصت دینے کو بھی بعید سمجھتے ہیں _ کیونکہ عثمان کے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے جناب رقیہ کی حالت کی کچھ پروا نہیں تھی اور نہ ہی اسے اس کی بیماری سے کوئی غرض تھی کیونکہ ہم انشاء اللہ جناب رقیہ کی وفات کے متعلق گفتگو میں تفصیل سے بتائیں گے کہ اس نے جناب رقیہ کی وفات کی رات بھی اپنی کسی بیوی سے ہم بستری

---

1)انساب الا شرف ج 5 ص 36،الغدیر ج9ص3از انساب الاشرف و ص 4 از واقدی _

2) الغدیر ج10ص 70از ریاض النضرہ ج2ص 94_

کی تھی جس کا مطلب ہے کہ اسے رسول ﷺ وسلم خدا کی دامادی کے شرف سے محروم ہونے کا کوئی دکھ نہیں تھا اور رسول ﷺ خدا نے بھی اسے جناب رقیہ کی قبر میں اترنے اور اسے دفنانے سے منع کردیا تھا _ ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ بعض دیگر لوگوں کی طرح اسے بھی جنگ بدر پر جانا گوارا نہیں تھا اس لئے وہ مدینہ میں رکارہا_ (1)

دوسروں کے فضائل پرڈاکہ

بعض روایتیں کہتی ہیں کہ ابو امامہ بن ثعلبہ نے ماں کے سخت بیمار ہونے کے با وجود بھی جنگ بدر پر جانے کی مکمل تیاری کرلی تھی لیکن رسول ﷺ خدا نے اسے اپنی ما ں کی خدمت اور تیمار داری کے لئے اسے وہیں رہنے کا حکم دیا اور آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے مال غنیمت سے اس کا حصہ بھی علیحدہ کرلیا البتہ جب آپ ﷺ جنگ بدر سے واپس تشریف لائے تو اس کی ماں اس سے پہلے وفات پاچکی تھی اور آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جاکر نماز پڑھی تھی (2)

یہاں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس روایت اور عثمان والی روایت میں کوئی فرق نہیں ہے (صرف شخصیات کا فرق ہے) _ پس آپ ہی بتائیں کہ کس روایت کی دوسری روایت کے حق میں تحریف کی گئی اور کن شخصیات کو دوسری شخصیات کے حق میں بدل دیا گیا ہے ؟

اور چونکہ ہم عثمان والی روایت پر اپنے اعتراضات بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے اس بزرگ کے لئے پوری مشینری فضیلتیں گھڑنے میں مصروف تھی حتی کہ معاویہ نے اسلامی مملکت کے کونے کونے میں فضائل گھڑنے کا حکم نامہ بھجوا دیا تھا اس لئے ہماری نگاہ میں جعلسازوں نے ابو امامہ والی روایت کو نشانہ بنا کر اس پر تحریف اور جعلسازی کا ڈاکہ ڈالا تا کہ عثمان کی جنگ بدر میں شرکت والی فضیلت سے محرومی کا

---

1)جناب عثمان کے ناز نخرے ،تعمیر مسجد کے وقت اس کے انداز نیز عادات و اطوار اور وقت سلطنت کردار سے یہ بات قرین قیاس لگتی ہے _

2)سیرہ حلبیہ ج2ص 147،الا صابہ ج 4ص 9از ابو احمد الحاکم ، الا ستیعاب بر حاشیہ الا صابہ ج 4 ص 4 و اسد الغابہ ج5ص 139_

جبران کرکے اس کے بدلے میں اس کے لئے ایک اور فضیلت ثابت کرسکیں _نیز جناب رقیہ والے واقعہ میں اس کی بدنامی کا داغ بھی مٹا سکیںکیونکہ وہ عثمان کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کی شدت سے چل بسی تھیں لیکن اسی رات اس نے رنگ رلیاں منائیں اور نہ اس مرحومہ کا اور نہ اس کے پالنے اور پرورش کرنے والے (حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا)کے احترام کا کوئی لحاظ کیا _یوں انہوں نے ایک تیر سے دو بلکہ تین شکار کھیلے _

لیکن یہاں حضرت علی علیہ السلام کے اس دعوے والا اعتراض باقی رہتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوی کیا تھا کہ اس فضیلت میں آپ علیہ السلام ہی یکتائے روزگار ہیں _البتہ اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح دوسروں کو اپنے خمس سے نوازاتھا ، اسی طرح اپنے حصہ سے اس کا حصہ بھی رکھا ہو_ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حاضرین کو (جن میں عثمان بھی موجود تھا) قسم دے کر ان سے مذکورہ بات اگلوائی ہویوں حاضرین کی بہ نسبت توآپ علیہ السلام کی بات بالکل درست تھی لیکن حضرت جعفر علیہ السلام جیسے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت آپ علیہ السلام کے کلام میں کوئی مثبت یا منفی بات نہیں پائی جاتی (1)

دوقیدیوں کا قتل :

پہلے بھی بتاچکے ہیں کہ مشرکین کے ستر آدمی گرفتار کرلئے گئے تھے البتہ اکہتر آدمی بھی کہا گیا ہے (2)انہیں قید کرکے مدینہ کی طرف واپسی شروع ہوگئی _ جب صفرا کے مقام پر پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کو دو قیدیوں کا سر قلم کرنے کا حکم دیا _ان میں سے ایک عقبہ بن ابی معیط تھا جس کا مکہ میں مسلمانوں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ برا سلوک معروف ہے اور دوسرا نضربن حارث تھا(3) جو مکہ میں مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم کرتا تھا اور انہیں شکنجہ کیا کرتا تھا _ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

1)حدیث منا شدہ میں حضرت علی علیہ السلام کے الفاظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں اس لئے دیگر احتمالات صرف تکلفات ہیں _

2)العلل و معرفة الحدیث ج 1ص 4_ (3)سیرہ ابن ھشام ج2ص 298میں زہری و غیرہ کی روایتوں میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ہی نضربن حارث کی گردن اڑائی تھی _ نیز ملاحظہ ہو الا غانی مطبوعہ ساسی ج1ص 10_

آپﷺ کو تین قیدیوں ،عقبہ، نضر اور مطعم بن عدی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا [1] اس پر عقبہ نے آنحضرتﷺ سے کہا: "یا محمد ﷺ تجھے خدا اور رشتہ داری کا واسطہ مجھے قتل مت کرو"_ اس پر آنحضرتﷺ نے عقبہ سے فرمایا:"تم تو صفوریہ کے علاقے کے عجمی کافر ہو(تمہارے ساتھ میرا کیسا رشتہ اور واسطہ؟)"البتہ ایک اور دستاویز میں ہے کہ آپﷺ نے اس سے فرمایا:"کیا تو قریشی ہے ؟ تم تو صفوریہ کے علاقے کے عجمی (یا یہودی) کافر ہو_ عمر کے لحاظ سے تو تم اپنے اس باپ سے بڑے ہو جس کے تم بیٹے ہونے کا دعوی کرتے ہو_ جس کے نہیں ہو اس سے منسوب ہو_ علی ﷺ جاؤ اس کی گردن اڑادو "_اور حضرت علی ﷺ نے جا کر اس کا سر قلم کردیا[2] ایک اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ عقبہ نے پھر آنحضرتﷺ سے کہا: "محمد ﷺ میرے پسماندگان کی کفالت کون کرے گا ؟"آپﷺ نے فرمایا :"آگ ان کی کفالت کرے گی "[3]

البتہ سہیلی کہتاہے کہ "جس کے نہیں ہواس سے منسوب ہو"والا جملہ عمربن خطاب نے کہا تھا [4]

یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہجرت سے قبل اسی عقبہ نے آنحضرتﷺ کو بہت اذیتیں دی تھیں اور آپﷺ کے خلاف نہایت سخت موقف اپنا یا تھا _ جس کے نتیجے میں آنحضرتﷺ نے بھی اسے دھمکی دی تھی کہ اگر تو مجھے مکہ کی حدود سے باہر ملا تو تجھے قید کرکے تیری گردن ہی اڑادوں گا [5] اور آپﷺ نے ایسا ہی کیا _

البتہ یہاں چند نکات قابل ذکر ہیں :

---

1)العلل و معرفة الحدیث ج1 ص 3_

2)ملاحظہ ہو : الروض الانف ج 3 ص 65،سیرہ حلبیہ ج 2ص 187و ص 186 ، بحار الانوار ج 19ص 260وص347،المصنف عبد الرزاق ج 5ص 205،تفسیر قمی ج 1ص 269،و واقدی البتہ سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 298میں حضرت علی ﷺ کے اس کو قتل کرنے کی بات لفظ "قیل"کے ساتھ ذکر گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ اس نے اسے کمزور اور ضعیف قول مانا ہے_

3)المصنف عبد الرزاق ج5ص205وص352وص 356،ربیع الا برار ج 1 ص 187،الکامل ابن اثیر ج 2 ص 131،سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 298و الا غانی مطبوعہ ساسی ج 1 ص 10و ص 11_ (4)الروض الا نف ج 3 ص 65_ (5)ملاحظہ ہو: الغدیر ج 8 ص 273و ص 274از ابن مردویہ و ابو نعیم در الدلائل ان اسناد کے ساتھ جسے سیوطی نے صحیح جانا ہے _

الف: عقبہ کا نسب:

مؤرخین کے مطابق آنحضرتﷺ کے عقبہ کو "صفوریہ کے علاقے کے عجمی کافر " کہنے کا سبب یہ ہے کہ اس کا پردادا "امیہ" جب صفوریہ میں تھاتو وہاں اس نے ایک شوہر دار یہودی لونڈی سے زنا کیا جس کے بعد ابو عمرو (یعنی ذکوان) اس یہودی کے گھر پیدا ہوا لیکن امیہ نے زمانہ جاہلیت کی رسومات کے مطابق اسے اپنا بیٹا مان لیا_یہ قول بھی ملتا ہے کہ ذکوان ،امیہ کا غلام تھا جسے اس نے اپنا بیٹا بنا یا ہوا تھا لیکن امیہ کے مرنے کے بعد ذکوان اس کی بیوی کا شوہر بن گیا_جبکہ سہیلی کہتا ہے کہ امیہ نے کسی لونڈی کے ساتھ زبردستی یا اس کی مرضی سے زنا کیا تو وہ ابو عمرو سے حاملہ ہوئی جسے امیہ نے جاہلیت کی رسومات کے تحت اپنا بیٹا بنا لیا [1] اسی طرح فضل بن عباس نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے اشعار کے جواب میں یہ اشعار کہے :

اتطلب ثاراً لست منه ولاله

و این ابن ذکوان الصفوری من عمرو

کما اتصلت بنت الحمار بامها

و تنسی اباها اذ تسامی اولی الفخر [2]

کیا تو اس شخص کا بدلہ لے گا جس کا تجھ سے اور تیر ا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے _اور ابن ذکوان صفوری کا عمرو سے کیا واسطہ؟ یہ تو ایسے ہو گیا ہے جیسے کوئی کھوتی اپنے باپ کو بھول کر اپنی ماں سے منسوب ہو جاتی ہے تب جاکر کہیں وہ با عزت سوسائٹی میں اترا سکتی ہے_

اور معاویہ نے بوڑھے نسب شناس دغفل سے اپنے دادا امیہ کے نسب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا :"ہاں میں نے ا سے دیکھا ہے وہ کمزور ،ناتوان ،بھینگا،بد صورت اور پستہ قد تھا جسے اس کا غلام ذکوان

---

1) سیرہ حلبیہ ج 2 ص 87نیز ملاحظہ ہو: الروض الا نف ج 3ص 65_

2)الغدیر ج 9 ص 155از طبری ج 5ص 151_

پکڑ کر کہیں لے جاتا تھا "_معاویہ نے کہا :"نامراد بس کرو _ تم غلط کہہ رہے ہو وہ تو اس کا بیٹا تھا "اس پراس نے کہا : "یہ بات تو تمہاری مشہور کی ہوئی ہے "(1)

لیکن تفسیر قمی میں آنحضرتﷺ کے عقبہ سے کہے جانے والے اس قول "عمر کے لحاظ سے توتم اپنے اس باپ سے بڑے لگتے ہو جس کے بیٹے ہونے کا تم دعوی کرتے ہو"کے ذیل میں ذکر ہونے والی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عقبہ ،صفوریہ کے علاقے کے رہنے والے کسی اور شخص کا بیج اور نطفہ تھا ،لیکن زبر دستی ابو معیط سے منسوب ہو گیا تھا _

حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی ولید بن عقبہ سے وہی الفاظ کہے تھے جیسے آنحضرتﷺ نے اس کے باپ عقبہ بن ابو معیط سے کہے تھے (2)

زمخشری کہتا ہے کہ خود ابو معیط اردن کے علاقے صفوریہ کارہا ئشی تھا _جسے ابو عمر بن امیہ بن عبد شمس نے آکر بیٹا بنانے کا دعوی کیا تھا (3)

عثمان کے دور حکومت میں جب حضرت علی علیہ السلام نے ولید کو شراب کی حد میںکوڑے مارنے چاہے تو ولید نے آپؑ کو گالیاں دینی شروع کردیں ،جس پر آپؑ کے بھائی جناب عقیلؑ نے اس سے کہا: "اوفاسق تو خود جانتا بھی ہے کہ تو کون ہے ؟ کیا تو اردن میں عکااور لجون کے درمیان والی بستی صفوریہ کا عجمی کافر نہیں ہے؟ تیرا باپ وہاں کا ایک یہودی تھا "(4)

ب: پسماندگان کے لئے دوزخ کی بشارت

گذشتہ واقعہ میں ہم نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ آنحضرتﷺ نے اس کے پسماندگان کو دوزخ کی پیشین گوئی کی تھی جن میں سے ایک فاسق ولید بن عقبہ بھی تھا جو عثمان کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا _ اس نے شراب پی کر

---

1) الروض الا نف ج 3 ص 65و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 187_

2)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6ص 293از زبیر بن بکار در کتاب المفاخرات و مقتل الحسین خوارزمی ج 1 ص 119_

3)ربیع الابرار ج 1 ص 148_ (4)تذکرہ الخواص ص 206_

لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو نشے میں ٹن وہ زیادہ پڑھ گیا ،حالانکہ اس کا شمار صحابیوں میں ہوتا ہےاب تو بعض لوگوں کو تمام صحابیوں کے عادل ہونے والے اپنے نظریےپرنظر ثانی کرنا چاہئے _البتہ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب" دراسات و بحوث فی التاریخ و الا سلام ج 2 "میں مختصر گفتگو کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں_

اور اس کے پسماندگان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ بات غیب کی خبر اور پیشین گوئی شمار ہوتی ہے جس پر خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کردیا تھا کیونکہ خدا جانتا تھا کہ اس کے پسماندگان میں کوئی بھی اس لائق ہے ہی نہیں جو رحمت اور نعمت کا مستحق ہو لیکن سیاست،نسلی تعصب اور رشتہ داری کے بل بوتے پراس دوزخی اولاد کو لوگوں کی جان ،مال اور عزت و آبرو پر مسلط کردیا گیا اور خلافت کے اصلی اور شرعی حق داروں سے چھینی جانے والی خلافت کا ایک حاکم اور سیاسی راہنما بنادیا گیا_ پھر تو ان لوگوںنے لوگوں کے عقائد میں اتنی جگہ بنالی کہ لوگوں پر ان جیسے نا پاکوں کو(چاہے وہ جتنے اور جس قسم کی بھی برائیوں کے مرتکب ہوں) عادل سمجھنا ضروری ہوگیا _

ج: عقبہ کو نسب کا طعنہ :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقبہ کو کہا کہ تو صفوریہ کا ایک عجمی کا فرہے یا اس جیسے دیگر جملے کہے _حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی نہیں ،کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو (نعوذ باللہ)گالیاں بکنے والے تھے اور نہ ہی بد خلق اور بد کلام تھے _ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یہ طعنے اس لئے دیئےہ لوگ جان لیں کہ ان کے بعد والے اسلام کے دعوے صحیح نہیں ہیں اور حکومتی مشینری کا اس کے بیٹوں کو اپنے ساتھ ملانا صرف ان کی ادعائی قرابت داری کی وجہ سے ہے و گرنہ ان لوگوں کا حکومت میں آنا کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور یہ حکومت کے اہل ہی نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ خدا کے مال کو اپنا ذاتی اور وراثتی مال اور خدا کے بندوں کو اپنا غلام سمجھ لیں گے اور یہ لوگ بدبختیوں اور سازشوں کی آماجگاہ بن جائیں گے _جس طرح فاسق ولید اور حکومت کے دیگر قریبیوں اور گورنروں کی

حالت زار تھی جو دین اور اسلام کے نام پر حکومتی عہدوں پر فائز ہوئے تھے اور ان کے احکام کو اسلامی احکام سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ ان کے احکام صرف قبائلی اور خاندانی تعصبات پر مبنی تھے بلکہ دقیق اور صحیح الفاظ میںیہ کہنا بہتر ہے کہ ان کے احکام زمانہ جاہلیت کے احکام تھے۔

د:واقعہ بدر میںنضربن حارث کے قتل کا انکار :

ابن سلام کہتا ہے کہ ابن جعد بہ (جس نے ابو عزت جمحی کے حالت اسیری میںقتل کا انکار کیا ہے وہ بدر کے واقعہ میں حالت اسیری میں نضربن حارث کے قتل کا بھی منکر ہے)۔وہ کہتا ہے :"وہ اس جنگ میںشدید زخمی ہو گیا تھا جس سے وہ لنگڑا کر چلتا تھا۔ اور اسے علاج کی اشد ضرورت تھی لیکن اس نے کہا کہ جب تک میں ان لوگوںکے ہاتھ میں ہوں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیؤں گا ۔اور وہ اپنی اس ضدر پر قائم رہا یہاںتک کہ مرگیا"جب ابو سلام کو ابو عزت کے بارے میں ابن جعد بہ کا نظریہ بتایا گیا تو اس نے کہا:"یہ نظریہ بھی ہے کہ آنحضرتﷺ نے عقبہ بن ابو معیط کو جنگ بدر کے واقعہ میں قید کی حالت میں قتل کرنے کے علاوہ اور کسی کو حالت اسیری میں قتل نہیں کیا"[1] لیکن یہ نظریہ مؤرخین کے متفقہ قول کے مخالف ہے اور اس میں ہمیں جعلسازی کی کوئی وجوہات بھی نظر نہیں آتیں اس لئے ہم پختہ تاریخی دستاویزات کی بلاوجہ کوئی مخالفت نہیں کر سکتے البتہ نضر بن حارث کی بہن کا اپنے بھائی کے قتل کی مناسبت سے ایک مرثیہ بھی نقل ہوا ہے جس میں اس نے آنحضرتﷺ کو مخاطب ہو کر کہا:

ما کان ضرک لو مننت و ربما
منّ الفتی و هوالمغیظ المحنق

اگر آپ ﷺ منت لگاکر اسے چھوڑ دیتے تو آپﷺ کو کوئی بھی نقصان نہ ہوتا کیونکہ بسا اوقات شریف آدمی غصہ اور ناراضگی کی حالت میں بھی دوسروں پر احسان کیا کرتے ہیں۔

---

1)طبقات الشعراء ابن سلام ص 64وص65۔

اس کی یہ باتیں سن کر آنحضرتؐ کو اس پر ترس آگیا ،آپؐ کی آنکھیں بھر آئیںاور آپؐ نے جناب ابوبکر سے فرمایا:"اگر تو اس کے اشعار سن لیتا تو اسے کبھی قتل نہ کرتا"_لیکن اس کے بارے میں زبیر بن بکا رکھتا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ بعض علماء اس روایت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ روایت جعلی ہے[1] یہ بھی کہتے چلیں کہ اس روایت میں آنحضرتؐ سے ایک نا معقول بات منسوب کی گئی ہے _ کیونکہ یہ ہوہی نہیں سکتا کہ چند ایک اشعار آپؐ کے فیصلے کو بدل دیں اس لئے کہ آپؐ ہر حال میں فقط احکام خداوندی پر عمل درآمد کیا کرتے اور صرف اپنے فریضے پر عمل کیا کرتے تھے_ البتہ اس بات کا مقصد شایدعقبہ کے قریبیوں کے ما حول میں کشیدگی اور تناؤ کو کم کرنا اور اس طریقے سے ان کی دلجوئی ہو سکتی ہے _

باقی قیدیوں کی صورتحال :

مؤرخین کے بقول جب انصار نے نضر اور عقبہ کا حال دیکھا تو انہیں تمام قیدیوں کے قتل ہونے کا خوف لا حق ہو گیا-اور انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا : " یا رسولؐ اللہ ہم نے آپؐ ہی کے قبیلہ اور خاندان والوں کے ستر آدمی تہہ تیغ کئے ہیں، آپؐ ان کی جڑیں ہی کاٹناچاہتے ہیں کیا ؟ یا رسولؐ اللہ آپؐ انہیں ہمیں بخش دیں اور ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں " _ ابوبکر بھی فدیہ لینے پر زور دے کر کہہ رہا تھا : " یہ آپؐ کا خاندان اور قبیلہ ہے _ انہیں ایک مہلت دیں اور فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں _ جس سے کفار کے مقابلے میں ہماری طاقت زیادہ ہو جائے گی " _ یا یہ کہا : "یہ لوگ ہمارے چچا زاد ، قبیلہ ، خاندان والے اور بھائی ہیں "_ لیکن آنحضرتؐ نے فدیہ والی بات کو اتنا سخت نا پسند کیا کہ سعد بن معاذ نے آپؐ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے جس پر اس نے کہا : " یا رسولؐ اللہ مشرکین سے ابھی ہماری پہلی جنگ ہے اور مشرکین کی خونریزی ہمیں ان کے چھوڑ دینے سے زیادہ پسند ہے " _ اور عمر نے کہا : " یا رسول اللہ انہوں نے آپؐ کو جھٹلایا اور در بدر کیا ، آپؐ حکم فرمائیں تو ان کا سر قلم کردیں _ حضرت علیؑ کو عقیل کا ، مجھے فلاں کا اور حمزہ کو عباس

---

1)زہر الآداب ج 1ص 66_

کا سرقلم کرنے کا حکم دیں کیونکہ یہ کافروں کے راہنما ہیں "_ اسی مناسبت سے یہ آیت اتری :

(ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا و اللہ یرید الآخرة و اللہ عزیز حکیم لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم)

نبی صلى الله عليه وآله وسلم کے لئے مشرکوں کا اچھی طرح قلع قمع کئے بغیر انہیں قیدی رکھنا مناسب نہیں ہے_ تم لوگ تو عارضی دنیا چاہتے ہو لیکن خدا تمہاری آخرت اور عاقبت چاہتا ہے _ اورخدا با عزت اور دانا ہے _ اور اگر خدا پہلے تمہیں عذاب نہ کرنے کا وعدہ نہ کرچکا ہوتا تو تمہارے فدیہ لینے پر ضرور تمہیں بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھا تا _

جب آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے فدیہ لینے پر ان کا اصرار دیکھا تو انہیں یہ پیشین گوئی کی کہ فدیہ لینے کا انجام یہ ہوگا کہ جلد ہی ان قیدیوں کی مقدار میں مسلمان مار دیئےجائیں گے _ انہوں نے اس بات کو منظور کرلیا اور جنگ احد میں یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی جس کا ہم بھی بعد میں جائزہ لیں گے _

ان دستاویزات کے متعلق مندرجہ ذیل ماخذ ملاحظہ فرمائیں _ اگر چہ کہ ان میں سے اکثر منابع یہ دعوی کرتے ہیں کہ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم ابوبکر والی بات کی طرف مائل ہوگئے تھے لیکن بعض منابع کہتے ہیں کہ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم ان کے قتل پر مصر رہے _[1]

بہر حال معاملہ فدیہ لینے پر ٹھہرا اور ہر قیدی کے بدلے میں ایک سے چار ہزار دینار کا مطالبہ ہوا جسے قریش نے فورا یکے بعد دیگرے ادا کر کے اپنے قیدی چھڑا لئے _ آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے ہر قیدی کو اس کو قید کرنے والے کے سپرد کردیا تھا_ اور وہ بذات خود فدیہ لے لیتا تھا[2] البتہ بعض دستاویزات میں آیا ہے کہ سہیل بن عمرو

---

1)ملاحظہ ہو : تاریخ طبری ج1 ص 169 ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 190 صحیح مسلم ج5 ص 157 ، بحارالانوار ج 19 ، اسباب النزول واحدی ص 137 ، حیاۃ الصحابہ ج2 ص 42 ، کنز العمال ج 5ص 265 از احمد ، مسلم ، ترمذی ، ابوداؤد ، ابن ابی شیبہ ، ابو عوانہ ، ابن جریر ، ابن منذر، ابن ابی حاتم ، ابن حبان ، ابو شیخ ، ابن مردویہ، ابو نعیم و بیہقی ، در منثور ج 3 ص 201 تا ص 203 ، مشکل الآثار ج 4 ص 291 و ص 292 ، المغازی واقدی ج1 ص 107 و ص 108 و الکامل ابن اثیر ج2 ص 136 _

2) المصنف ج 5 ص 211 _

بدر کے قیدیوں کا فدیہ لے آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ قریش کاہم سے جنگ کا پھر کیا ارادہ ہے؟[1]

ہمارے نزدیک صرف یہی قابل اطمینان تاریخی دستاویزات تھیں_

عذاب کے نزول کی صورت میں صرف عمر کی ہی جان بچتی ؟

لیکن ہمیں بعض ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو مذکورہ بات کے بالکل ہی برعکس ہیں _ ان روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ، ابوبکر کے ہم خیال ہو گئے بلکہ آپ ﷺ نے عمر کے مشورے کو سخت نا پسند کیا _ جس پر آپ ﷺ کی مخالفت اور عمر کی موافقت میں قرآن کی آیت نازل ہوئی_ دوسرے دن عمر جب صبح سویرے رسول ﷺ خدا کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ ﷺ اور ابوبکر دونوں رورہے ہیں _ اس نے رونے کا سبب پوچھا تو رسول ﷺ خدا نے فرمایا: "خطاب کے بیٹے کی مخالفت میں ہم پر بہت بڑا عذاب نازل ہونے والا تھا _ اگر عذاب نازل ہو بھی جاتا تو عمر کے سوا کوئی بھی نہ بچ پا تا"_نیز عبداللہ بن عمر کے ذریعہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اس لئے رورہا ہوں کہ تمہارے ساتھیوں نے فدیہ لے کر مجھے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کردیا ہے _ ان کے عذاب کا مجھ پر نزول اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا _ کیونکہ خدا نے (ما کا لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض) والی آیت نازل کی ہے " [2]_

لیکن ہم مذکورہ باتوں کو صحیح نہیں سمجھتے اور ہمارے پاس اس کے بطلان کے لئے کافی سے زیادہ دلائل موجود ہیں _ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کا اظہار کرنے والے بعض جا ہلوں ، الزام تراشوں، دھوکہ بازوں اور جھوٹوں نے یہ روایتیں اس لئے گھڑی ہوں کہ وہ یہ بتا سکیں کہ اس بارے میں رسول ﷺ خدا نے اپنے مؤقف میں غلطی کی ہے اور مذکورہ آیت آپ ﷺ کی غلطی کی نشاندہی اور اس کی درستگی کے لئے نازل ہوئی ہے[3]

---

1) ایضا_

2)ملاحظہ ہو: گذشتہ تمام منابع نیز فواتح الرحموت بر حاشیہ المستصفی غزالی ج2 ص 267 ، تاریخ الخمیس ج1ص 393 ، المستصفی غزالی ج 2 ص 356 و تاریخ الامم و الملوک ج 2 ص 169)_

3)قضایا فی التاریخ الاسلامی محمود اسماعیل ص 20_

بہر حال مذکورہ نظریئے کے جھوٹے ہونے پر ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

1_یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ عذاب سے صرف عمر ہی کیوں نجات پائے گا ؟ پھر عمر کی موافقت کرنے وا لے سعد بن معاذ کا کیا قصور تھا کہ اس پر بھی عذا ب نازل ہوتا؟ کیا اکثر لوگوں کے بقول وہ عمر کے موافقین میں سے نہیں تھا؟ بلکہ معترلس کے مطابق تو سب سے پہلے ایسا مشورہ دینے والا یہی شخص تھا [1] نیز ابن رواحہ کا کیا قصور تھا ؟ آخر وہ بھی تو عمر کے نظریہ کا موافق تھا ؟ [2] نیز یہ بھی معقول نہیں ہے کہ آیت میں (تریدون عرض الدنیا) نیز (لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم) جیسے الفاظ کے مخاطب بھی آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم ہوں_ کیونکہ آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نہ تو دنیا طلب تھے اور نہ ہی اس عذاب عظیم کے مستحق تھے_ اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالی نے آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کو حکم کوئی دیا اور اس کی وضاحت بھی کردی لیکن اس کے باوجود آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے (نعوذ باللہ) احکام خداوندی کی مخالفت کی _ اور ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا گناہ اور اس کی سزا بھی بہت سخت سزا ہوگی [3] _ اور اس بات پر دلیل کہ خدا نے آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کو قیدیوں کے قتل کا واضح حکم دیا تھا یہ ہے کہ فدیہ کے حلال ہونے کے حکم کا علم عبداللہ بن جحش والے واقعہ میں ہو چکا تھا جس میں ابن حضرمی ما را گیا _ کیونکہ اس میں عثمان بن مغیرہ اور حکم بن کیسان بھی قید کر لئے گئے تھے اور فدیہ لے کر انہیں آزاد کردیا گیا تھا اور خدا نے اس کی نفی اور تردید نہیں کی تھی _ اور یہ واقعہ جنگ بدر سے بھی ایک سال بلکہ اس سے بھی پہلے کا ہے [4]جس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کا کوئی خاص معاملہ اور ان کے لئے کچھ خصوصی احکام تھے جنہیں نبیصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کریم نے اپنے اصحاب کو وضاحت کے ساتھ سمجھا بھی دیا تھا لیکن اصحاب اس حکم کی خلاف ورزی پر اصرار کرتے رہے جس کی وجہ سے وہ عذاب عظیم کے مستحق ٹھہرے لیکن پھر خدا نے لطف و کرم کرتے ہوئے انہیں معاف کردیا تھا_

---

1) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 14 ص 175 و ص 176 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 126 ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 192 ، سیرہ ابن ہشام ج2 ص 281 ، تاریخ الخمیس ج1 ص 381 و المغازی واقدی ج1 ص 110 و ص 106 _ (2)البدایہ و النہایہ ج 2 ص 297 ، تاریخ الطبری ج2 ص 170 ، الروض الانف ج 3 ص 83 ، اسباب النزول واحدی ص 137 ، تاریخ الخمیس ج1 ص 393 ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 192 و حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 53 از حاکم جس نے اسے صحیح قرار دیا ہے ، ابن مردویہ ، ترمذی و احمد_ (3)ملاحظہ ہو : دلائل الصدق ج 3 حصہ 1 ص 59_ (4)سیرہ حلبیہ ج2 ص 192_

ہماری مذکورہ بات پر ایک اور دلیل بعض روایتوں میں مذکور یہ بات بھی ہے کہ واقعہ بدر میں حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے اور آنحضرتﷺ سے کہا :" آپﷺ کی امت کے قیدیوں کا فدیہ لینے کے اس کام کو خدا نے سخت ناپسند کیا ہے اور آپﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپﷺ انہیں یہ اختیار دے دیں کہ یا وہ سب قیدیوں کو تہہ تیغ کردیں یا پھر اس شرط پر ان سے فدیہ لیں کہ ان قیدیوں کی تعداد میں یہ لوگ بعد میں مارے جائیں گے" _ جب آپﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ بات بتائی تو انہوں نے کہا : " یا رسولﷺ اللہ یہ ہمارا قوم و قبیلہ ہیں[1] _ بلکہ ہم توان سے فدیہ لیں گے تا کہ اس طریقے سے ہمیں اپنے دشمنوں پر برتری حاصل ہو _ اور اس کے بدلے میں ہم اتنی تعداد میں اپنے آدمیوں کا شہید ہونا گوارا کرلیں گے" [2]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ خود ہی فدیہ لینے پر مائل تھے اور اس پر بہت تاکید اور اصرار بھی کیا جس کے بعد جا کر انہیں فدیہ لینے کی اجازت ملی _ ان معروضات کے ساتھ ہم یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ خود رسولﷺ خدا انہیں قتل کرنا چاہتے تھے[3]

نیز واقدی کہتا ہے کہ اس دن قیدیوں نے کہا : " ہمیں ابوبکر کے حوالے کیا جائے کیونکہ قریش میں وہ ہمارا سب سے قریبی رشتہ دار اور صلہ رحمی کرنے والاہے اور (حضرت) محمدﷺ کے نزدیک بھی سب سے زیادہ اثر ور سوخ والا ہے " _ (یعنی آنحضرتﷺ اس کی بات ٹال نہیں سکیں گے)_مسلمانوں نے ابوبکر کو ان کے پاس بھیجا ، وہ ان کے پاس آیا اور کچھ گفتگو ہوئی جس کے بعد اس نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی بہتری اور مناسب راہ حل کے لئے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا بلکہ ہر ممکن کوشش کرے گا _ اس کے بعد وہ نبی کریمﷺ کے پاس آکر آنحضرتﷺ کاجوش اور غصہ ٹھنڈا کرنے لگا اور آپﷺ کو نرم ہونے کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ قیدیوں کو فدیہ لےکر چھوڑ دینے کا کہتا رہا _ اس نے تین بار یہ عمل دہرایا لیکن ہر مرتبہ آنحضرتﷺ نے

---

1)یہ لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ بات کرنے والے مہاجرین تھے_

2)تاریخ الخمیس ج1 ص 393 از فتح الباری از ترمذی ، نسائی ، ابن حبان و حاکم با روایت صحیح الاسناد ، المصنف عبدالرزاق ج 5 ص 210 ، البدایہ و النہایہ ابن کثیر ج 3 ص 298 و طبقات ابن سعد ج 2 ص 14 حصہ 1_ (3)بطور مثال ملاحضہ ہو : الکامل ابن اثیر ج2 ص 136_

اس کو کوئی مثبت جواب نہیں دیا [1]

گذشتہ معروضات کی روشنی میں کیا ان کا یہ کہنا پھر بھی صحیح مان لیا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ ابوبکر کے ساتھ بیٹھ کر (نعوذ باللہ) اپنے آپ پرور رہے تھے اور اگر عذاب نازل ہو جاتا تو عمر کے سوا سب ہلاک ہو جاتے (حتی کہ نعوذ باللہ۔ رسول ﷺ خدا بھی)؟

2_ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ آنحضرت ﷺ شروع سے ہی ابوبکر کے نظریئے موافق تھے اور خود ان کے بقول آپ ﷺ ابوبکر کے ساتھ بیٹھے اپنے اوپر رورہے تھے ، تو آپ ﷺ نے عمر سے یہ کیوں کہا کہ " ان لوگوں کے عذاب کا مجھ پر نزول اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا"؟ کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نظریہ وہی ابوبکر والا تھا تو آپ ﷺ نے (نعوذ باللہ) مستحقین عذا ب سے اپنے آپ ﷺ کو علیحدہ کیوں کیا؟ پھر (اس صورت میں)یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ (نعوذ باللہ) ان لوگوں کی طرح مستحق عذاب نہ ہوں ؟ حالانکہ آپ ﷺ بھی تو ان کے ہم نوا تھے اور ان کے اور آپ ﷺ کے خیالات ایک ہی تھے؟؟_

3_ ان مذکورہ باتوں کو مان لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم عملی طور پر :

(و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی) [2]

آپ ﷺ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں بولتے اور جو کچھ بھی بولتے ہیں وہ وحی ہی ہوتی ہے _

جیسی آیات کو جھٹلانے کے مرتکب ہوں _ اس صورتحال میں پھر تو اللہ تعالی کا(اطیعواللہ و اطیعو الرسول) [3] کہہ کر رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دینے کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا کہ مسلمان تو خدا کا حکم بجا لاتے ہوئے اس کے رسول ﷺ کی پیروی کریں لیکن خدا اس کے بدلے میں انہیں جھڑک دے اور انہیں عذاب کی دھمکی دے _ اس صورت میں تو(نعوذ باللہ)خدا کو اپنے رسول ﷺ کو جھڑک کر دھمکی دینی چاہئے تھی لیکن مسلمانوں کی تعریف و تمجید کرنی چاہئے تھی کیونکہ مسلمانوں نے تو رسول ﷺ خدا کی اطاعت کرکے اپنے فریضے پر عمل کیا تھا _

---

1) المغازی واقدی ج1 ص 107 و ص108 _ (2) نجم /3و4_ (3)نساء /59_

4_رسول ﷺ خدا کو فدیہ لینے کا صرف مشورہ دینے پر وہ لوگ عذاب اور سزاکے مستحق نہینہو سکتے تھے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ مسلمانوں نے اپنے لئے ایک نامناسب چیز کا انتخاب کیا تھا (اور ابھی فدیہ لیا تونہیں تھانہ ہی فی الحال کوئی بات پکی ہوئی تھی اور اظہار رائے کی تو ہر کسی کو آزادی ہونی چاہئے)یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہانضرور کوئی اور بات تھی کہ جس کی مخالفت پروہ مستحق عذاب ٹھہرے تھے _اور وہ بات یقیناًیہ تھی کہ انہوں نے فدیہ لینے پر اصرار کرکے رسول ﷺ خدا کی تمام تر تصریحات اور واضح بیانات کے باوجود وہ رسول ﷺ خدا کی مخالفت اور ارادہ الہی کے برخلاف دنیاوی چیزوں کے حصول پر اصرار کے مرتکب ہوئے تھے_ کیونکہ ارشاد خداوند ی ہے: (تریدون عرض الدنیا و الله یرید الآخرة) نیز کسی چیز کو اچھے طریقے سے بیان کرنے سے پہلے اس کی مخالفت بھی موجب عذاب اور سزا نہیں ہوتی _

بہرحال خدانے ان پر لطف و کرم کرتے ہوئے ان کی اس مخالفت کو معاف فرما دیا اور ان کی دلجوئی کے لئے ان کے لیئے فدیہ لینا جائز قرار دے دیا _حالانکہ اس کے نتائج بھی نہایت بھیانک رکھے لیکن وہ دنیا کی محبت میناندھے ہوگئے اور اس کے بھیانک نتائج کو بھی ساتھ ہی قبول کرلیا_البتہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ بعض مہاجرین کا فدیہ لینے پر اصرار صرف دنیا پرستی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہو کہ ان پر "صنادید قریش"(قریش کے سرداروں) کا قتل نہایت شاق تھا _ کیونکہ قریش کے ساتھ ان کے دوستانہ ،مفاد پرستانہ اور رشتہ دار انہ تعلقات تھے اور ان کے اس موقف کو وہانموجود مسلمانوں کی ایک سادہ لوح جماعت نے بھی بلاسوچے سمجھے اپنا لیا تھا _پس بعض لوگوں کی مشرکوںکے ساتھ مہربانی اور مال کمانے کے شوق نے رسول ﷺ خدا کی مخالفت پرا کسانے کے ساتھ ساتھ انہیں عذاب خداوندی کا مستحق بھی ٹھہرایا_ اور یہ لوگ اپنی نیت میں فتور ،رسول ﷺ خدا کی مخالفت پر اصرار اور نظریات ،اقوال اور افعال میں منافقت کی وجہ سے عذاب خداوندی کے مستحق ٹھہرے_خاص کرجب یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کچھ منافقین بنی ہاشم کے افراد کو قتل کرنے کا مشورہ دے رہے تھے جنہیں مشرکین زبر دستی اپنے ساتھ جنگ میں گھسیٹ لائے تھے اور رسول ﷺ خدا پہلے

ہی انہیں قتل نہ کرنے کا حکم دے چکے تھے _نیز یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایسا مشورہ دینے والے شخص کے قبیلے کا کوئی بھی فرد جنگ بدر میں شریک نہیں ہواتھا جس سے ہمیں ان کے دلی حالات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے ،لیکن اگر اظہار رائے میں صرف غلطی پائی جائے اور اس میں یہ مذکورہ خامیاں نہ ہوں تو یہ چیز انہیں عذاب کا مستحق نہیںٹھہراتی _یہاںاس بات کی تشریح میں کچھ اور باتیںبھی ذکر ہوئی ہیں [1] جن کے پختہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا_

5_روایات میں ملتا ہے کہ جنگ بدر کے ختم ہونے کے بعد مسلمان جلدی جلدی مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے _جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:"تم سے پہلے جس امت نے بھی سرداروں کو قتل کیا ہے اس کے لئے مال غنیمت لینا حرام تھا_ماضی میں ہرنبي اور اس کے ساتھیونکو جو بھی مال غنیمت ملتا وہ اس کو اکٹھا کرکے ایک جگہ رکھ دیتے جس کے بعد آسمان سے اس پر آگ نازل ہوتی تھی اور سارے مال غنیمت کو جلا کر راکھ کردیتی تھی"_ جس پر خدا نے یہ آیت نازل کی :

(لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتکم عذاب عظیم فکلوا مما غنمتم حلالاً طیبا) [2]

اگر خدا پہلے (عذاب نہ کرنے کا) وعدہ نہ کر چکا ہوتا تو تمہیں بہت بڑا عذاب جکڑ لیتا _ لیکن اب تم مال غنیمت کھا سکتے ہو تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے "اور طحاوی نے اسی آیت کے شان نزول میں مذکورہ روایت کو زیادہ مناسب جانا ہے_

رسول ﷺ کریم اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتے ہیں ؟

رسول کریم ﷺ سے منسوب گذشتہ باتوں نیز اس دعوے کے بطلان کے بعد کہ گذشتہ آیت آپﷺ کو سرزنش

---

1)ملاحظہ ہو: دلائل الصدق ج3حصہ 1ص 55و60_

2)مشکل الہ آثار ج4ص292وص293_

کرنے کے لئے اتری ہے ،یہ بھی معلوم ہو جاتاہے کی نبی ﷺ کریم پر اجتہاد اور اس میں غلطی کے جواز کا بعض لوگوں کا دعوی اور اس دعوے پر مذکورہ آیت سے استدلال بھی صحیح نہیں ہے _کیونکہ نبی ﷺ کریم اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے اور وحی کے نازل ہونے پر ہی بولتے ہیں_اس لئے نبی ﷺ کریم سے منسوب گذشتہ باتیں بے بنیاد اور باطل ہیں_اس کے علاوہ ایسے قطعی دلائل بھی پائے جاتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ کا ہر قول و فعل حق ہوتا ہے اور حقیقت ،شریعت اور خدا کے قطعی احکام کے عین مطابق ہوتا ہے _

سعد بن معاذ یا عمربن خطاب ؟

طبری نے محمد بن اسحاق کے ذریعہ روایت کی ہے کہ جب آیت (ما کان لنبی ان یکون لہ اسری) اتری تو رسول ﷺ خدا نے فرمایا:''اگر آسمان سے کوئی عذاب نازل ہو جاتا تو (اصحاب سے)صرف سعد بن معاذ ہی بچ سکتا تھا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ یا رسول ﷺ اللہ ان لوگوں کو زندہ رکھنے سے مجھے ان کی خونریزی زیادہ پسند ہے'' _ [1] شاید یہی روایت ہی صحیح ہے لیکن کئی ایسے وجوہات کی بنا پر اسے خلیفہ ثانی کے حق میں بدل دیا گیا ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور اسے بھی ہم نے صحیح اس لئے کہا ہے کہ یہ بہترین اور پختہ مشورہ اور آنحضرتﷺ کی مرضی کے بھی مطابق تھا _لیکن عمر اور دوسروں کے مشوروںپر گہری دقت اور بحث کی ضرورت ہے جس کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے _کیونکہ یہ مشورے اچھی نیت سے نہیں دیئے گئے تھے اور ہو سکتا ہے سب یا کچھ مشورے خود مشرکوں کے ایماء پر دیئے گئے ہوں_جس طرح و اقدی نے اس بات کا تذکرہ کیا بھی ہے _اور ابوبکر اور دوسرے انصاریوںکے بارے میں بھی گذر چکا ہے کہ وہ حصول مال اور قریش کی دشمنی کی شدت کم کرنے کی خواہش میں فدیہ لینے پر اصرار کررہے تھے _نیز ان کا مدعا یہ بھی تھا کہ ان میں ہمارے بھائی ،رشتہ داراور خاندان والے بھی ہیں _ نیز ابو بکر نے مشرک قیریوں سے یہ وعدہ کر رکھاتھا کہ وہ ان کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کرے گا_ یہ بات بھی واقدی نے ہی بتائی ہے_

---

1) تاریخ طبری ج2 ص 171و الثقات ج1ص 169_

یہ سب لوگ آنحضرتﷺ کو ہر ممکن طریقے سے اپنی بات کا قائل کرنے لگے اور اس کے لئے وہ جذباتی ہتھکنڈے استعمال کرنے پر بھی تل گئے اور یہ کہنا شروع کردیا کہ "یا رسول ﷺ اللہ وہ آپﷺ کے خاندان ،رشتہ دار قوم اور قبیلہ ہیں کیا آپﷺ ان کی جڑیں کاٹنا چاہتے ہیں ؟"_اورابو بکر نے تو اس بات کے لئے مصلحت پسندانہ دلیل قائم کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلمان فدیہ لیں گے تو مشرکوں کے مقابلے میںطاقتور ہو جائیں گے _لیکن نبی ﷺ کریم ان کی باتیں ماننے سے انکار کرتے رہے کیونکہ ان کی باتیں آپﷺ کو قانع نہ کر سکیں _اس لئے کہ آپﷺ سعد بن معاذ کی رائے کو مناسب جانتے تھے البتہ اس بات کے لئے آپﷺ کے مد نظر اور بھی باتیں تھیں جو آپﷺ کے لئے بالکل عیاں تھیں_اس لئے مذکورہ آیت آپﷺ کے موقف کی تائید میں نازل ہوئی لیکن انہیں بھی اس بھیانک نتیجے کے ساتھ فدیہ لینے کی اجازت دی گئی کہ ان قیدیوں کے بدلے میں اتنی تعداد میں مسلمان قتل ہوں گے _

قیدیوں کا قتل ہی زیادہ مناسب تھا:

اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ مشرک قیدیوں کا قتل ہی زیادہ مناسب اور صحیح تھا _ اور اس دعوی کے ہمارے پاس مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

1_ قیدیوں میں قریش کے کئی بڑے بڑے سردار بھی تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو بالکل ہی خبیث افراد تھے انہوں نے رسولﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے شعلے بھڑکائے تھے ،انہیں دربدر اور جلا وطن کیا تھا ، ان کی ہر طرح سے توہین کی تھی اور انہیں مختلف قسم کی اذیتیں اور تکلیفیں دی تھیں_ یہ ایسے متکبر لوگ تھے جو نہ تو اپنی زیادتیوں سے باز آنے والے تھے اور نہ اس دین کو قبول کرنے والے تھے _بلکہ وہ تو اسلام کی جڑیںکاٹنے کے درپے تھے اور کسی منطقی اور معقول پیشکش کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے _اور شکست اور قید کی ذلت اٹھانے کے بعد تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دلوں میں کینہ مزید بڑھ گیا تھا_اور مسلمان (اگر زندہ رہتے تو) صرف دو طریقوں سے ہی ان سے چھٹکارا پا سکتے تھے جس کی طرف آپﷺ نے اشارہ فرما

دیا تھا ۔جہاں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو یہ بتا دیا تھا کا اگر وہ فدیہ لیں گے تو انہیں ان کی تعداد کے برابر قتل ہونا پڑے گا

۔

2۔ اور گذستہ بات سچی بھی ثابت ہو گئی کیونکہ بعد میں جنگ احد و غیرہ میں نیز مختلف مراحل میں مسلمانوں کو مسلسل اذیتوں میں مبتلا کرنے میں انہی افراد کا زیادہ ہاتھ اور موثر کردار تھا۔ اسی لئے تو سعد بن معاذ کی یہ بات نہایت ہی مناسب اور بہترین تھی کہ "مشرکوں سے ہماری یہ پہلی جنگ ہے اور ان آدمیوں کو زندہ رکھنے سے زیادہ مجھے ان کی خونریزی پسند ہے " ۔اور بعض کا نظریہ تو یہ ہے کہ خدانے تاکید کے ساتھ مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ مسلمانوں کو یہ باور ہوجائے کہ حالات جیسے بھی ہوں ،مال کی طرف دیکھنا اور اس کی خواہش کرنا نہایت ناپسندہ عمل ہے ۔مگر یہ کہ وہ بہت بڑے ہدف یعنی دین کی خدمت کے لئے ہو۔

3۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرتے تو ان کے کر توتوں کی سزامیں ان کا قتل بھی قریش پر ایک کامیابی اور ایک کاری فوجی اور روحی وار ہوتا اور اس سے عمومی لحاظ سے مشرکوں کا دبدبہ اور شان و شوکت بھی کم ہو جاتی اور ان کے حمایت کرنے والے یہودیوں اور غطفان ،ہوازن اور ثقیف و غیرہ کے عرب مشرکوں کو ایک دھمکی اور الٹی میٹم ہوتا جس سے وہ انہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے ۔اس صورت میں مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا کہ وہ لوگ یہ سمجھ لیتے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اپنے عقیدے اور دین کی خاطر اپنے قبیلے اور قوم کا لحاظ نہیں کیا اور رسالت کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالنے اور نور الہی کو بجھانے کی کوشش کرنے پر ان سب کو تہہ تیغ کردیا تو آپ ﷺ نور خدا کو بجھانے اور اپنے دین اور دین کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے والے دوسرے لوگوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔ اور یہ بات پورے جزیرۃ العرب کے مشرکوں ،یہودیوں اور قریشیوں کے دلوں میں ناامیدی پیدا کرنے اور آپ ﷺ کی دھاک بٹھانے میں نہایت مؤثر ہوتی اور پھر دوسروں کو یہ کہنے میں آپ ﷺ کے لئے نہایت آسانی ہوتی کہ "تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اسلام سے دشمنی اور مخاصمت ترک کردو کیونکہ اس دین کے مقابلے میں آنے کا نتیجہ صرف تمہاری تباہی اور بربادی کی صورت میں ہی نکلے گا "۔

4_ ان لوگوں کے قتل سے انصار کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ آپﷺ کے قبیلے والے جب تک اپنے شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔آپﷺ کبھی بھی ان سے صلح نہیں کریں گے اور ان کا ساتھ نہیںدیں گے _ظاہر ہے اس کے نتیجے میں آپ ﷺ انصار کو کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑیں گے کیونکہ آپ ﷺ اپنے دینی تعلیمات کی بنا پر دینی رابطوں کوسب تعلقات سے زیادہ محکم سمجھتے ہیں ، عقیدے کی قرابت داری کو ہی اصل قرابت سمجھتے ہیں اور اسلامی اور دینی رشتہ داری کو ہی اصل رشتہ داری جانتے ہیں اس بنا پر انصار کے دلوں میں کبھی بھی کسی قسم کے خدشے اور وسوسے جنم نہ لیتے _ جبکہ انہوں نے اسی بات کا اظہار بیعت عقبہ اور پھر فتح مکہ کے موقع پر بھی کیا تھا کہ آپﷺ شاید اپنی قوم سے مصالحت کرلیں گے یا اپنے رشتہ داروں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں

قیدیوں کے بارے میں عمر کا موقف:

اس واقعہ میں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ :

1_عمربن خطاب نے رسول ﷺ خدا سے یہ خواہش کی تھی کہ آپﷺ حکم فرمائیں کہ علی عليه‌السلام اپنے بھائی عقیل کی گردن اڑادے اورحمزہ اپنے بھائی عباس کاسر قلم کرے اور وہ ان لوگوں کو کافروں کا سردار بتارہا تھا _اور یہ نہایت ہی عجیب و غریب خواہش ہے البتہ قریش کے فرعونوں،متکبروناور بڑے بڑے سرداروں کے متعلق اس کی خاموشی اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب اور معنی خیز ہے ؟_خاص کر جب یہ مشاہدہ کیا جائے کہ اس نے آنحضرتﷺ سے سناتھا کہ آپﷺ نے اپنے لشکر کو (اور یہ بھی تو اسی فوج میں شامل تھا) بنی ہاشم خاص کر مذکورہ دونوں شخصیات اور چند دوسرے افراد کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا تھا ،کیونکہ انہیں اس جنگ میں زبر دستی گھسیٹا گیا تھا_ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ انہوں نے مکہ میںآنحضرتﷺ کا بھر پور دفاع کیا تھا ،شعب ابی طالب میں آپﷺ کے ہمراہ داخل ہوئے تھے اور آپﷺ کی خاطر بہت تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں _

2_ جناب عمر کے قبیلے یعنی قبیلہ بنی عدی نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیاتھا [1]

---

1)ملاحظہ ہو : تاریخ طبری ج 2 ص 143، سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 271،المغازی واقدی ج 1 ص 45 ، الکامل ابن اثیر ج 2 ص 121 تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 314 و تاریخ الخمیس ج 1 ص 375 اور تاریخ کی کوئی بھی کتاب جہاں جنگ بدر کے چھڑنے سے پہلے کچھ لوگوں کے پلٹنے کا ذکر ہوتا ہے_

پس اسے اس کی کیا پروا تھی؟ چاہے جس کے جگر پر بھی ضربت لگے _جب تک اس آدمی کے قوم ،قبیلہ اور رشتہ داروں کو کوئی گزند نہیں پہنچتی تب تک چاہے ساری دنیاہی قتل ہو جائے اس کے لئے کوئی اہمیت کی بات ہی نہیں ہے _یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر کی "فلانکو میرے حوالے کردیں" والی بات کو ذکر کرتے وقت بعض لوگوں کا "وہ عمر کے قریب تھا "کے الفاظ کا اضافہ مضحکہ خیز اور نادرست ہے حالانکہ عمر کی بات تبانے والی صرف بعض روایتوں میں یہ الفاظ ذکر ہوئے ہیں _اس لئے کہ جنگ بدر میں عمر کا کوئی رشتہ دار تھاہی نہیں البتہ شاید اس کا کوئی سسرالی رشتہ دار موجود ہو لیکن اگر کوئی تھا بھی تو ان کے نزدیک یہ سسرالی رشتہ داری کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی _ بہر حال ان پہلوؤں پرہم سے پہلے جناب عباس بن عبد المطلب نے عمر پر ایسا برا گمان کیا ہے _

اور وہ یوں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب جناب عمر ابوسفیان کے خلاف بڑھ چڑھ کر باتیں کررہا تھا اور اس کے قتل پر بار بار اصرار کررہا تھا تو عباس نے اس سے کہا : " نہیں عمر ٹھہرو اگر وہ بنی عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسا کبھی نہ کہتے _ لیکن تمہیں پتاہے کہ یہ بنی عبد مناف کا آدمی ہے" (1)

3_ اپنے قریبوں اور رشتہ داروں کا اپنے ہاتھوں سے قتل ایک ایسا قبیح فعل ہے جس سے ذہن متنفر ہوتاہے اور بسا اوقات لوگوں کی اسلام سے دوری کا باعث بھی بن سکتاہے بلکہ انہیں اس دین میں داخل ہونے کے متعلق سوچنے سے بھی منع کردیتاہے جس میں انہیں اپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے _ بلکہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو مرتد ہونے پر بھی تیار کرسکتاہے، جب وہ یہ دیکھیں گے کہ دوسروں کے ہوتے ہوئے بھی انہیں ہی اپنے دوستوں ، بھائیوں ، پیاروں اور رشتہ داروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے _

نبی ﷺ کریم بھاگ جانے والے قیدی کو قتل نہیں کرتے

واقدی کہتاہے کہ جب رسول ﷺ خدا جنگ بدر سے واپس ہوئے اور آپ ﷺ کے پاس مشرکین کے قیدی بھی

---

1) مجمع الزوائد ج6 ص 67از طبرانی اور اس کی سند کے سب راوی صحیح بخاری کے افراد ہیں و حیاۃ الصحابہ ج1 ص 154 _

تھے تو ان میں سہیل بن عمرو بھی آنحضرتﷺ کی اونٹنی کے ساتھ بندھا ہوا تھا_ مدینہ سے کچھ میل پہلے اس نے اپنے آپ کو کسی طرح کھینچا تو وہ آزاد ہوکر بھاگ نکلا_ جس پر آپﷺ نے فرمایا: " سہیل بن عمرو کو ڈھونڈ کر اسے قتل کردو" لوگ اس کی تلاش میں بکھر گئے لیکن آنحضرتﷺ نے ہی اسے ڈھونڈکر دو بارہ باندھ دیا لیکن اسے قتل نہیں کیا _

سید شریف رضی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کوئی حکم، حکم دینے والے کو شامل نہیں ہوتا _ کیونکہ رتبہ کے لحاظ سے حکم دینے والا، حکم بجالانے والے سے اونچا ہوتاہے اس لئے وہ اپنے سے تو بلند مرتبہ نہیں ہوسکتا(1) _

لیکن ہم کہتے ہیں کہ انشاء (2)کی حد تک تو سید رضی کی مذکورہ بات صحیح ہے لیکن یہاں ایک سوال باقی رہتا ہے کہ اگر قتل کا محرک اور وجوہات باقی تھیں تو پھر آپﷺ نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ چاہے آپﷺ اپنے کسی صحابی کو ہی اس کے قتل کا حکم دے دیتے اور خود قتل نہ کرتے_ کیونکہ آنحضرتﷺ اپنے دست مبارک سے کسی کو قتل نہیں کیا کرتے تھے_ اس کی طرف اسی کتاب کی اگلی جلد میں اشارہ ہوگا_ پس یہاں یہ کہنا پڑے کہ چونکہ آنحضرتﷺ نے خود ہی اسے ڈھونڈ نکالا تھا اس لئے اس آدمی کو قتل کرنا مناسب نہیں سمجھا_

قید میں عباس کے نالے

بہرحال ، ان قیدیوں میں عباس اور عقیل بھی شامل تھے_ ایک رات آنحضرتﷺ نے جاگ کر گزاری_ ایک صحابی نے آپﷺ سے پوچھا: " یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ساری رات کیوں جاگتے رہے ؟" آپﷺ نے فرمایا: " عباس کی آہ و فریاد نے مجھے سونے نہیں دیا" _ یہ بات سن کر ایک صحابی نے اٹھ کر اس کی رسیاں ڈھیلی کردیں جس کی وجہ سے اس کی کراہیں بھی رک گئیں ، لیکن آپ ﷺ صحابی کے اس عمل کو نہ دیکھ سکے ، جس کی وجہ سے آپ ﷺ

---

1)ملاحظہ: ہو حقائق التاویل ج5 ص11_

2) انشاء خبر کے مقابلے میں ہے جہاں سچ یا جھوٹ کا شائبہ نہ ہو _ زیادہ تر جاری کرنے کا معنی دیتاہے مثلاً حکم جاری کرنا _ تفصیل دیگر کتابوں میں_

نے پوچھا : " اب عباس کی آواز کیوں نہیں آرہی ؟ " تو اس صحابی نے کہا : " میں نے اس کی رسیاں ڈھیلی کردی ہیں " _ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " پھر سب قیدیوں کی رسیاں کچھ ڈھیلی کردو" (1)

اور یہ روایت ایک معقول روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم کی عدالت، احکام الہی کی بجا آوری میں دقت نظر اور دین میں صلابت کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مناسب بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مشہور بات کے مناسب بھی ہے کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ خدا سے نہیں ہٹا سکتی تھی _ نہ وہ روایتیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قریبیوں کا دم بھرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی عباس کی رسیاں ڈھیلی کرنے کا حکم دیا تھا_ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ایسے نہیں تھے کہ اپنے قریبیوں اور رشتہ داروں پر تو رعایت کریں لیکن دشمنوں پر سختی کریں_ اور ایسی روایتیں مکمل اور صحیح طور پر بیان نہیں ہوئیں_ مگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم جانتے تھے کہ اسے زبردستی لایا گیا ہے اس لئے اس کا گناہ دوسروں کے گناہ سے قدرے چھوٹا اور ہلکا ہے اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی بھی یہی وجہ تھی _ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر چہ حقیقت یہی ہے کہ وہ بامر مجبوری اس جنگ میں شریک ہوا تھا_ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت کا یہ تقاضا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ بھی دوسرے قیدیوں جیسا سلوک کرتے تا کہ کسی تنقید اور اعتراض کی کوئی گنجائشے ہی نہ رہے _ اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب عباس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا کہ اسے زبردستی یہاں لایا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا : " لیکن بظاہر تو تم ہمارے خلاف ہی تھے" _ البتہ اس کی تفصیل آئی چاہتی ہے_

بظاہر عباس کی کراہوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے آرامی اس وجہ سے تھی کہ اس کی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ کے نزدیک تھی ، یہ بات نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر دوسرے قیدیوں کے علاوہ صرف عباس پر رحم کھایا تھا_

---

1)تاریخ الخمیس ج1 ص 390 و صفۃ الصفوۃ ج1 ص 510 البتہ عبدالرزاق ، المصنف ج 5 ص 353میں لکھتاہے کہ ایک انصاری نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا:"کیا میں اس کی رسی جاکر کچھ ڈھیلی نہ کردوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " اگر اپنی طرف سے یہ کام کرنا چاہتے ہو تو بے شک کرو" _ تب اس انصاری نے جاکر اس کی رسی ڈھیلی کی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان سے سوئے _ نیز ملاحظہ ہو: دلائل النبوۃ بیہقی ج2 ص 410_

عباس کا فدیہ اور اس کا قبول اسلام

مسلمانوں نے عباس سے بیس سے چالیس اوقیہ سونا(ہر اوقیہ چالیس مثقال کا ہوتاہے یعنی آٹھ سو سے سولہ سو مثقال سونا) مال غنیمت لوٹا_ اس نے اسی لوٹے ہوئے سونے کو فدیہ کے طور پر شمار کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : " تم جو چیز ہمارے خلاف استعمال کرنے لائے تھے ہم اسے تمہیں واپس نہیں کرسکتے"_مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ مشرکوں کے کھانے پینے کا خرچہ برداشت کرنے کے لئے اپنے ساتھ یہ سونا لایا تھا [1] بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنا اور اپنے دو بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ ادا کرنے کا بھی حکم دیا _ لیکن اس نے اپنے پاس کسی مال کی موجودگی کا انکار کیا _ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کہا : " جو مال تم نے ام الفضل کے حوالے کرکے اس سے کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو اس مال کو اپنے اور بچوں پر خرچ کرنا ، وہ تو ہے اب اس مال سے اپنا فدیہ دو" _ تب اس نے پوچھا کہ کس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات بتائی ہے اور جب اسے پتا چلا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہے تو اس نے کہا: " قسم سے اس بات کا علم تو صرف یا مجھے تھا یا پھر اس کو ، میں گواہی دیتاہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں "_

پس عباس - ، عقیل اور نوفل کرم اللہ و جوھہم کے سوا باقی سب قیدی حالت شرک میں واپس پلٹے ، اور انہی تینوں کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اتری:

(قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیراً یؤتکم خیرا مما اخذ منکم و یغفر لکم و اللہ غفور رحیم) [2]

اور اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاس موجود قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر خدا جان لے کہ تمہارے دل میں اچھائی (یعنی اسلام کی حقیقت) سماگئی ہے تو تم سے لوٹی جانے والی چیزوں سے بہتر چیز تمہیں عطا کرے گا _ اور تمہیں معاف بھی کردے گا کیونکہ خدا معاف کرنے والا اور مہربان ہے _

---

1)اسباب النزول واحدی ص 138 و سیرہ حلبیہ ج2 ص 198_

2)انفال / 70 ، اس کی معتبر روایت تفسیر البرہان ج2 ص 94 میں ہے نیز ملاحظہ ہو تفسیر الکشاف ج2 ص 238 و دیگر کتب_

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس سے فرمایا: " عباس تم نے چونکہ خدا سے جنگ کی ہے اس لئے خدا نے بھی تم سے جنگ کی ہے" [1] ایک اور روایت میں ہے کہ جب اس سے فدیہ طلب کیا جانے لگا تو اس نے کہا کہ میں پہلے سے اسلام لاچکا تھا لیکن ان لوگوں نے مجھے زبردستی جنگ میں دھکیلاہے _جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: " خدا تمہارے اسلام سے بخوبی واقف ہے اگر تمہاری بات سچی ہے تو خدا تمہیں اس کا اجر دے گا ، لیکن بظاہر تو تم ہمارے خلاف ہی تھے" [2] _ اور یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعض کا یہ دعوی صحیح نہیں ہے کہ عباس جنگ بدر سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لے آئے تھے [3] مگر یہ کہ اس بارے میں خود عباس کے دعوی کو دلیل بنایا جائے جبکہ عباس کے اس دعوی کو خو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے بھی قبول نہیں کیا _ جنگ بدر کے موقع پر عباس کے مسلمان نہ ہونے پر گذشتہ باتوں کے علاوہ یہ دلائل بھی ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر جب عباس گرفتار ہوا تو مسلمان اسے کافر ہونے اور قطع رحمی کرنے کی بناپر لعنت ملامت کرنے لگے _ اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسے بہت سخت باتیں کہیں_ جس پر عباس نے کہا : " تم ہماری برائیاں تو گنوارہے ہو ، ہماری اچھائیاں کیوں نہیں بتاتے؟" _ حضرت علی علیہ السلام نے اسے کہا : "کیا تمہاری اچھائیاں بھی ہیں ؟ "_ اس نے کہا: " ہاں ہم تو مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرتے ہیں ، کعبہ کو زندہ کرتے ہیں ، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور قیدی آزاد کرتے ہیں " جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(ما كان للمشركين ان يعمروا مساجد الله شاهدين على انفسهم بالكفر) [4]

مشرکوں کو ان کے کفر کی حالت میں خدا کی مسجدوں کو آباد کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا

---

1)بحار الانوار ج 19 ص 258 و تفسیر قمی ج 1 ص 268 _

2)گذشتہ دونوں منابع و تاریخ الخمیس ج1 ص 390 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 198

3) ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج 3 ص 308 سیرہ حلبیہ ج2 ص 188 و 198 و طبقات ابن سعد ج4 حصہ 1 ص 20_

4)توبہ /17 و حدیث: اسباب النزول واحدی ص 139 درمنثور ج3 ص 219 از ابن جریر وابوشیخ از ضحاک لیکن یہ بات اگلی آیت سقایت الحاج والی آیت میں مذکور ہے_

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے کہا : " اگر تم اسلام ، جہاد اور ہجرت میں ہم سے سبقت لے گئے ہو تو ہم بھی تو مسجد الحرام کو آباد کرتے آئے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے آئے ہیں " اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

(اجعلتم سقاية الحاج و عمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله ...) [1]

کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد کرنے کا رتبہ خدا ... پر ایمان لانے والے شخص کے رتبہ کے برابر قرار دیتے ہو؟

لیکن مذکورہ دونوں آیتیں سورہ توبہ میں ہیں جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے تقریبا آخر میں یعنی جنگ بدر کے کئی سال بعد نازل ہوا _ اس لئے شاید روایت میں مذکور باتیں جنگ بدر کے موقع پر نہ کہی گئی ہوں بلکہ فتح مکہ کے موقع پر کہی گئی ہوں لیکن بدر سے ان کی تصریح راویوں کی غلطی اور ان کے اشتباہ کی وجہ سے ہو _ لیکن پھر بھی اس پر یہ اعتراض ہوتاہے کہ فتح مکہ کے موقع پر تو عباس اسیر ہی نہیں ہوا تھا پھر حضرت علی عليه السلام نے اس سے سخت باتیں کیوں کیں ؟ البتہ اس کا جواب یوں دیا جاسکتاہے کہ یہ واقعہ ہوسکتاہے کہ آنحضرت ﷺ کی عام معافی کے اعلان اور کسی کو کچھ کہنے سے منع کرنے سے پہلے پیش آیا ہو(لیکن اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ عباس جنگ بدر کے موقع پر نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لایا تھا _ مترجم)

ایک اور دستاویز میں آیا ہے کہ انصاری، عباس کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے ان کے ہاتھ سے لے لیا او رجب وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آگیا تو عمر نے اس سے کہا : " مجھے (اپنے باپ) خطاب کے اسلام لانے سے تیرا اسلام لانا زیادہ پسند ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول ﷺ خدا کو تیرا اسلام لانا زیادہ پسند ہے " [2] بلکہ روایتوں میں آیا ہے کہ عباس کا اسلام فتح مکہ کے دن ہی سب پر ظاہر ہوا [3]

---

1)توبہ / 19 و حدیث: اسباب النزول واحدی ص 139 ، درمنثورج3 ص 218 از ابن جریر ، ابن منذر ، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ، عبدالرزاق ، ابن ابی شیبہ و ابوشیخ_

2)البدایہ والنہایۃ ج3 ص 298 از حاکم و ابن مردویہ، حیاۃ الصحابہ ج2 ص 244 و 245 از کنز العمال ج7 ص 69 از ابن عساکر_

3)سیرہ حلبیہ ج 2 ص 199_

اور یہ بات حقیقت کے زیادہ قریب لگتی ہے _ کیونکہ اگر وہ جنگ بدر کے موقع پر اسلام لایا بھی تھا (جس طرح گذشتہ روایتیں خاص کر تفسیر البرہان کی معتبر روایت اس بات پر دلالت بھی کرتی ہیں) تو وہ خفیہ طور پر اسلام لایا ہوگا لیکن وہ اپنے مفادات، اموال اور تعلقات کی حفاظت کے لئے مشرکین کے سامنے شرک اور ان کی مرضی کی باتوں کا اظہار کیا کرتا ہو گا _ کیونکہ قریش یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ آنحضرتﷺ سے ایسی سخت جنگ میں بھی مصروف ہوں جس میں ان کے بھائی اوربیٹے قتل ہوتے رہے ہیں، ان کا تجارتی راستہ بند ہوجائے اور انہیں عربوں میں ذلیل ہونا پڑے لیکن ان کے درمیان کئی سال تک ایک مسلمان آرام اور اطمینان سے رہے، خاص کر وہ مسلمان آنحضرتﷺ کا چچا اور قریبی رشتہ دار بھی ہو_ اور ابوسفیان سے اس کی دوستی بھی اس کے مکہ میں رہنے کی ضمانت نہیں بن سکتی تھی ، کیونکہ قریشیوں نے تو اپنے پیارے رشتہ داروں کو بھی عبرتناک سزائیں دی تھیں پھر وہ اپنے دوستوں کو کیسے برداشت کرسکتے تھے اور صلح حدیبیہ میں رسولﷺ کریم پر قریش کی شرطیں ، مذکورہ بات پر ان کی حساسیت، سختی اور شدت نیز کسی بھی صورت میں کسی کو کوئی چھوٹ نہ دینے کی بہترین دلیل ہیں _ہاں یہ بھی کہا جاتاہے کہ آنحضرتﷺ نے اسے ان کے درمیان رہنے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ ان کی خبریں آپﷺ تک پہنچا تارہے اورآپﷺ کے لئے ان کی جاسوسی کرتا رہے_ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آپﷺ کو خط میں ان کی خبریں پہنچاتا رہتاتھے اور ایک گمان کے مطابق اس نے آپﷺ کو جنگ احد کے بارے میں بھی بتادیا تھا_ لیکن یہ سب باتیں اس کے اسلام کی دلیل نہیں بن سکتیں_ یہ باتیں صرف آپﷺ کو خبردار کرنے پر دلالت کرتی ہیں چاہے یہ کام رشتہ داری اور اس غیرت کی بناپر ہو کہ رسولﷺ کو بھی یہ سب جاننا چاہئے اور ان کی برابری کرنی چاہئے_

نکتہ :

جب عباس کے متعلق گفتگو کرہی رہے ہیں تو چند اور باتوں کی طرف اشارہ کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے _ کہا جاتاہے کہ جناب عباس مال دنیا کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور انہیں مال کے حصول کی

بڑی شدید خواہش ہوتی تھی_ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جنگ بدر میں اپنے اور عقیل کا فدیہ دینے کی وجہ سے بعد میں وہ آنحضرتﷺ سے مال کا مطالبہ کرتا رہتا تھا_ روایتوں میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپﷺ کے پاس بحرین سے کچھ مال آیا اور آپﷺ اسے تقسیم کرنے لگے تو عباس نے آکر کہا : " یا رسول اللہ ﷺ میں نے جنگ بدر میں اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا اور عقیل نادار آدمی تھا اس لئے یہ مال مجھے دیں "_ اور آپ ﷺ نے بھی اسے وہ مال دے دیا[1] _اور بعض روایات میں یہ بات بھی ہے کہ آپﷺ ہمیشہ اس کی آنکھیں پڑھ لیا کرتے تھے (اور مانگنے سے بھی پہلے دے دیا کرتے تھے) اس لئے اس کی یہ لالچ ہم سے پوشیدہ رہتی اور اس پر نہایت تعجب ہوتا تھا[2]_ لوگوں میں تقسیم کے بعد بچے کھچے مال کے حصول کا اس کا طریقہ بھی قابل ملاحظہ ہے _ ابن سعد کہتاہے کہ عہد عمر میں لوگوں میں مال تقسیم کرنے کے بعد بیت المال میں کچھ مال بچ گیا تو عباس نے عمر اور لوگوں سے کہا: " مجھے بتاؤ اگر تم میں حضرت موسی علیہ السلام کے چچا موجود ہوتے تو کیا تم اس کی عزت افزائی کرتے ؟" سب نے کہا : " جی ہاں" تب اس نے کہا : " پھر تو میں اس کا زیادہ حق دار ہوں _ میں تو تمہارے نبی ﷺ کا چچاہوں " یہ بات سن کر عمر نے لوگوں سے بات چیت کی اور ان لوگوں نے وہ سارا بچا کھچا مال اسے عطا کردیا [3]_ بہر حال اس نے اپنی آرزوئیں پالیں_ حتی کہ منقول ہے کہ جب آنحضرتﷺ نے اسے مال عطا کیا تو اس نے کہا : " خدا نے جن دو چیزوں کا مجھ سے وعدہ کیا تھا ان میں سے ایک کو تو پورا کردیا ہے دوسرے کا نہیں پتا _ خدا نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا تھا کہ اپنے قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارے دلوں میں اچھائی سمانے کا خدا کو پتا چل گیا تو تم سے لی جانے والی چیز سے بہتر چیز تمہیں عطا کرے گااور تمہیں معاف بھی کردے گا_ یہ مال اس مال سے کہیں بہتر اور زیادہ ہے جو مجھ سے لیا گیا تھا، لیکن یہ نہیں پتا کہ مغفرت کاکیا بنے گا ؟ " [4]

---

1) صحیح بخاری ج1 ص 55 و ص 56 و ج2 ص 130 ، مستدرک حاکم ج3 ص 329 و ص 330 ، تلخیص مستدرک ذہبی اسی صفحہ کے حاشیہ پر اور اس نے اسے صحیح جاناہے ، طبقات ابن سعد ج4 حصہ 1 ص 9 ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 200 ، حیاۃ الصحابہ ج2 ص 225و التراتیب الاداریہ ج2 ص 88 و 89_

2) صحیح بخاری ج1 ص 55 و 56 و ج2 ص 130 والتراتیب الاداریہ ج2 ص 89 _ (3)طبقات ابن سعد ج4 حصہ اول ص 20 ، حیاۃ الصحابہ ج2 ص 234و تہذیب تاریخ دمشق ج 7 ص 251_ (3)مستدرک حاکم ج3 ص 329، تلخیص مستدرک ذہبی (اس کے مطابق حدیث صحیح ہے) ، طبقات ابن سعد ج4 حصہ 1 ص 9 ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 220 و حیاۃ الصحابہ ج2 ص 225_

نبی کریم کو قتل کرنے کی سازش

اس جنگ میں عمیر بن وہب کا ایک بیٹا بھی گرفتار ہوا_ جس کا بدلہ لینے کے لئے عمیر نے صفوان کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر یہ سازش کی کہ عمیر مدینہ جاکر آنحضرت ﷺ کو اغوا کر کے لے آئے گا جس کے بدلے میں صفوان عمیر کے قرض چکائے گا_ اس سازش کو انہوں نے سب سے خفیہ رکھا اور عمیر نے اپنی تلوار کی دھار تیز کی اور اسے زہر آلود کیا اور مدینہ پہنچ گیا_ غرض آنحضرت ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی لیکن عمر کو اس سے خطرہ محسوس ہوا تو اس نے نیام سمیت اس سے اس کی تلوار لے لی، پھر اسے رسول ﷺ خدا کے پاس لے گیا_ جب آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھا تو عمر سے کہا کہ اسے چھوڑ دو _ عمر نے اسے چھوڑ دیا تو وہ آپ ﷺ کے قریب آیا_ پھر آپ ﷺ نے اس سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا:" میں آپ ﷺ کے پاس اس قیدی یعنی وہب کی سفارش کرنے آیا ہوں: اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں" _ آپ ﷺ نے پوچھا: " پھر تلوار کیوں ساتھ لائے ہو؟"_ تو اس نے کہا :" ان تلواروں کا ستیاناس ہو، کیا انہوں نے کبھی فائدہ پہنچایا ہے؟"_

تب آنحضرت عليه‌السلام نے بستی میں ہونے والا اس کا اور صفوان کا ماجرا اسے بتایا تو عمیر یہ سن کر مسلمان ہوگیا_ جس پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:" اپنے اس بھائی کو دین کی باتیں سکھاؤ، قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو بھی آزاد کردو" _ اور مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل میں ایسا ہی کیا _

پھر آنحضرت ﷺ کی اجازت سے عمیر مکہ جاکر تبلیغ کرنے لگا جس سے مشرکین کو تکلیف پہنچتی تھی بلکہ صفوان نے تو یہ قسم اٹھالی کہ وہ اس سے نہ کبھی گفتگو کرے گا اور نہ اس کے کسی کام آئے گا (1)

زینب کے ہار اور رسول ﷺ خدا کا موقف

اس موقع پر کہا جاتاہے کہ آنحضرت کی لے پالک بیٹی جناب زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کی رہائی کے لئے فدیہ کے طور پر کچھ چیزیں بھیجیں جن میں وہ ہار بھی شامل تھے جنہیں جناب خدیجہ عليها‌السلام نے

---

1)سیرہ نبویہ ابن ہشام ج2 ص 317 و 318_

زینب کو جہیز میں دیا تھا _ یہ ہار دیکھ کر آنحضرت ﷺ کو جناب خدیجہ علیہا السلام کی بہت یاد آئی اور زینب کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردی کا احساس ہوا اور اس پر رحم آگیا _ جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے اس قیدی کو چھوڑنے کی خواہش کی اور انہوں نے بھی اسے چھوڑدیا _ لیکن آپ ﷺ نے اسے اس شرط پر آزاد کرکے جانے دیا کہ وہ جاتے ہی زینب کو ادھر بھیج دے گا _ اس نے بھی وعدہ وفائی کرتے ہوئے زینب کو مدینہ بھجوادیا تھا[1] زینب کی ہجرت کا ماجرا بھی انشاء اللہ آئندہ آئے گا_

چند جواب طلب سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتاہے کہ کیا آنحضرت ﷺ واقعاً اتنے جذباتی تھے کہ ان کی ہمدردی اور رقت نے آپ ﷺ کو ایک ایسے قیدی کی رہائی پر مجبور کردیا جس پر مسلمان بھاؤ تاؤ کرکے اس کے بدلے میں ایسی چیز یا اتنا مال حاصل کرسکتے تھے جو دشمن کے مقابلے میں انہیں طاقتور بناسکتی تھی؟ کیا صرف زینب کی پرورش ہی آپ ﷺ کے اس کے ساتھ امتیازی سلوک اختیار کرنے کے لئے کافی تھی؟ یا اور وجوہات بھی تھیں ؟ کیا آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں کا دوسروں سے زیادہ اور خاص خیال رکھنا چاہتے تھے؟ اور کیا یہ بات آپ ﷺ کی رسالت ، صفات اور اخلاق کے مناسب بھی ہے ؟

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ نہیں تھی بلکہ اس موقف میں چند ایسی مصلحتیں پوشیدہ تھیں جو اسلام اور مسلمانوں کی نفع میں ہی تھیں وگرنہ آپ ﷺ کا موقف کسی کے ساتھ بھی کبھی امتیازی نہیں رہا _ اور اس جیسے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ آپ ﷺ کا سلوک بھی ہمارے سامنے ہے_ آپ ﷺ کا اپنے چچا ابولہب ملعون اور عقیل کے ساتھ رویہ بھی ہمارے ذہن میں محفوظ ہے _ جبکہ ہم یہاں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مذکورہ عمل اس بات کی تاکیدی وضاحت کے لئے تھا کہ اسلام دوسروں کے (اسلام کی خاطر انجام دیئے

---

1)سیرہ نبویہ ابن ہشام ج2 ص 308 ، تاریخ الامم والملوک مطبوعہ الاستقامۃ ج2 ص 164 الکامل فی التاریخ ج2 ص 134 ، بحار الانوار ج 19 ، ص 241 ، دلائل النبوہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ج3 ص 154 و تاریخ الاسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 46 _

جانے والے) افعال اور خدمات کا احترام اور ان کی قدر کرتاہے اور جناب خدیجہ علیہا السلام بھی ان شخصیات میں سے ہیں جن کی خدمات قابل قدر ہیں _ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب خدیجہ علیہا السلام کی پیاری شخصیتوں کے ساتھ محبت آمیز اور بہترین سلوک کرکے ان قابل قدر خدمات کا صلہ دیتے تھے ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب خدیجہ علیہا السلام کی سہیلیوں کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے _ حتی کہ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بی بی عائشہ سے ناپسندیدہ الفاظ بھی سننے پڑے تھے [1] اور اگر یہ خدمات جناب خدیجہ علیہا السلام کے علاوہ کسی اور شخصیت سے بھی انجام پاتیں تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی موقف ہوتا _ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین کی راہ میں انجام دی جانے والی خدمات کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے چاہے یہ خدمات جس کسی سے اور جس سطح پر انجام پائی ہوں_ اس پر مزید یہ کہ اس موقع سے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، مشرکین کے ظلم و ستم اور ان کے چنگل سے کسی کو (اور وہ بھی زینب جیسی شخصیت کو) نجات دلاسکتے تھے تو پھر اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالعاص کو فدیہ لئے بغیر بھی تو نہیں چھوڑا تھا کیونکہ زینب نے اس کا فدیہ بھجوا دیا تھا، پھر اب اس کو قید رکھنے کا کیا جواز رہ جاتا تھا؟

جناب زینب کا واقعہ اور ابن ابی الحدید

اس مقام پر ابن ابی الحدید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رقت اور ہمدردی کے متعلق لکھتے ہیں کہ " میں نے نقیب[2] ابوجعفر یحیی بن ابوزید بصری (اس کی شخصیت کی تعریف اور تعارف ابن ابی الحدید نے کئی دیگر مقامات پر کیا ہے)_[3] کو یہ روایت پڑھ کر سنائی تو انہوں نے کہا :

---

1)اس کے منابع و مآخذ " بیعت عقبہ" والی فصل میں " بی بی عائشہ کی غیرت اور حسد" کے متعلق گفتگو کے دوران ذکرہوچکے ہیں_

2)کسی دور میں عالم عارف اور زاہد کامل کو نقیب کا لقب دیا جاتا تھا جس کا مطلب خدا کا یا دین اسلام کا نمائندہ اور تقوی کا عملی نمونہ ہوتا تھا_

3) ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ ج 12 میں ان الفاظ سے اس کا تعارف کرایا ہے کہ " وہ نہ تو امامی مذہب ہے ، نہ کسی بزرگ صحابی سے بیزار اور نہ ہی کسی افراطی شیعہ کی بات سننے والا " اور اسی کتاب کی ج 9 ص 248 میں اس کی تعریف یوں کی ہے کہ " وہ منصف مزاج اور نہایت عقل مند ہے " نیز بحار الانوار ج 19 کے حاشیہ میں ابن ابی الحدید سے منقول ہے کہ اس نے اس کی تعریف دیانت داری ، امانت داری، خواہشات اور تعصبات سے دوری ، مناظروں میں انصاف پسندی، کثرت علم ، تیز فہمی اور عقل مندی جیسی صفات سے کی ہے _

"کیا تمہارے خیال میں اس واقعہ میں ابوبکر اور عمر موجود نہیں تھے؟ کیا کرم اور احسان کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ وہ فدک کو مسلمانوں کی طرف سے حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کو دے کر ان کا دل خوش کرتے ؟ کیا کائنات کی عورتوں کی سردار اس بی بی کی شان اپنی بہن جناب زینب سے بھی کم تھی؟ یہ تو اس صورت میں ان کا حق بنتا تھا جب وراثت یا رسول صلى الله عليه وآله وسلم خدا کے عطیہ والا ان کا حق ثابت نہ ہوتا (حالانکہ دونوں صورتوں میں ان کا ثابت ہوتاہے، لیکن برا ہوکرسی کا جو اپنے مد مقابل کو دبانے کے لئے ہر قسم کے انسانی اور غیر انسانی بلکہ شیطانی ہتھکنڈے استعمال کرنے پر مجبور کردیتی ہے)" (1)

فدیہ اسیر، تعلیم تحریر

مقریزی کہتاہے:" قیدیوں میں کئی ایسے بھی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جبکہ انصار میں کوئی بھی اچھی لکھائی والا نہیں تھا_ اوروہ قیدی نادار بھی تھے_ پس ان کے ساتھ یہ طے پایا کہ ہر قیدی دس لڑکوں کو لکھنا سکھائے گا تو ا سے آزاد کردیا جائے گا _ انصار کے لڑکوں کے ساتھ زید بن ثابت نے بھی اسی عرصے میں لکھنا سیکھا تھا_ امام احمد نے عکرمہ کے ذریعہ ابن عباس کی روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں کچھ افراد ایسے بھی تھے جن کے پاس فدیہ دینے کو کچھ نہیں تھا_ تورسول خدا نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ وہ انصار کے لڑکوں کو لکھنا سکھائیں " اس کے بعدمقریزی ایک ایسے شخص کا واقعہ نقل کرتا ہے جسے اس کے استاد نے مارا تھا_ پھر اس کے بعد کہتاہے : " عامر الشعبي نے کہا ہے کہ جنگ بدر کے ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا_ لیکن جس کے پاس یہ سب نہیں تھا تو اس پر دس مسلمانوں کو لکھائی سکھانا ضروری تھا_ اور زید بن ثابت بھی انہی افراد میں سے تھا جنہوں نے لکھناسیکھا تھا" (2)

---

1)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج4 ص 1 ص 191_

2) ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج1 ص 48 و 49 از المطالع النصریہ فی الاصول الخطیہ ابوالوفاء نصر الدین الھورینی واز سہیلی ، مسند احمد ج1 ص 247 ، الامتاع ص 101 ، الروض الانف ج 3 ص 84 ، تاریخ الخمیس ج1 ص 395 ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 193 ، طبقات ابن سعد ج2 حصہ 1 ص 14 و نظام الحکم فی الشریعۃ والتاریخ الاسلامی (الحیاۃ الدستوریہ) ص 48_

ہم بھی کہتے ہیں کہ دس مسلمان بچوں کو لکھائی کی تعلیم کو قیدیوں کا فدیہ قرار دینا تاریخ میں پہلی جہالت مکاؤ تحریک تھی جس میں اسلام تمام دیگر اقوام اور ادیان سے سبقت لے گیا _ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حکم بن سعید بن عاص نے رسول ﷺ خدا کے پاس آکر اپنے نام کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس کا نام بدل کر عبداللہ رکھا اور اسے حکم دیا کہ مدینہ جاکر لوگوں کو لکھنا سکھائے [1] اور یہ بات ایسے زمانے میں اسلام میں علم کی اہمیت کی انتہا کو بیان کرتی ہے جب اس وقت کی ایران جیسی دنیا کی بڑی طاقتیں اپنے درباری اور حکومتی افراد کے علاوہ ہر کسی کو بڑے زور و شور سے حصول علم سے منع کرتی تھیں _ حتی کہ اس زمانے کے ایک بہت بڑے تاجر نے قیصر روم سے انوشیروان کی جنگ کے تمام لازمی اخراجات اس شرط پر اپنے ذمہ لینے کی پیشکش کی کہ اس کے بیٹے کو حصول علم کی اجازت دی جائے [2] _ بلکہ بعض عربی قبیلے تو لکھنے پڑھنے سے آشنائی کو اپنے لئے عیب سمجھتے تھے [3] _اس کی طرف ہم نے اس سیرت کی بحث کے مقدمہ میں اشارہ کردیا تھا_ شائقین وہاں مراجعہ فرمائیں_

بہر حال اسلام ان نازک حالات اور مشکل لمحات میں بھی دس مسلمان بچوں کو تعلیم دینے کے بدلے میں اپنے سخت ترین دشمنوں کو بھی آزاد کرنے آیا _ حالانکہ وہ ان قیدیوں سے فدیہ بھی لے سکتا تھا یا خود ان سے مسلمانوں کے مشقت والے کام کرائے جاسکتے تھے بلکہ وہ انہیں قریش پر سیاسی دباؤ کا ذریعہ بھی بناسکتے تھے_ اور یہ کام اس نئے جنم لینے والے معاشرے کے لئے نہایت ضروری بھی تھے جسے دوسرے معاشرے دھتکارنے اور تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے جبکہ اس نئے معاشرے کو اپنی زندگی ، بقاء، اسلامی حکومت کے قیام اور آسمانی تعلیمات کے نشر و اشاعت کے لئے جنگوں سے بھر پور ایک طویل اور پر مشقت راستہ طے کرنا تھا_

---

1)نسب قریش مصعب زبیری ص 174 و الاصابہ ج1 ص 344 از نسب قریش_

2)خدمات متقابل اسلام و ایران ص 283 ، 284و 314نیز ملاحظہ ہو ص 310 از شاہنامہ فردوسی ج 6 ص 258 تا 260_

3)الشعر والشعراء ص 334 والتراتیب الاداریہ ج2 ص 248_

قیدیوں سے سلوک

یہاں قابل ملاحظہ ہے کہ جن مسلمانوں نے کل مشرکوں سے سختیاں اور تلخیاں چکھی تھیں وہ آج اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرچکے تھے اور جن لوگوں نے کل انہیں اذیتیں دی تھیں ، دربدر کیا تھا، تمام مال و اسباب چھین لیا تھا اور قطع رحمی کی تھی وہ آج انہی کے ہاتھوں ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوگئے تھے اور ان کی ہمدردی کے محتاج ہوگئے تھے، تو آپ لوگوں کے خیال میں وہ مسلمانوں سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھ سکتے تھے ؟ یا مسلمان ان سے کس قسم کا اور کس طرح کا بدلہ لیتے؟

توقعات اور خیالات تو ذہن میں بہت سے آسکتے ہیں لیکن مسلمانوں نے ان تمام توقعات کے برخلاف ان سے کسی قسم کا بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس فرصت سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی _ بلکہ ان کے عظیم رہنما (حضرت محمد مصطفی ﷺ) کی طرف سے صرف ایک جملہ صادر ہوا کہ قیدیوں سے ہر ممکن اچھا سلوک کرو_ اور مسلمانوں نے بھی اس حکم کی پیروی کی اور انہوں نے قیدیوں کو اپنے مال و اسباب تک میں شریک کرلیا_ حتی کہ بعض تو ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا کھانا تک بھی قیدیوں کو کھلا دیتے تھے [(1)]

سودہ کا آنحضرت ﷺ کے خلاف قیدیوں کو بھڑکانا

یہاں قابل تامل اور تعجب بات یہ ہے کہ ہے (آنحضرت ﷺ کی زوجہ) ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ مشرک قیدیوں کو آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی خلاف بھڑکاتی رہی_ اور واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب بدر کے قیدیوں کو مدینہ لایا گیا اور سودہ نے سہیل بن عمرو کورسی کے ساتھ پس گردن بندھے ہاتھوں سے گھر کے ایک کونے میں دیکھا تو کہتی ہے کہ " بخدا جب میں نے ابویزید کو اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں آپے سے باہر ہوکر کہنے لگی: "او ابویزید تم لوگوں نے اپنے ہاتھ ان کے آگے جوڑ دیئے؟کیا تم شرافت کی موت نہیں

---

1)ملاحظہ ہو : طبری ج2 ص 159 ، الکامل ابن اثیر ج2 ص 131 ، سیرہ ابن ہشام ج2 ص 299 و ص 300 المغازی واقدی ج1 ص 119 و تاریخ الخمیس ج1 ص 388_

مرسکتے تھے؟" اور خدا کی قسم مجھے اس وقت ہوش آیا جب گھر کے اندر سے مجھے رسول ﷺ خدا کی آواز سنائی دی_ آپ ﷺ فرمارہے تھے: " سودہ کیا تو انہیں خدا اور رسول ﷺ خدا کے خلاف بھڑکانا چاہتی ہے ؟" جس پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا : " یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو برحق نبی بناکر بھیجنے والی ذات کی قسم جب میں نے ابویزید کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا اور جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا "[1]_

اور بعض دستاویزات میں یہ اشارہ بھی ملتاہے کہ سودہ کا اپنی زندگی میں آنحضرت کے ساتھ رویہ اکثر و بیشتر منفی رہا ہے حتی کہ یہ بھی ملتاہے کہ آنحضرت ﷺ اسے طلاق دینے پر بھی آمادہ ہوگئے لیکن اس نے آپ ﷺ کو واسطہ دے دے کر دوبارہ رجوع کرنے پر راضی کیا اور اپنے حصے کے دن اور رات سے بھی عائشہ کے حق میں دست بردار ہوگئی کیونکہ عائشہ ہر وقت اس کی تعریف کیا کرتی تھی_ حتی کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ سودہ سے زیادہ مجھے کوئی بھی شخص زیادہ عزیز نہیں ہے _ میرا تو دل کرتاہے کہ سودہ کے جسم (روایت میں کینچلی کا لفظ آیا ہے) میں میری روح سماجاتی ...[2]

---

1) البدایہ والنہایہ ج3 ص 307_

2) الاصابہ ج4 ص 338 و دیگر کثیر منابع_

چوتھی فصل:

جنگ بدر کا اختتام

اہل بدر بخشے ہوئے ہیں

مؤرخین کہتے ہیں کہ جب آنحضرتﷺ فتح مکہ کے لئے تیاریوں میں مصروف تھے تو حاطب ابن ابی بلتعہ نے ایک خط میں مکہ والوں کو اس بات سے خبردار کرنا چاہا۔ اس نے وہ خط ایک عورت کو دیا تا کہ وہ اسے ان تک پہنچادے۔ لیکن جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرتﷺ کو یہ بات بتادی اور آپﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک اور آدمی کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان " روضہ خاخ (باغ خاخ)نامی ایک جگہ بھیجا تا کہ وہ اس عورت سے وہ خط لے آئیں ۔ انہوں اسی جگہ پر اس عورت کو جالیا اور اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس کے سامان سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا جس کی وجہ سے وہ واپس جانے لگے تو حضرت علی علیہ السلام نے کہا: " بخدا ہم لوگوں نے کبھی جھوٹ بولا ہے نہ ہمیں کبھی کوئی جھوٹی بات بتائی گئی ہے" آپ علیہ السلام نے نیام سے تلوار نکال کر لہراتے ہوئے اس عورت سے کہا : " وہ خط نکالو وگرنہ بخدا میں تمہاری گردن اڑادوں گا" جب اس نے آپ علیہ السلام کی از حد سنجیدگی کا مشاہدہ کیا تو اپنی چوٹی سے وہ خط نکال کر آپ علیہ السلام کو دے دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے وہ خط لے کر آنحضرتﷺ کی خدمت میں جاکر پیش کیا ۔ آنحضرتﷺ نے بھی حضرت علی علیہ السلام کو حاطب کی طرف بھیجا اور اس سے اس خط کی بابت پوچھا تو اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا : " میرے رشتہ دار مکہ میں رہتے ہیں اور مجھے مشرکوں سے ان کی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو میں نے یہ کام کرکے مشرکوں کو اس کام سے روکنا چاہا تھا" اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس کا عذر قبول کرلیا۔

لیکن عمر بن خطاب نے دل میں سوچا کہ حاطب نے خدا اور رسولﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے اس لئے اس نے رسول ﷺ خدا سے اس کی گردن مارنے کا مطالبہ کیا ۔ جسے سن کر آنحضرت نے اس سے فرمایا: "کیا وہ بدری صحابی نہیں ہے؟ شاید(یا یقینا) خدا بدریوں کے دلی حالات بخوبی جانتاہے" پھر آپ نے بدریوں سے مخاطب ہوکر فرمایا :" جوجی میں آئے کرو کہ جنت تمہارے اوپر واجب ہوچکی ہے

(یا تمہیں بخش دیا گیا ہے)[1] حلبی اس بارے میں کہتاہے:" اس جملے سے معلوم ہوتاہے کہ اگر اہل بدر سے کوئی کبیرہ گناہ بھی ہو جائے تو انہیں اس کے لئے کسی توبہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ جب بھی مریں گے بخشے ہوئے اس دنیا سے جائیں گے اور آنحضرتﷺ کا فعل ماضی میں یہ خبر دینا اس کے تحقق میں مبالغہ کی علامت ہے(یعنی وہ یقینا ہر صورت میں بخشے ہوئے مریں گے)البتہ یہ معاملہ صرف ان کے آخرت کی بہ نسبت ہے ، ان کی دنیا کی بہ نسبت ایسا نہیں ہے دنیا میں انہیں سزائیں ملیں گی ، اسی لئے جب عہد عمر میں قدامہ بن مظعون نے شراب پی تو اس پر حد جاری کیا گیا [2]

---

1) ملاحظہ ہو : بخاری مطبوعہ 1309 ج2 ص 110 و ج 3 ص 39 و ص 129 و طبع مشکول کتاب المغازی غزوہ بدر و ج9 ص 23 ،فتح الباری ج6 ص 100 ، ج8 ص 486و ج7 ص 237 از احمد ، ابوداؤد و ابن ابی شیبہ ، البدایہ والنہایہ ج4 ص 284 و ج3 ص 328 از تمام صحاح سوائے ابن ماجہ ، مجمع الزوائد ج 8 ص 303 ، ج9 ص 303 و 304 و ج6 ص 162 و 163 از احمد ، ابویعلی و بزار ، حیاۃ الصحابہ ج2 ص 463 و 364 از گذشتہ بعض ، سیرہ حلبیہ ج2 ص 203 و 192 ، مجمع البیان ج 9 ص 269 و 270 ، تفسیر قمی ج 2 ص 361، الارشاد مفید ص 33 ، 34 و 69، صحیح مسلم ج 4 ص 1941 ، مطبوعہ دار احیا التراث العربی، المغازی ج2 ص 797 و 798 اسباب النزول ص 239 ، تاریخ یعقوبی ج 2 ص 47 ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6 ص 58 و ج17 ص 266 ، سنن ابوداؤد ج3 ص 44 و 45و 48 ، التبیان شیخ طوسی ج 9 ص 296 ، اسد الغابہ ج1 ص 361 درالمنثور سیوطی ج 6 ص 203، تاریخ اسلام ذہبی (حصہ مغازی) ص 93 ، 439 و 440 السنن الکبری ج9 ص 146 ، سیرہ نبویہ ابن ہشام ج4 ص 39 وص 41 ، دلائل النبوہ بیہقی ج 2 ص 421 و 422 الجامع الصحیح ج5 ص 409 و ص 410 ، مسند شافعی 316 ، الطبقات الکبری ج2 ص 97 ، تفسیر فرات الکوفی ص 183 ص 184 ، لسان العرب ج4 ص 557 ، المبسوط شیخ طوسی ج2 ص 15 ، تاریخ الامم والملوک ج3 ص 48 و 49، المناقب ابن شہر آشوب ج2 ص 143 و 144، کنز العمال ج 17 ص 59، تہذیب تاریخ دمشق ج6 ص 371 ، بحارالانوار مطبوعہ بیروت ج72 ص 388 و ج21 ص 125 ، 119 ، 120، 136، 137و طبع سنگی ج 8 ص 643 ازالارشاد شیخ مفید، اعلام الوری، تفسیر قمی و تفسیر فرات الکوفی، عون المعبود ج7 ص 310 ، 313 الدرجات الرفیعہ ص 336 ، زاد المعاد ابن قیم ج 3ص 115 ، عمدۃ القاری ج 14 ص 254، تاریخ الخمیس ج2 ص 79 ، ترتیب مسند شافعی ج 1 ص 197 ، المحلی ج 7 ص 333 ، الجامع لاحکام القرآن ج18 ص 50 و ص 51 ،احکام القرآن جصاص ج 5 ص325 ، جامع البیان ج 28 ص 38 تا ص 40 ، الکامل فی التاریخ ج2 ص 242 ، کشف الغمہ اربلی ج 1 ص 180 الاصابہ ج 1 ص 300 ، البرہان فی تفسیر القرآن ج4 ص 323، الاعتصام بحبل اللہ المتین ج 5 ص 500 و ص 501 ، تفسیر الصافی ج 5 ص 161 ، نہج السعادۃ ج 4 ص 28 ، معجم البلدان ج2 ص 335، المواہب اللدنیہ ج1 ص 149 ، بہجۃ المحافل ج1 ص 188 و 400 المصنف ابن ابی شیبہ ج 15 ص 69 ، تفسیر ثعالبی ج4 ص 298 و منہاج البراعہ ج 5 ص 106(مؤخر الذکر کتاب کا اردو ترجمہ بھی میرے والد محترم کے قلم سے منظر عام پر آ رہا ہے_مترجم)_ (2) حد ایک فقہی اور شرعی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ (قتل کے علاوہ) ایسا جرم جس کی سزا کی حد شریعت میں مقرر کی گئی ہو مقرر نہ ہو تو تعزیرات جبکہ قتل یا اس جیسے معاملے میں بدلے کو قصاص اور اس کی قیمت کو دیت کہتے ہیں _

حالانکہ وہ بھی بدری صحابی تھا" حلبی نے یہ بھی کہا ہے: "کتاب خصائص الصغری میں شرح جمع الجوامع سے منقول ہے کہ دوسروں کے فسق کا موجب بننے والے افعال کے ارتکاب سے کوئی بھی صحابی فاسق نہیں ہوگا " [1] _

اسی طرح آنحضرتﷺ سے یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ جنگ بدر میں شرکت کرنے والا کوئی بھی شخص ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا [2] _

لیکن ہم کہتے ہیں کہ :

اس صورت میں تو اگر کوئی بدری (بلکہ کوئی بھی)صحابی شراب پیتا رہے ، کسی سے بلکہ محارم سے زنا بھی کرتا رہے نماز ترک کردے، کسی بھی واجب پر عمل نہ کرے اور کسی بے گناہ کو قتل کردے (جیسا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں انہوں نے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کیا تھا نیز دسیوں بے گناہوں کو چوری چھپے، دن دیہاڑے، دھوکے سے یا قید کرکے قتل کیا گیا تھا)_ غرض کوئی بھی کبیرہ گناہ ان سے نہ چھوٹنے پائے تب بھی انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا _ وہ ان کے فاسق ہونے کا باعث نہیں ہوں گے_ وہ نہ تو کسی سزا کے مستحق ہوسکتے ہیں اور نہ انہیں ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنے کی کوئی ضرورت ہے _

یہ بھی کہتے چلیں کہ اس صورت میں عبداللہ بن ابی کو بھی بخشا ہوا ہونا چاہئے _ کیونکہ بعض روایتوں کے مطابق اس نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا[3]_

اور اگر اہل بدر کے بارے میں یہ باتیں صحیح ہوں تو پھر بدریوں پر کسی فریضے کی پابندی اور احکام شریعت کے وجوب کا پھر کوئی معنی نہیں رہتا _ تو پھر وہ اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈال کر کیوں تھکائیں ؟ جبکہ انہیںجنت کی ضمانت دی گئی ہے بلکہ وہ حاصل ہوچکی ہے _ اب انہیں دنیاوی زندگی اور اس کی لذتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے چاہے وہ حلال ہوں یا حرام پھر اس میں کوئی فرق نہیں رہے گا_

---

1)سیرہ حلبیہ ج 2 ص 203 و 204 نیز ملاحظہ : ہو فتح الباری ج 7 ص 237 و 238_

2) فتح الباری ج7ص 237 اور اس کی سند مسلم کے معیار کے مطابق صحیح ہے _

3)سیرہ حلبیہ ج1 ص 335 _

لیکن حق سے دفاع میں ناکثین ، قاسطین اور مارقین کے باطل اور گمراہ فرقوں سے حضرت علی علیہ السلام کی جنگ کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق فرامین اور پیشین گوئیوں کو ان لوگوں نے جان بوجھ کر طاق نسیان کے سپرد کردیا اور یہ کہنے لگے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ان سے جنگ اور ان کا قتل ، خونریزی میں ان کی جرات ، بے باکی اور جسارت کی وجہ سے تھا اور اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ انہوں نے یہ سن رکھا تھا کہ خدا نے اہل بدر کو کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں انہیں کوئی سزا نہیں ملے گی [1]؟

لیکن پھر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بدریوں کو دنیا میں کیوں سزا ملے گی ؟ جبکہ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے عمر بن خطاب کو مشرکوں پر مسلمانوں کا راز برملا کرنے کی کوشش کرکے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیانت کے مرتکب ہونے والے حاطب کو یہ کہہ کر سزا دینے سے منع کردیا تھا کہ یہ اہل بدر سے ہے ؟_ جب خدا نے بدریوں کو ہر چیز سے معاف کررکھا ہے تو انہیں دنیا میں کیوں سزا ملے گی ؟ کیا اس صورت میں انہیں سزا دینا بلا سبب نہیں ہوگا؟ جب وہ کسی گناہ یا غلطی کے مرتکب ہوتے ہی نہیں تو پھر انہیں سزا کیسی؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب حلبی نے دیکھا کہ عمر ، قدامہ پر حد جاری کررہے ہیں تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ بدریوں کو دنیاوی سزا معاف نہیں ہوئی _ اور اگر عمر کا یہ واقعہ نہ ہوتا تو ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حاطب کی سزا معاف کرنے کو دلیل بناکر ان کی دنیاوی سزا بھی معاف کردی جاتی اور چونکہ انکی فقہ اور شریعت کے احکام کا دارومدار جناب عمر کی ذات ہے اس لئے ضروری تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے قول ، فعل اور تقریر [2] یعنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کرکے جناب عمر کے افعال و اقوال پر احکام شریعت کی بنیاد رکھی جاتی (اور اس کے مطابق سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجیہ کی جاتی) حلبی نے یہ سارے احکام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف سے اخذ کئے ہیں جس میں " شاید" کا لفظ آیا ہے _ کاش کسی طریقے سے مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ اگر اسے ایسی حدیث مل جاتی جس میں قطعیت کے ساتھ ان کی مغفرت کا ذکر ہوا ہے تووہ اس سے کتنے احکام استنباط کرتا؟

---

1) ملاحظہ ہو : صحیح بخاری ج9 ص 23 طبع مشکول ، فتح الباری ج7 ص 238، الغارات ج2 ص 568 و 569 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج4 ص 100_ اور چاہے وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی دختر کو اذیت بھی کرتے رہیں انہیں کچھ نہیں ہوگا_ (2)تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی فعل انجام دے یا کوئی بات کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور کوئی رکاوٹیں بھی نہ ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے منع نہ فرمائیں تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عمل پر راضی ہیں اور یوں وہ عمل ایک شرعی حکم کی حیثیت حاصل کرجاتاہے_

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل بدر کے لئے مغفرت والی حدیث میں(اگر صحیح بھی مان لیں تو) یقینا "اعملوا ماشئتم " (جو جی میں آئے کرو) کا جملہ ہرگز نہیں ہے _ بلکہ ان کی بخشش ان کے سابقہ گناہوں کی بہ نسبت ہوگی _ اور اگر اس میں یہ فقرہ ہوگا بھی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ " اپنے اعمال کا از سر نوجائزہ لو کہ تمہاری سزا و جزا کا دارومدار تمہارے آئندہ کے اعمال ہوں گے" یہ مطلب نہیں ہوگا کہ ان کے آئندہ کے بھی تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں_ لیکن اگر اس حدیث میں " اعملوا ما شئتم" کا فقرہ موجود ہوتا اور اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تمہارے آئندہ کے بھی تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو اس حدیث اور اس بات کو دلیل بناکر قدامہ عمر پر اعتراض کرسکتا تھا تا کہ اس حد سے چھٹکارا پاسکے _ نیز وہ حاطب کے ساتھ رسول ﷺ خدا کے موقف کو بھی بطور دلیل پیش کرسکتا تھا_ بلکہ خود عمر پر بھی اتنے واضح اور مشہور نبوی ﷺ حکم کی مخالفت بھی نہایت دشوار ہوتی [1] اس کے علاوہ نبی ﷺ کریم سے مذکورہ فقرہ منسوب کرکے اس کی نشر و اشاعت زیادہ تر سیاسی مفادات کے پیش نظر کی گئی _ اس لئے بہت احتمال یہی ہے کہ اس حدیث کو مذکورہ معنی میں پھیلانے میں سیاست کا ہاتھ تھا_

اہل بدر سے بھی افضل لوگ ؟

تاریخ میں ملتاہے کہ سعد بن ابی وقاص جنگ مدائن میں اپنے لشکر کو اہل بدر سے افضل قرار دیتے ہوئے کہتاہے: " بخدا یہ لشکر امین ہے _ اور اگر اہل بدر کے متعلق انتہائی باتیں نہ ہوچکی ہوتیں تو خدا کی قسم میں یہ کہتا کہ یہ لشکر اہل بدر سے بھی بافضیلت ہے کیونکہ بدریوں سے ناقابل بیان کرتوت سرزد ہوئے لیکن میں نے اس لشکر سے کوئی ایسی ویسی بات نہیں سنی اور نہ ہی میرے خیال میں آئندہ کوئی بات ہوگی " [2] _ بلکہ کعب بن مالک تو بیعت عقبہ کی رات کو جنگ بدر اور بدریوں سے زیادہ بافضیلت قرار دیتا ہے گرچہ واقعہ بدر لوگوں میں بیعت عقبہ سے زیادہ مشہور ہے [3]

---

1) عدالت صحابہ کے نظریئے متعلق ملاحظہ ہو ہماری کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ والاسلام " ج2_

2)حیاۃ الصحابہ ج3 ص 758 از تاریخ طبری ج3 ص 138_

3)البدایہ والنہایہ ج5 ص 23 از بخاری ، ابوداؤد نسائی و غیرہ ، ٹکڑے ٹکڑے اور اختصار کے ساتھ ، ترمذی نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے ، بیہقی ج9 ص 33 ، حیاۃ الصحابہ ج1 ص 475 از گذشتہ منابع واز الترغیب والترہیب ج4 ص 366_

یہ تو ان کے نزدیک جنگ بدر کی شان اور وقعت ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے بدریوں کے علاوہ کسی اور کے لئے جنت واجب نہیں کی ہے _ کیونکہ دوسرے لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے بخشوانے اور جنت پہنچانے کی وہ کوشش کرتے یا اس دور کی سیاست اس کے اسلام ، قرآن اور انسانیت مخالف اعمال اور کردار کی توجیہ اور پردہ پوشی کرنے کی کوشش کرتی_ حالانکہ سعد بن ابی وقاص کی مذکورہ روایت کے مطابق اہل بدر میں سے بعض ایسے بھی تھے جن سے ایسے ایسے ناقابل بیان برے کرتوت سرزد ہوئے جن کی وجہ سے ان کی شان اور قدر گھٹ گئی تھی اور اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگیاتھا_ اور سعد بن ابی وقاص اس بات میں سچا بھی ہے کیونکہ اکثر بدریوں سے ایسے ایسے عجیب و غریب کرتوت سرزد ہوئے جو ناقابل بیان بھی ہیں اور یہاں ان کے بیان کی گنجائشے بھی نہیں ہے_

ابن جوزی اور بدریوں کے مغفرت والی حدیث

بدریوں کے مغفرت والی حدیث پر ابن جوزی نے جو حاشیہ لکھا ہے وہ بھی نہایت تعجب خیز ہے _ وہ لکھتاہے : " اس غلط فہمی سے اور وہ بھی علم کا دعوی کرنے والے افراد کی طرف سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں _ احمد نے اپنی کتاب مسند میں روایت کی ہے کہ ابوعبدالرحمن سلمی اور حیان بن عبداللہ کا آپس میں جھگڑا ہوگیا تو ابوعبدالرحمن نے حیان سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ کس بات نے تمہارے بزرگ (یعنی حضرت علی عليه‌السلام) کو اس جنگ پر تیار کیا ہے _حیان نے پوچھا کہ وہ کونسی بات ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم خدا کا یہ فرمان ہے کہ " شاید خدا اہل بدر (کے دلوں کے حال) سے واقف ہے _ جو جی میں آئے کرو کہ تمہیں بخش دیا گیا ہے" _ اور یہ غلط فہمی ابوعبدالرحمن کی تھی کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت علی عليه‌السلام صرف اس لئے لڑرہے تھے اور لوگوں کو قتل کررہے تھے کہ اس مذکورہ حدیث کی وجہ سے انہیں اپنے بخشے جانے کا یقین تھا_ سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہئے کہ حدیث کا اصل معنی یہ ہے کہ " تمہارے گذشتہ اعمال جو بھی تھے ، اب انہیں بخش دیا گیا ہے " لیکن آئندہ کے اعمال کی بخشش کا اس حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں ہے_ بہر حال بدری اصحاب معصوم تو پھر

بھی نہیں ہیں _ بالفرض نعوذ باللہ اگر کوئی بدری مشرک ہوجائے تو کیا اس کا مؤاخذہ (پکڑ) نہیں ہوگا؟ دوسرے گناہ بھی اسی طرح ہیں ، ان کی بھی پکڑ ہوگی _ پھر اگر یہ کہیں کہ اس حدیث میں آئندہ کے گناہوں کی بخشش بھی شامل ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آخر کار ان کا انجام بخشش کے ساتھ ہوگا (یعنی انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوگی)_

پھر اگر حدیث کے معنی کو چھوڑ کر اس واقعہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ کوئی مسلمان حضرت علی عليه‌السلام کے حق میں یہ کیسے سوچ سکتاہے کہ وہ اس یقین کے ساتھ کوئی ناجائز کام کریں گے کہ وہ بخش دیئے جائیں گے ؟ معاذاللہ_ بلکہ حضرت علی عليه‌السلام نے دلائل کے ساتھ مجبورا جنگ کی تھی_ پس حضرت علی عليه‌السلام حق پر تھے _ اور سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی عليه‌السلام نے جس شخص کے ساتھ بھی جنگ کی ہے حق کی بنیاد پر کی ہے اور حق حضرت علی عليه‌السلام کے ساتھ تھا_ مذکورہ بات حضرت علی عليه‌السلام سے کیسے منسوب کی جاسکتی ہے جبکہ رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم خدا نے ان کے متعلق فرمایا تھا: " خدایا حق کو بھی ادھر ہی لے جا جہاں جہاں علی عليه‌السلام جائے"_

ابوعبدالرحمن نے نہایت غلط او ربری بات کہی ہے _ اور اس نے یہ بات حضرت علی عليه‌السلام کے دشمن اور عثمانی مذہب ہونے کی وجہ سے بھڑک کر کہی ہے" (1)

ناکام واپسی

بہر حال ، مشرکوں کا لشکر لٹاپٹا اور نہایت بری حالت میں مکہ واپس پہنچا _ وہ غیظ و غضب کی وجہ سے سخت بپھرے ہوئے تھے لیکن ابوسفیان نے انہیں اپنے مقتولین پر گریہ و زاری کرنے اور شاعروں کو بھی مرثیہ کہنے سے روک دیا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہوکر جھاگ کی طرح بیٹھ جائے،مسلمانوں کے خلاف ان کا کینہ کم ہوجائے اور ان کے غم و اندوہ کی خبر مسلمانوں تک پہنچ جائے جس کی وجہ سے وہ انہیں برا بھلا کہہ سکیں اور ان پر ہنس سکیں_ اور ابوسفیان نے اپنے اوپر رسول صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم خدا حضرت محمد صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم سے دوبارہ بھرپور جنگ کرنے

---

1)صید الخاطر ص 385_

تک خوشبو اور عورتوں کے ساتھ قربت حرام کررکھی تھی_ اور اس کی بیوی ہندہ نے بھی یہی کام کیا_ اس نے بھی اپنا بستر علیحدہ کرلیا تھا اور خوشبوؤں سے دوری اختیار کرلی تھی_ اور جب مشرکین اس جنگ سے بے نیل و مرام لوٹے تو انہوں نے قافلہ والوں سے یہ مطالبہ کیا کہ انہیں بھی اس مال میں حصہ دار کیا جائے اور اس سے ان کی مدد کی جائے _ جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ)

کافر لوگ خدا کے راستے (دین) سے لوگوں کو روکنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں _ وہ عنقریب پھر بھی مال خرچ کریں گے لیکن انہیں پھر بھی حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا _

البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت جنگ بدر میں لشکریوں کو کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اونٹ نحر کیا کرتے تھے جن کاتذکرہ پہلے گذر چکاہے _ اور شاید یہ بات آیت کے مفہوم کے زیادہ مناسب ہو_

کامیاب واپسی

ادھر رسول ﷺ - خدا نے اپنی واپسی سے پہلے آگے آگے ایک شخص کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ مدینہ والوں کو مسلمانوں کی واضح کامیابی کی خوشخبری سنائے _ پہلے پہل تو کچھ لوگوں نے اس پر یقین نہ کیا لیکن جب ان کے لئے بھی ثابت ہوگیا کہ یہ بات بالکل سچی ہے تو مؤمنین بہت خوش ہوئے اور خوش دلی اور خوشحالی سے رسول ﷺ خدا کا استقبال کیا _ مورخین کہتے ہیں کہ وہ خوشخبری دینے والا زید بن حارثہ تھا_ لیکن لوگوں نے اس کی باتوں پریقین نہیں کیا بلکہ اس کےبیٹے اسامہ سے علیحدگی میں پوچھا تو تب انہیں اس بات کا یقین ہوا_لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اس وقت اسامہ ایک بچہ تھا جس کی عمر اس وقت دس برس سے زیادہ نہیں تھی_

مدینہ کے رستے میں رسول ﷺ خدا کہیں مسلمانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تو مسلمان وہیں رک گئے ، تھوڑی دیر بعد آنحضرتﷺ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ وہیں تشریف لائے _ مسلمانوں نے آپﷺ سے پوچھا: " یا رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے گئے تھے؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا : " راستے میں علی علیہ السلام کے پیٹ میں درد ہوگیا تھا، اس

کی وجہ سے میں پیچھے رہ گیا تھا" (1)_ یہ بھی کہا جاتاہے کہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم مدینہ اس وقت پہنچے جب لوگ جناب عثمان کی زوجہ کی تدفین میں مصروف تھے البتہ اس بارے میں گفتگو انشاء اللہ بعد میں " بدر اور احد کے درمیانی زمانے میں واقعات " کی فصل میں ہو گی_

اور آپ صلى الله عليه وآله وسلم کے مدینہ پہنچنے کے ایک دن بعد قیدی بھی مدینہ پہنچے جنہیں آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردیا اور انہیں یہ سفارش کی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو یہاںتک کہ مکہ والے ان کا فدیہ دے کر انہیں اپنے ساتھ لے جائیں _ پھر آپ صلى الله عليه وسلم نے نجد کی طرف والے مدینہ کے بالائی حصے کی طرف عبداللہ بن رواحہ کو اور تہامہ کی طرف والے زیریں حصے والوں کی طرف زید بن حارثہ کو بھیجا جو انہیں جاکر واضح کامیابی کی خوشخبری سنائیں _ مدینہ کے بالائی حصے میں بنی عمرو بن عوف ، خطمہ اور وائل و غیرہ کے قبیلے بستے تھے(1)_

جنگ بدر کے بعض نتائج

اتنی ڈھیر ساری باتوں میں جنگ کے کچھ نتائج بیان ہوچکے ہیں _ اس لئے ہم یہاں کسی طویل گفتگو کے خواہاں نہیں ہیں_ صرف مندرجہ ذیل چندنکات کی صورت میں ایک سرسری نگاہ پر اکتفا کرتے ہیں :

1 _ زندگی سے پیار کرنے والے مشرکوں پر جنگ بدر میں روحانی لحاظ سے حقیقتا کاری ضرب لگی _ اور وہ حد سے زیادہ ڈرپوک ہوگئے _ اب مشرکین یہ دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں کے ساتھ ان کی زندگی بالکل خطرے میں پڑچکی ہے_ اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی بعد والی جنگوں پر اس خوف اور ڈر کا ایک ناقابل انکار اثر پڑا_ کیونکہ طبیعتاً ہٹ دھرم بزدل آدمی اپنی جان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے حد سے زیادہ احتیاط کا قائل ہوتاہے_ اسی بناپر قریش اپنی بعد والی جنگوں میں بہت زیادہ احتیاط، دقت ، تمرکز، تعداد اور تیاری کے ساتھ میدان میں اترتے تھے تا کہ وہ اس تحریک کو ہی نیست و نابود کرکے

---

1) سیرہ حلبیہ ج2 ص 188_

2)ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج1 ص 382_

رکھ دیں جو ان کے مفادات اور علاقے میں ان کے معاشرتی ، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور دیگر امتیازات کے لئے خطرہ بن ہوئی تھی_

2_ دوسری طرف اس جنگ سے مسلمان ذہنی لحاظ سے طاقتور ہوگئے _ اور ان کی ظاہری خود اعتمادی دوبارہ لوٹ آئی اور اس غیر متوقع کامیابی نے اس چیز (یعنی جنگ) کا سامنا کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جس کے خیال اور تصور سے بھی کل تک وہ لوگ کانپتے تھے یہ کامیابی تو اتنی بڑی تھی کہ بعض انصاریوں کے لئے اس کی تصدیق تک بھی بہت مشکل تھی _ ہاں اس کامیابی نے مسلمانوں کے ایمان ، یقین اپنے دین اور نبی پر اعتماد میں اضافہ کیا ، خاص طور پر جب مسلمانوں نے مشرکوں کو پہنچنے والے خسارے کا مشاہدہ کیا تو ان کا یقین اور اعتماد مزید بڑھ گیا _

3 _ اس جنگ سے ملنے والے مال غنیمت نے ان کے بہت سے گھرے مالی مشکلات حل کردیئے اس کے ساتھ ساتھ بہت سے لالچیونکو بھی جنگوں میں حصہ لینے پر اکسایا بلکہ اب تو وہ اس طرح کے دوسرے موقع کے انتظار میں رہنے لگے تھے تا کہ زیادہ سے زیادہ مال غنیمت ہتھیاسکیں_

4_ اس جنگ نے دوسروں کی نگاہ میں مسلمانوں کی ایسی دھاک بٹھادی کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات نقش ہوگئی کہ مسلمان ایک پر اثر اور فعال کردار ادا کرنے والی طاقت ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری تھا_ دوسرے قبیلے مسلمانوں سے ڈرنے لگے تھے اور ان کی دوستی کے خواہشمند نظر آنے لگے تھے_ اب ان کے لئے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کا توڑنا نہایت مشکل نظر آرہا تھا_ بلکہ یہ کامیابی تو ان کے لئے دوسری کامیابیوں کی توقعات بھی ساتھ لائی تھی _ حتی کہ یعقوبی جنگ بدر کے صرف چار ماہ بعد پیش آنے والے جنگ ذی قار کے بارے میں لکھتاہے:

" اور خدا نے اپنے نبی ﷺ کو عزت بخشی اور قریش کے کئی آدمی مارے گئے اور عربوں نے آنحضرتﷺ کی طرف اپنے وفود بھیجے اور کسری کی فوج کے ساتھ بھی ان کی ٹکر ہوگئی اور یہ واقعہ ذی قارمیں پیش آیا تو انہوں نے کہا کہ تمہیں تہامی (انصاریوں) کا نعرہ لگانا چاہئے جس پر انہوں نے " یا محمد ﷺ ، یا محمد ﷺ " پکارنا شروع کردیا اور

کسری کی فوج کو شکست دے دی" [1] جس کے بعد طبیعی تھا کہ یہ بات قریش کی مسلمانوں کے خلاف دوسرے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوششوں پر اپنا اثر دکھاتی _ اور اس سے بہت سے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف اپنا ہم نوا بنانا اب تقریباً ناممکن ہوگیا تھا_

جنگ بدر کے نتائج سے نجاشی کی خوشی

جب جنگ بدر میں خدا نے مشرکوں کو شکست دی اور ان کے بڑوں اور سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا تو نجاشی کو بھی اپنے جاسوس کے ذریعے اس کا علم ہوگیا اور یہ خبر سننے کے بعد نجاشی بہت زیادہ خوش ہوگیا اور خدا کے اس شکرانے کی ادائیگی کے لیئے وہ نیچے خاک پر بیٹھا اور بوسیدہ کپڑے پہنے اور مسلمانوں کو بھی اس کا میابی پر مبارک باد دی [2]

آخری بات:

یہاں ہم یہ اشارہ بھی کرتے چلیں کہ یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ آنحضرتﷺ نے ملے جلے اور ناتجربہ کار لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ سب سے بڑی اور سرکش طاقت سے ٹکرلے کر اس پر کامیابی حاصل کی تھی_ اور ان لوگوں کو دینی رابطے کے علاوہ اور کوئی رابطہ اور تعلق یکجا نہیں کرسکتا تھا جبکہ ان کے سامنے ایک ایسی منسجم طاقت تھی جسے رشتہ داری، تعلق داری، مختلف معاہدوں اور مشترکہ مفادات نے اکٹھا کیا ہوا تھا_ اور یہ بات غیر طبیعی ہوتی ہے کہ چند مختلف اناڑی لوگوں کی ایک جماعت اس طاقت پر غلبہ پالے اور کامیاب ہوجائے جس کی حالت ان لوگوں کے بالکل برعکس ہو_ اسی لئے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے آنحضرتﷺ سے کہا : " اگر دوسری صورت (یعنی جنگ) کی خواہش کرتے تو میں ایسے چہرے اور چند اناڑی اور ناتجربہ کار لوگ دیکھ رہا ہوں کہ جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ نکلتے [3] اور ان جیسے لوگوں کے

---

1)تاریخ یعقوبی مطبوعہ صادر ج2 ص 46_

1)سیرہ نبویہ ابن کثیر ج2 ص 476 و 477_

2)المصنف ج5 ص 335_

متعلق ہی حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ شور شرابا کرنے والے اور فسادی ہوتے ہیں ، یہ لوگ جب اکٹھے ہوتے ہیں تو نقصان پہنچاتے ہیں اور جب الگ ہوجائیں تب نفع پہنچاتے ہیں [1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان چند اناڑی اور عام لوگوں کے ساتھ بہت بڑی طاقت سے جنگ صرف ایک دفعہ نہیں ہوئی تھی کہ یہ کہا جاتا کہ یہ محض اتفاقیہ کامیابی تھی جو بعض استثنائی حالات اور عوامل کے تحت حاصل ہوئی تھی بلکہ یہ صورت حال تو کئی سال تک رہی تھی اور شاید مندرجہ ذیل آیت بھی اسی بات کی طرف اشارہ کررہی ہے_

(و الف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم و لکن اللہ الف بینھم) [2]

اور خدا نے ان کے دلوں میںا لفت ڈال دی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کا سارا مال بھی خرچ کردیتے تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے لیکن خدا نے ان میں محبت پیدا کردی _

اہل بدر کے بارے میں معاویہ کا موقف

آخر میں یہ بھی کہتے چلیں کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اہل بدر کے بارے میں معاویہ نے سیاسی موقف اپنایا تھا_ اور یہ جنگ صفین میں واقعہ تحکیم کے وقت ہوا تھا_ جب اس نے ایک بدری صحابی کو حکم (تام الاختیار نمائندہ) ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا: " میں اہل بدر کے کسی شخص کو حکم نہیں مانتا" [3] اور شاید یہ انکار اس وجہ سے ہوکہ وہ یہ جانتا تھا کہ اہل بدر کی اکثریت شرعی احکام کی پابند ہے ، وہ خدا کی راہ میں پختہ ہیں اور دین میں کسی معاملے اور دھوکہ بازی کو قبول نہیں کریں گے _

اور بدر اور احد کے درمیانی زمانے کے واقعات پر گفتگو سے پہلے ان بعض موضوعات کے تذکرہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جو کسی نہ کسی لحاظ سے گذشتہ باتوں سے متعلق ہیں _ اور یہ گفتگو اگلی فصل میں ہوگی_

---

1)نہج البلاغۃ حصہ حکمت ص 199_

2)انفال / 63_

3)-انساب الاشراف ج3 ص 23_

پانچویں فصل:

سیرت سے متعلق چند باتیں

تمہید:

ہم نے قارئین سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ گذشتہ واقعات سے کسی نہ کسی لحاظ سے متعلق بعض ابحاث کا بعد میں ذکر کریں گے _ اور اب ایفائے عہد کا وقت آگیا ہے _ البتہ یہ ابحاث قارئین کی سرگرمی کے لئے پیش خدمت ہیں اور چاہے تھوڑا سا ہی سہی قارئین کو سیرت کی فضا اور سیرت کے بعد والے مختلف قسم کے واقعات سے دور لے جائیں گے تا کہ وہ ان ابحاث کا دقت سے مطالعہ کرے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتاہے کہ کوئی قاری ان ابحاث کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتاہے اس لئے ہم یہاں مندرجہ ذیل چار عناوین کا تفصیلی جائزہ لینگے _

1 _ شیعوں کی بعض خصوصیات_

2 _ جناب ابوبکر کی شجاعت_

3 _ ذو الشمالین کا قصہ اور نبی ﷺ کریم کے سہو، خطا، نسیان اور گناہ سے اختیاری طور پر معصوم ہونے پر دلائل_

4 _ خمس کے شرعی حکم کا سیاست سے تعلق_

پہلا عنوان

شیعیان علی عليه‌السلام کی بعض خصوصیات

غزوہ بدر میں ہم نے کہا تھا کہ آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے اپنے صحابیوں سے فرمایا تھا کہ مشرکین سے جنگ میں پہل نہ کریں _ اور ہم نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ امیر المؤمنین حضرت علی عليه‌السلام بھی اپنے اصحاب کو کسی جنگ میں پہل نہ کرنے کی تاکید کیا کرتے تھے_ مروی ہے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی عليه‌السلام نے اپنے صحابیوں میں یہ اعلان کیا تھا کہ کوئی شخص ابھی نہ تیر پھینکے گا ، نہ نیزے سے وار کرے گا اور نہ تلوار چلائے گا _ ان لوگوں سے جنگ کی ابتدا نہیں کرو بلکہ ان کے ساتھ نہایت نرمی کے ساتھ بات چیت کرو _ سعید کہتاہے : " دوپہر تک یہی صورتحال رہی _ یہانتک کہ دشمنوں نے یکبارگی " یا ثارات عثمان" کا نعرہ لگاکر یلغار کردی ..." اور حضرت علی عليه‌السلام نے جنگ صفین میں بھی یہی سفارش کی تھی [1]

جی ہاں یہ حقیقت ہے کہ :

1 _ یہ بات شیعوں کی علامت بن گئی _ کیونکہ وہ بھی کبھی دشمنوں سے جنگ کی ابتدا ء نہیں کرتے تھے _ جاحظ بائیں ہتھ کٹے کردویہ کے متعلق (جو ایک بہادر اورماہر لوہار تھا اور جس پر بھی کوئی وار کرتا تھا اس کا کام ہی تمام کردیتا تھا) کہتاہے: " کردویہ اپنی معذوری اور دلیری کے باوجود شیعوں والا کام کیا کرتا تھا_ کیونکہ وہ

---

1)سنن بیہقی ج8 ص 80 1 ، حیاۃ الصحابہ ج2 ص 503 از سنن بیہقی ، تذکرہ الخواص ص 72 و ص 91 ، الفتوح ابن اعثم ج3 ص 45 و ج 2 ص 490، انساب الاشراف با تحقیق محمودی ج2 ص 240 والمناقب خوارزمی ص 183_

خود کبھی بھی لڑائی شروع نہیں کرتا تھا بلکہ پہلے اس پروار کیا جاتا تھا" (1)

2 _ نبی ﷺ کریم نے جنگ بدر میں ابوعزت جمحی کو قید کیا لیکن پھر اس کی بیٹیوں کی وجہ سے اس پر احسان کرتے ہوئے اسے خمس دیا اور اس سے یہ وعدہ لے کر اسے آزاد کردیا کہ وہ نہ تو دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرے گا اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد اور حمایت کرے گا_ لیکن اس نے وہ عہد توڑ کر جنگ احد کے لئے دوسرے قبیلوں کو بھی اکٹھا کیا اور خود بھی شریک ہوا _ آخر کا رجب وہ گرفتار ہو اور معافی کا خواستگار ہوا تو آنحضرتﷺ نے اس کی بات سنی ان سنی کردی اور کوئی توجہ نہیں دی تا کہ کل مکہ میں وہ یہ کہتے ہوئے فخر اور غرور سے اچھل کود نہ کرے کہ اس نے (نعوذ باللہ) محمد ﷺ کو دو مرتبہ دھوکا دیا اور مسخرہ کیا _ اس کی تفصیل غزوہ حمراء الاسد میں بیان ہوگی _ انشاء اللہ

بہر حال اس بات سے آپ ﷺ نے بیدار اور چالاک مؤمن کے لیے ایک بہترین مثال پیش کی کہ وہ نہ تو دھوکا کھائیں، نہ فریب اور نہ ہی ان کا کبھی مذاق اڑایا جائے_ آپ ﷺ کا ایک مشہور و معروف فرمان ہے کہ "مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا" (2) اسی طرح معاویہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے محترم والدکے بارے میں بھی یہ گواہی دی ہے کہ یہ دونوں دھوکا نہیں کھاتے _ اس نے اس بات کا اعتراف عبید اللہ بن عمر کے سامنے ان الفاظ میں کیا تھا: "(حضرت) حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام ہرگز دھوکا نہیں کھاتے اور وہ اپنے باپ کے سپوت ہیں (یعنی بالکل اپنے باپ پر گئے ہیں)" (3) اور شیعیان علی علیہ السلام (4) نے اس خصوصیت اور صفت کو اپنے آقا و مولا سے وراثت میں پائی ہے اور انہوں نے بھی اپنے سرپرست اور مربی حضرت ختمی مرتبت رسول ﷺ خدا حضرت محمد مصطفی سے

---

1)البرصان والعرجان والعمیان والحولان جاحظ ص 333_ (2)مسند احمد ج2 ص115 و 373 و فیض الباری ج4 ص 396_

3)ملاحظہ ہو: الفتوح ابن اعثم ج3 ص 57_ (4) اس بات سے معلوم ہوتاہے کہ شیعیان علی علیہ السلام یا شیعیان حیدر علیہ السلام کرار کی اصطلاح صدر اسلام سی ہی معروف تھی بلکہ شیعہ علی کے ساتھ ساتھ شیعہ معاویہ اور شیعہ عثمان و غیرہ کی اصطلاحیں بھی مشہور تھیں لیکن رفتہ رفتہ وہ اصطلاحیں معدوم ہوتی گئیں لیکن شیعیان حیدر کرار نے اپنے امام سے دلی لگاؤ کی وجہ سے اس نام کو محفوظ رکھا _ اس بناپر مولانا شرف الدین موسوی جیسے بعض لوگوں کا شیعوں کی حیدر علیہ السلام کرار اور اثنا عشری یا دوازدہ امامی میں تقسیم اور ان کی اچھی بری صفات سب غلط ہیں اس کی تفصیل کسی اور مقام پر آئے گی_

وراثت میں پائی تھی _ اس لئے انہیں دوسری نادر اور بلند صفات کے ساتھ ساتھ دور اندیشی اور ذہنی بیداری کے ساتھ بھی پہچانا جاتا تھا_ اپنی اس بات پر دلیل کے لئے ہم تنوخی کی یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ کوئی شخص حسن بن لو لو کو دھوکہ دینا چاہتا تھا اور اس کے ساتھ مکاری کرنا چاہتا تھا تو اس نے اس سے کہا : "کیا مجھ بغدادی ، باب طاقی، پڑھے لکھے، صاحب حدیث ، شیعی، چالاک اور سخت دشمن کو دھوکہ دینا چاہتاہے ؟" [1]

3_ شیعہ اپنے دینی امور میں باریک بینی اور پابندی میں بھی بہت مشہور ہیں _ اسد بن عمرو " واسط" کا قاضی (جج) تھا_ وہ کہتاہے: " مجھے واسط کا قبلہ بہت ٹیڑھا محسوس ہوا اور تحقیقات سے مجھ پر واضح بھی ہوگیا تو میں نے اسے موڑ دیا اور صحیح کردیا_ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ رافضی ہے _ لیکن ان سے کسی نے کہا کہ نامرادو یہ تو ابوحنیفہ کا پیروکار ہے ، یہ رافضی کیسے ہوگیا ؟ " [2]_ اسی کتاب کی پہلی جلد میں بتاچکے ہیں کہ جاحظ نے کہا تھا کہ بنی امیہ نے واسط کا قبلہ تبدیل کردیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے خیال میں قبلہ کی تبدیلی ان کی بہت بڑی غلطی تھی [3]_

اور ہم نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ بنی امیہ نے بظاہر قبلہ کا رخ بیت المقدس کی طرف موڑدیا تھا_ کیونکہ عبدالملک نے "صخرہ" پر ایک قبہ (گنبد) تعمیر کیا تھا اور لوگوں کو اس کے حج کا حکم دیا تھا نیز اس کے گرد طواف ، سعی ، نحر اور حج کے دیگر مناسک کا بھی حکم دیا تھا_ اور ہم نے وہاں یہ بھی کہا تھا کہ صرف عراقیوں کے لئے قبلہ (خانہ کعبہ) سے تھوڑا سا بائیں موڑنے کا استحباب بھی اسی وجہ سے ہونا اور اس حکم کا وقتی ہونا زیادہ قرین قیاس لگتاہے _ تا کہ اس ظالم و جابر اور غاصب حکومت کے مقابلے میں مومنین زیادہ تکلیف میں مبتلا نہ ہوں_

4 _ شیعہ اپنی عورتوں کے معاملے میں بہت زیادہ غیرت [4] کے لحاظ سے بھی مشہور تھے_

اسی لئے زکریا قزوینی مدائن والوں کے بارے میں یہ کہتاہوا نظر آتاہے : " مدائن کے لوگ کاشتکار اور

---

1) نشوار المحاظرات ج 5ص 13 و ص 14 والمنتظم ابن جوزی ج7 ص 140_ (2)تاریخ بغداد ج 7 ص 16 و نشوار المحاضرات ج 6 ص 36_

3)رسائل الجاحظ ج 2 ص 16 نیز ملاحظہ ہو اسی کتاب کی پہلی جلد_

4)البتہ اس غیرت میں طالبانی تشدد کا عنصر نہیں ہوتا تھا، بلکہ صحیح مذہبی شیعہ عورتوں کی ذہنیت ہی یہی ہوتی ہے_

شیعہ امامیہ ہیں اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ ہے کہ ان کی عورتیں دن میں کبھی باہر نہیں نکلتیں " (1)

اور یہ صفت آج بھی ایران کے بعض شہروں میں موجود ہے _ بعض اہل علم حضرات نے مجھے کہا ہے کہ تبریز شہر کے ذیلی قصبہ خسرو شاہ میں دن میں کبھی کوئی عورت نہیں دکھائی دے گی شاید اکاد کا کوئی نظر آجائے تو آجائے وگرنہ نہیں ہے _ اور یہ کام وہ اپنی آقازادی حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا (س) کی پیروی میں کرتے ہیں _ کیونکہ وہ بھی کسی دینی سیاسی معاملے اور حق کے اثبات جیسے کسی نہایت ضروری کام کے علاوہ دن کو باہر بالکل نکلتی ہی نہیں تھیں_(2)

5 _ حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھی اس بات میں مشہور تھے کہ وہ حاکموں اور دولت مندوں پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے اور ان پر چڑھائی کردیا کرتے تھے اور اس بات کو وہ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے(3)_ اور یہی تو شیعہ مذہب کی صفت اور شیعوں کا عقیدہ ہے جبکہ دوسرے اس معاملے میں خاموشی اور اطاعت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں _

6 _ حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ وہ صحیح معنوں میں کٹر مذہبی افراد تھے (4) یعنی دین کے معاملے میں ہ بہت سخت تھے _ حتی کہ یہی بات ان پر تنقید کا باعث بنتی تھی_

7 _ شیعوں پر حکام کے ظلم و جبر اور استبداد کے باوجود بھی بغداد میں شیعہ خوشحال تھے (5) _بظاہر ان کی خوشحالی اس وجہ سے تھی کہ وہ حکام کے استبداد اور غصب کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے_ پس وہ ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کیا کرتے تھے، مشکلات حل کیا کرتے تھے اور معاملات نبٹا دیا کرتے تھے_

---

1)آثار البلادو اخبار العباد ص 453_

2)اور آج کل ایران کی صورتحال تو نہیںمعلوملیکن بر صغیر پاک و ہند کی صحیح معنوں میں مذہبی اور دین دار خواتین آج بھی کسی ضروری کام کے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں رکھتیں_

3)البدایہ والنہایہ ج8 ص 54 از ابن جریر و غیرہ _

4)ایضا_

5)احسن التقاسیم ص 41_

8_ اچھی شہرت بھی شیعوں کی ایک خصوصیت تھی [1] جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا سلوک نہایت بہترین نیز کردار اور تعلقات و غیرہ بھی اسلامی تقاضوں کے عین مطابق معتدل تھے_

9_ شیعوں کی ایک خصوصیت نماز کی اول وقت میں پابندی بھی ہے _ اور اس بات پر مامون کا يحيي بن اکثم کے ساتھ ایک واقعہ بھی دلالت کرتاہے جس کے آخر میں مامون نے يحيي بن اکثم سے کہا تھا: " شیعہ تو مرجئہ سے بھی زیادہ نماز کو اول وقت میں پڑھنے کے پابند ہیں "[2] لیکن دوسرے لوگوں کے بارے میں امام مالک ،قاسم بن محمد کا یہ قول روایت کرتاہے کہ میں نے ان لوگوں کو ہمیشہ ظہر کی نماز مغرب کے نزدیک نزدیک پڑھتے ہوئے دیکھا ہے [3] اور جاحظ کہتاہے: " او ر بنی ہاشم کو بنی امیہ پر یہ فخر حاصل ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کو تباہ نہیں کیا قبلہ تبدیل نہیں کیا ، رسولﷺ کو خلیفہ سے کم تر نہیں سمجھا، اصحاب کو قتل نہیں کیا اور نماز کے اوقات اور تعداد میں تبدیلی بھی نہیں کی " [4]

10_ علم اور فقہ بھی شیعوں کی خصوصیات میں سے ہیں_

11_ مہربانی اور سخاوت بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے _ اس بارے میں ایک واقعہ ذکر ہوا ہے کہ جن دنوں عبداللہ بن زبیر مکہ میں تھا ان دنوں عبداللہ بن صفوان نے عبداللہ بن زبیر کے پاس آکر کہا: " میری حالت اس شعر کی طرح ہورہی ہے :

فان تصبک من الایام جائحۃ

لا ابک منک علی دنیاولا دین

اگر کبھی تم پر زمانے کی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو دین اور دنیا پر تم سے زیادہ رونے والا کوئی اور نہیں ہوگا_

---

1)ایضا _

2)الموفقیات زبیر بن بکار ص 134 و ملاحظہ ہو : عصر المامون ج1 ص 445_

3)مؤطا امام مالک (مطبوعہ با تنویر الحوالک) ج1 ص 27_

4)آثار الجاحظ ص 305 ،اس بات سے یہ بھی معلوم ہوجاتاہے کہ لوگ اپنے اموی بادشاہوں سے کتنے متاثر تھے_

تو اس نے کہا : " ہوا کیا ہے لنگڑے بتاؤتو؟ " اس پر اس نے کہا : " یہ عبداللہ بن عباس لوگوں کو علم فقہ کی تعلیم دے رہا ہے اور اس کا بھائی عبیداللہ بھوکوں کو کھانا کھلارہا ہے_ دونوں کام تو وہ کررہے ہیں _ تمہارے لئے اب کیا رہ گیا ہے ؟ " _اس نے یہ بات ذہن نشین کرلی اور اپنی پولیس کے ایک سپاہی عبداللہ بن مطیع کو یہ کہہ دونوں بھائیوں کے پاس بھیجا کہ عباس کے دونوں بیٹوں کے پاس جاکر ان سے کہو : " جس ترابی (شیعیت کے) جھنڈے کو خدا نے سرنگوں کردیا تھا اسے پھر تم لوگ دوبارہ لہرانے پر لگے ہو؟ اپنا یہ مجمع متفرق کرو اور بوریا بستر سمیٹو وگرنہ میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ یادگار رہے گا" اس نے جب یہ پیغام جاکر پہنچایا تو ابن عباس نے کہا : " تیری ماں تیرے غم میں روئے بخدا ہمارے پاس صرف دو قسم کے لوگ آتے ہیں یا تو طالب علم و فقہ ہوتے ہیں یا پھر طالب فضل و بخشش _ تو کسے ہمارے یہاں آنے سے روکنا چاہتا ہے ؟" تو اس موقع پر ابو طفیل نے کہا :

لا درّ درّ اللیالی کیف تضحکنا ---- منها خطوب اعاجیب و تبکینا

و مثل ما تحدث الایام من غیر ---- یا ابن الزبیر عن الدنیا تسلینا

کنا نجی ابن عباس فیقبسنا ---- علماً و یکسبنا اجرا و یهدینا

جفانه مطعما ضیفا و مسکینا ---- فالبر والدین و الدنیا بدارهما

و لا یزال عبید الله مترعه ---- ننال منها الذی نبغی اذا شین

ان النبی هو النور الذی کشفتبه ---- عما یات باقینا و ما ضینا

و رهطه عصمة فی دیننا و لهم ---- فضل علینا و حق واجب فینا

و لست فاعلمه اولی منهم رحماً ---- یا ابن الزبیر و لا اولی به دینا

ففیم تمنعهم عنا و تمنعنا

عنهم و تؤذیهم فینا و تؤذینا

لن یؤتی الله من اخزی ببغضهم

فی الدین عزاوفی الارض تمکینا[1]

---

1) الاغانی طبع ساسی ج 13 ص 168 نیز انساب الاشراف ج 3 ص 32_

اے ابن زبیر تمہارا برا ہوا اور کبھی چین سے رات نہ گذرے تمہارے عجیب و غریب مطالبے ہمیں ہنساتے بھی ہیں اور رلاتے بھی ہیں _ کبھی تمہیں بھی یہ دن دیکھنے پڑیں گے جس طرح روزگار نے ہمارے ساتھ ستم کیا ہے اور ہماری تسلی کا سامان بھی فراہم نہیں کیا _ ہم عبداللہ ابن عباس کے پاس کسب علم کے لئے جایا کرتے تھے اور وہ بھی ہمارے لئے علم کی شمع جلاتے تھے، ہمیں ثواب کمانے کا موقع دیتے تھے اور ہماری ہدایت کرتے تھے_ اور مہمانوں اور مسکینوں کو کھلانے پلانے کے لئے عبیداللہ کے برتن ہر وقت بھرے ہوئے اور تیار رہتے تھے _ اس بناپر احسان، دین اور دنیا سب کچھ ان دونوں کے گھروں میں جمع ہوگیاتھا اور ہم جب بھی جتنا بھی اور جو کچھ چاہتے تھے ہمیں یہیں سے مل جایا کرتا تھا _ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم ایسا نور ہیں جن کے ذریعہ ہمارے اگلوں پچھلوں کی آنکھیں منور ہوگئیں_ اور اس کا خاندان ہمارے دین کو بچانے والے ہیں اس لئے وہ ہم پر فضیلت رکھتے ہیں اور ہماری گردن پر ان کا حق ہے _ اے زبیر کے بیٹے تو نہ تو رشتہ داری کے لحاظ سے ان سے بہتر ہے اور نہ دین داری کے لحاظ سے _ پھر تو کس برتے پر ہمیں ان سے اور انہیں ہم سے ملنے سے روک کر انہیں ہماری بارے میں اور ہمیں ان کے متعلق پریشان کررہاہے_ جو لوگ اپنے بغض اور کینے کی وجہ سے رسوا ہوچکے ہیں خدا انہیں دین میں عزت اور زمین میں دلوں پر حکومت اور سکون کبھی نہیں دیتا_ پس عبداللہ بن زبیر علم اور سخاوت کے جھنڈوں کو ترابی (شیعیت کا) جھنڈا سمجھتا ہے جس کے علمبردار شیعیان ابوتراب حضرت علی علیہ السلام ہیں اور انہوں نے یہ فیض آپ علیہ السلام سے ہی حاصل کیا ہے _

12 _ ہر قسم کے تعصبات سے دوری بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے_ اس لئے کہ جب واقعہ عقر میں "آل مھلب" (خاندان مہلب) کو قتل کیا گیا تو کثیر عزت نے کہا : "کیا بری صورتحال ہوگئی ہے_ خاندان ابوسفیان نے واقعہ کربلا میں دین کو ذبح کردیا اور مروان کی اولاد نے واقعہ عقر میں کرم اور مردانگی کا خون کردیا"_ پھر یہ کہہ کرو ہ رو پڑا _ جب یہ بات یزید بن عبدالملک تک پہنچی تو اس نے اسے بلوایا _ جب وہ اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: " خدا کی پھٹکار ہو تم پر کیا ترابی ہوکر بھی تعصب برت رہے ہو؟" ؟ (1) قبائلی اور ہر قسم کے دیگر تعصبات کے بارے میں اہل بیت علیہم السلام عصمت و طہارت علیہم السلام کا موقف واضح اور مشہور رہا ہے _

---

1)الاغانی ج8 ص 6_

جبکہ دوسروں کاموقف بھی نہایت واضح ہے _ اور یہ ایک لمبی گفتگو ہے _ اس لئے اس پر مزید گفتگو مجبوراً کسی اور مقام کے لئے چھوڑتے ہیں [1]

13 _ شراب سے دوری بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے _ مذکور ہے کہ بغداد میں شاعروں کا ایک گروہ شراب کی ایک محفل پر اکٹھا ہوا _ ان میں منصور نمری بھی تھا اور اس نے ان کے ساتھ شراب پینے سے انکار کردیا جس پر انہوں نے اس سے کہا : " تجھے شراب سے اس لئے چڑ ہے کہ تو رافضی ہے " [2] اور جاحظ کہتاہے: " ہر گروہ کی اپنی ایک خاص عادت اور علامت ہوتی ہے خصی کی پہچان روم کی طرف جانا ہے خراسانی کی پہچان حج کو جاناہے ... اور رافضیوں (شیعوں) کی پہچان شراب نہ پینا اور بارگاہوں (ائمہ علیہم السلام کے روضہ ہائے اقدس) کی زیارت ہے " [3]

14_ زمخشری کہتاہے: " شیعوں کے نزدیک عید غدیر کی شب نہایت باعظمت ہے _ ساری رات وہ جاگتے اور شب بیداری کرتے ہیں _ یہ اس دن کی شب ہے جس دن غدیر خم کے مقام پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو پالانوں کے منبر پر بلاکر اپنے خطبہ میں ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ جس جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام بھی اس کا مولا ہے " [4] _

15_ ادب اور شاعری میں مہارت بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے _

16_ امت میں تبدیلی لانے کا جوش، جذبہ، تحرک اور نشاط بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے اور ان تمام باتوں پر ابوفرج شیبانی کی تعریف میں کہے گئے ابن ہانی اندلسی کے یہ اشعار بھی دلالت کرتے ہیں :

"شیعی املاک بکران هم انتسبوا ---- و لست تلقی ادیبا غیر شیعی

من انهض المغرب الا قصی بلا ادب ---- سوی التشیع والدین الحنیفی [5]

---

1)ملاحظہ ہو ہماری کتاب : "سلمان الفارسی فی مواجهة التحدی"_

2)الاغانی ج 12 ص 23_ (3)محاضرات الراغب ج 4 ص 418_ (4)ربیع الابرار ج 1 ص 84 و ص 85_

5)ملاحظہ ہو : دیوان ابن ہانی ایڈیشن اول لیکن 1405 ہجری قمری مطبوعہ دار بیروت کے ایڈیشن میں "سکھائے" کی جگہ " اصلاح کرے" ہے_

بکر کے قبیلہ والے اگر اپنا نسب بیان کریں تو ابوفرج شیبانی بھی بکر کے پادشاہ اور شیعہ ہیں_ اور آپ لوگوں کو شیعوں کے سوا کوئی ادیب نہیں ملے گا _ اور شیعوں کے علاوہ کون ہے جو بے ادب مغرب بعید (ہسپانیہ) کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سکھائے اور یہی تو دین حنیف ہے_

17_ فصاحت و بلاغت ، سالم گفتگو اور صحیح لہجہ بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے _ حتی کہ اگر وہ عربی ضاد کا تلفظ بھی ادا کریں گے تو وہ واضح، مشہور اور الگ ہوگا[1]

18_ کثرت عبادت اور نماز بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے _ یہاں یہ بات ذکر کرتے چلیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد نے معقل کو حضرت مسلم علیہ السلام بن عقیل کا پتا لگانے کے لئے بھیجا تو وہ چلتے چلتے مسجد اعظم پہنچا لیکن اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طرح معاملہ آگے بڑھائے _ پھر اس نے دیکھا کہ مسجد کے ایک ستون کے پاس ایک آدمی کثرت سے نماز پڑھنے میں مصروف تھا_ اس نے اپنے دل میں کہا : " یہ شیعہ لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں _ مجھے لگتاہے کہ یہ بھی انہی میں سے ہے " _پھر اس میں مذکور ہے کہ اس نے کیسے کیسے حیلے بہانے اور کیسی سازشیں کیں یہاں تک کہ اسے حضرت مسلم علیہ السلام کا پتا چل گیا [2] _

19_ جمع بین الصلاتین (یعنی ظہر اور عصر کی نمازوں کو اکٹھا پڑھنا اور پھر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھنا _ خود اہل سنت کی بنیادی کتب میں بھی اس کے دلائل ملتے ہیں) بھی شیعوں کی ایک خصوصیت ہے اور وہ اس طرح کہ عصر کی نماز زوال کے کچھ دیر بعد (البتہ نماز ظہر کے بعد) ادا ہوجاتی ہے [3] _

20_ ابراہیم بن ہانی کہتاہے: " شیعوں کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ فربہ، بہت بالوں والے اور بازیکند پوش ہوتے ہیں " [4] _

21_ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں : " میرے محترم والد صاحب نے مجھے بتایا کہ

---

1)روضات الجنات ج1 ص 244_ (1) اخبار الطوال ص 235_ (2)مقاتل الطالبیین ص 467_

3)بازیکند ایک قسم کا لباس ہوتاہے_

ہم اہل بیت علیہ السلام کے پیروکار بہت نیک اور بہترین لوگ ہوتے ہیں _ اگر کوئی عالم اور فقیہ ہوگا تو وہ انہی میں سے ہوگا، اگر کوئی مؤذن ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا، رہنما اور قائد ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا، دیانت دار ہوگا تو بھی انہی میں سے ہوگا اور امانت دار ہوگا تو بھی انہیں میں سے ہوگا_ اور انہیں ایسے ہی ہونا چاہئے_ لوگوں میں ہمیں محبوب بناؤ ، انہیں ہم سے متنفر نہیں کراؤ" (1) _

22_معتزلی امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی خندہ پیشانی ، حسن اخلاق، تبسم اور کشادہ روئی جیسی صفات حسنہ بیان کرتے ہوئے کہتاہے: " اور یہ صفات حسنہ آج تک بھی آپ علیہ السلام کے محبوں اور پیروکاروں میں نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہے _ اسی طرح ان کے دشمنوں میں بھی ظلم و جفا، تنگ نظری، سنگ دلی اور سختی بھی منتقل ہوتی چلی آئی ہے _ جسے لوگوں کے اخلاق و کردار کے متعلق تھوڑی سی بھی سوجھ بوجھ ہے اسے اس چیز کا بالکل علم ہے " (2) _

23_ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: " کسی قبیلہ میں اگر ایک آدمی بھی شیعہ ہوتا تھا تو وہ اس قبیلہ کی زینت اور ان کے لئے باعث فخر ہوتا تھا ، کیونکہ وہ ان سب سے زیادہ امانت دار، حقوق و فرائض کا پاسدار، سچا اور لوگوں کی سفارشوں اور امانتوں کا مرکز ہوتا تھا اور جب بھی اس کے خاندان اور رشتہ داروں سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ جواب دیتے کہ اس جیسا کوئی ہے ہمیں نہیں لاکھوں میں چراغ لے کر ڈھونڈو تب بھی نہ ملے _کیونکہ وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ امانت دار اور سچا شخص ہے " (3) _

24 _ حضرت امام صادق علیہ السلام نے (جس طرح مروی ہے کہ) اپنے شیعوں سے فرمایا: " نماز میں صرف ایک بار رفع یدین (ہاتھوں کو کانوں تک اوپر) کیا کرو اور وہ بھی جب تم نماز شروع کرنے لگو اور بس_ کیونکہ لوگوں نے تمھیں اس صفت کے ساتھ پہچاننا شروع کردیا ہے " (4) _

---

1)بحارالانوار ج 74 ص 162 و 163 و صفات الشیعہ شیخ صدوق ص 28_ (2)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج1 ص 26_

3)الکافی طبع قدیم ج 8 ص 678_

4)بحارالانوار ج75 ص 215 والکافی ج8 ص7_

25_ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی فرماتے ہیں : " شیعیان علی علیہ السلام ہر قبیلہ کے منظور نظر افراد ہوتے تھے_ وہ دیانت دار، ہرد لعزیز ، راتوں کو جاگ کر عبادت کرنے والے اور دن کے بھی چراغ ہوتے تھے " (1)

26_ اندلس (ہسپانیہ) کے گورنر منصور بن ابی عامر نے ایک مرتبہ ابومروان الجزیری اور اس کے علم و ادب کی تعریف کرتے ہوئے خود اسی سے کہا : " ہم نے تمہارا تقابل عراقیوں سے بھی کیا تو تم ان سے بھی زیادہ بافضیلت نظر آئے اب تمہیں خدا کا واسطہ تم خود ہی بتادو کہ تمہارا تقابل کس سے کریں " (2) _

27_ شیعوں کی ایک پہچان دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بھی ہے کیونکہ اسماعیل بروسوی نے عقد الدرر میں کہا ہے : " سنت در اصل دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنناہی ہے لیکن چونکہ یہ ظالم بدعتیوں (اس لفظ سے اس ملعون کی مراد شیعہ ہیں) کی پہچان بن گئی ہے تواب ہمارے زمانے میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت بن گیا ہے(3)_

اور راغب یہ کہنے کے بعد کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور سب سے پہلے معاویہ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ، یہ اشعار کہتاہے:

قالوا : تختم فی الیمین و انما ---- مارست ذاک تشبها بالصادق

و تقرب منی لال مُحَمَّد ---- و تباعدا منی لکل منافق

الماسحین فروجهم بخواتم ---- اسم النبی بهن واسم الخالق " (4)

وہ لوگ کہتے ہیں کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرو_ اور میں نے یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت کے لئے کیا ہے (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں) اور اس لئے بھی کہ میں

---

1)بحارالانوار ج65 ص 180 مطبوعہ مؤسسہ الوفاء نیز اس کے حاشیہ میں از مشکاۃ الانوار ص 62 و ص 63_

2) بدائع البداۃ ص 356 و نفح الطیب ج3 ص 95 یہ ذہن نشین بھی رہے کہ ہسپانیہ کو آجکل سپین بھی کہتے ہیں _ اس میں بنی امیہ کی حکومت تھی_ لیکن کیا یہ کسی کو معلوم ہے کہ یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے کیسے نکلا؟ او ر ان میں غدار کون لوگ تھے اور ان کا مذہب کیا تھا؟_

3) الغدیر ج 10 ص 211 از روح البیان ج4 ص 142_ (4)محاضرات الراغب ج 4 ص 473 و 474_

اہل بیت علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت حاصل کر سکوں اور ان تمام منافقوں سے بھی بیزاری کا اظہار کرسکوں جو بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہن کر (کم از کم طہارت کرتے وقت) اپنی شرمگاہوں سے اسے مس (چھو) کرتے ہیں جن پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامی نامی لکھا ہوتا تھا_

28_ وہ خود ہی کہتے ہیں کہ سنت اصل میں قبروں کو برابر کرنا ہے لیکن چونکہ یہ عمل رافضیوں کی پہچان بن چکا ہے اس لئے اب سنت یہ ہے کہ قبروں کو کوہان نمابنایاجائے (1) _

29_ زرقانی کہتاہے کہ بعض علما عمامے کا شملہ (تحت الحنک) آگے سے بائیں جانب سے لٹکاتے تھے_ اور میں نے دائیں جانب سے شملہ لٹکانے کی کوئی حدیث نہیں دیکھی _ صرف ایک ضعیف حدیث ہے اور وہ بھی طبرانی سے _ لیکن چونکہ یہ شیعہ امامیہ کی پہچان بن چکاہے اس لئے ان سے مشابہت سے بچنے کے لئے بائیں جانب سے تحت الحنک لٹکانے کو ترک کردینا چاہئے (2) _

30_ زمخشری نے اہل بیت علیہ السلام پر علیحدہ سے درود اور سلام بھیجنے کو مکروہ جانا ہے _ کیونکہ اس سے رافضی ہونے کی تہمت لگ سکتی ہے (3)_

31 _ عسقلانی کہتاہے: " تمام علماء کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ زندہ لوگوں کو سلام کرنا صحیح ہے لیکن انبیاء کے علاوہ دیگر وفات پاجانے والے افراد کے متعلق علماء کا آپس میں اختلاف ہے _ بعض کہتے ہیں کہ ہر صورت میں جائز ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ انبیاء پر درود اور سلام کے ذیل میں صحیح ہے علیحدہ نہیں _ لیکن ہر مردہ پر علیحدہ علیحدہ درود نہیں بھیجا جائے گا _ کیونکہ یہ رافضیوں کی علامت بن چکی ہے (4)

32_ اور حسن ختام کے طور پر ہم یہ کہتے چلیں کہ راغب کہتاہے: " اگر کہیں صرف لفظ "امیرالمؤمنین "

---

1)رحمۃ الامۃ باختلاف الائمۃ (مطبوعہ بر حاشیہ المیزان شعرانی) ج1ص 88 ، المغنی ابن قدامہ ج 2 ص 505 ، مقتل الحسین مقرم حاشیہ ص 464 از مذکورہ دونوں کتب و از المہذب ابواسحاق شیرازی ج1 ص137 ، الو جیزغزالی ج 1 ص 47 ، المنہاج نووی ص 25 ، شرح تحفہ المحتاج ابن حجر ج 1 ص 560 ، عمدۃ القاری ج 4 ص 248 والفروع ابن مفلح ج1 ص 481_

2)مقتل الحسین مقرم حاشیہ ص 265 4ز شرح مواہب ج 5 ص 13_ (3)الکشاف ج 3 ص 558_ (4)فتح الباری ج11 ص 146_

اکیلا بولا جائے تو اس سے مراد امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام ہیں " [1]

اس موضوع سے متعلق ہمارے ذہن میں ابھی صرف یہی چند باتیں موجود تھیں _ البتہ ہم محترم قارئین سے اس توفیق کے خواہاں ہیں کہ وہ مزید صفات حسنہ کو خود تلاش کریں گے اور اپنائیں گے_

---

1)محاضرات الادباء ج 3 ص 341_

دوسرا عنوان

جناب ابوبکر کی شجاعت اور سائبان میں ان کی موجودگی_

مورخین اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے سب سے بہادر ترین شخص کے بارے میںلوگوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا : " آپ علیہ السلام ہیں " لیکن آپ علیہ السلام نے اس کی نفی کی _ اور خود ہی اقرار کرتے ہوئے فرمایا: "جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک سائبان بنانے کے بعد یہ پوچھا گیا کہ اس سائبان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا تا کہ مشرکین آپ پر حملہ نہ کرسکیں اور حملہ کی صورت میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچاؤ کرسکے؟_ خدا کی قسم اس خطیر ذمہ داری کو نبھانے کے لئے ہم میں سے صرف ابوبکر ہی آگے بڑھا_ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر تلوار لہرا رہا تھا تا کہ اگر کوئی مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرنے کی کوشش کر ے بھی تو وہ اس پر حملہ میںپہل کردے _ اس لئے وہی سب سے زیادہ بہادر شخص ہے " (1)

حلبی شافعی کہتا ہے :" اس روایت سے شیعوں اور رافضیوں کی یہ بات بھی رد ہوجاتی ہے کہ خلافت کے مستحق صرف حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ بہادر شخصیت ہیں " پھر حلبی اور دحلان نے ابوبکر کے سب سے زیادہ شجاع ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ " نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ وہ ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمائیں گے پس وہ جب بھی جنگ

---

1)تاریخ الخلفاء سیوطی ص 36و ص 37، مجمع الزوائد ج 9ص 47البتہ اس نے کہا ہے کہ اس کی سند میں چند ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا ، البدایہ والنہایہ ج 3 ص 271، ص 272از بزار ، حیاۃ الصحابہ ج 1 ص 261از گذشتہ دونوں منابع، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 156، الفتح المبین دحلان (بر حاشیہ سیرہ نبویہ) ج 1 ص 122 ، از الریاض النضرہ ج 1 ص 92_

میں شرکت کرتے اور کسی دشمن کا سامنا ہوتا تو انہیں یہ پتا ہوتا تھا کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا _ اس کے سامنے وہ اس طرح تھے جیسے اس کے ساتھ ایک بستر پر لیٹے ہوں _ لیکن ابوبکر کو اس کے قاتل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کی گئی تھی _ اس لئے جنگ میں حصہ لیتے ہوئے وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ پہلے مارے گا یا ماراجائے گا _ اس حالت میں جتنی تکلیفیں وہ برداشت کرسکتے تھے کوئی اور نہیںکر سکتا تھا _

اور عمر کے منع کرنے کے باوجود بھی زکات نہ دینے والوں سے اس کی جنگ بھی ابوبکر کی شجاعت اور بہادری پر دلالت کرتی ہے _ اور جب آنحضرتﷺ کی وفات حسرت آیت ہوئی تو تمام لوگوں کی عقلیں زائل ہوگئیں اور حضرت علیﷺ بھی شدت غم سے بیٹھ سے گئے ، عثمان کی زبان بھی بندہوگئی اور وہ بولنے سے رہے لیکن اس سخت موقع پر بھی ابوبکر ثابت قدم رہا _ لیکن جنگوں میں وہ حضرت علی عليه‌السلام کی طرح اس لئے مشہور نہیں ہوا کہ آنحضرتﷺ نے اسے بہادروں سے لڑنے سے منع کردیا تھا"(1) _

دحلان کہتا ہے :" امامت اور رہبری سنبھالنے کے لئے شجاعت اور ثابت قدمی دو لازمی عنصر ہیں _ خاص کر جب مرتدوں و غیرہ سے جنگ کے لئے ان چیزوں کی اشد ضرورت ہو "(2) _

وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں :" جنگ بدر کے موقع پر ابوبکر آنحضرتﷺ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا _ اس لئے اس کا مرتبہ رئیسوں اور سرداروں والا تھا _ اور سردار کی شکست سے لشکر بھی شکست کھا جاتا ہے جبکہ حضرت علی علیہ السلام کا مرتبہ ایک سپاہی کا ساتھا اور سپاہی کے قتل سے کوئی لشکر کبھی شکست نہیں کھاتا"(3) ان لوگوں کے پاس یہی وہ سارے دلائل ہیں جن کو انہوں نے جناب ابوبکر کے دیگر تمام صحابہ حتی کہ حضرت علی عليه‌السلام سے بھی زیادہ بہادر اور شجاع ہونے پر پیش کیا ہے_

---

1)گذشتہ تمام باتوں کے لئے ملاحظہ ہو الفتح المبین دحلان (بر حاشیہ سیرہ نبویہ) ج 1 ص 123تا ص 125، سیرہ حلبی ج 2 ص 156و از تفسیر قرطبی ج 4 ص 222_

2)الفتح المبین دحلان (بر حاشیہ سیرہ نبویہ)ج 1 ص 124تا ص 126_

3)تاریخ بغداد خطیب ج 8 ص 21، المنتظم ابن جوزی ج 6 ص 327 و العثمانیہ جا حظ ص 10_

مذکورہ باتیں نادرست ہیں

ہمیں یقین سے کہ مذکورہ باتیں یا تو نادرست ہیں یا پھر بلا دلیل ہیں _ سائبان کی بات ہی سرے سے غلط ہونے کے دلائل تو پہلے ذکر ہوچکے ہیں _ بقیہ باتوں کے غلط ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

الف : کئی مقامات پر ابوبکر کا فرار

دحلان نے یہ تو اقرار کرلیا کہ امر امامت کے لئے شجاعت اور ثابت قدمی نہایت لازمی عناصر ہیں _ لیکن ہمیں ابوبکر کئی مقامات پر بھاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں _ جنگ خیبر ، حنین اور احد میں اس کا فرار بہت مشہور و معروف ہے _ ان جنگوں کی گفتگو کے دوران اس کے منابع بھی بیان ہوں گے _ اور ابوبکر کی خلافت کے معترف ابن ابی الحدید نے جنگ خیبر[1] _ میں ابوبکر اور عمر کے فرار کے متعلق کہا ہے:

و ما انس لا انس الذین تقدما
و فرھما و الفر قد علما حوب
و للرایة العظمی و قد ذھبا بھا
ملابس ذل فوقھا و جلابیب

میں ان دونوں آگے بڑھ جانے والوں کے جنگ سے فرار کو کبھی نہیں بھلا سکتا _ حالانکہ وہ یہ جانتے بھی تھے کہ جنگ سے فرار ایک بہت بڑا گناہ ہے_ وہ دشمن کے پاس لشکر اسلام کا عظیم جھنڈا لے کر گئے لیکن اسے وہیں گرا کر اپنے ساتھ ذلت اور خواری کی چادریں لے آئے_

---

1) غزوہ احد میں ان کے فرار کی بات کثیر منابع کے ساتھ اس کتاب کی چوتھی جلد میں آئے گی ، غزوہ حنین میں ان کے فرار کی بات بھی اس غزوہ کی بحث میں آئے گی اور غزوہ خیبر میں ان کے فرار کی بات کثیر منابع کے ساتھ عنقریب آئے گی _ اس روایت کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اسی طرح اس روایت کو طبرانی ، ایجی ، بیضاوی اور ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے _ اس لئے ملاحظہ ہو : مجمع الزوائد ج 9 ص 124، المواقف (جیسا کہ اس کی شرح میں آیا ہے) ج 3 ص 276 اور اس کے شارحین نے بھی اس کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے ، المطالع ص 483 از بیضاوی در طوالع الانوار ، زندگانی حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالب از تاریخ ابن عساکر با تحقیق محمودی ج 1 ص 82 و الغدیر ج 7 ص 204، مزید منابع کا ذکر آگے نے گا انشاء اللہ _

پھر یہ بھی کہا:

احضرهما ام حضر اخرج خاضب

وذان هما ام ناعم الخذ مخضوب

عذرتكما ان الحمام لمبغض

و ان بقاء النفس للنفس مطلوب

ليكره طعم الموت و الموت طالب

فكيف يلذ الموت و الموت مطلوب

بھاگتے وقت وہ ایسے دوڑے جیسے باغ میں چرنے والا شتر مرغ ڈر کے مارے لمبے لمبے ڈگ بھر تا ہوا بھاگتا ہے_ اور اپنے پیچھے بھی نہیں دیکھتا_ کیا یہ دونوں جنگجو ہیں یا آرام و آسائشے میں پلنے والے اور نرم گالوں والے ہیں جنہوں نے ہاتھوں پر مہندی لگائی ہوئی ہو (دوسرے لفظوں میں ہاتھوں میں چوڑیاں پہنی ہوئی ہوں) _ جس صورت میں موت ہمارے پیچھے لگی ہوتی ہے وہ کتنی ناپسندیدہ لگتی ہے تو اس وقت ان کی کیا صورتحال ہوگی جب وہ مرنے چلے ہوں؟ نیز یہ شعر بھی کہا:

و ليس بنكر فى حنين فراره

ففى احد قد فرقدما و خيبراً

حنین میں ان کا فرار بھی ناقابل انکار ہے اور احد اور خیبر میں تو وہ پہلے فرار کر ہی چکے تھے_

لیکن ہم ان ابی الحدید سے کہتے ہیں کہ جس شخص کو خدا کی عظمت اور قدرت نیز خدا کے(اپنے نیک بندوں ، مجاہدوں اور دین کی حمایت کرنے والوں کو دیئےوئے) وعدوں پر گہرا یقین اور ان تمام چیزوں کی معرفت ہو اسے موت بہت پیاری ہوتی ہے _ جنگ و جہاد کے موقع پر موت کے بارے میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات اس بات کی بہترین دلیل ہیں _

ابوبکر تو احد میں بھی جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ گیا تھا _ اسکافی کہتا ہے : " اس وقت آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے پاس آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے ساتھ موت پر بیعت کرنے والے صرف چار افراد کے علاوہ کوئی اور نہ رہا تھا _ حالانکہ ان میں ابوبکر کا کوئی ذکر نہیں ہے "[(1)]

---

1)الغدیر ج 7 ص 206از سیرہ حلبیہ ج 3 ص 123_

بہرحال اس بات کا ذکر غزوہ احد کی گفتگو میں کثیر منابع کے ساتھ آئے گا ، انشاء اللہ _ وہ غزوہ خندق میں بھی عمرو بن عبدود کے مقابلے میں جانے سے بھی بزدلی دکھاتے ہوئے کنی کترا گیا _ جنگ حنین میں بھی وہ بھاگ گیا تھا ، کیونکہ آنحضرتؐ کے پاس اس مشکل گھڑی میں حضرت علیؑ ، عباس ، ابوسفیان بن حارث اور ابن مسعود کے سوا اور کوئی بھی نہ رہا [1]

خلاصہ یہ کہ ابوبکر نے شرکت تو تمام جنگوں میں کی لیکن ان تمام جنگوں میں نہ صرف اس سے غلطی سے بھی ایسا کوئی فعل سرزد نہیںہوا جو اس کی بہادری اور شجاعت پر دلالت کرتا(اس نے نہ تو جنگوں میں عملی حصہ لیا نہ کسی کو قتل کیا حتی کہ کسی کو زخمی تک بھی نہیں کیا)بلکہ اس سے تو ان تمام چیزوں کے بالکل برعکس افعال سرزد ہوئے اور وہ اکثر جنگوں میں اس کا فرار کرجانا ہے _ بلکہ وہ تو ہمیشہ لوگوں کو بھی بزدلی دکھانے پر اکساتا اور انہیں رن چھوڑ کر بھاگ جانے کا مشورہ دیتا رہتا تھا _ پھر اس جیسی صفات کے حامل شخص کو بہادر کیسے کہا جائے گا ؟ اگر جنگ بدر میں حصہ نہ لینے کا اس کے پاس ایک بہانہ تھا کہ مؤرخین نے اسے آنحضرتؐ کے ساتھ اس جھوٹے تخت پر بٹھایا ہوا تھا جنہیں چھوڑ کر وہ کہیں نہیں جاسکتا تھا تو جنگ احد ، حنین اور خیبر وغیرہ میں تو یہ چیزیں نہیں تھیں ؟ اس وقت وہ کہاں تھا؟ جب رسولؐ خدا کو مشرکین نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا اور وہ نور الہی کو ہمیشہ کے لئے بجھاناچاہتے تھے_ کیا اس وقت بھی ابوبکر تخت سرداری پر براجمان تھے ؟ اور حضرت رسولؐ خدا کی حیثیت (نعوذ باللہ) ایک لڑنے والے عام سپاہی کی سی تھی جو اپنے سردار ابوبکر کی جان کی حفاظت کے لئے بے جگری سے لڑرہے تھے ؟ کیونکہ ابوبکر کے قتل یا شکست سے لشکر ہی شکست کھاجاتا ؟ پھر وہ خیبر میں علم پھینک کر کہاں بھاگ گیا تھا جب ایک یہودی "یا سر" مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آنحضرتؐ تک آپہنچا تھا اور آنحضرتؐ کو بنفس نفیس اس سے جنگ لڑنی پڑی تھی اور اس وقت آشوب چشم کی بیماری میں مبتلا مدینہ رہ جانے والے حضرت علیؑ [2]کو بلوانا پڑاتھا اور انہوں نے ہی آکر مرحب کو پچھاڑ کر

---

1)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 293_

2) البتہ بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ حضرت علیؑ لشکر کے ساتھ ہی تھے لیکن آشوب چشم کی وجہ سے اپنے خیمے میں آرام کر رہے تھے اور اگر یہاں کوئی معجزہ در کار نہ ہو تو یہی روایت قرین قیاس لگتی ہے _

قتل کیا تھا اور خدا نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قلعہ خیبر فتح کرایا تھا اور یہ واقعہ اتنا مشہور و معروف ہے کہ بچے بچے کو بھی اس کا علم ہے _ اور جنگ احد میں بھی اسی نے بھاگ کر دشمنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا تھا _ جن میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور پر پتھر دے مارا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ زخمی ہوگیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف ہوئی تھی _ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں_

بہرحال ان کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے لڑنے سے منع فرمایا کرتے تھے ؟ تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جنگ احد ، حنین ، خیبر اور دیگر جنگوں میں بھی لڑنے سے منع فرمایا تھا ؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے لڑنے سے منع کر کے خود جنگ میں کود پڑتے تھے ؟ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم شریف زخمی بھی ہوجایا کرتا تھا؟ کیا یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سردار ابوبکر بن قحافہ کے دفاع کے لئے کیا کرتے تھے؟ بہرحال اسکافی تو کہتا ہے کہ ابوبکر نے نہ کبھی کوئی تیز پھینکا ہے نہ تلوار چلائی ہے اور نہ جنگوں میں کوئی خون بہایا ہے وہ توصرف لشکر کی سیاہی ہوا کرتا تھا _ نہ مشہور تھا نہ معروف ، نہ اس سے کسی کو کوئی کام ہوتا تھا اور نہ اسے کسی سے کوئی کام ہوتا تھا _

اسکافی کے طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر کا آنحضرتصلی اللہعلیہوآلہوسلم سے تقابل ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ایسے ایسا سردار قرار دیا جاسکتا ہے جس کی ہلاکت سے لشکر کے تباہ و برباد ہونے کا خدشہ ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم ہی سردار لشکر اور اس نئے دین کے بانی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اپنے دوست اور دشمن کی خوب پہچان رکھتے تھے اور سب دوست و دشمن صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی سید اور سردار جانتے اور مانتے تھے _ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی قریش اور پورے عرب کو اپنے نئے دین سے سخت غضبناک کیا ہوا تھا _ اور پھر ان کے بڑے بڑوں کو قتل کر کے انہیں گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا کیا ہوا تھا _ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ شخصیت تھے جس پر اس امت بلکہ جنگجوؤں کا دار و مدار تھا _ لیکن ابوبکر کسی بھی چیز پر کسی بھی لحاظ سے اثر انداز نہیں تھا _ ابوبکر بھی عبدالرحمن بن عوف اور عثمان و غیرہ جیسے دیگر مہاجرین کی طرح تھا _ بلکہ عثمان تو اس سے زیادہ مشہور اور مالدار تھا _ پس مذکورہ جنگوں میں سے کسی بھی معرکہ میں اس کے قتل سے اسلام کبھی کمزور نہیں ہوسکتا تھا ، نہ ہی کبھی مٹ سکتا تھا _ پس اسے کیسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرح قرار دیا جاسکتا ہے ؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہیں ٹھہرنا بھی کسی مصلحت اور تدبیر اور حمایت کے تحت ہوتا تھا _ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی نگرانی کیا

کرتے تھے ،حکمت عملی مرتب فرماتے تھے ، ان کا موقف اور کردار معین کرتے تھے اور آپ ﷺ کی صحت و سلامتی صحابہ کے لئے باعث اطمینان ہوتی تھی _ اور اگر آپ ﷺ لشکر کے ہر اول دستے میںہوتے تو تمام صحابہ کا ذہن آپ ﷺ کی چال اور رستے میں مصروف ہوجاتا اور وہ یکسوئی کے ساتھ دشمن کے ساتھ نہ لڑپاتے _ اور صحابہ کے پاس ایسی کوئی اور شخصیت بھی نہیں تھی جو ان کا ملجاء و ماوی ہوتی ، ان کی قوت اور طاقت بنتی ، انہیں ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتی اور مناسب موقع پر بذات خود کسی مہم میں حصہ لیتی _

ہاں اگر ابوبکر (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کریم کے ساتھ آپ ﷺ کی نبوت میں شریک ہوتا اور عرب کو بھی وہ آنحضرت ﷺ کی طرح مطلوب ہوتا تو ان لوگوں کی بات صحیح ہوتی _ لیکن وہ تو اعتقاد کے لحاظ سے سب مسلمانوں سے کمزور اور عربوں کا سب سے بے ضرر شخص تھا _ اس نے کبھی لڑائی نہیں کی تھی بلکہ وہ تو صرف لشکر کی سیاہی تھا _ پھر اسے رسول ﷺ خدا کے مقام و مرتبے کے برابر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے ؟ اس کے بعد اسکافی نے جنگ احد میں اس کے اپنے بیٹے عبدالرحمن کے ساتھ لڑائی کا ماجرا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول ﷺ خدا کا ابوبکر کو یہ کہنا کہ جنگ سے رک جاؤ اور ہمیں اپنے وجود سے نفع اٹھانے دو _ اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہ شخص لڑنے اور بہادروں کا سامنا کرنے والانہیں ہے اور اگر یہ لڑنے چلا بھی گیا تو مارا جائے گا _ پھر اسکافی نے آیت (فضل اللہ المجاہدین علی القاعدین اجرا عظیماً) اور دیگر آیتیں ذکرکیں اور مزید یہ بھی کہا کہ اگر بزدل اور کمزور لوگ جنگ میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے سرداری کے لائق بن سکتے ہیں تو حسان بن ثابت میں یہ قابلیت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی_

حالانکہ قریشی سب سے پہلے تو رسول ﷺ خدا کو قتل کرنا چاہتے تھے اور اس کے بعد وہ حضرت علی علیہ السلام کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے _ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ قریب، مشابہ اور آپ ﷺ کے سب سے سرسخت حامی اور مدافع تھے ، اور حضرت علی علیہ السلام کا قتل آنحضرت ﷺ کو بہت کمزور کر سکتا تھا اور (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی کمر توڑکر رکھ سکتا تھا _ جبکہ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی کو حضرت محمد ﷺ ، علی علیہ السلام یا حمزہ کو قتل کرنے کی صورت میں آزادی کا وعدہ دیا تھا_اور اس میں بھی ابوبکر کا کوئی ذکر نہیں _ اور حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی

رسول ﷺ خدا کے حالات سے وابستگی کی وجہ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ کو ہر وقت حضرت علی علیہ السلام کی جان کا خطرہ لاحق رہتا تھا اور آپﷺ اس کی سلامتی اور حفاظت کی دعائیں مانگا کرتے تھے _ اسکافی کی باتوں کا خلاصہ اختتام کو پہنچا(1) _

لیکن اسکافی نے ابوبکر کی وہ حالت ذکر نہیں کی جب اس نے سراقہ کو نیزہ سنبھالے ہوئے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا _ جبکہ سراقہ ایک ایسا آدمی ہے جس کی بہادری کاکوئی قصہ بھی نہیں ملتا (2) _

ب: ابوبکر کے ذریعہ نبی ﷺ کریم کی حفاظت

اور یہ روایت کہ ابوبکر آپ ﷺ کے ساتھ تلوار سونتے کھڑا تھا تا کہ اگر کوئی مشرک آپﷺ پر حملہ کرنا چاہے تو وہ آگے بڑھ کر پہلے اس کا کام تمام کردے _ یہ بھی مندرجہ ذیل دلائل کی رو سے صحیح نہیں ہے _

1_ ایک تو اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں (3) _

اس کے علاوہ ان کا یہ مشہور قول بھی اس کی نفی کرتا ہے کہ سعد بن معاذ ، انصار کے ایک گروہ کے ساتھ سائبان میں آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری نبھا رہا تھا اور بعض نے اس تعداد میں حضرت علی علیہ السلام کا بھی اضافہ کیا ہے (4)_

شاید انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کا اضافہ اس مذکورہ عمل کے سبب کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام تھوڑی تھوڑی دیر لڑکر پھر آنحضرت ﷺ کی خیریت دریافت کرنے آجاتے تھے _ پس جب آپﷺ اور ابوبکر سائبان کے اندر تھے اور وہ انصاری سعد بن معاذ کے ساتھ اس سائبان کے باہر کھڑے پہرہ دے رہے تھے تو پھر مشرکین آنحضرتﷺ تک کیسے پہنچ سکتے تھے؟ کہ اگر حملہ ہوتا تو ابوبکر پہل کر کے اس حملہ آور کا کام تمام کردیتا ؟ پھر کیا ان پہرے

---

1)ملاحظہ ہو : شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 278 تا ص 284_

2)تقویہ الایمان ص 42_ (3)اس کی اسناد کو ہیثمی نے مجمع الزوائد ج9 ص 461 میں ضعیف قرا ر دیا ہے _

4) البدایہ و النہایہ ج 3 ص 271 و سیرہ حلبیہ ج 2 ص 156، ص 161_

داروں کے حالات ابوبکر کے حالات سے زیادہ سخت نہیں تھے؟ کیونکہ اس کا دفاع اور اس کی حفاظت کرنے والے لوگ باہر موجود تھے اور وہ اندر اطمینان اور آرام سے بیٹھا ہوا تھا _ لیکن ان لوگونکی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا ؟

2_ علامہ امینی فرماتے ہیں :" اس پر مزید یہ کہ آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی حفاظت کی خطیر ذمہ داری صرف ابوبکر یا سعد بن معاذ کے ساتھ خاص نہیں تھی _ کیونکہ دوسرے لوگوں نے بھی دیگر مقامات پر آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا تھا _ بطور مثال : بلال ، ذکوان اور سعد بن ابی وقاص نے وادی القری میں ، ابن ابی مرثدنے جنگ حنین کی رات ، زبیر نے جنگ خندق کے دن، محمد بن مسلمہ نے جنگ احد میں ، مغیرہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اور ابوایوب انصاری نے خیبر کے رستے میں آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا _ اور آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی یہ حفاظت حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت (و اللہ یعصمک من الناس) ترجمہ : " اور خدا تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا "_کے نزول تک جاری رہی _ پھر اس آیت کے نزول کے بعد حفاظتی مہم ختم کردی گئی _ یہ تمام باتیں تو اس صورت میں ہیں جب ابوبکر کی حفاظت والی جعلی بات کو صحیح تسلیم کرلیا جائے" (1)_

گذشتہ باتوں میں اگر چہ اعتراض کی گنجائشے بھی موجود ہے لیکن سمہودی " اسطوان المحرس " (حفاظتی ستون) کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یحیی کہتا ہے کہ مجھے موسی بن سلمہ نے خود بتایا کہ میں نے جعفر بن عبداللہ بن حسین سے حضرت علیصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم بن ابی طالب کے ستون کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا : " یہ حفاظتی چوکی تھی ، جس کے روضہ اطہر کی طرف والے حصے کے سامنے حضرت علیعليه‌السلام بیٹھ کر آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے " (2)_

3_ علامہ امینی ہی فرماتے ہیں : " اگر رسولصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی حفاظت کے لئے ابوبکر کے تلوار سونتنے والی حدیث صحیح ہوتی تو وہ حضرت علیعليه‌السلام ، حمزہ اور عبیدہ و غیرہ سے زیادہ ان آیتوں کے اپنی شان میں نزول کا حق دارتھا (ہذان

---

1) الغدیر ج 7 ص 202 نیز مذکورہ باتیں منقول از عیون الاثر ج 2 ص 316، المواہب اللدنیہ ج 1 ص 383 ، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 334، شرح المواہب زرقانی ج 3 ص 204_

2) وفاء الوفاء ج 1 ص 447_

خصمان اختصموا فی ربهم)اور (من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ) لیکن یہ آیتیں اس کے بارے میں نہیں بلکہ مزکورہ شخصیتوں کے بارے میں نازل ہوئیں _ اسی طرح وہ حضرت علی علیہ السلام سے بھی زیادہ اس آیت کے نزول کا حق دار ہوتا (ھوالذی ایّدک بنصرہ و بالمؤمنین) اس کے علاوہ دیگر آیتوں کا بھی مصداق ٹھہرتا لیکن ایسا نہیں ہوا _ اسی طرح" لا سیف الا ذوالفقار و لافتی الّا علی " کی ندا دینے والے رضوان پر ضروری ہوتا کہ وہ اپنی اس ندا میں حضرت علی علیہ السلام کے نام کی جگہ ابوبکر کا نام لیتا اور ذوالفقار کی جگہ اس کی تلوار کا ذکر کرتا _ کیونکہ مذکورہ جعلی روایت کی رو سے اس خطیر ذمہ داری کا بیڑہ اس کے علاوہ کوئی اور اٹھانے کی بھی جرات نہیں کرسکا تھا اور اس شخص کے ذریعہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا اور دین کی حفاظت ہوئی تھی"[(1)] _

ج : ابوبکر میدان جنگ میں

ابوبکر کے سائبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنے والی بات کی مندرجہ ذیل باتیں نفی کرتی ہیں:

1_ وہ خود کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر ابوبکر میمنہ (لشکر کے دائیں حصہ) کا سردار یا اس حصہ میں شامل تھا [(2)] _

2_ وہ خود ہی کہتے ہیں کہ اس کے بیٹے عبدالرحمن نے اپنے باپ سے کہا : " بابا آپ نے جنگ بدر میں مجھے کئی مرتبہ نشانہ بنانا چاہا لیکن میں آپ سے چوک گیا " [(3)] _

3_ یہ بھی وہ خود ہی کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر میں عبدالرحمن نے اپنا حریف طلب کیا تو اس کا باپ اس کے مقابلے کے لئے نکلا جس پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے اسے روکتے ہوئے فرمایا : " اپنے وجود سے ہمیں فائدہ اٹھانے دو" [(4)] _

---

1)ملاحظہ ہو: الغدیر ج 2 ص 46 تا ص 51، ج 7 ص 202، ص 203 تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ_

2) المغازی واقدی ج 1 ص 58 و البدایہ والنہایہ ج 3 ص 275_

3) الروض الانف ج 3 ص 64اور مستدرک حاکم ج 3 ص 475 اور حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 332، ص 333از کنز ج 5 ص 374میں آیا ہے کہ یہ واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا_

4) سنن بیہقی ج 8 ص 186، حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 332و ص 333از حاکم ازواقدی _

البتہ اس واقعہ پر اسکافی کا حاشیہ بھی گذر چکا ہے اور مزید باتیں جنگ احد کے موقع پر بھی ہوں گی _ انشاء اللہ _

د: حضرت علی عليه‌السلام کی ناکثین اور قاسطین سے جنگ

رہا ان لوگوں کا حضرت علی عليه‌السلام کے متعلق آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی اس پیشین گوئی کا ذکر کہ حضرت علی علیہ السلام ناکثین اور قاسطین سے جنگ کریں گے اور ابن ملجم کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمائیں گے اور اس طرح ان کے دعوے کے مطابق وہ دشمن کا سامنا کرتے وقت ایسے ہوتے تھے جیسے اپنے بستر پر سوئے ہوئے ہوں تو ان باتوں سے ابوبکر کی شجاعت اور افضلیت بھی ثابت نہیں ہوتی _ اس بارے میں ہم مندرجہ ذیل نکات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں :

1_ اسکافی کہتا ہے : " آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے حضرت علی عليه‌السلام کو قاسطین اور ناکثین سے جنگ کرنے کی پیشین گوئی اس وقت کی تھی جب جنگوں کا موسم گذر چکا تھا ، لوگ دین الہی میں جوق در جوق داخل ہو رہے تھے ، جزیہ ادا کیا جارہا تھا اور سارا عرب آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے سامنے جھک گیا تھا" (1)

2_ اور آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے حضرت علی عليه‌السلام کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہونے کی پیشین گوئی غزوہ العشیرہ میں کی تھی _ جب آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب عليه‌السلام کی کنیت سے نوازاتے ہوئے فرمایا تھا : " کائنات کا بدبخت ترین شخص تمہاری ڈاڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگے گا " _ لیکن اس میں بھی آپ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے حضرت علی عليه‌السلام کی شہادت کا وقت معین نہیں فرمایا تھا _ ہوسکتا تھا ایک ما ہ بعدیہ سانحہ ہوجائے اور ہوسکتا تھا کئی سال تک بھی نہ ہو _

3_ اس بارے میں بداء بھی واقع ہوسکتا تھا _ اور وہ اس طرح کہ آنحضرت صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی پیشین گوئی اس لحاظ سے تھی کہ اگر کوئی رکاوٹ آڑے نہ آئی تو اس فعل کا مقتضی موجود ہے _

---

1)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13ص 287_

4_ اگر ہم اس پیشین گوئی کو اس وقت مان بھی لیں تب بھی وہ اپنے بستر پر آرام سے سوئے ہوئے شخص کی طرح کیسے ہوگئے ؟ حالانکہ یہ بھی ممکن تھا بلکہ ہوا بھی ہے کہ آپؑ جنگ احد وغیرہ میں حد سے زیادہ زخمی ہوگئے تھے _ نیز یہ بھی ممکن تھا کہ آپؑ کی کوئی ہڈی و غیر ٹوٹ جاتی یا آپؑ کا کوئی عضو کٹ سکتا تھا _ کیا رسول خدا ﷺ کی مذکورہ پیشین گوئی سے ان کے لئے یہ بھی ثابت ہوگیا تھا کہ حضرت علی ؑ ان تمام چیزوں سے بھی در امان ہیں؟ کہ ان کے نزدیک آپؑ اپنے بستر پر سوئے ہوئے شخص کی طرح قرار پائے ؟ پھر مسلمان حضرت علی ؑ کی بہادریوں کی تعریف کیوں کرتے تھے؟ نیز خیبر، احد اور بدر و غیرہ جیسے کئی مقامات پر خدا اور رسول ﷺ خدا نے آپؑ کی مدح سرائی کیوں کی ؟ پھر وہ اسے آپؑ کے امتیاز فضیلت اور عظمت کی وجہ کیوں سمجھتے تھے؟ پس اگر یہ بات صحیح تھی تو پھر تو سب لوگ حتی کہ عورتیں بھی حضرت علی ؑ سے زیادہ بہادر ہوئیں[1] _

5_ وہ لوگ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے زبیر کو یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ وہ حضرت علی ؑ سے لڑے گا جبکہ وہ آپؑ کے حق میں ظلم کر رہا ہوگا اور طلحہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

(ما کان لکم ان تؤذوا رسولصلی اللہعلیہوآلہوسلم اللہ و لا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ)

تمہارے لئے رسول ﷺ خدا کو تکلیف پہنچانا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ان کی ازواج سے شادی رچانا مناسب نہیں ہے_ اور وہ " احجار الخلافۃ" (خلافت کے پتھروں) والی حدیث بھی خود ہی روایت کرتے ہیں جس میں ان کے دعوی کے مطابق ابوبکر آگے آگے تھے (جبکہ یہ یقینی بات ہے کہ یہ واقعہ تمام جنگوں سے پہلے پیش آیا ہے) _ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اصحاب کے حق میں نہایت زیادہ احادیث موجود ہیں _ اسی طرح خود رسول ﷺ خدا بھی یہ جانتے تھے کہ یہ دین عنقریب سب پر غالب آئے گا اور کامیابی اور کامرانی کے ساتھ دوبارہ مکہ

---

1)یہاں اس بات کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ ابوبکر کو بھی اس نئے دین کی سرداری اور حکومت کی پیشین گوئی کی گئی تھی_ اور یہ پیشین گوئی حضرت علی ؑ کے متعلق پیشین گوئی سے زیادہ واضح اور حتمی تھی _ وہ اس بناپر کہ ابوبکر جب تک اس امت کا حاکم نہیں بنتا اسے کچھ نہیں ہوگا اور دوسرا یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہے گا تا کہ اس امت پر حکومت کرے _ لیکن ہم یہ دیکھتے ہیںکہ وہ رسول ﷺ خدا کے دور کی جنگوں میں ہی مشکل مرحلے میں جان بچا کر بھاگ جاتا ہے _ اس کی مزید تفصیل کسی اور موقع پر آئے گی _ انشاء اللہ _

میں داخل ہوں گے _ اور مسلمانوں کے ہاتھ قیصر و کسری (روم اور ایران) کے خزانے لگیں گے _ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی پیشین گوئیاں ہیں جن کی جستجو اور ذکر کی یہاں گنجایش نہیںہے تو کیا ان پیشین گوئیوں کی وجہ سے ان کا جہاد اکارت گیا؟ ان کی فضیلتیں ختم ہوگئیں ؟ اور بہادری بزدلی میں تبدیلی ہوگئی؟

ہ: زکات نہ دینے والوں سے جنگ

اور رہی زکات نہ دینے والوں سے ابوبکر کی جنگ، تو اس نے یہ جنگ بذات خود نہیں لڑی تھی _ بلکہ اس کی حکومت اور مقام کے تحفظ کے لئے اس کی فوج نے لڑی تھی _ کیونکہ وہ لوگ اسے خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ وہ ان سے ناحق زکات لے رہا ہے _ اور بعینہ یہی صورتحال ان لوگوں سے جنگ میں بھی تھی جنہیں وہ " اہل الردہ " (مرتد لوگ) کہتے تھے (1)

اور یہ بات واضح ہے کہ فیصلہ میں ہٹ دھرمی اور اڑے رہنا جنگ میں شجاعت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص یہ دیکھ رہا ہوکہ میرے فیصلے دوسرے لوگ نافذ کریں گے تو اس موقع پر کوئی بزدل شخص ایک بہادر شخص سے بھی زیادہ اپنے فیصلے پر ڈٹارہتا ہے _

و: وفات رسول صلى الله عليه وآله وسلم کے وقت اس کی ثابت قدمی

اور وفات رسول صلى الله عليه وآله وسلم کے وقت اس کی ثابت قدمی کے متعلق مندرجہ ذیل بیانات کافی ہیں :

1_ علامہ امینی فرماتے ہیں : " اگر شجاعت کا معیار کسی کی وفات پر آنسو نہ بہانا ہے تو اس صورت میں تو ابوبکر خود آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم سے بھی زیادہ بہادرہوجائے گا _ کیونکہ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم تو عام لوگوں کی وفات پر بھی ان کے

---

1) حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ علیہ السلام کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور حاکم اور خلیفہ بنے گا _ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کو ہی حق دار سمجھتے تھے _ مدینہ والے تو اسی دن یا چند دنوں میں دباؤ یا لالچ میں آگئے تھے لیکن دوسرے شہروں کا معاملہ مختلف تھا _ حتی کہ اسامہ بھی جب تک مدینہ سے باہر رہا اس نے ان لوگوں کی بات قبول نہیں کی تھی _ اوروہ لوگ زکات و غیرہ صرف حق دار کوہی دینا چاہتے تھے اسے لئے انہوں نےنہیں دی تھی لیکن انہوں نے اپنی حکومت بچانے کے لئے ان پر مرتد و غیرہ کا لیبل لگا کر ان سے جنگ شروع کردی حالانکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں تھا _

بقول ثابت قدم نہیں رہے _ اس لئے کے آپ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو بوسہ دیا ، اس کے لئے بلند آواز سے گریہ کیا اور آنسو آپ ﷺ کے رخسار پر رواں تھے[1] نیز اس لحاظ سے تو عثمان بن عفان بھی نبی ﷺ کریم سے زیادہ بہادر ہوجائے گا کیونکہ اس کی بیوی کی موت بھی شب وفات اسے عورتوں سے ہم بستری سے نہ روک سکی لیکن آپ ﷺ اپنی لے پالک بیٹی کی وفات پر آنسو بہاتے رہے_ [2] _

2_ عمر کے جنون ، عثمان کے گونگے پن اور حضرت علی علیہ السلام کی غم و اندوہ سے بے حالی کا جو حال انہوں نے ذکر کیا ہے اگر صحیح ہوتا ا ور دحلان کے دعوے کے مطابق خلافت کے حصول سے مانع ہوتا (کیونکہ امر امامت اورخلافت کے لئے شجاعت اور ثابت قدمی دو اہم عناصر ہیں اور مذکورہ افراد کے مذکورہ عمل کی وجہ سے ان میں یہ صفات مفقود ہوگئی تھیں)تو ان لوگوں نے بعد میں ان کی خلافت کیسے قبول کرلی ؟ حالانکہ اس وقت بھی تو امر امامت کے لئے ضروری اہم چیزوں سے وہ محروم تھے؟ جبکہ حضرت علی علیہ السلام کے عاجز ہونے کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ وہ عاجز کیسے ہوگئے ؟ حالانکہ آنحضرت نے آپ علیہ السلام کی گود میں وفات پائی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تغسیل ، تجہیز اور تکفین کی ساری ذمہ داری نبھائی _ یہاں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات نے حضرت علی علیہ السلام پر گہرا اثر تو چھوڑا لیکن وہ اپنی مصروفیات سے عاجز نہیں آئے لیکن دوسرے لوگوں کو تو آنحضرت ﷺ کی وفات کا ذرا بھی صدمہ نہیں ہوا اور وہ لوگ آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین کے اہم کام کو نظر انداز کر کے حاکم بننے یا چننے نکل کھڑے ہوئے _

3_ انہوں نے ابوبکر کی ثابت قدمی کا جو تذکرہ کیا ہے تو یہ ثابت قدمی (اگر اسے آنحضرت ﷺ کی وفات کا صدمہ ہوا تھا تو) صرف اس بات پردلالت کرتی ہے کہ اس نے یہ صدمہ برداشت کرلیا اور بس _ جبکہ ہم حضرت علی علیہ السلام کو دیکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام حقیقت میں اس صدمہ کا سامنا کر رہے ہیں _ جبکہ وہ آپ کی

---

1)الغدیر ج 7 ص 214، از سنن بیہقی ج 3 ص 406، حلیۃ الاولیاء ج 1 ص 105، الاستیعاب ج 2 ص 495، اسد الغابہ ج 3 ص 387، الاصابہ ج 2 ص 464، سنن ابوداؤد ج 2 ص 58 ، سنن ابن ماجہ ج 1 ص 481و بعض دیگر منابع جنہیں علامہ احمدی نے اپنی کتاب العبرک ص 355 میں ذکر کیا ہے پس وہاں ملاحظہ فرمائیں _ (2)الغدیر ج 2 ص214، ج 3 ص 24از الروض الانف ج 3 ص 24، مستدرک حاکم ج 4 ص 47، الاستیعاب ج 2 ص 78 ،اس نے اسے صحیح جاناہے و الاصابہ ج 4 ص 304، ص 489_

وفات سے فکرمند نہیںہوا تھا _ یہانتک کہ لوگوں کے سامنے اسے نبیﷺ پر اپنے غم کی دلیل پیش کرنا پڑی[1]

بہرحال ابوبکر کی شجاعت اور بہادری کے اثبات میں ان کے دلائل نادرست ، ناکافی اور بے فائدہ ہیں_

---

1)حیاۃ الصحابہ ج 2 ص 84و کنزالعمال ج 7 ص 159 از ابن سعد _

تیسرا عنوان

ذوالشمالین کا قصہ اور نبی ﷺ کا سہو

ہم پہلے یہ بتاچکے ہیں کہ ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہوگیا تھا لیکن کچھ روایتیں اس کی نفی کرتی ہیں _ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ یہ دعوی کرتا ہے میں نبی ﷺ کریم کے ساتھ ظہریا عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ ﷺ نے دور کعتوں کے بعد سلام پھیر کر نماز تمام کردی جس پر بنی زہرہ کے حلیف ذوالشمالین بن عبد عمرو نے کہا : "کیا آپ ﷺ نے نماز میں تخفیف کردی ہے (یعنی نماز قصر پڑھی ہے) یا پھر بھول گئے ہیں ؟ " جس پر آپ ﷺ نے فرمایا : " یہ دوہاتھوں والا کیا کہتا ہے ؟" تو صحابیوں نے کہا :" یا رسول ﷺ اللہ وہ سچ کہتا ہے " _ جس پر آپ ﷺ نے ناقص رہ جانے والی دو رکعتیں پوری کردیں_ اور اس روایت کے متعلق مختلف قسم کی کئی دستاویزات ہیں جن میں سے بعض میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ذوالشمالین کو یہ جواب دیا : " ایسی کوئی بات نہیں ہے" جبکہ بعض میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے غضبناک حالت میں مسجد کی ایک لکڑی سے ٹیک لگایا اور کچھ لوگ آپ ﷺ کو نماز میں کمی کے متعلق بتانے کے لئے جلدی سے صفوں سے باہر نکلے _ اور بعض دستاویزات میں آیا ہے کہ آپ ﷺ جانے لگے تو پیچھے سے ابوبکر ، عمر اور ذوالشمالین آپ ﷺ سے آملے [1]

---

1) صحیح بخاری باب سوم از ابواب" ما جاء فی السہو فی الصلاۃ" ، صحیح مسلم ابواب سہو ، فتح الباری ج 3 ص 77تا ص 83 نیز اس کے حاشیہ پر بخاری، المصنف حافظ عبدالرزاق ج 2 ص 296، ص 297، ص 299 ، مسند احمد ج 2 ص 271، ص 284، ص 234، مؤطا مالک ج 1 ص 115 منقول از کنز العمال ج 4 ص 215 و ص 214از عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ ، تہذیب الاسماء و اللغات ج 1 ص 186، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 1 ص 491 و ص 492 ، الاصابہ ج 1ص 489 ، اسد الغابہ ج 2 ص 146، سنن بیہقی ج 2 ص 231، سنن نسائی باب " ما یفعل من سلم من الرکعتین ناسیاً و تکلم " و دیگر ابواب و کتب_

البتہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرتﷺ نے صبح کی نماز دو رکعت کی بجائے ایک رکعت پڑھی _ جب ذوالشمالین نے آپﷺ کو اس کے متعلق بتایا تو آپﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صفوں میں پھراتے ہوئے لوگوں سے اس بارے میں پوچھا _ پھر آپﷺ نے لوگوں کے ساتھ مزید ایک رکعت پڑھی اور دو سجدہ سہو ادا کیا پھرسلام پھیر کر نماز تمام کی _ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ جب آپﷺ نے نماز ظہر یا عصر ادھوری پڑھی اور خرباق نے آپﷺ پر اعتراض کیا اور بعض صحابیوں نے بھی اس کے اعتراض کے صحیح ہونے کی گواہی دی تو آپﷺ غضبناک حالت میں کھڑے ہوئے اور پنس چادر گھسیٹتے ہوئے اپنے حجرے (گھر) میں چلے گئے پھر دوبارہ ان کے پاس باہر آکر باقی دو رکعتیں ادا کیں اور سہو کے دو سجدے بھی ادا کئے _

جبکہ بزار کے مطابق ، جب آنحضرتﷺ نے نماز پڑھ لی اور اپنی کسی زوجہ کے پاس گئے تو پیچھے سے ذوالشمالین نے آکر آپﷺ سے پوچھا کہ نماز قصر ہوگئی ہے کیا؟ جس پر آپﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں میں پھر ایااور ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھو ں نے بھی آپ کو گذشتہ کی طرح جواب دیا _

البتہ اس طرح کی روایتیں شیعہ کتابوں میں بھی صحیح اسناد کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں_جنہیں سماعہ بن مہران ، حسن بن صدقہ ، سعید اعرج،جمیل بن دراج،ابوبصیر ،زید شحام، ابو سعیدقماط، ابوبکر حضرمی اور حرث بن مغیرہ نے روایت کی ہے_لیکن ہم کہتے ہیں کہ:

1_ روایات کے الفاظ مختلف، مضطرب اور ایک دوسرے سے ناموافق ہیں_اور روایات کے منابع کی طرف رجوع کر کے ان کے تقابل سے اچھی طرح معلوم ہوجائے گا_جس کا مطلب یہ ہے کہ سب روایتوں کا صحیح ہونا ناممکن ہے_

2_اس طرح کی بعض حدیثوں کو ذکر کر نے کے بعد نووی کہتا ہے:"ان حدیثوں میں اس طرح کے الفاظ بہت ہیں جن میں بحالت اسلام ابو ہریرہ کی موجود گی کی تصریح کی گئی ہے_حالانکہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابو ہریرہ ساتویں ہجری کو جنگ خیبر کے سال یعنی جنگ بدر کے سات برس بعد مسلمان ہواتھا_جبکہ زہری کے بقول ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہوگیا تھا اور نماز کا اس کا مذکورہ واقعہ جنگ بدر

سے پہلے کا ہے ..."[1]_یہ بھی اضافہ کرتے چلیں کہ شعیب بن مطیر نے اپنے والد کا واقعہ سناتے ہوئے کہاہے کہ وہ ذوالیدین سے ملا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی نماز کا مذکورہ واقعہ اسے بتایا_حالانکہ مطیر بہت متاخر ہے اور اس نے نبیﷺ کا زمانہ نہیں دیکھا تھا[2]اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول روایت میں بتایا گیا ہے کہ ذوالیدین ہی ذوالشمالین ہے[3]اسی طرح دیگر منابع میں بھی آیا ہے[4]

اسی طرح بعض دیگر روایتوں میں یہ دونوںالقاب یکجا بیان ہوئے ہیں[5]پس وہاں مراجعہ فرمائیں_پس صاحب استیعاب و غیرہ کا ابو ہریرہ کی گذشتہ روایت کے بل بوتے پر دونوں(ذوالیدین اور ذوالشمالین) کے ایک شخص ہونے والے قول کو غلط کہنا[6]نہ صرف بے جا ہے بلکہ صحیح بات اس کے بر عکس ہے یعنی بظاہر ابو ہریرہ نے ان حدیثوں میں گڑبڑکر کے اس واقعہ میںموجود نمازیوں میں اپنی جگہ بنالی ہے_ بہرحال عمران بن حصین کی وہ روایت جس میں ذوالیدین کو خرباق کے نام سے یاد کیا گیا ہے وہ بھی ہماری مذکورہ بات کی نفی نہیں کرتی _ کیونکہ خرباق بھی ذوالشمالین کا لقب ہوسکتا ہے_ اور خرباق کی " سلمی " کے نام کے ساتھ توصیف بھی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ سُلَیم ، ذوالیدین یا ذوالشمالین کے اجدادی سلسلے میں کسی ایک جد کا نام تھا [7]اور اسی نسبت سے ا سے سلمی کہا جاتا ہوگا_

---

1)تہذیب الاسماء واللغات ج1ص186،نیز ملاحظہ ہو:در منثور عالی ج1ص109 ،نیز ذوالشمالین کے بدر میں قتل ہونے کے بارے میں ملاحظہ ہو:طبقات ابن سعدج3ص119_ (2)ملاحظہ ہو:تہذیب الاسماء ج1حاشیہ ص186_ (3)الکافی کلینی ج3ص357،وسائل الشیعہ ج5ص311،ودر منثور عالی ج1ص109و110_

4)ملاحظہ ہو:طبقات ابن سعد ج3حصہ1ص118و التراتیب الاداریہ ج2 ص 385_

5)وہ روایتیںمسند احمد،کنز العمال از عبد الرزاق و ابن ابی شیبہ،المصنف عبد الرزاق ج2ص296،ص271،ص274،ص297،ص299کی ہیں_نیز ملاحظہ ہو:ارشاد الساری ج3ص267،جوہری نے دونوں ناموں کے ایک شخص کے ہونے کے متعلق استیعاب میں "ذوالیدین"کی تعریف میں گفتگو کی ہے_اسی طرح طبری،شرح مؤطا مالک سیوطی نیز تہذیب الاسماء و اللغات ج1ص186،وغیرہ میںبھی یہ بات بیان ہوئی ہے_

6) الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج1ص491،اسدالغابہ ج2 ص142وص145وص146 ، التراتیب الاداریہ ج2ص385،از شروحات بخاری_

7) ملاحظہ ہو : طبقات ابن سعد ج 3 حصہ 1 ص 118 ، الاصابہ ج 1 ص 489 و اسد الغابہ ج 2 ص 141 و ص 145_

اور ابن قتیبہ نے بھی اس کے ایک ہی شخصیت ہونے کی تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض اوقات یہ بھی کہاجاتا ہے کہ اس کا نام خرباق تھا _ اور قاموس میں بھی " ذوالیدین خرباق " آیا ہے [(1)] _

3_ ہمارے پاس موجود روایتیں بنی ﷺ کریم کے ایسے افعال اور اعمال کا تذکرہ کرتی ہیں جن کی وجہ سے نماز کی شکل و صورت ہی محو ہوجاتی ہے _ اور یہ یقینی بات ہے کہ نماز کی صورت کا ختم ہونا اس کے باطل ہونے کا باعث ہے _ خاص کر جب آنحضرت ﷺ (بعض روایتوں کے مطابق) قبلہ سے رخ پھیر کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوں _ کیونکہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا چاہے بھول کرہی کیا جائے نماز کو باطل کرنے کا باعث ہے _ لیکن کلینی کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ ﷺ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے تھے _[(2)] یہ سب تو اس صورت میں ہے جب ہم کہیں کہ نماز کی خاطر کی ہوئی کوئی بات نماز کو باطل نہیں کرتی_

4_ آنحضرت ﷺ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے ؟ کیونکہ اگر آپ ﷺ اپنے لئے کسی بھول چوک کو ممکن قرار دیتے تھے تو بہتر تھا کہ آپ ﷺ یوں فرماتے :" میرے خیال میں یہ بات نہیں ہے " _ مگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ نے اپنا نظریہ بیان کیا ہوگا _ کیونکہ آپ ﷺ کو یقین تھا کہ آپ ﷺ سے کوئی بھول چوک نہیں ہوئی _ اور ذوالیدین کی بات بھی آپ ﷺ میں کسی قسم کا شک و شبہہ پیدا نہ کرسکی بلکہ آپ ﷺ اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے لیکن جب آپ ﷺ نے ذوالیدین کا اصرار دیکھا تو آپ ﷺ کے دل میں شک پیدا ہوا _

5_ پھر آپ ﷺ غضبناک ہوکر اپنی عبا گھسیٹ گھسیٹ کر کیوں چل دیئےکیا آپ ﷺ کو ذوالیدین کی باتوں پر غصہ آگیا تھا؟ اگر یہ غصہ اس بات پر تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو حقیقت سے آگاہ کیا تھا؟ تو یہ بات کسی بھی لحاظ سے آپ ﷺ کے شایان شان نہیں ہے _ اور اگر یہ غصہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ پر الزام لگایا تھا اور آپ ﷺ کو جھٹلانے پر اڑ گیا کرلیا تھا اور آپ ﷺ سے ایسی بات منسوب کی تھی جو آپ ﷺ کے شایان شان نہیں تھی _ تو پھر آپ ﷺ نے پلٹ کر ان کے ساتھ نماز مکمل کیوں کی تھی ؟ اور سہو کے دو سجدے کیوں کئے تھے؟

---

1)ملاحظہ ہو: التراتیب الاداریہ ج 2 ص 385_

2) الکافی ج 3 ص 356_

6_ یہ نہیں معلوم کہ وہ نماز کیسے صحیح ہوسکتی ہے جس کے درمیان میں آپ ﷺ اٹھ کر حجرے میں چلے گئے تھے پھر واپس آکر نماز مکمل کی تھی _ اور بھی اسی طرح کی دیگر باتیں ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں_

شیعوں کے نزدیک سہو کی روایات

بہر حال اہل بیت علیہم السلام سے بھی اس بارے میں روایتیں ذکر ہوئی ہیں جن میں سے پانچ سند کے لحاظ سے معتبر احادیث بھی ہیں لیکن کسی میں بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی رو سے ان پر مذکورہ اعتراضات ہوسکیں_ تستری نے اس موضوع پر ایک الگ مقالہ لکھا ہے جو قاموس الرجال کی گیا رہویں جلد کے آخر میں چھپا ہے _ شائقین وہاں مراجعہ فرمائیں _ لیکن شیخ نے التہذیب میں زرارہ کی ایک روایت بیان کی ہے _وہ کہتا ہے :" میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا رسول ﷺ خدا نے بھی کبھی سجدہ سہو کیا ہے ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں انہیں کوئی فقیہ بھی ادا نہیں کرتا " _ پھر چند ایک ایسی حدیثیں بھی بیان کی ہیں جن میں رسول ﷺ خدا کے سہو کی باتیں بیان ہوئی تھیں پھر کہا :" لیکن میں اس روایت کے مطابق فتوی دیتا ہوں کیونکہ رسول ﷺ خدا کے سہو کو بیان کرنے والی حدیثیں عامہ اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ہیں " [1]

اس نے روایتوں پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ روایتیں خبر واحد ہیں جنہیں ناصبیوں اور سادہ لوح شیعوں نے روایت کیا ہے _ اس لئے نظریاتی لحاظ سے ان پر اعتبار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ گمان کی پیروی کے مترادف ہوجائے گا [2] _

یہ ماجرا کس لئے ؟

ممکن ہے بعض افراد سہو النبی ﷺ کی یہ توجیہ کریں کہ خدا نے رسول ﷺ کو اپنی عظمت اور شان کے باوجود مندرجہ ذیل مصلحتوں کے پیش نظر سہو اور نسیان میں مبتلا کردیا تھا کہ :

____

1) الدار المنثور عاملی ج 1 ص 107 _

2) الدار المنثور عاملی ج 1 ص 113_

1_ لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق غلو کرتے ہوئے آپ ﷺ کو خدا نہ سمجھ بیٹھیں یا آپ ﷺ کے لیئے بعض ایسی صفات ثابت نہ کر بیٹھیں جو آپ ﷺ میں ہیں ہی نہیں_

2_ خدا مسلمانوں کو علم فقہ سمجھانا چاہتا تھا _ جس طرح یہ بات حسن بن صدقہ کی اس روایت میں موجود ہے جسے کلینی نے ذکر کیا ہے _ (1)

اور خدا انہیں یہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ رسول ﷺ بھی ان ہی کی طرح کے ایک انسان ہیں _ پس آپ ﷺ کی ایسی کوئی بھی توصیف جو آپ ﷺ کو انسانیت سے خارج کردے وہ بے جا اور ناقابل قبول ہے _

3_ خدا نے ہی آپ ﷺ کو امت پر رحمت کے نزول کے لئے نسیان اور سہو میں مبتلا کردیا _ کیونکہ پہلے جو شخص بھول جاتا تھا تو کیا آپ لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ اسے لعنت ملامت کی جاتی او رکہا جاتا کہ تمہاری نماز قبول نہیں ہوئی؟ لیکن اگر آج کوئی شخص نماز میں کوئی چیز بھول جاتا ہے تو کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں رسول ﷺ خدا بھی بھول گئے تھے _اوریوں آپ ﷺ کا یہ عمل سب کے لئے اسوہ بن گیا ...(2)_

اس طرح کی باتیں آپ ﷺ کے سفر میں نماز صبح کے وقت سوتے رہنے کے متعلق (روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں) بھی ہوئی ہیں _لیکن ہماری نظر میں یہ سب نادرست ہیں _ اسے آئندہ ثابت کریں گے _ انشاء اللہ

ان توجیہات کے نقائص

لیکن یہ توجیہات ناکافی اور نادرست ہیں _ کیونکہ بھولنے پر کسی کی لعنت ملامت اس وقت صحیح ہے جب اس کی بھولنے کی عادت ہی نہ ہو _ جبکہ انسانوں کی عادت ہی بھولنا ہے _ اور جو شخص دوسروں کی طرح بھولتا ہو وہ دوسروں کو لعنت ملامت کیسے کرسکتا ہے ؟

---

1) الکافی ج 3 ص 356_

2) الکافی ج 3 ص 357_

اور رہی رسول ﷺ خدا کے بارے میں غلوّ کی بات تو غلوّ کا شائبہ دور کرنے کے اور بھی طریقے ہوسکتے تھے جن سے کوئی اور مشکل بھی پیش نہ آتی _ اسی طرح سہو اور نسیان کے احکام بھی دوسرے بہت سے احکام کی مانند بنی ﷺ کریم کو اس میں مبتلا کئے بغیر بتائے جاسکتے تھے _

اس کے علاوہ اس سہو میں ایک بہت بڑا مفسدہ (عیب) بھی پایا جاتا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کی تمام تعلیمات اور ارشادات پر عدم اطمینان ہے _

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اس آخری اعتراض کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ نبیﷺ کریم کا ہر قول ، فعل اور تقریر[1] حجت اور قابل عمل ہے _ اور سہو کا واقعہ آپﷺ کے افعال و اقوال کی حجیت کے مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے منافی ہے _ اور یہ چیز آپﷺ پر اعتماد اور اطمینان کے اٹھ جانے کا باعث بنتی ہے نیز لوگوں کا عدم اطمینان آپﷺ کی نبوت اور رسالت کی حکمت کے بھی منافی ہے[2] _

البتہ اس اعتراض کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ سہو اس وقت آپﷺ کے قول و فعل کی حجیت کے منافی ہوتا جب آپﷺ بھی اس بھول پر باقی رہتے اور لوگ اس سے ایک غلط حکم اخذ کرلیتے لیکن جب خدا نے فوراً ہی آپصلی اللہعلیہوآلہوسلم کو یاد دلایا بلکہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کا حکم بھی آپﷺ اور لوگوں کے لئے واضح کردیا تو اس میں عقلی اور شرعی لحاظ سے کوئی مانع نہیں ہے[3]_

خلاصہ یہ کہ خدا کا کسی مصلحت کے پیش نظر آپﷺ کو سہو میں مبتلا کرنا ان کے اس مقولے سے متصادم ہے کہ اس نسیان کا مطلب کسی نامعلوم چیز کے حوالے ہونا ہے _ (یعنی نسیان کا مطلب نامعلوم چیز کا ارتکاب

---

1)تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص آنحضرتﷺ کے سامنے کوئی بات کرے یا کوئی کام کرے اور آنحضرتﷺ کے سامنے سے روکنے ٹوکنے میںبھی کوئی مانع نہ ہو اور آپﷺ اس شخص کی تائید کریں یا کم از کم نہ ٹوکیںتووہ بات یا فعل بھی قابل عمل اور جائز ہوجائے گا _

2)ملاحظہ ہو : دلائل الصدق ج 1 ص 384 تا ص 386_

3)ملاحظہ ہو : فتح الباری ج 3 ص 81_

ہے دوسرے لفظوں میں بھولنا ہے _ جبکہ اگر مصلحت مقصود تھی تو اس کا مطلب ہے بھول چوک نہیں تھی) _

اور بھول پر باقی نہ رہنے کا جو دعوی کیا گیا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی شان اور کرامت کی حفاظت اور آپ ﷺ کے فرامین پر اطمینان کیلئے نا کافی ہے (کیونکہ آپ ﷺ بھولے تو پھر بھی ہیں _ خدا نے اس مسئلے کو جلدی یاد دلادیا _ اور وہ بھی کسی اور شخص کے ذریعہ دیگر معاملات میں کیا ضمانت ہے کہ آپ ﷺ نہیں بھولیں گے ؟ اور اگر نعوذ باللہ بھول بھی گئے تو خدا آپ ﷺ کو فوراً یاد دلادے گا ؟ اگر جلدی بھی یاد دلادی ، اس سے کوئی نیا حکم اخذ نہیں ہوگا ؟ اور پھر آپ ﷺ کے حافظے پر کتنا اعتبار رہ جائے گا؟ اور ...) اسی طرح یہ سہو اور بھول لوگوں کی نظر میں آپ ﷺ کی قداست پر بھی برا اثر ڈالتی ہے اور یہ بات نہایت ہی واضح ہے _

اسی مناسبت سے یہاں سہو ، نسیان اور خطا سے آنحضرت ﷺ کی عصمت اور پھر گناہوں سے آنحضرت ﷺ کی عصمت اور ان کے جبری یا اختیاری ہونے پر بحث میں کوئی مضائقہ نہیں ہے _پس گفتگو دو حصوں مینہوگی_ پہلا حصہ سہو ، نسیان اور خطا سے عصمت سے بحث سے متعلق ہے اوردوسرا حصہ گناہوں سے عصمت سے متعلق ہے _

سہو ، خطا اور نسیان سے بچنا اپنے اختیار میں ہے

بظاہر بھول چوک اور خطاؤں سے بچنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے _ اور نماز میں پیش آنے والے واقعہ کو اگر صحیح تسلیم کرلیاجائے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ خدا کی طرف سے کسی مصلحت کے پیش نظر آپ ﷺ کو سہو میں مبتلا کرنا تھاورنہ آپ ﷺ وسلم خود نہیں بھولے تھے_ اس بات کا اثبات مندرجہ ذیل نکات کے بیان میں پوشیدہ ہے _

1_ کوئی شخص اگر اپنے آپ کو نہ بھولنے ، حفظ کرنے اور دقت کرنے کی مشق کرائے تو وہ یاد رکھنے اور نہ بھولنے پر زیادہ قادر ہوجائے گا _اور اس شخص کی خطا کی نسبت اس دوسرے شخص سے بالکل کم ہوگی جسے کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی کہ اسے کوئی چیز بھول جائے یا یاد رہ جائے ، کسی چیز کا اضافہ ہو یا پھر حافظہ میں کمی ہو _ پس اگر وہ اس کام پر خصوصی توجہ دے گا تو اس میں نسیان اور خطا کا احتمال بھی کم ہوجائے گا _ اور جتنا جتنا اس

کام کو وہ اہمیت دے گا اتنا اتنا اس کے خطا اور نسیان کا احتمال بھی کم ہوتا جائے گا _ اور یہ چیز محسوس اور تجربے سے معلوم کی جاسکتی ہے _ اور عام انسان کی بہ نسبت یہ بات صادق ہے _ اور کسی کے ادراکات ، ذہنی اور فکری قوتیں جتنی زیادہ اور طاقتور ہوں گی اسے اپنے حافظے اور دماغ پر زیادہ قابو ہوگا اور خطا، نسیان اور سہو کا احتمال اتنا ہی کم ہوگا _ جس طرح دودھ پلانے والی ماں کے لئے اپنے دودھ پیتے بچے سے غفلت عام طور پر ناممکن ہوتا ہے _ اور ہمارے نبی ﷺ تو ہر کمال اور فضیلت کی چوٹی پر فائز ہیں _ آپ ﷺ وہ اولین انسان ہیں جو روئے زمین پر خلافت الٰہی کا حقیقی نمونہ ہیں _ آپ ﷺ وہ انسان ہیں جو خدا کی ذات میں فنا ہیں یعنی آپ ﷺ کا ہدف اور مقصد خدا کی خوشنودی کا حصول اور اہداف خداوندی کا تحقق تھا _ پس طبیعی بات تھی کہ آپ ﷺ کی گرد پاتک بھی کوئی نہ پہنچ پاتا اور کوئی بھی بشر آپ ﷺ کے حافظے کا مقابلہ نہ کرپاتا _ خاص کر ان امور میں جو آپ ﷺ کے اعلی مقاصد ، اپنے رب کی عبادت اور اطاعت سے متعلق تھے _ اور خصوصاً جب آپ ﷺ خدا کو حقیقتاً ہر موقع پر حاضر اور ناظر جانتے تھے _ اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ مزید کسی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیںہے _

مزید یہ کہ آنحضرت ﷺ نے دین اور احکام دین کی حفاظت کے لئے جتنی کوشش اور جد و جہد فرمائی وہ آپ ﷺ پر خدا کے الطاف و احسانات کا باعث بنی اور (والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا) اور (ولینصرن اللہ من ینصرہ) نیز (ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا) کے مصداق آپ ﷺ کی بھلائیوں اور تائیدات ایزدی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور آپ ﷺ کے سب راستے صاف ہوتے چلے گئے _

2_بعض چیزیں ایسی ہیں جونسیان کا باعث بنتی ہیں _اور ہر شخص ان چیزوں سے پرہیز کرسکتا ہے _ اس بناپر وہ ان چیزوں سے پرہیز کر کے ان کے اثرات یعنی سہو اور نسیان سے بھی بچ سکتا ہے _ روایات میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر آیا ہے _ بطور مثال جو چیزیں نسیان کا باعث بنتی ہیں ان میں سے ایک پنیر (cheese) کھانا، قبروں کے کتبے پڑھنا ، ہرادھنیا کھانا ، بہت زیادہ پانی پینا ، جسم کے بعض حصوں کے ساتھ بے فائدہ چھیڑ چھاڑ کرنا ، زیادہ پریشان ہونا جو اکثر وبیشتر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے_ اور ان جیسے اور کام کرنا ہیں _

جبکہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو حافظے کو زیادہ کرتی ہیں _ بطور مثال کثرت سے یاد دہانی ، کشمش کھانا ، قرآن مجید کی تلاوت کرنا ، خدا کا ذکر کرنا اورنیکی کے کا م کرنا ہیں اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائشے نہیں ہے _ واضح ہے اسباب اور وسائل پر قدرت رکھنے کا مطلب اس امر یعنی مسبب پر قدرت رکھنے کی طرح ہے (یعنی اگر آپ اپنے آپ کو خود پینا ٹائز کرسکتے ہیں ، کشمش و غیرہ کھا سکتے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرسکتے ہیں اور اس طرح کے حافظے بڑھانے والے دیگر کام کرسکتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اپنا حافظہ بڑھا سکتے ہیں) _ پس انسان اپنے آپ کو فلاں چیز کے نہ بھلانے پر تکلف اور مامور کرسکتا ہے یا اپنے حافظے بڑھانے والے کام کرسکتا ہے کیونکہ اسے اس کے اسباب فراہم کرنے کی قدرت حاصل ہے _ اور ایسے مسبب(امور) کا فریضہ شریعت میں بھی زیادہ ہے جسے انسان صرف اس کے اسباب (مقدمات و غیرہ) کے اوپر قدرت رکھنے اور انہیں فراہم کرنے سے ہی انجام دے سکتا ہے_

3_ بہت سی آیتیں ایسی ہیں جو نسیان کی مذمت کرتی ہیں _ بلکہ بعض آیتوں میں تو نسیان پر فوری سزا دینے یا دنیا میں ہونے والے نسیان کی وجہ سے آخرت میں عذاب دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے _ نمونے کے لئے ہم مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں :

(و من اظلم ممن ذكّر بآيات ربه فاعرض عنها و نسى ما قدمت يداه) [1]

اور اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جسے اپنے پروردگار کی نشانیاں یاد دلائی جائیں لیکن وہ ان سے روگردان ہوجائے اور اپنے کرتوتوں کو بھی بھول جائے_

یہاں پر آیت کے سیاق اور لفظ " ذکّر" کی موجود گی کی وجہ سے لفظ " نسی " سے تجاہل عارفانہ مراد نہیں لیا جاسکتا _ حالانکہ بعض مفسرین نے یہی کہنا چا ہا ہے _ یہی صورتحال مندرجہ ذیل آیتوں کی بھی ہے _

پس ان آیتوں میں لفظ نسیان کا مطلب تجاہل عارفانہ نہیں بلکہ حافظے سے ہٹ جانا یعنی سستی ، روگردانی

---

1) کہف /57_

اور اہمیت نہ دینے کی وجہ سے بھول جانا ہے _

(یحرفون الکلم عن مواضعه و نسو ا حظاً مما ذکّروا به)

" الفاظ کو اپنی جگہ سے بدل کر تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس (عذاب) سے اپنا حصہ بھول جاتے ہیں جس کی انہیں یاد دہانی کرائی گئی تھی " (1)

(فالیوم ننساھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا)

" پس قیامت کے دن ہم بھی انہیں اس طرح خود سے بے خبر کردیں گے جس طرح انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا " (2)

(و لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم)

" اور ان لوگوں جیسے مت بنو جنہوں نے خدا کو بھلادیا تھا جس کے نتیجے میں خدا نے بھی انہیں خود سے بے خبر کردیا تھا " (3)

(نسوا اللہ فنسیھم)

"" انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے بھی انہیں اپنے حال پر چھوڑدیا " (4)

(اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم)

"کیا تم لوگ دوسروں کو تو نیکیوں کا حکم دیتے ہو لیکن اپنے آپ کو بھول جاتے ہو ؟" (5)

(فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم ھذا)

" پس اس دن کی ملاقات کو فراموش کرنے پر عذاب کا مزہ چکھو" (6)

---

1)مائدہ /13_ (2)اعراف /10_

3)حشر /9_

4)توبہ /67_

5)بقرہ/4_

6) حم سجدہ/14_

(ربّنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا) [1]

" پروردگار گر ہم بھول جائیں یا ہم سے کوئی خطا سر زد ہوجائے تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا "

اور خدا سے ایسی خواہش تب صحیح اور جائز ہوسکتی ہے جب نسیان پر مؤاخذہ اورگرفت بھی صحیح اور جائز ہو_ اور اس بارے میں آیات بہت زیادہ ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائشے نہیں ہے _

اسی طرح بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جو نسیان سے منع کرتی ہیں _ اور لازمی بات ہے کہ نہی اور ممانعت کسی اختیاری اور مقدور کام سے ہوسکتی ہے _ جو چیز بس میں نہ ہو اس سے ممانعت عبث ہے اور خدا سے یہ کام محال ہے _ ارشاد ربانی ہے :

(و لا تنس نصیبک من الدنیا) [2]

" اور دنیا سے اپنے حصے کو فراموش مت کر"

(و لاتنسوا الفضل بینکم) [3]

" اور ایک دوسرے سے بھلائی کو فراموش مت کرو "

اور مذکورہ آیتوں میں نسیان سے مراد" ترک "لینا بھی ہمارے مدعا کی نفی نہیں کرتا کیونکہ اس ترک سے مراد سستی اور اہمیت نہ دینے سے پیدا ہونے والے نسیان کی وجہ سے ترک کرنا ہے _ اس علم کے ساتھ کہ مکلف (انسان) کے امکان اور بس میں ان چیزوں کا نہ بھولنا اور یاد رکھنا بھی ہے _ کیونکہ سبب پر قدرت رکھنا مسبب پر قدرت رکھنے کے مترادف ہے _ پس اس صورت میں نسیان اور فراموشی پر عذاب عقلی لحاظ سے قبیح نہیں ہوگا [4]

---

1)بقرہ /286_

2)قصص/77_

3)بقرہ /237_

4)ملاحظہ ہو : اوثق الوسائل ص 262_

پختہ ارادہ

ہم مندرجہ ذیل آیت میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ خدا نے نسیان کے اختیاری ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے_ ارشاد الٰہی ہے:

(ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی و لم نجد له عزماً)

" اور ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے عہد لے لیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہیں دیکھی "

_

پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر آدم علیہ السلام میں طاقت ، تحمل اور پختہ ارادہ ہوتا تو وہ ایسا کام کبھی نہ کرتا_ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نسیان، صبر و تحمل پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے تھا (یعنی بے صبری کی وجہ سے وہ عہد خداوندی کو بھول گیا) _ اور نسیان بھی بے صبری کی پیدا وار ہے _ پس انسان کی قدرت ، ارادے کی پختگی ، تحمل اور طاقت جتنی بڑھتی جائے گی اس آیت کی روسے اس کا نسیان اتنا ہی کم ہوتا جائے گا _ اور نسیان کے اختیاری ہونے کی ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ " رفع عن امتی النسیان " (میری امت سے نسیان پر مؤاخذہ اٹھا لیا گیا ہے) اور یہ مؤاخذہ خدا کے لطف و کرم سے مسلمانوں کی آسانی کے لئے اٹھایا گیا ہے [1] _

اور اٹھائی وہ چیز جاتی ہے جسے رکھا اور وضع کیا جائے اور وہ یہاں مؤاخذہ ہے _ اور مؤاخذہ صرف اختیاری امور پر ہوتا ہے چاہے اس پر اختیار اس کے سبب پر اختیار کے ذریعہ سے ہی ہو _ کیونکہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ سبب پر قدرت مسبب پر قدرت کے برابر ہے _

تبلیغ و غیرہ میں عصمت

گذشتہ باتوں کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سہو ، نسیان اور خطا سے عصمت ثابت

---

1)اس کا مطلب ہے کہ گذشتہ امتوں کا نسیان کی وجہ سے مؤاخذہ ہوتا تھا _

ہوگئی ہے تو یہ عصمت بلا قید و شرط ہوگی _ یہ نہیں ہوگا کہ ایک مقام کے لئے تو ثابت ہولیکن دوسرے کے لیئے نہیں _

کیونکہ ملکہ ہمیشہ ناقابل تبعیض اور ناقابل تجزیہ ہوتا ہے پس اس بنا پر بعض افراد کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف تبلیغ دین میں معصوم ہیں _ بلکہ آپ ﷺ ہر وقت اور ہرجگہ معصوم ہیں اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے _

گناہوں سے عصمت بھی اختیاری ہے :

ایک جواب طلب سوال

تمام مسلمانوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ہر لحاظ سے معصوم ہیں [1] اور شیعیان اہل بیت علیہم السلام عصمت و طہارت تمام انبیاء کے علاوہ بارہ اماموں کو بھی معصوم جانتے ہیں _ اور وہ اس لئے کہ ان کی اطاعت اور پیروی سب پر واجب ہے _ اور اگر (نعوذ باللہ) ان سے گناہ سرزد ہوتے ہونتو پھر ان کی اطاعت کا جواز ہی معقول نہیں ہے چہ جائیکہ ان کی اطاعت واجب ہو _ اس لئے کہ اس کا مطلب خود گناہوں کے ارتکاب کو جائز قرار دینا ہے اور یہ بات نامعقول ہے _ کیونکہ ایک تو اس صورت میں گناہ اپنے گناہ ہونے سے خارج ہو کر ایک جائز فعل کی صورت اختیارکرلیں گے اور دوسرا یہ کہ یہ بات انبیاء کی بعثت اور نبوت کی حکمت اور فلسفے کے بھی خلاف ہوگا _ البتہ ہم یہاں ان باتوں کی مکمل تفصیلات اور مختلف اقوال پر تفصیلی بحث کے در پے نہیں ہیں _ یہاں ہم فقط اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ کیا انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی عصمت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی سکت اور استطاعت ہی نہیں ہے اور وہ اطاعت کے علاوہ کسی اور کام کی قدرت ہی نہیں رکھتے؟ دوسرے لفظوں میں کیا وہ اطاعت کرنے اور گناہوں سے

---

1)گرچہ بعض افراد کو تمام انبیاء علیہم السلام کے عموی عصمت پراعتراض ہے لیکن شیعیان اہل بیت علیہم السلام اس بات کے قائل ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی ولادت سے رحلت تک معصوم اور خدا کی حمایت اور رہنمائی کے زیر سایہ ہوتے ہیں _ اور ان کی عصمت صرف ان کے دور نبوت کے ساتھ خاص نہیںہے _

دوری اختیار کرنے پر مجبور ہیں؟ اگر وہ ان باتوں پر مجبور ہیں تو پھر وہ کس بات پر افضل ہیں ؟ ان پر یہ فضل و کرم کیوں کیا گیا ؟ ہم ان کی طرح اس بات پر مجبور کیوں نہیں ہوئے ؟ خدا کس لئے ہمیں ناپسندیدہ کاموں کے انجام کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے پھر ہمیں جہنم میں عذاب اور جنت سے محروم کر کے ہمیں سزا کیوں دے گا ؟ پھر مجبور ہو کر اطاعت کرنے او رگناہوں سے دوری اختیار کرنے والے شخص کو جنت دینا اور جہنم سے دور رکھنا کیا صحیح اور مناسب ہے ؟

جواب :

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب سے بچاؤ اختیار ی ہے _ اس بات کی تفصیل کے لئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے _ پس ہم مندرجہ ذیل نکات میں اس کی وضاحت کرتے ہیں :

اسلام اور فطرت

جو شخص بھی اسلام کی آسمانی تعلیمات کا مطالعہ اور ان میں غور و فکر کرے گا تو اسے اس قطعی حقیقت کا ادراک ہوگا کہ یہ تعلیمات انسانی فطرت اور طبیعت کے ساتھ بالکل سازگار ہیں البتہ اگر اس خالص فطرت پر غیر متعلقہ بیرونی عوامل یکبار گی دباؤ ڈال کر اسے دبا نہ دیں [1] _

حتی کہ آپ زمانہ جاہلیت کے بعض افراد کو مشاہدہ کریں گے کہ انہوں نے جھوٹ بولنے ، شراب پینے ، زنا کرنے اور بتوں کی پوجا کرنے کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا او رکتاب " امالی " کے مطابق جناب جعفر بن ابی طالب اور چند دوسرے لوگ بھی انہی افراد میں سے تھے [2] _

اسی طرح قیس بن اسلت نے بتوں سے دوری اختیار کر لی تھی، وہ جنابت کا غسل کیا کرتا تھا ، حیض

---

1)اس بارے میں ماہنامہ المنتظر فروری1999 کے صفحہ 28 پر مترجم کا چھپنے والا مضمون " انسان میں دینی فطرت کا وجود" بھی قابل ملاحظہ ہے_

2)"شخصیات اور واقعات " کی فصل میں تحریم خمر کی گفتگو کے دوران ان افراد کا ذکر بھی آئے گا جنہوں نے اپنے او پر شراب حرام کر رکھی تھی _

والی عورتوں کو صاف ستھری ہونے نیز سب کو صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا تھا ...[1] _

جناب عبدالمطلب بھی اپنی اولاد کو ظلم اور زیادتی نہ کرنے کا حکم دیتے تھے اور انہیں اخلاق حسنہ پر اکساتے تھے ، پست کاموں سے روکتے تھے ، آخرت پر یقین رکھتے تھے، بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے اور خدا کی وحدانیت کے قائل تھے _ اور اس نے ایسے رسوم کی بنیاد رکھی جن کی اکثریت کی قرآن نے تائید کی ہے اور وہ سنت قرار پائے ہیں _ جن میں سے ایک نذر کی ادائیگی ، دوسری ،محرموں سے نکاح کی حرمت ، تیسری چور کے ہاتھ کاٹنا ، چوتھی ،لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کی ممانعت ، پانچویں ،شراب کی حرمت ، چھٹی ، زنا کی حرمت اور ساتویں ننگے بدن بیت اللہ کے طواف سے ممانعت ہے [2] _

اور قرآن نے نہ صرف یہ تصریح کی ہے بلکہ وعدہ بھی کیا ہے اور اپنے اوپر لازم بھی قرار دیا ہے کہ یہ نیادین ، دین فطرت ہوگا _ اس لحاظ سے کہ اگر اس کی تعلیمات میں سے کوئی حکم بھی خلاف فطرت ثابت ہوجائے تو اسے ٹھکرایا جاسکتا ہے اور اسے جعلی ، عجیب و غریب اور غیر آسمانی قرار دیا جاسکتا ہے _ ارشاد خداوندی ہے:

(فاقم وجهک للدین حنیفاً فطرة الله التی فطرالناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون) [3] _

" پس اپنا رخ اس پائندہ اور سیدھے دین کے مطابق کرلو کہ یہ ایسی خدائی فطرت کے مطابق ہے جس پر اس نے لوگوں کو خلق کیا _ اور خلق خدا کے لئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی _ یہ ایک سیدھا دین ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں "

اور علامہ طباطبائی کے بقول " یہ اس وجہ سے ہے کہ انسان ایسی فطرت پر پیدا ہوا ہے جو اسے اپنے

---

1)سیرہ نبویہ ابن کثیر ج2 ص 190، ص 191_

2)سیرہ حلبیہ ج 1 ص 4 و سیرہ نبویہ دحلان (مطبوعہ بر حاشیہ سیرہ حلبیہ) ج 1 ص 21_

3)روم /30_

نقائص دور کرنے اور ضروریات پوری کرنے کی طرف راہنمائی کرتی ہے او راس کو زندگی میں فائدہ مند اور نقصان وہ چیزوں سے مطلع کرتی ہے _ ارشاد پروردگار ہے :

(و نفس و ماسوّاها فالهمها فجورها و تقواها) (1)

" نفس (روح) کی اور اس کو ہموار کر کے اسے اچھائیوں اور برائیوں کے الہام کرنے والے کی قسم "

پس دین اسلام ایک ایسا نظام اور دستور ہے جو انسان کی ہدایت کرتا ہے ، اچھائیوں اور بھلائیوں کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اسے برائیوں اور بدبختیوں سے روکتا ہے_ اور یہ نظام ،نفس انسانی کو کئے جانے والے ان خدائی الہامات کے بالکل مطابق ہے جن کی خدا نے اسے پہچان کرادی تھی _ اسی طرح عقل بھی اس کی پرورش اور حفاظت کرتی ہے اور اسے راستہ دکھا کر اسے ڈگمگانے یا اپنے خواہشات کی سرکشی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اپنے من پسند ادراکات اور احکام کی طرف جھکاؤ سے روکتی ہے اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ عقل اندرونی شریعت ہے اور شریعت بیرونی عقل ہے _ اس بناپر ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایت کی پیروی نہ کرنے والے اور سیدھے راستے پر نہ چلنے والے کو قرآن مجید ان الفاظ سے یاد کرتا ہے:

(ارایت من اتخذ الهه هواه افانت تکون علیه وکیلاً ام تحسب ان اکثرهم یسعمون او یعقلون ان هم الّا کالانعام بل هم اضل سبیلا) (2)

"کیا آپ ﷺ نے اس شخص کی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے او ر اس کی پیروی میں لگا ہوا ہے ؟ کیا پھر بھی آپ ﷺ اس پر اعتبار کرتے ہیں؟ یا یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اکثریت سنتی اور سمجھتی ہے ؟ (ایسا نہیں) بلکہ وہ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر لوگ ہیں "

---

1)فرقان /44_

2)شمس/8_

نیز یہ بھی کہتا ہے :

(و لقد ذرانا لجنهم کثیراً من الجن و الانس لهم قلوب لا یفقهون بها و لم اعین لا یبصرون بها و لهم اذان لا یسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضل و اولئک هم الغافلون) [1]

" اور ہم نے تو بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لئے تیار کیا ہوا ہے کیونکہ (قصور ان کا اپنا ہے) ان کے دل و دماغ توہیں لیکن وہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں ، آنکھیں تو ہیںلیکن وہ ان سے حقیقت کو دیکھتے نہیں اور دماغ توہیں لیکن وہ ان سے ہدایت کی باتیں سنتے نہیں_ یہ لوگ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں اور یہی لوگ غافل ہیں "

پس قرآن مجید ایسے لوگوں کو جانور کی طرح سمجھتا ہے جو اپنی خواہشات نفسانی کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں، عقل کی ہدایت اور کہنے پر عمل نہیں کرے اور اسی عقل سے سازگار امر و نہی الہی پر کان نہیں دھرتے _ یہ لوگ ان جانوروں کی طرح ہیں جو اپنی مرضی اور خواہش پر کسی بھی طرف کو نکل پڑتے ہیں اور ان کے پاس عقل نام کی کوئی ایسی چیز نہیںہوتی جس سے وہ روشنی اور ہدایت حاصل کرتے اورنہ ہی وہ ایسے راستے (شریعت) پر چلتے ہیں جو انہیں عقل کے احکام کی طرف راہنمائی کرتا _ بلکہ قرآن تو ان لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہے _ کیونکہ اگر جانور اقتضائے عقل بشری کے خلاف کوئی کام کریں _ بطور مثال درندگی کریں ، خرابی مچائیں یا کوئی چیز تلف کردیں تو نہ تو انہیں کوئی ملامت کی جائے گی اور نہ ہی ان سے کوئی حساب کتاب ہوگا _ کیونکہ انہوں نے اپنی عادت اور غریزے کے مطابق کام کیا ہے _ اس لئے کہ یہ غریزے اور خواہشات ہی ہیں جو انہیں چلاتے ہیں اور ان کے رفتار اور سلوک پر حاکم ہوتے ہیں اور ان کے پاس تو عقل ہی نہیں ہوتی کہ جس سے وہ ہدایت حاصل کرتے _ لیکن اگر یہی جانور عقل مندی کا کوئی کام کرنے لگیں ، بطور مثال

---

1) اعراف / 179_

اگر ہم یہ دیکھ لیں کہ کوئی بھیڑیا کسی بھیڑ پر حملہ نہیں کر رہا یا کوئی بلی کسی چو ہے کا پیچھا نہیں کر رہی تو ان کے اس فعل سے ہم تعجب کرنے لگیں گے اور وہ ہماری محفلوں کا موضوع گفتگو بن جائیں گے _ کیونکہ یہ چیز ان کے متوقعہ فطرت اور جبلت کے برخلاف ہے چاہے ان کا یہ کام سوجھ بوجھ کے ساتھ نہ بھی ہو ، کیونکہ ان کی عقل ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ یہ کام سدھائے جانے ، عادت بنانے اور مانوس ہونے کے نتیجے میں کرتے ہیں (جس طرح سرکسوں میں جانوروں کے کئی کر تب دکھائے جاتے ہیں) _

لیکن انسان اگر ظلم کرنے لگے ، جھوٹ بولنے لگے ، غیبت کرنے لگے، بر بادی کرنے لگے یا اپنی بہتری ، دین یا عقل کے خلاف کوئی اور کام کرنے لگے تو وہ اپنی فطرت اور جبلت کے تقاضوں کے خلاف کام کرے گا ، اپنے راستے سے منحرف ہوجائے گا اور انسانیت سے خارج ہوجائے گا اور اس صورت میں وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوگا _ (کیونکہ وہ اپنی بے عقلی اور بے شعوری کے باوجود محیر العقول کام کرجاتے ہیں جبکہ مذکورہ افراد عقل و شعور رکھنے کے با وجود نامعقول کام کرتے ہیں) مزید یہ کہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جانور اپنے لئے مضر کسی کام کا ارتکاب نہیں کرتے لیکن انسان اپنی نفسانی خواہشات اور شہوات اور غریزوں کے پیچھے لگ کر اپنے لئے مضر کاموں کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور اپنی سعادت اور خوشبختی کو تباہ کر ڈالتے تو ہمیں یہ کہنا ہی پڑے گا کہ بے شک جانور اس انسان سے زیادہ ہدایت یافتہ اور عقلمند ہیں _

پس گذشتہ تمام باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان اپنے لئے فائدہ مند چیزوں کے حصول اور مضر چیزوں سے دوری کی کوششوں پر پیدا کیا گیا ہے _ اور اسلامی احکام انسانی فطرت اور طبیعت کے مطابق ہیں_ اور انسان کی اپنے لئے مضر چیزوں سے دوری اور باعث سعادت اور راحت چیزوں کے حصول کی کوششیں اس میں ایسی فطری خصوصیات ہیں جن سے دوری ، اختلاف اور چھٹکارا ممکن نہیں ہے _ اسی بناپر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عقل مند انسان (چا ہے وہ مؤمن نہ بھی ہو) فطری طور پر ایسے کام نہیں کرتا جن کے مضر اور برے ہونے پر اسے پختہ یقین ہو _ بطور مثال وہ اپنے ارادے اور اختیار سے زہر نہیں کھائے گا_ بلکہ وہ کسی ایسی جگہ پر بھٹکے گا بھی نہیں جہاں کے متعلق اسے یہ یقین ہو کہ اس کی وہاں موجود گی سے اسے

کسی بھی قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہے _ اسی طرح وہ اپنی اولاد و غیرہ کو کبھی قتل نہیں کرے گا ، مگر یہ کہ اس پر خواہشات یا نیند یا غصہ و غیرہ جیسے عقل کو زائل کرنے والی ان چیزوں کا غلبہ ہوجائے جو اس موقع پر عقل کے تسلط اور مناسب کار کردگی سے مانع ہوتی ہیں _ بلکہ ہم ایک بچے کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے آگ کو ہاتھ لگانے کی جرات تو کر بیٹھتا ہے لیکن جب آگ اسے تکلیف پہنچاتی ہے اور اسے بھی اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ آگ تکلیف دیتی ہے تو پھر وہ اپنے ارادے اور اختیار سے آگ کے قریب بھی نہیں بھٹکتا مگر اس پر نیند جیسی کوئی زبردست قوت غالب آجائے جو اس کے اس شعور پر غلبہ پالے _

پس عقل مند لوگ(چاہے وہ مومن نہ بھی ہوں بلکہ بچے تک بھی) زہر کھانے ، اپنے آپ کو آگ میں جلانے اورہر اس چیز کے ارتکاب سے معصوم ہیں جن کے مضر اور برے ہونے کا انہیں یقین ہو _

مگر یہ کہ یہاں کوئی ایسی زبردست طاقت ان کے ارادوں اور ان کے عقل پر غلبہ پا کر انہیں ذہن پر تسلط سے منع کردے اور کام کرنے سے روک دے اور ان کے سامنے مضر خواہشات کو صحیح اور فائدہ مند جلوہ نما کر کے انہیں دھوکے میں مبتلا کردے _

عصمت کے لئے ضروری عناصر

گذشتہ معروضات میں دقت کرنے سے یہ واضح ہوجائے گا کہ بچے کا آگ سے بچنا اور عقل مندوں کا زہر کھانے سے پرہیز کرنا مندرجہ ذیل امور سے متعلق اور انہی کے نتیجے میں ہے :

1_ انسان اپنی آسودگی ، سعادت اور تکامل میں مدد کرنے والی چیزوں کے حصول اور اپنے لئے مضر ، بری اور باعث بدبختی چیزوں سے دوری اختیار کرنے کی کوششوں کی فطرت پر پیدا ہوا ہے _ یعنی انسان کی ارتقاء پسند فطرت _

2_ کسی خاص حقیقت کا ادراک پھر مذکورہ کسوٹی پر اس حقیقت کی پر کھ اور جانچ پڑتال_

3_ عقل کی قوت اور ایسے موقعوں پر اس کا تسلط اور تمام نفسانی اور شہوانی طاقتوں پر اس کا غلبہ اور ان

خواہشات اور طاقتوں کو ان رستوں پر ڈالنا جن میں انسان کی بھلائی ، آسودگی اور سعادت ہو _

4_انسان کا اختیار اور ارادہ اور اس کا ان نفسانی خواہشات سے بچاؤ جو اس سے ارادے اور اختیار کو سلب کرلیتی ہیں _

پس جب یہ چار چیزیں مکمل ہوں تو انسان ان چیزوں کے ارتکاب سے معصوم ہوجائے گا جنہیں وہ یقینی طور پر اپنے لئے مضر سمجھے گا _ او راپنے آپ کو ان کاموں کی انجام دہی کا پابند سمجھے گا جنہیں وہ اپنی ترقی ، ارتقاء اور انسانیت کی بھلائی کے لئے مفید سمجھے گا _ اور مذکورہ عناصر کی تکمیل کے بعد ہم انسان کو صرف سیدھے رستے پر چلتا ہوا ہی دیکھیں گے جو اپنی بھلائی اور بہتری کے کام انجام دے گا اور اپنے لئے مضر اور نقصان دہ کاموں سے پرہیز کرے گا _ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ شخص کون ہے اور کس وقت کیا کررہا ہے _

اور جب وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے لوگ اپنے ادراک کے درجات ، ذہنی اور فکری سطح ، نفسانی اور شہوانی خواہشات جیسے دوسرے باطنی طاقتوں پر عقل کے تسلط کے قوت اور ضعف اور ادراکات کی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو طبیعی بات ہے کہ ان کی عصمت کے درجات اور مقامات بھی مختلف ہوں گے _ یہ اختلاف ان کے ادراکات ، بصیرتوں ، اعتدال اور باطنی قوتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے _ اسی لئے اکثر اوقات علماء کو دیگر لوگوں سے زیادہ مذکورہ امور کا پابند دیکھا جائے گا بلکہ بسا اوقات ان سے کسی بھی غلطی کا ارتکاب مشاہدہ نہیں ہوگا _ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کا ادراک وسیع اور زیادہ ہے نیز دوسروں کی بہ نسبت ان کے ادراک کی نوعیت ، کیفیت اور گہرائی بہت فرق کرتی ہے _ بلکہ اس صورت میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے تمام انسانوں کے لئے یہ واجب قرار دیا ہے کہ سب معصوم ہوں_ اور وہ اس طرح کہ خدا نے تمام انسانوں پر اپنی اطاعت والے تمام کاموں (واجبات) پر عمل در آمد اور تمام برائیوں اور نافرمانی والے کاموں (گناہوں) سے اجتناب کو ضروری قرار دیا ہے _ اور یہ فریضے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر مکلّف (انسان) میں یہ طاقت پائی جاتی ہے کہ وہ کسی بھی گناہ کا مرتکب نہ ہو کیونکہ

تکلیف اور فریضہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط اس کی انجام دہی پر قدرت اور طاقت رکھنا بھی ہے (یعنی جب کسی میں کسی کام کی قدرت ہی نہیں ہے تو اس کو اس کام کا پابند کرنا معقول نہیں ہے اور خدا کبھی کوئی نامعقول کام نہیں کرتا) _ وگرنہ خدا کو یہ استثناء بیان کرتے ہوئے بطور مثال یہ کہنا چاہئے تھا کہ ایک دو گناہوں کے علاوہ باقی سب گناہوں سے بچو کیونکہ تم سب سے پرہیز نہیں کرسکتے _ بلکہ یہ استثناء تو اس فعل کو سرے سے گناہ ہونے سے ہی خارج کردیتی ہے (یعنی وہ فعل جائز ہوجاتا ہے جبکہ گناہ کا مطلب اس کا عدم جواز ہے _ اس صورت میں گناہوں اور ناقابل ارتکاب افعال کا دائرہ محدود ہوجاتا ہے _ بہرحال چونکہ لوگ ان گناہوں سے بچ سکتے ہیں اس لئے خدا نے ان سے بچنے کا حکم دیا ہے وگرنہ خدا ایسا نہ کرتا) _ اس لحاظ سے سلمان فارسی ، ابوذر ، مقداد ، عمار اور شیخ مفید و غیرہ جیسے لوگوں کو بھی بطور مثال کسی بھی گناہ اور نافرمانی کے عمدی ارتکاب سے معصوم کہا جاسکتا ہے _ البتہ ان لوگوں میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام علیہ السلام میں یہ فرق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہوں کا تصور بھی نہیں کرسکتے اور نہ ہی انہیں گناہوں کے ارتکاب کی کوئی رغبت ہوتی ہے کیونکہ انہیں حقیقت حال کا علم ہوتا ہے اور ان کاموں کی برائیوں اور بھلائیوں کا عین الیقین ہوتا ہے _ اس کے علاوہ انہیں خدا کی جلال اور عظمت کی وسیع اور گہری معرفت ہوتی ہے اور خدا کے حاضر ہونے کا شدت سے احساس ہوتا ہے _ جبکہ دوسرے لوگوں کو انبیاء اور ائمہ کی معرفت کی طرح اکثر احکام کی صحیح علّت اور خدا کی عظمت ،جلال اورملکوت کا صحیح علم اور ادراک نہیں ہوتا _ اس لئے وہ بعض گناہوں میں رغبت تو رکھتے ہیں لیکن وہ صرف خدا کی اطاعت میں اور خدا کا حکم مانتے ہوئے ان گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں _

خلاصہ یہ کہ لوگوں کی (ذہنی ، عملی اور ہر قسم کی) سطح مختلف ہوتی ہے جس کی وجہ سے فرائض پر پابندی کے لحاظ سے ان کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں اور عام طور پر علماء فرائض کے زیادہ پابند ہوتے ہیں _ اگر چہ کہ ان میں بھی بعض ایسے افراد مل جاتے ہیں جن کی نفسانی خواہشات کے مقابلے میں ان کی عقل کمزور پڑجاتی ہے _ جس کی وجہ سے فرائض پر ان کی پابندی میں بھی ضعف اور فرق آجاتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے علماء کی بہ نسبت ان کی معصومیت کا مرتبہ کم ہوجاتا ہے _ البتہ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں بلکہ حقیقی علماء میں ایسے لوگ ہوتے ہی نہیں ہیں _ اسی لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ خدا حقیقی علماء کی تعریف کرتے

ہوئے کہتا ہے :

(انما یخشی اللہ من عبادہ العلمائ)

" خدا سے توصرف علماء ہی ڈرتے ہیں " [1]

توضیح اور تطبیق:

انبیاء اور ائمہ کو توفیقات اور عنایات الٰہی اور ان سے بڑھ کر وحی اور خدا سے رابطے نیز شریف اور عظیم پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہونے کی وجہ سے صرف صفات حسنہ اور انحصاری کمالات ہی حاصل ہوئے ہیں _ انھی وجوہات کی بناپر وہ وسعت ادراک اور مثالی انسانی سلوک کی چوٹی ہیں _ نیز حقائق اور مستقبل قریب اور بعید میں ان کے مثبت اور منفی اثرات اور نتائج سے بھی وہ بلا شک صحیح معنوں میں واقف تھے اور ان کی واقفیت اور ادراک میں کسی شک وشبہ کی بھی گنجائشے نہیں تھی _ وہ خوبیوں ، ذہنی اور صحیح نفسانی اور نفسیاتی طاقتوں کے بھی درجہ کمال پر فائز تھے _ وہ سب لوگوں سے زیادہ دانا ، تمام عقلمندوں سے بھی زیادہ عاقل ، ہر بہادر سے بھی زیادہ بہادر اور تمام نیک اور اچھی صفات کے حامل ہونے کے لحاظ سے وہ سب مخلوقات سے زیادہ کامل اور افضل تھے _ کیونکہ وہ انسانی طبعی اور فطری تقاضوں سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوسکتے تھے _ اور ان کی عقل اتنی پختہ اور طاقتور تھی کہ نفسانی اور شہوانی خواہشات جیسی دیگر باطنی طاقتیں انہیں نہ تو دھوکہ دے سکتی تھیں اور نہ ان پر غلبہ پاسکتی تھیں_ بلکہ ان کی عقل ہی ہمیشہ ان پر غالب رہتی ، ان پر حکومت کرتی ، انہیں منظم کرتی ، انہیں چلاتی اور ان پر نگرانی کرتی تھی _

بلاشک وہ انھی صفات اور خصوصیات کی وجہ سے فطری طور پر کسی گناہ اور ناپسندیدہ عمل کے ارتکاب سے اس طرح معصوم تھے جس طرح کوئی بچہ آگ کو چھیڑنے سے بچتا ہے اور عقلاء زہر کھانے سے کتراتے ہیں اورہر اس چیز کے ارتکاب سے بچتے ہیں جوان کے وجود ، شخصیت ، مستقبل اور موقف کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے _

---

1)فاطر /28_

پس گذشتہ باتوں کے علاوہ ، عقل کا نقصان دہ اور فائدہ مند نیز اچھی اور بری چیزوں کا صحیح معنوں میں ادراک ، نیز خدا اور خدا کی عظمت ، جلالت ، احاطہ ، قدرت ، حکمت اور تدبیر کی کمال معرفت اور امر و نہی کے مقام صدور کی پہچان اور قیامت ، ثواب اور سزا پر اس کا پختہ ایمان ، یہ سب چیزیں مل کر اس شخص کے لئے برائیوں اور گناہوں کے ارتکاب کے تصور کو بھی ناممکن اور نا قابل قبول بنا دیتی ہیں کیونکہ عقل اور گناہ ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف ہیں _ یہی وجہ ہے کہ جب ہم کسی شخص سے ملتے ہیں اور اس کے تمام حالات ، عادات ، خصوصیات ، ترجیحات اور افکار سے واقف ہوتے ہیں تو اس سے منسوب ایسی ساری باتیں جھٹلانے پر مجبور ہوجاتے ہیں جو اس کی شخصیت کے مناسب نہیں ہوتیں _ اور جتنا جتنا ہمارے لئے ثابت ہوتا جائے گا کہ اس کی مزکورہ صلاحیتیں پختہ اور راسخ ہیں اتنا ہی ہمارے لئے اس سے منسوب باتوں کا قبول سخت اور دشوار ہوتا جائے گا _ اور گذشتہ باتوں کی رو سے جو شخص برائیوں سے دور اور اچھائیوں پر پابند رہنے کی کوشش کرے گا تو توفیقات الہی بھی اس کے شامل حال ہوتی جائیں گی کیونکہ (ولینصرن اللہ من ینصرہ) ، (و من یتق اللہ یجعل لہ فرقاناً) اور (والذین اهتدوا زاد هم هدی و آتا هم تقوا هم)

پھر خدا نیک لوگوں کی اس جماعت میں سے اس شخص کو چن لیتا ہے جس کی عقل ان لوگوں میں سب سے کامل اور شخصیت سب سے افضل اور خیر اور کمال کی صفات کی جامع ہوتی ہے _ لیکن یہ واضح ہے کہ ان لوگوں کے متعلق خدا کے علم اور چناؤ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کسی قول یا فعل پر مجبور ہیں _ اسی بناپر عصمت سے کوئی جبر اور زبردستی لازم نہیں آتی کہ یہ کہا جائے کہ معصوم تکوینی (پیدائشی) طور پر سرے سے گناہوں کے ارتکاب کی طاقت نہیں رکھتا _ بلکہ عصمت ان معنوں میں ہوتی ہے کہ ان سے یہ افعال سرزد نہیں ہوتے _ اور علمی الفاظ میں یوں کہا جائے گا کہ معصوم میں گناہوں کا مقتضی ہی موجود نہیں ہوتا (اس کے دل میں گناہ کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی) اور نہ ہی اس میں گناہوں کے ارتکاب کے لئے علت موثرہ پائی جاتی ہے (اسے گناہوں کے ارتکاب پر کوئی چیز نہیں ابھار سکتی) _ بلکہ اس کے دل میں ارتکاب گناہ کا تصور بھی نہیں ابھرتا _ پس ان معنوں میں کہاجاسکتا ہے کہ ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے _ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح

ہم یہ کہیں کہ بچے کا اپنے آپ کوآگ میں گرانا محال ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کام اس کے لئے مقدور ہی نہیں ہے _ بدیہی اور واضح سی بات ہے کہ یہ کام اس کے لئے مقدور تو ہے لیکن ہمارے اس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کام کرے گا ہی نہیں _ اس طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کا ظلم کرنا محال ہے اور خدا کبھی ظلم نہیں کرسکتا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خدا ظلم کرنے پر قادر نہیں ہے _ کیونکہ بلاشک وہ اپنے سب سے زیادہ فرمانبردار بندے کو بھی عذاب میں مبتلا کرسکتا ہے _ لیکن ہمارے کہنے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ خدا ایسا کام نہیں کرے گا کیونکہ یہ کام حکمت خداوندی کے منافی ہے اور خدا کی شان اور عظمت کے بھی خلاف ہے_

پس گذشتہ تمام باتوں کی روسے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ خدا کا اپنے بعض بندوں کو چن کر ان کے ہاتھ سے معجزہ دکھلانا اس بندے کے کامل اور معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس طرح پہلے بھی اشارہ کرچکے ہیں یہ معقول ہی نہیں ہے کہ خدا لوگوں کی ہدایت اور قیادت کے لئے اس شخص کا انتخاب کرے جو خود گناہگار اور نافرمان ہو _

حضرت محمد ﷺ افضل ترین مخلوق

گذشتہ باتوں کی رو سے اب ہمارے لئے سمجھنا آسان ہوگیا ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کیوں تمام مخلوقات حتی کہ دیگر تمام انبیاء ومرسلین سے بھی افضل ہیں _ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گرچہ تمام انبیاء معصوم ہیں اور سب کو گناہوں کے ا ثرات اور نتائج کابخوبی علم تھا اور وہ سب خدا کی عظمت اور جلالت اور ملکوت کی معرفت بھی رکھتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں سے زیادہ معرفت رکھتے تھے، لیکن ہمارے نبیصلی اللہعلیہو آلہوسلم کو ان اثرات اور ان کے پہلوؤں اور ہر نسل کے مختلف جوانب پر اس کے انعکاس کا اور اسی طرح خدا کے لامتناہی جلال اور بے اندازہ عظمت کا زیادہ گہرا اور حقیقی ادراک اور علم تھا _ کیونکہ عقل ، حکمت ، دانائی ، گہرے ادراک ، شجاعت ، کرم اور حلم میں بلکہ ، مثالی اور نمونہ عمل انسان کی تمام صفات حمیدہ اور اخلاق حسنہ

میں بلکہ تمام چیزوں میں آنحضرت ﷺ سب سے کامل ، افضل اور اولین شخصیت ہیں _ پس اس لئے آپ ﷺ سب سے افضل ہیں کہ آپ ﷺ کی عصمت سب سے زیادہ عمیق ، پائیدار ، زیادہ پر اثر اور وسیع تھی _ اسی بناپر آپ ﷺ اپنی عبادتوں میں خدا سے سب سے زیادہ راز و نیاز کرنے والے اور سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے _

حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " کا صحیح مطلب

اسی طرح جب ہم اس حدیث کو مشاہدہ کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ " علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل " [1] _(میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں) تو اپنے آس پاس موجود ان علماء کو دیکھتے ہوئے اس حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکتے جن سے بعض لا یعنی باتوں اور صغیرہ گناہوں کے سرزد ہونے کا احتمال رہتا ہے _کیونکہ یہ معقول نہیں ہے کہ یہ شخص جس سے گناہوں کے ارتکاب کا اندیشہ رہتا ہے اس معصوم کی طرح ہوجائے جس کے متعلق نہ یہ اندیشہ رہا ہو ، نہ اس سے سرزد ہوا ہو اور نہ اس کے دل میں گناہ کا خیال تک آیا ہو _ اس لئے اس کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ یہ علماء معرفت ، علم اور بصیرت کے لحاظ سے ان انبیاء کی مانند ہیں کیونکہ یہ علماء دینی ، تاریخی اور دیگر معارف میں ان حقائق سے مطلع ہوئے جن کا علم گذشتہ انبیاء کو نہیں تھا _ لیکن یہ توجیہ قرآنی منطق سے میل نہیں کھاتی_کیونکہ قرآن مجید ، تقابل اور افضیلت کا معیار تقوی اور اعمال صالحہ کو قرار دیتا ہے _ ارشاد خداوندی ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) ترجمہ: " خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ متقی شخص ہے " [2]

اور حدیث قدسی میں بھی آیا ہے : " میں جنت میں اس شخص کولے جاؤں گا جو میری اطاعت کرے گا چاہے وہ حبشی غلام ہی ہو اور دوزخ میں اسے لے جاؤں گا جو میری نافرمانی کرے گا چاہے وہ قریشی سردار ہی ہو " _

---

1)بحار الانوار ج 2 ص 22 از غوالی اللئالی _

2)حجرات /13_

پس لازمی ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل علماء سے مراد نہ صرف ان انبیاء کی طرح معصوم شخصیات ہوں بلکہ انہیں ان انبیاء سے یہ امتیاز بھی حاصل ہو کہ ان کا ادراک ان سے زیادہ بھی ہو اور اس امت بلکہ نسلوں پر ہر فعل کے اثرات کا انہیں عین الیقین بھی ہو _ بلکہ گذشتہ عہد کے لوگوں کی تاریخ ، عقائد اور تبدیلیوں کا بھی مشاہدہ کرچکے ہوں اور ان سے مطلع ہوں اور خود بھی ان سے زیادہ زمانے اور صعوبتیں دیکھ چکے ہوں اور بنی اسرائیل کے انبیاء بھی انہیں پہچانتے ہوں _ مزید یہ کہ ان کے پاس ان تمام معلومات اور واقعات اور ان کے تمام جوانب اور مستقبل قریب یا بعید میں ان کے تمام پوشیدہ اور ظاہر اثرات کے ادراکات کے تحمل اور ان سے نتیجہ گیری کرنے کے لئے بہت زیادہ طاقت اور قدرت بھی ہونی چاہئے تا کہ جس طرح ہم نے پہلے بھی تفصیل سے بتایا ہے ان کی عصمت ان سے زیادہ دقیق ، عمیق ، پائیدار ، پر اثر اور وسیع ہو_ اور ہمیں تاریخ میں بارہ اماموں کے علاوہ ایسی خصوصیات کامالک کوئی اور شخص نہیں ملتا _ اور رسول ﷺ خدا نے بھی انہیں ثقلین کا ایک حصہ اور کتاب خدا کا ہم پلّہ قرار دیا تھا اور امت پر ان سے تمسک ، ان سے ہدایت کے حصول اور ان کے اوامر اورنواہی کی پیروی کو واجب قرار دیا تھا جن میں سے پہلی شخصیت حضرت علی عليه‌السلام اور آخری حضرت مہدی عليه‌السلام ہیں _

چوتھا عنوان

خمس کا شرعی حکم اورسیاست

محترم قارئین سے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ عہد نبویﷺ میں لاگو ہونے والے خمس کے حکم کی مختصر وضاحت کریں گے ـ اور چونکہ علامہ علی احمدی نے اس موضوع پر نہایت مفید گفتگو کی ہے اس لئے ہم بھی کچھ اضافات کے ساتھ حتی الامکان انہی کی باتوں سے استفادہ کریں گے ـ

ارشاد خداوندی ہے :

(و اعلموا انّما غنمتم من شی فان للہ خمسه و للرسول و لذی القربی و الیتامی و المساکین و ابن السبیل)

"او رجان لو کہ تمھیں جس چیز سے غنیمت (نفع) حاصل ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ خدا ، رسول ، رسول ﷺ کے قریبیوں (ذوالقربی) ، یتیموں ، مسکینوںاور (بے پناہ) مسافروں کا ہے"(1)

غنیمت کا معنی

بعض مسلمان فرقوں کے علماء کا نظریہ ہے کہ " غنیمت وہ مال ہے جو میدان جنگ میں کفار سے حاصل

---

1)انفال /41ـ

ہو"_ جبکہ شیعوں کا اپنے ائمہ کی پیروی میں (لغویوں کی تشریح کے مطابق) یہ نظریہ ہے کہ " غنیمت ہر وہ مال ہے جو کسی بدلے اور معاوضہ کے بغیر (یعنی مفت) حاصل ہو " _ لغوی کہتے ہیں : " غُنم : مشقت کے بغیر کسی چیز کو پانا ، مفت حاصل کرنا " ، " اغتنام : فرصت کو (یا کسی چیز کو)غنیمت سمجھنا " اور " غنم الشي غنما : کسی چیز کا بلا مشقت حصول اور بدلے کے بغیر ہاتھ لگنا " _ راغب کہتا ہے : " غنم کا اصل مطلب کسی چیز کو اچانک پانا اور اسے حاصل کرنا ہے لیکن پھر ہر اس چیز کو "غنم " کہا جانے لگا جسے غلبہ پاکر حاصل کیاجائے " [1] یہ تو ہوئی لغویوں کی بات _ پھر جب ہم احادیث اور خطبوں میں کلمہ " غنم " کے استعمال کو دیکھتے ہیں تووہاں بھی ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ لفظ کا استعمال ہر چیز کے ہمہ قسم حصول پر ہوتا ہے یعنی ہر قسم کے نفع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے _ ہمارے اس مدعا پر دلیل کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے یہ فرامین بھی کافی ہیں :

(من اخذ بها لحق و غنم)[2]

" جو دین کی شاخوں کو پکڑ لے گا وہ اس کی حقیقت تک پہنچ جائے گا اور فائدہ مند رہے گا "

(ویری الغنم مغرماً و الغرم مغنماً)[3]

" وہ نفع کو نقصان سمجھتا ہے اور گھاٹے کو فائدہ "

(و اغتنم من استقرضک)[4]

" اور تم اس شخص کو غنیمت سمجھو جو تم سے کوئی چیز ادھار مانگے "

(الطاعة غنیمة الاکیاس)[5]

" اطاعت عقلمندوں کے لئے فائدہ مند اور غنیمت ہے "

---

1)ملاحظہ ہو: لسان العرب ، اقرب الموارد ، مفردات راغب ، قاموس النهایه ابن اثیر ، معجم مقاییس اللغه ، تفسیر رازی ، مصاحبه اللغات و لغت کی دیگر کتب _

2)نہج البلاغہ خطبہ 118 (بعض میں 120 ہے) _ (3)نہج البلاغہ کلمات قصار حکمت 150_ (4) نہج البلاغہ خط نمبر 31_

5)نہج البلاغہ کلمات قصار حکمت نمبر 331_

اس کے علاوہ حدیث میں بھی ہے کہ :

(الرهن لمن رهنه له غنمه و علیه غرمه)[1]

" رہن کا مال گروی رکھنے والے شخص کی ملکیت ہے اس کا نفع بھی اسی کا ہوگا اور نقصان بھی "

(الصوم فی الشتاء الغنیمة الباردة)[2]

" سردیوں کا روزہ بلا مشقت (مفت) کی کمائی ہے "

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے :

(عندالله مغانم کثیره) [3]

" خدا کے پاس تو بہت سارے خزانے (اور فائدے) ہیں "

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کو کوئی زکات دی جاتی تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے:

(اللّهم اجعلها مغنماً ولا تجعلها مغرماً) [4]

" خدایا اسے فائدہ مند (اور با برکت) بنا گھاٹا (اور تاوان) مت بنا "

نیز فرمایا:

(غنمیة مجالس الذکر الجنة) [5]

" وعظ و نصیحت کی محفلوں کا فائدہ جنت ہے "

نیز روزے کی تعریف میں فرمایا :

(هو غنم المؤمن) [6]

" یہ مومن کے لئے غنیمت اور مفت کی کمائی ہے "

---

1)النہایة ابن اثیر مادہ " غنم"_ (2)النہایة ابن اثیر مادہ ' ' غنم " _ (3)نساء /94_ (4)سنن ابن ماجہ (کتاب الزکات) حدیث نمبر 1797_

5)مسند احمد ج 2 ص 177_ (6) ملاحظہ ہو : مقدمہ مرآة العقول ج 1 ص 84و ص 85_

اس کے علاوہ بھی کثیر احادیث اور روایات ہیں _

پس اس بنا پر لغت میں " غنم " کا معنی ہے "ہر وہ چیز جو کسی بھی طرح سے حاصل ہو " _ لیکن بعض لوگوں کی طرف سے " بلا مشقت " کا اضافہ اس کے گذشتہ استعمال کے برخلاف ہے _ اور اس سے مجازی معنی مرادلینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اکثر مقامات پر اس لفظ کا مجازی معنی میں استعمال ہونے کا عقیدہ رکھا جائے _ جبکہ قرآن مجید میں ہی خود آیت خمس کا اطلاق ہر اس مال پر ہوتا ہے جس سے فائدہ حاصل ہو _ اور ان میں وہ مال غنیمت بھی ہے جو جنگ میں بڑی مشقت کے بعد حاصل ہوتا ہے _ اور بعض شخصیات [1] کا یہ کہنا بھی کہ " اس لفظ کا اصل معنی پہلے ہر قسم کا نفع اور فائدہ تھا لیکن بعد میں صرف مال غنیمت کے ساتھ خاص ہوگیا " صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں یہ الفاظ صرف ان معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوئے بلکہ اصل معنوں میں اس سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں _ پھر اگر یہ شک بھی پیدا ہوجائے کہ یہ لفظ اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یا نہیں تو اس صورت میں اس لفظ کا اصلی لغوی معنی مراد لیا جائے گا _ پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر اس چیز پر خمس واجب ہے جو انسان کو حاصل ہو چاہے وہ کافروں سے جنگ کے میدان سے بھی نہ ہو _ اور اس چیز کا اعتراف قرطبی نے بھی کرتے ہوئے کہا ہے : " لغت کے لحاظ سے تو آیت میں منافع کو جنگ کے مال غنیمت سے مخصوص نہیں کیا جاسکتا " لیکن اس بارے میں وہ کہتا ہے : " لیکن علماء نے اس تخصیص پر اتفاق کرلیاہے " (2)اور اس کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ علمائے اہل سنت نے آیت کے ظاہری مفہوم اورمتبا در معنی کے خلاف اتفاق کرلیا ہے _

آنحضرتﷺ کے خطوط میں خمس کا تذکرہ

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے خطوط بھی اس بات کی تاکید اور تائید کرتے ہیں کہ خمس جس طرح جنگ کے مال غنیمت پر واجب ہے اسی طرح جنگ کے علاوہ دیگر منافع میں بھی واجب ہے _ اور غنیمت سے اس کا

---

1)اس سے مراد علامہ بزرگوار جناب سید مرتضی عسکر ی صاحب ہیں جنہوں نے یہ بات مرآۃ العقول کے مقدمہ میں لکھی ہے _

2) تفسیر قرطبی ج 8 ص 1 _

عام معنی مراد ہے [1] پس مندرجہ ذیل باتیں ملاحظہ ہوں _

1_ قبیلہ بنی عبدالقیس نے آنحضرت ﷺ سے کہا ، " ہم پورے سال میں صرف حرام مہینوں میں ہی آپ ﷺ کے پاس آسکتے ہیں کیونکہ ہمارے رستے میں قبیلہ مضر کے کافروں کی ایک شاخ پڑتی ہے _ اس لئے آپ ﷺ ہمیں ایسے قطعی احکام بیان فرمادیں جنہیں ہم واپس جا کر قبیلہ والوں کو بھی بتائیں اور جن پر عمل درآمد سے ہم جنت بھی جاسکیں " اور انہوں نے آپ ﷺ سے کھانے پینے کے مسائل بھی پوچھے _ اس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا _ آپ ﷺ نے انہیں خدائے واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا _ پھر پوچھا : " جانتے ہو خدائے واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے ؟ " انہوں نے کہا " خدا اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں " _ پھر آپ ﷺ نے فرمایا : " اس کا مطلب یہ گواہی دینا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ، (حضرت) محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں ، نماز قائم کرنا ہے ، زکات ادا کرنا ہے ، ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہے اور ہر بچت اور نفع سے خمس ادا کرنا ہے ..." [2] _ یہاں یہ بات واضح ہے کہ بنی عبدالقیس کا قبیلہ بہت کمزور قبیلہ تھا جو صرف حرام مہینوں میں (جن میں جنگ حرام تھی اور کسی کو کسی سے کوئی سر و کار نہیں ہوتا تھا) ہی اپنے گھروں سے باہر نکل سکتے تھے اور ان میں لڑنے جھگڑنے کی کوئی سکت ہی نہیں تھی (لیکن آپ ﷺ نے پھر بھی انہیں خمس ادا کرنے کا حکم دیا) نیز ہمارے مدعا کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جنگ کے مال غنیمت کا اختیار قائد اور سردار لشکر کے پاس ہوتا ہے اور وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے ، وہ اس سے خمس نکال کر باقی واپس کردیتا ہے جسے سپاہیوں میں آپس میں بانٹ دیا جاتا ہے اور اس میں قائد کو خود افراد سے کوئی غرض نہیں ہوتی جبکہ آپ ﷺ کے اوامر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ایسے احکام کے بجالانے کا حکم دیا جن کا تعلق صرف افراد کے ساتھ تھا یعنی وہ انفرادی احکام تھے اور وہ ہر فرد کا فریضہ تھے جن کو اسے کیفیت یا کمیت میں اضافے کے ساتھ بجالاتے رہنا چاہئے

---

1)مولانا محمد حسین نجفی صاحب کے لئے خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے _ (2)بخاری طبع مشکول ج 1 ص 22 و ص 32 و ص 139 ، ج 2 ص 131 و ج 5 ص 213، ج 9 ص 112 ، صحیح مسلم ج 1 ص 36، سنن نسائی ج 2 ص 333 و مسند احمد ج 1 ص 228 و ص 361، ج 3 ص 318 و ج 5ص 36 ، الاموال ابو عبید ص 20 ، ترمذی باب الایمان ، سنن ابو داؤد ج 3 ص 330 و،ج 4 ص 219 ، فتح الباری ج 1 ص 120 و کنز العمال ج 1 ص 20 و ص 19 حدیث نمبر 4_

تھا جس طرح ایمان ، نماز اور زکات ہے _ اسی طرح خمس بھی زکات و غیرہ کی طرح ہے اور یہ ان سے کوئی مختلف نہیں ہے

2_ آنحضرت ﷺ نے عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے ہوئے اسے ایک لمبا دستور نامہ بھی ساتھ لکھ کردیا تھا جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اسے اضافی اور بچت کے مال سے خدا کا حصہ خمس وصول کرنے کا حکم دیا تھا (1) اور اس جملے کا معاملہ بھی گذشتہ جملے کی طرح ہے _

3_ آنحضرت ﷺ نے یمینوں کے قبیلہ بنی عبد کلال کو شکریے کا ایک خط لکھا جس میں آپ ﷺ نے عمروبن حزم کے ذریعہ بیان ہونے والے آپ ﷺ کے گذشتہ احکام کی تعمیل کرنے پر خود عمروبن حزم اور قبیلہ بنی عبدکلال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا : " تمہارا نمائندہ ملا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ تم نے اپنے اضافی مال سے خدا کا خمس ادا کردیا ہے " (2)_

یہاں یہ بھی وضاحت کردیں کہ ہم تاریخ میں بعد از اسلام اس قبیلے کی کسی سے کسی جنگ کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ انہوں نے اس جنگ سے مال غنیمت لوٹا ہو اور اسے عمروبن حزم کے ہمراہ بھیجا ہو _

4_ آنحضرت نے قبیلہ قضاعہ کی شاخ قبیلہ سعد ہذیم اور جذام کو ایک خط لکھا جس میں آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ خمس اور صدقات کو آپ ﷺ کے دو نمائندے ابّی اور عنبسہ کے یا جس کو آپ ﷺ بھیجیں، اس کے حوالے کریں (3) حالانکہ یہ قبیلے تازہ اسلام لائے تھے اور ان کی کسی سے جنگ بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس سے مراد مال غنیمت کا خمس لیا جاتا_

---

1)تاریخ ابن خلدون ج 2 ، تنویر الحوالک ج 1 ص 157 ، البدایہ و النہایہ ج 5 ص 76 ، سیرہ ابن ہشام ج 4 ص 242 ، کنز العمال ج 3 ص 186 ، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ ج 2 ص 517، الخراج ابو یوسف ص 77، مسند احمد بن حنبل ج 2 ص 14 و ص 15 ، سنن ابن ماجہ ج 1 ص 573ص 575و ص 577 سنن دارمی ج 1 ص 281 و ص 385 و ج 2 ص16تا ص 195 ، الاصابہ ج2 ص 532، سنن ابو داؤد ج 2 ص 98وص 99 ، الدر المنثور ج 2 ص 253 ، التراتیب الاداریہ ج 1 ص 248 و ص 249 و سنن ترمذی ج 3 ص 17 ، نیز از رسالات نبویہ 204 ، طبری ج 2 ص 388 ، فتوح البلدان بلاذری ص 80 ، اعلام السائلین ص 45 ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ص 175 ، فریدون ج 1ص 34 ، اھدلی ص 68 و الامتاع مقریزی ص 139_

2)الاموال ابوعبید ص 21 ، سنن بیہقی ج 4 ص 89 ، کنز العمال ج 3 ص 186 و ص 252و ص 253 از طبرانی و غیرہ ، مستدرک حاکم ج 1 ص 395 ، الدر المنثور ج 1ص 343، مجمع الزوائد ج 3 نیز ازتہذیب ابن عساکر ج 6 ص 273 و ص 274 ، جمہرۃ رسائل العرب ج 1 ص 89 ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ص 185 از اھدلی ص 67 و 68 از ابن حبان و المبعث ص 141 _

3)طبقات ابن سعد ج 1 حصہ 2 ص 23 و ص 24 ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ص 224 و مقدمہ مرآۃ العقول ج 1 ص 102و ص 103_

5_ اسی طرح مختلف قبیلوں اور ان کے سرداروں کو بھیجے گئے سولہ سے بھی زیادہ دیگر خطوط میں آنحضرتﷺ نے ان پر خمس واجب قرار دیا تھا _ اور وہ قبائل اور شخصیات درج ذیل ہیں : قبیلہ بکاء، بنی زہیر ، حدس، لخم ، بنی جدیس،لاسبذبین ، بنی معاویہ ، بنی حرقہ، بنی قیل ، بنی قیس ، بنی جرمز، اجنادہ اور اس کا قوم و قبیلہ ، قیس اور اس کا قبیلہ ، مالک بن احمر، بنی ثعلبہ کے بزرگ صیفی بن عامر ، فجیع اور اس کے ساتھی ، قبیلہ بنی عامر کے سردار نہشل بن مالک اور جہینہ بن زید ، نیز یمنیوں ، بادشاہان حمیر اور بادشاہان عمان کو خطوط میں بھی اس بات کی تاکید کی تھی ان خطوط اور دستاویزات کو مندرجہ ذیل منابع میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے [(1)]

ان خطوط پر ایک نظر

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان خطوط میں ذکر ہونے والے الفاظ " مغنم ،غنائم اور مغانم " سے مراد صرف جنگ سے حاصل ہونے والا مال غنیمت ہے _ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہوگی ، کیونکہ : 1_ اس موقع پر جنگوں کا اعلان ، ان کی قیادت اور ان کا نظم و انتظام خود رسول ﷺ خدا کے یا آپﷺ کی طرف سے قیادت کے لئے منصوب کسی شخص کے ذمہ ہوتا تھا _ پھر آپﷺ کے بعد آنے والے خلفاء یا ان کی طرف سے منصوب افراد کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی _ اور کسی قبیلے کو بھی اپنی طرف سے جنگ چھیڑنے یا جنگ کی ٹھاننے کا کوئی اختیار اور حق نہیں ہوتا تھا _ اور تاریخ میں بھی ہمیں کسی ایسی جنگ کا تذکرہ نہیں ملتا جس میں

---

1)اسعد الغابہ ج 4 ص 175 و ص 271 و ص 328 و ج 5 ص 40 و ص 389 و ج 1 ص 300 و الاصابہ ج 3 ص 338 و ص 199 و ص 573 ، ج 1 ص 53، ص 247 و ص 278 و ج 2 ص 197 ، طبقات ابن سعد ج 1 ص 274 ، ص 279 ، ص 66 ، ص 269 ص 271، ص 268 ، ص 270 ، ص 284، ج 7 حصہ 1 ص 26 و ج 5 ص 385، رسالات نبویہ ص 237 ، ص 102، ص 103، ص 131، ص 253، ص 138، ص 188 ، ص 134 ، مجموعہ الوثائق السیاسیہ ص 121 ، ص 264 و ص 273از اعلام السائلین ، ص 98، ص 99 و ص 252، ص 250، ص 216، ص 196، ص 138، ص 232، ص 245، ص 180 ، کنز العمال ج 2 ص 271ج 5 ص 320، ج 7 ص 64از رویانی ، ابن عساکر ، ابوداؤد ، کتاب الخراج و طبقات الشعراء جمحی ص 38، سنن بیہقی ج 6 ص 303 ، ج 7 ، ص 58 و ج 9 ص 13، مسند احمد ج 4 ص 77، ص 78 و ص 363 ، سنن نسائی ج 7 ص 134، الاموال ابوعبید ص 12، ص 19، ص 20 ، ص 30 ، الاستیعاب تعارف عمر بن تولب و ج 3 ص 381،جمہرۃ رسائل العرب ج 1 ص 55 و ص 68از شرح المواہب زرقانی ج 3 ص 382 ، صبح الاعشی ج 13 ص 329 نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیہ از اعلام السائلین ، نصب الرایہ ، المغازی ابن اسحاق ، المصنف ابن ابی شیبہ ، معجم الصحابہ المعتقی ، میزان الاعتدال ، لسان المیزان ، تاریخ یعقوبی ، صبح الاعشی و الاموال ابن زنجویہ ، تاریخ یعقوبی ج 2 ص 64، البدایہ و النہایہ ج 5 ص 46 و ص 75و ج 2 ص 351از ابونعیم ، تاریخ طبری ج 2 ص 384، فتوح البدان بلاذری ص 82 ، سیرہ حلبیہ ج 3 ص 258 ، سیرہ ابن ہشام ج 4 ص 248 و ص 260 ، سیرہ زینی دحلان ج 3 ص 30 ، المصنف ج 4 ص 300 ، طبقات الشعراء ابن سلام ص 38 و مجمع الزوائد ج 8 ص 244_

انہوں نے مستقل طور پر کوئی جنگ کی ہو _ اور اگر ایسا ہوتا بھی تو اس صورت میں مناسب یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کے قائدین اور جرنیلوں کو خط لکھتے کیونکہ مال غنیمت کا خمس نکال کر آپ ﷺ کو بھیجنے اور باقی کو جنگجوؤں میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی تھی _

2_ یہ مذکورہ قبیلے حجاز، شام ، بحرین اور عمان میں بستے تھے اور اکثر قبیلے اتنے چھوٹے اور کمزور تھے کہ ان میں جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں تھی کہ آپ ﷺ ان سے جنگ کے مال غنیمت کا مطالبہ کرتے _

3_ اگر ان الفاظ سے مراد صرف جنگ کا مال غنیمت ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہر کسی کو ہر جگہ اور ہر وقت دشمن پر چڑھائی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی جاتی جس سے انار کی پھیل جاتی اور اسلامی حکومت کے لئے بہت زیادہ اور مہلک ، خطرات کا باعث بنتی اور کسی عاقل ، سمجھدار اور با تدبیر شخصیت سے کوئی ایسا حکم جاری نہیں ہوسکتا _ نیز ہم نے تاریخ میں بھی کوئی ایسا حکم اور اس حکم پر عمل در آمد سے پھیلنے والی انار کی کی کوئی مثال نہیں دیکھی _

4_پہلے بھی بتاچکے ہیں کہ ان خطوط میں خدا اور رسول ﷺ پر ایمان اور خمس اور زکات کی ادائیگی جیسے کچھ انفرادی احکام کا بیان تھا _ جو ہمیں اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ ماہیت کے لحاظ سے خمس بھی ان احکام سے کوئی مختلف نہیں ہے _ اور یہ کوئی نادر حکم نہیں تھا کہ ان کی عملی زندگی سے غیر متعلق ہوتا اور کئی دہائیوں بلکہ صدیوں تک انہیں اس پر عمل کرنے کا موقع نہ ملتا_ بلکہ یہ تو ان کی روزمرہ زندگی کا ایک عمومی حکم تھا _

وافر مال پر خمس واجب ہے

آنحضرت نے وائل بن حجر کو بھی ایک خط لکھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا : " سُیوب پر بھی خمس واجب ہے"(1)

1) اسد الغابہ ج 3 ص 38، الاصابہ ج 2 ص 208 و ج 3 ص 413 ، بحارا لانوار ج 6 9ص 83و ص 190 ، الاستیعاب (برحاشیہ الاصابہ) ج 3 ص 643 ، جامع احادیث الشیعہ ج 8 ص 73 ، العقد الفرید ج 1 باب الوفود ، البیان و التبیین ، وسائل الشیعہ کتاب الزکاة باب تقدیر نصاب الغنم ، معانی الاخبار ص 275، شرح الشفاء قاری ج 1 ص 18، تاریخ ابن خلدون ج 2 ، سیرہ نبویہ دحلان (بر حاشیہ سیرہ حلبیہ ج 3 ص 49، الشفاء قاری ج1 ص 14 نیز از المعجم الصغیر ص 243 ، رسالات نبویہ ص 67 و ص 297از المواہب اللدنیہ ، زرقانی نیز نہایہ ابن اثیر، لسان العرب ، تاج العروس ، نہایة الارب و غریب الحدیث ابوعبید میں ذیل لفظ "سیب " اور"قیل"و طبقات ابن سعد ج 1 ص 287_

زیلعی کہتا ہے : " سَیب یعنی عطاء کسی اور چیز کا یونہی مل جانا اور سُیوب یعنی زمین میں چھپا ہوا خزانہ " (1)

جبکہ لغت کی اکثر کتابوں میں " سُیوب " کی وضاحت بھی " عطا " یعنی و افر مال سے کی گئی ہے _ اس بناپر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے سُیوب کو صرف چھپے ہوئے خزانے سے کیوں مخصوص کیا ہے جبکہ چھپے ہوئے خزانے تو سُیوب کا ایک حصہ اور فرد ہیں اور سیوب کا لفظ عام اور مطلق ہے (جس کا اطلاق ہر وافر مال پر ہوتا ہے) کیا یہ خمس کے حکم کو ہر اضافی مال سے مستثنی کرنے کے لئے لغت میں ان کا اجتہاد اور جھوٹی اور باطل تاویل نہیں ہے؟

بلکہ انہوں نے تو اسے زمانہ جاہلیت میں مدفون خزانوں سے مخصوص کردیا ہے _

اور ہماری سمجھ میں تو اس کی وجہ بالکل بھی نہیں آئی کیونکہ لفظ " سیوب " ان شرطوں کے ساتھ بالکل بھی مخصوص نہیں ہے کیونکہ ہر اضافی مال اور ہرچھپے ہوئے خزانے کو سیوب کہا جاتا ہے _ نیز یہ لفظ تو زمانہ جاہلیت میں بھی استعمال ہوا کرتا تھا اور یہ معقول ہی نہیں ہے کہ خود زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی سیوب کے متعلق یہ کہیں کہ اس سے مراد زمانہ جاہلیت میں مدفون خزانہ ہے

لگتا یہی ہے کہ اس بات سے ہمیں انہوں نے یہ سمجھا نے کی کوشش کی ہے کہ اس طرح وہ مال ان کافروں سے لوٹا ہوا مال غنیمت بن جائے گا جن سے جنگ واجب ہے _ تا کہ یہ بات ان کے مذہب کے موافق ہوجائے _ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ لغت کی کتابیں کہتی ہیں کہ سیب کا اصل معنی مہمل ، فاضل اور چھوڑی ہوئی چیز ہے اور " سائبہ " سے مراد ہر وہ جانور ہے جس کا کوئی مالک اور نگران نہ ہو اور زمانہ جاہلیت میں بھی جس اونٹنی کو آزاد اور بلا مالک اور نگران چھوڑ دیا جاتا اسے " سائبہ" کہا جاتا تھا _ اور حدیث میں بھی ہے کہ " کل عتیق سائبۃ " (ہر پرانی چیز کسی کی چھوڑی ہوئی ہوتی ہے) _ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میںبھی " سیوب" سے مراد ہر متروک اور چھوڑی ہوئی اور ایسی فاضل چیز ہے جس کی انسان کو روزمرہ میں ضرورت نہ ہو اس لئے اس پر خمس واجب ہوجاتا ہے _

---

1)تبیین الحقائق ج 1 ص 288_

مزید دلائل

آنحضرت ﷺ نے عرب کے بعض قبیلوں کو لکھا کہ زمین کی وادیاں ، میدان ،ٹیلے ، اوپر اورنیچے سب تمہارے لئے ہے تا کہ تم اس کے نباتات اور سبزیوں سے استفادہ کرو اور پانی پیئو اور اس کا خمس بھی ادا کرو [1]اس کلام کا سیاق و سباق ہمیں واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ یہاں مراد جنگ کے مال غنیمت کا خمس نہیں ہے، کیونکہ جنگ کے مال غنیمت کا زمین کی وادیوں ، ٹیلوں ، میدانوں اور ان کے ظاہر اور باطن سے استفادہ کرنے اور اس کے نباتات اور پانی سے استفادہ کرنے کا آپس میں اور پھر ان کا اور (ان کے نظریئے مطابق) خمس کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں بنتا اور نہ ہی اس جملے کی کوئی تک بنتی ہے _ مگر اس صورت میں کہ زمین سے حاصل ہونے والی ہر چیز پر خمس کے وجوب کا بھی قائل ہوا جائے _ اس بات کی تاکید اور تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خمس کے ذکر کے بعد بھیڑ بکریوں کی زکات کا تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ کاشتکاری کریں گے تو ان سے بھیڑ بکریوں کی زکات معاف ہوگی _البتہ بظاہر یہ بات انہیں زراعت کی ترغیب دینے کے لئے کی گئی تھی _

معدنیات اور مدفون خزانوں پر بھی خمس ہے

اہل سنت کے نزدیک بھی معدنیات اور مدفون خزانوں پر خمس کا حکم ثابت ہے [2]

---

1) طبقات ابن سعد ج 4 حصہ 2 ص 167 نیز از مجموعۃ الوثائق السیاسیہ ص 219 ، رسالات نبویہ ص 228 ، کنز العمال ج 7 ص 65و جمع الجوامع مسند عمروبن مرہ اور اسے مرآۃ العقول ج 1 میں النہایہ ابن اثیر اور لسان العرب لفظ " صرم " سے نقل کیا گیا ہے _

2)الاموال ابوعبید ج 33 ص 337، ص 473، ص 477، ص 476، ص 468، ص 467، نصب الرایہ ج 2 ص 382، ص 381 و ص 380، مسند احمد ج 2 ص 228 ، ص 239، ص 254، ص 274، ص 314، ص 186، ص 202، ص 284، ص 285، ص 319، ص 382 ، ص 386، ص 406، ص 411، ص 415، ص 454،ص 456،ص 467، ص 475، ص 482، ص 493، ص 495، ص 499، ص1 50و ص 507، ج 3 ص 354، ص 353،ص 336، ص 356، ص335، ص 128و ج 5 ص 326، کنز العمال ج 4 ص 227و ص 228، ج 19 ص 8و ص 9و ج 5ص 311 ، مستدرک حاکم ج 2 ص 56، مجمع الزوائد ج 3 ص 77 و ص 78و از طبرانی در الکبیر و الاوسط و از احمدو بزار ، المصنف عبدالرزاق ج 10 ص 128 و ص 66، ج 4 ص 117 ، ص 64ص 65، ص 116 و ص 300 و ج 6 ص 98 از خمس العنبر، مقدمہ مرآۃ العقول ج 1 ص 97 و ص 96،المغازی واقدی ص 682، سنن بیہقی ج 4 ص 157، ص 156و ص 155 و ج 8 ص 110 ، المعجم الصغیر ج1 ص 120، ص 121و ص 153 ، الطحاوی ج 1 ص 180، سنن نسائی ج 5 ص 44و ص 45،بخاری طبع مشکول ج 2 ص 159 ، ص و 160 در باب" فی اکاز الخمس" نیز درباب (...بقیہ اگلے صفحہ پر ...)

اصطخری کہتا ہے : " حکام معدنیات کا خمس بھی لیا کرتے تھے " [1] _

اور مالک اور مدینہ والوں کے علاوہ اہل سنت کے باقی مکاتب فکر نے زمین میں چھپي ہوئی چیزوں میں سے معدنیات پر خمس کو واجب قرار دیا ہے اور اسے مال غنیمت کی طرح جانا ہے [2]_ لیکن ابوعبید کہتا ہے کہ یہ مدفون خزانے کے زیادہ مشابہ ہے [3] _

اسی طرح عمر بن عبدالعزیز نے عروہ کو خط لکھ کر اس سے خمس کے متعلق بزرگان کا نظریہ پوچھا تو عروہ نے جواب میں لکھا کہ عنبر بھی مال غنیمت کی طرح ہے اس کا خمس لینا واجب ہے [4] _ شیبانی کہتا ہے کہ معدنیات اور مدفون خزانوں پر بھی خمس واجب ہے اوریہ بھی اضافی چیزوں میں سے ہیں [5] _ نیز حضرت علی علیہ السلام نے بھی یمن میں مدفون خزانے کا خمس نکالاتھا _ البتہ اس بارے میں بعد میں گفتگو کرینگے_ اسی طرح جابر سے بھی مروی ہے کہ " جو بھی اضافی مال حاصل ہو اس پر خمس واجب ہے" _ نیز اسی طرح کی ایک اور روایت ابن جریج سے بھی مروی ہے[6]_ نیز روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص بھی دشمن سے کوئی زمین لے اور اسے سونے یا چاندی و غیرہ کے بدلے میں بیچے تو اس کا خمس بھی نکالنا ضروری ہے [7] _

" من حفربئراً فی ملکہ " نیز مطبوعہ 1309 ھ ج 4 ص 124 ، الہدایہ شرح البدایہ ج1، ص 108، خراج ابویوسف ص 26سنن ابن ماجہ ج 2 ص 839 و ص 803 ، سنن ابو داؤد ج 3 ص 181و ج 4 ص 19، شرح الموطا زرقانی ج 2 ص 321، کتاب الاصل شیبانی ج 2 ص 138، سنن دارمی ج 1 ص393 و ج 2 ص 196، نیل الاوطارج 4ص 210، موطا ج 1 ص 244 و ج 3 ص 71(مطبوعہ با تنویر الحوالک) ، منحۃ المعبود ج 1ص 175، ترمزی ج 1 ص 219و ج 3 ص 138 ، صحیح مسلم ج 5 ص 127، ص 11و ص 225، العقد الغرید ، نہایۃ الارب، الاستیعاب ، تہذیب تاریخ دمشق ج 6 ص 207 ، تاریخ بغداد ج 5 ص 53 و ص 54، مصابیح السنہ طبع دار المعرفہ ج 2 ص 17 ، المسند حمیری ج 2 ص 462 و مسند ابویعلی ج 10 ص 437، ص 461و ص 459و ج 11ص 202نیز اس کے حاشیہ میں ملاحظہ ہوں کثیر منابع _

1)مسالک الممالک ص 158_ (2) ملاحظہ ہو : الاموال ابوعبید ص 472_ (3)الاموال ص 474_

4)المصنف عبدالرزاق ج 4 ص 64و ص 65_ (5)کتاب الاصل شیبانی ج 2 ص 138_ (6) المصنف عبدالرزاق ج 4 ص 116_

7)المصنف عبدالرزاق ج 5 ص 179و ص 180و ص 181و ج 9 ص 67 و تحف العقول ص 260_

بہرحال یہ باتیں تو ہر کسی کے سمجھ میں آنے والی ہیں کہ گذشتہ تمام چیزوں کا شمار جنگ کے مال غنیمت سے نہیں ہوتا لیکن ان پر بھی خمس کا حکم لگایا گیا ہے تو پھر خمس والی آیت کو جنگ کے مال غنیمت سے مخصوص کرنے کا کیا معنی رہ جاتا ہے ؟ بہرحال اتنا ہی کافی ہے کیونکہ ہدایت کے متلاشیوں کے لئے اس میں کافی قانع کنندہ دلائل موجود ہیں _

لطیفه

یہاں مزے کی ایک یہ بات بھی ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر نے بھی اپنے مال کا خمس نکالنے کی وصیت کرتے ہوئے کہا : " میں اس چیز کی سفارش کر رہا ہوں جسے خدا نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے " پھر اس آیت کی تلاوت کی :(و اعلموا انما غنمتم من شيي فان للہ خمسه و للرسول ...)[1]

خمس لینے والے نمائندے

ایسا لگتا ہے کہ آنحضرتﷺ کے صدقات لینے والے نمائندوں کی طرح خمس لینے والے نمائندے بھی تھے کیونکہ آنحضرتﷺ نے عمرو بن حزم کو یمنی قبیلے بنی عبد کلال سے خمس لینے کا حکم دے کریمن بھیجا تھا اور اس کے خمس بھیجنے پر ان کا شکر یہ بھی ادا کیاتھا _ اور حضرت علی علیہ السلام کو خالدبن ولید سے مال غنیمت کا خمس وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا[2] _

بلکہ ابن قیم کہتا ہے کہ آنحضرتﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو خمس لینے اور قضاوت کے لئے یمن بھیجا[3]

---

1)المصنف عبدلرزاق ج 9 ص 66_

2) نصب الرایہ ج 2 ص 382، المصنف عبدالرزاق ج 4 ص116 ، مجمع الزوائد ج 3 ص 78 نیز ملاحظہ ہو: بحارالانوار ج 21 ص 360 از اعلام الوری _

3)-البدایہ و النہایہ _

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ یمنیوں نے بخوشی اسلام قبول کیا تھا اور مسلمانوں اور یمنیوں کے در میان کسی قسم کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی _ اور حضرت علی ﷺ نے یمن میں مدفون خزانے پر خمس نکالا تھا (1)

نیز محمیہ بن جزء قبیلہ بنی زبید کا ایک فرد تھا ، آنحضرت ﷺ نے اسے خمس وصول کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی(2)_

اور حضرت علی علیہ السلام کو خمس کی وصولی کیلئے بھیجنے والی بات کی یہ تاویل بھی نادرست ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا تھا _ کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی ہاشمی کو صدقات کی وصولی کا کام نہیں سونپتے تھے اور اس بارے میں عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس کا واقعہ بھی بہت مشہور ہے (3)

بلکہ آپ ﷺ اپنے غلاموں کو بھی ایسا کام نہیں سونپتے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے ابو رافع کو بھی اس کام سے منع کرتے ہوئے اس سے فرمایا تھا : " کسی قوم اور گروہ کا غلام بھی انہی کی طرح ہوتا ہے اور ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں ہے " (4)

کتاب اور سنت میں خمس کے استعمال کے مقامات

قرآن مجید میں خمس کی آیت اس بات پر تصریح کرتی ہے کہ خمس خدا ، اس کے رسول ﷺ ، رسول ﷺ کے قریبیوں ، یتیموں، مسکینوں اور غریب مسافروں کے لئے ہے _ اور آنحضرت ﷺ اپنی رحلت تک اپنے قریبیوں کو خمس کا حصہ دیا کرتے تھے (5)

---

1)زاد المعاد ج 1 ص 32 نیز ملاحظہ ہو : سنن ابوداؤد ج 3 ص 127 باب کیف القضاء_

2) الاموال ابوعبید ص 461_

3)مجمع الزوائد ج 3 ص 91 ، اسد الغابہ تعارف عبدالمطلب بن ربیعہ ، نوفل بن حارث و محمیہ ، صحیح مسلم ج 3 ص 118 باب تحریم الزکاة علی آل النبی ﷺ ، سنن نسائی ج 1 ص 365، سنن ابو داؤد ، الاموال ابوعبید ص 329، المغازی واقدی ص 696، ص 697، تفسیر عیاشی ج 2 ص 93_

4)سنن ابوداؤد کتاب الزکاة ج 2 ص 212، ترمذی کتاب الزکاة ج 3 ص 159، نسائی کتاب الزکاة ج 1ص 366 ، مجمع الزوائد ج 3 ص 90و ص 91، کنز العمال ج 6ص 252تا ص 256، امالی شیخ طوسی ج 2 ص 17، بحار الانوار ج 96ص 57 ، سنن بیہقی ج 7 ص 32_

5)ملاحظہ ہو : تفسیر طبری ج 15 ص 504و ص 506نیز اس کے حاشیہ پر تفسیر نیشابوری ج 15، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 65و ص 61و الاموال ابوعبید ص 22و ص 447، ص 453و ص 454_

رہے یتیم اور مسکین ، تو اس بارے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے جب مذکورہ آیت میں (والیتامی و المساکین) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا : " اس سے مراد ہمارے یتیم اور مسکین ہیں" [1] _

اہل بیت ﷺ کی روایات میں خمس

ائمہ اہل بیت کی روایتوں کے مطابق اللہ ، رسول ﷺ اور ذوی القربی کا حصہ امام ﷺ کے لئے ہے جبکہ یتیموں ، مسکینوں اور ابن السبیل (مسافروں) کا حصہ سادات بنی ہاشم کے لئے ہے [2] _

اور بنی ہاشم میں بھی خاندان بنی عبدالمطلب کے لئے ہے [3] _

اور خمس میں مرد اور عورت مشترک ہیں پس خمس کا آدھا حصہ ان تینوں قسم کے افراد میں ان کے مستحق ہونے کی صورت میں [4] (ان کی رسول ﷺ خدا کے ساتھ قرابت داری اور غربت کی وجہ سے) تقسیم کیا جائے گا _ اور جناب عبدالمطلب کے ساتھ ان کی مادری نسبت کافی نہیں لیکن اگر صرف پدری نسبت بھی ہو تب کفایت کرتی ہے_

اہل سنت کی روایتوں میں خمس

کتب صحاح میں ایک ایسی روایت مذکور ہے جو عہد نبوی ﷺ میں خمس کے استعمال کو بیان کرتی ہے _ جبیر بن مطعم کہتا ہے کہ جنگ خیبر (البتہ ایک روایت میں جنگ حنین آیا ہے) کے موقع پر رسول ﷺ خدا نے ذوی القربی کے حصہ میں سے بنی ہاشم اور بنی مطلب کا حصہ نکالا جبکہ بنی نوفل اور بنی عبدشمس کا حصہ نہیں نکالا تو میں

---

1)تفسیر نیشابوری بر حاشیہ تفسیر طبری و تفسیر طبری ج 15 ص 7_

2)ملاحظہ ہو : وسائل الشیعہ ج 9 ص 356، ص 358، ص 359، ص 361، ص 362_

3)وسائل الشیعہ ج 9 ص 358 ، ص 359 و مقدمہ مرآة العقول مرتضی عسکری ج 1 ص 116و ص 117_

4)یعنی اگر سادات مستحق نہ ہوں تو خمس نہیں لے سکتے _ اور بڑی بڑی کوٹھیوں اور بنگلوں والے نیز نئی ماڈل کی گاڑیوں والے تو کسی صورت میں مستحق نہیں ہیں _ اور اگر ثروت مند ہونے کے باوجود خمس لیتے ہیںتو دوسرے مستحقین کا حق غصب کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے_

اور عثمان بن عفان آنحضرتﷺ کے پاس گئے اور آپﷺ سے عرض کیا : " یا رسول ﷺ اللہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کے منکر نہینہیں کیونکہ خدا نے ان کی مدد اور حمایت کی وجہ سے آپﷺ کو یہ مقام اور مرتبہ دیا ہے _ لیکن بنی مطلب میں ایسی کیا بات ہے کہ آپﷺ نے انہیں حصہ عطا کیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہماری رشتہ داری تو یکساں ہے ؟" تو رسولﷺ خدانے فرمایا :" زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہم اوربنی مطلب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے (البتہ نسائی کی روایت میں آپﷺ کے یہ الفاظ آئے ہیں کہ۔ انہوں نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا) پس ہماری اور ان کی بات ایک ہی ہے" اور آپﷺ نے اپنے دونوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائیں[1] گذشتہ معروضات کے بعد یہاں ہم بعض علماء [2]کی فرمائشات کے خلاصے کو کچھ کمی بیشی کے ساتھ نقل کرنا چاہتے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہے:

عہد نبویﷺ کے بعد خمس کا استعمال

آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد خمس بہت سی تبدیلیوں کا شکار ہوا جس کا ذکر ذیل میں آئے گا _

خلیفہ اوّل کے دور میںاگر ہم جناب ابوبکر کے اور اس دور کے حالات کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس وقت حکومت کی ساری توجہ اس نئی حکومت کے مخالف گروہوں اور ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والوں کی

---

1) صحیح بخاری باب غزوة خیبر ج 3 ص 36مطبوعہ 1311 ، ج 4 ص 111 و ج 6 ص 174، سنن ابو داؤد ج 3 ص 145و ص 146، تفسیر طبری ج 15 ص 5، مسند احمد ج 4 ص 81، ص 85و ص 83، سنن نسائی ج 7ص 130و ص 131، سنن ابن ماجہ ص 961، المغازی واقدی ج 2 ص 696، الاموال ابوعبید ص 461و ص 462، سنن بیہقی ج 6 ص 340تا ص 342، سیرہ حلبیہ ج 2 ص 209، المحلی ج 7 ص 328، البدایہ و النہایہ ج 4 ص0 20 ، شرح نہج البلاغہ ج 15ص 284، مجمع الزوائد ج 5ص 341و نیل الاوطار ج 8 ص 228از برقانی و بخاری و غیرہ ، الاصابہ ج 1 ص 226و بدایۃ المجتہر ج 1 ص 402، الخراج ابو یوسف ص 21و تشیید المطاعن ج 2 ص 818و ص 819 از زاد المعاد، الدر المنثور ج 3 ص 186از ابن ابی شیبہ ، البحرالرائق ج 5 ص 98و تبیین الحقائق ج 3 ص 257و نصب الرایہ ج 3 ص 425و ص 426 ، مصابیح السنہ ج2 ص 70، تفسیر القرآن العظیم ج 2 ص312 ، فتح القدیر ج 2 س 310، لباب التاویل ج 2 ص 185، مدارک التنزیل (مطبوعہ بر حاشیہ خازن) ج 2 ص 186و الکشاف ج 2 ص 221_نیز مذکورہ بات مندرجہ ذیل منابع سے بھی منقول ہے : الجامع لاحکام القرآن ج 7 ص 12، فتح الباری ج 7 ص 174 وج 6 ص 150 ، تفسیر المنار ج 10 ص 7 ، ترتیب مسند الشافعی ج 2 ص 125و ص 126و ارشاد الساری ج 5 ص 202_ (2) اس سے مراد علامہ بزرگوار جناب سید مرتضی عسکری صاحب ہیں_

سرکوبی کے لئے لشکر کی فراہمی اور ترسیل پر تھی _ اس لئے اس وقت خمس اور خاص کر ذوالقربی کے حصہ کو اسلحہ اور سواریوں کے بندو بست میں خرچ کیا _ اسی بناپر مؤلفین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرتﷺ کی وفات کے بعد صحابیوں میں خمس کے متعلق اختلاف پیدا ہوگیا _ ایک گروہ نے کہا کہ رسولصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ان کی رحلت کے بعد خلیفہ کے لئے ہے _ دوسرے گروہ نے کہا کہ ذوی القربی کا حصہ رسولﷺ کے قریبیوں کے لئے ہے ، جبکہ ایک اور گروہ نے کہا کہ ذوی القربی کا حصہ خلیفہ کے قرابت داروں کے لئے ہے _ جس پر آخر میں سب نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ رسولﷺ اور ذوی القربی کے حصول کو لشکر کی تجہیز اور تیاری میں خرچ کردیا جائے _

سنن نسائی اور الاموال ابوعبید میں آیا ہے کہ یہ صورتحال ابوبکر اور عمر دونوں کی خلافت کے دور میں رہی _ البتہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتﷺ کی رحلت کے بعد ابوبکر نے قریبیوں کے حصے کو مسلمانوں میں تقسیم کر کے اسے " فی سبیل اللہ " کا حصہ قرار دیا _ قریب قریب ایسی ہی ایک اور روایت ذکر ہوئی ہے جس میں ابوبکر کے ساتھ عمر کا ذکر بھی ہے _ اور اس کے علاوہ بھی کئی روایات ہیں [1] _

ان تمام باتوں کی وضاحت جبیر بن مطعم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسولﷺ خدا بنی ہاشم اور بنی مطلب کا حصہ تو خمس سے نکالتے تھے لیکن بنی عبد شمس اور بنی نوفل کا حصہ بالکل نہیں نکالتے تھے _ اور ابوبکر بھی جناب رسول ﷺ خدا کی طرح خمس کو تقسیم کیا کرتا تھا لیکن جس طرح رسولﷺ خدا اپنے قریبیوں کو حصہ دیا کرے تھے ابوبکر آنحضرت ﷺ کے قریبیوں کو وہ حصہ نہیں دیتا تھا ...[2] _

خلیفہ ثانی کے دور میں

خلیفہ ثانی کے دور میں فتوحات زیادہ ہوگئیں اور مال زیادہ ہوگیا تو خمس کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا _

---

1) ان تمام باتوں اور اس سے متعلق دیگر باتوں کے لئے ملاحظہ ہو : سنن نسائی ج 2 ص 179، کتاب الخراج ص 24و ص 25، الاموال ابوعبید ص 463 ، جامع البیان طبری ج 15 ص 6 ، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 62 و ص 60، سنن بیہقی ج 6 ص 342و ص 343، سنن ابو داؤد بیان مواضع الخمس ، مسند احمد ج 4 ص 83 و مجمع الزوائد ج 5 ص 341_

2)مسند احمد ج 4 ص 83_

اور عمر نے بنی ہاشم کو کچھ حصہ دینا چاہا تو انہوں نے اپنے پورے حصے کا مطالبہ کیا اور کچھ حصہ لینے سے انکار کردیا _ تو اس نے بھی انہیں پورا حصہ دینے سے انکار کرتے ہوئے انہیں اپنے حصے سے ہی محروم کردیا _ یہ بات ابن عباس کی ایک روایت میں بھی آئی ہے _ جب نجدہ حروری نے ابن عباس سے پوچھا کہ ذوی القربی کا حصہ کس کا ہے تو اس نے جواب دیا : "وہ ہم اہل بیت ﷺ کا حصہ ہے ، عمر نے بھی اس حصہ سے ہمارے غیر شادی شدہ افراد کی شادی کرانے ، ہمارے شادی شدہ افراد کی خدمت کرنے اور ہمارے قرضے چکانے کی پیشکش بھی کی لیکن ہم نے اس سے اپنے پورے حصہ کا مطالبہ کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا تو اس نے بھی ہمیں پورا حصہ دینے سے انکار کردیا اور ہمیں اپنے حال پر چھوڑدیا اس وجہ سے ہم نے بھی اسے اپنے حال پر چھوڑدیا" _ اس طرح کی ایک روایت حضرت علی علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ عمر نے انہیں بھی کچھ حصہ دینے کی کوشش کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اگر حصہ زیادہ ہوجائے تب بھی انہیں پورا حصہ ملے گا لیکن انہوں نے پورا حصہ لینے کے بغیر کچھ بھی لینے سے انکار کردیا [1]

خلیفہ سوم کے دور میں

عثمان نے افریقہ کی پہلی فتوحات سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو دیا [2] حالانکہ یہ شخص مرتد تھا_اور دوسری مرتبہ کی فتوحات کا خمس مروان بن حکم کو عطا کیا _ اس بارے میں اسلم

---

1)حدیث ملاحظہ ہو در : الخراج ابو یوسف ص 21، ص 22، ص 23، ص 24 ، المغازی واقدی ص 697، الاموال ابوعبید ص 465 ، ص 466، ص 467، سنن نسائی ج 2 ص 178، ص 177، ج 7 ص 129، ص 128 ، شرح معانی الآثار ج 3 ص 335، ص 220، مسند حمیدی حدیث نمبر 532، الجامع الصحیح (السیر) حدیث نمبر 1556، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 63، لسان المیزان ج 6ص 148، صحیح مسلم ج 5 ص 198باب "النساء الغازیات یر ضخ لہن" ، مسند احمد ج 10 ص 225، ج 1 ص 320،ص 308، ص248، ص 249، ص 224، مشکل الآثار ج 2 ص 136، ص 179، مسند شافعی ص 183، ص 187، حلیۃ ابونعیم ج 3 ص 205، تفسیر طبری ج 10 ص 5 ، سنن ابوداؤد ج 3 ص 146کتاب الخراج ، سنن بیہقی ج 6ص 344، ص 345، ص 332،کنز العمال ج 2 ص305، المصنف ج 5 ص 228 نیز ملاحظہ ہو ص 238، المحاسن و المساوی ج 1 ص 264، وفاء الوفاء ص 995 ، الروض الانف ج 3 ص 80 ، مسند ابویعلی ج 4 ص 424، ج 5 ص 41 ، ص 42_

2) ملاحظہ ہو : تاریخ الاسلام ذہبی ج 2 ص 79، ص 80، تاریخ ابن اثیر مطبوعہ یورپ ج 3 ص 71 و شرح نہج البلاغہ ج 1 ص 67_

بن اوس ساعدی نے (جس نے عثمان کی بقیع میں تدفین سے ممانعت کی تھی) یہ شعر کہا :

و اعطیت مروان خمس العباد

ظلمالهم و حمیت الحمی [1]

اور تم نے حق داروں سے ظلم کے ساتھ ان کا حق چھین کر رشتہ داری کی بناپر مروان کو خمس دیا اور اچھی طرح لوٹ مار کی _

اور لوگوں نے اس بات پر دو وجوہات کی بناپر عثمان پر ناراضگی کا اظہار کیا _

1_ گذشتہ دونوں خلیفوں نے اگر چہ مستحقوں سے ان کا حق چھین لیا تھا لیکن انہوں نے خمس کو رفاہ عامہ میں خرچ کیا_ لیکن عثمان نے اسے اپنے گمراہ اور ذلیل رشتہ داروں کے ساتھ خاص کردیا _

2_ عثمان نے جن لوگوں کو ناحق اتنا کثیر مال بخش دیا تھا ان کا کردار بھی صحیح نہیں تھا بلکہ بہت ہی برا کردار تھا_ اور وہ ہر لحاظ سے انحراف اور کجروی میں مشہور و معروف تھے _

خمس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی سیرت

جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جب حضرت علی علیہ السلام مسند اقتدار پر فائز ہوئے تو ذوی القربی کے حصہ کا کیا کیا ؟ تو انہوں نے جواب دیا : " انہوں نے ابوبکر اور عمر کا طریقہ اپنا یا " پوچھا گیا : " وہ کیسے؟ جبکہ آپ حضرات کا اس بارے میں اپنا الگ نظریہ ہے ؟ " انہوں نے فرمایا : " ان کا نظریہ ذاتی نہیں ہوتا بلکہ رسولﷺ خدا اور خدا کا نظریہ ہوتا ہے "" پوچھا گیا : " تو پھر رکاوٹ کیا تھی؟ " فرمایا : "خدا کی قسم انہیں یہ بات ناپسند تھی کہ ان پر ابوبکر اور عمر کی مخالفت کا الزام لگایا جائے(اور اس الزام کے بہانے ان پر خواہ مخواہ چڑھائی کردی جائے) " [2]

---

1) ملاحظہ ہو : الکامل ج 3 ص 71، طبری مطبوعہ یورپ حصہ 1 ص 2818، ابن کثیر ج 7 ص 152، فتوح افریقیاابن عبدالحکم ص 58و ص 60 ، بلاذری ج 5 ص 25، ص 27، ص 28، تاریخ الخلفاء سیوطی ص 156، الاغانی ج 6ص 57_

2) الاموال ابوعبید ص 463، الخراج ص 23، احکام القرآن جصاص ج 3 ص 63، سنن بیہقی ج 6 ص 323، انساب الاشراف ج 1 ص 517 ، تاریخ المدینہ ابن شبہ ج 1 ص 217 ، کنز العمال ج 4 ص 330از ابوعبید و از ابن انباری در المصاحف_

سنن بیہقی میں آیا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام ، حضرت امام حسین علیہ السلام ، ابن عباس اور عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی علیہ السلام سے خمس میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے ان سے فرمایا : " وہ تو آپ لوگوں کا حق ہے لیکن میں آجکل معاویہ سے جنگ میں مصروف ہوں اس لئے اگر تم چاہو تو فی الحال اپنے حق سے چشم پوشی کرسکتے ہو " (1) پس ان احادیث اور روایات کی روسے حضرت علی علیہ السلام نے خمس میں لائی ہوئی ابوبکر اور عمر کی تبدیلیوں کو بالکل بھی نہیں چھیڑا کیونکہ یہ کام لوگوں کو آپ علیہ السلام کے خلاف ابھارتا اور لوگ آپ علیہ السلام پر ابوبکر اور عمر کی مخالفت کا الزام لگاتے_ اورچونکہ معاویہ سے بر سر پیکار تھے تو اس لازمی کام کو دیگر تمام کاموں پر فوقیت اور ترجیح دینا اور اس مہم کو کسی ایسے مناسب وقت کے لئے چھوڑ رکھنا ضروری تھا جس وقت اتنی زیادہ اور خطرناک مشکلات در پیش نہ ہوں_

معاویہ کے دور میں

بنی ہاشم کو گزشتہ خلفاء کے دور میں تمام مسلمانوں کے حصے سے ہی سہی کچھ نہ کچھ ملتا رہتا تھا _ لیکن معاویہ کے دور میں تو وہ سرے سے خمس سے محروم ہی ہوگئے ، اس نے سب مال اپنے لئے خاص کردیا _ اور مسلمانوں میں خمس کا ایک پیسہ بھی نہیں بانٹتا تھا _ علی بن عبداللہ بن عباس اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا : "معاویہ کے دور سے لے کر اب تک ہمیں خمس کا کوئی حصہ نہیں ملا " (2)

اور جب عمر بن عبدالعزیز نے بنی ہاشم کو خمس کا کچھ حصہ دینے کا حکم دیا تو کچھ ہاشمیوں نے اکٹھے ہو کر اسے شکریہ نامہ لکھا جس میں اس کی صلہ رحمی پر اس کا شکریہ ادا کیا گیا اور اس خط میں آیا ہے کہ " ان پر معاویہ کے دور سے ہمیشہ ظلم اور جفا ہوتا آیا ہے " (3) اسی طرح زیاد نے خراسان کے اپنے گورنر حکم بن عمرو غفاری کو بہت زیادہ مال غنیمت ملنے پر اسے اسی

---

1) سنن بیہقی ج6 ص 363_

2) طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج 5 ص 288_

3)ایضاً_

طرح خط لکھا :" امّا بعد ، امیرالمؤمنین (یعنی معاویہ) نے حکم دیا ہے کہ سب سونا چاندی اسی کے لئے علیحدہ کیا جائے اور مسلمانوں میں ایک پیسہ بھی تقسیم نہ کیا جائے " _ اور طبری نے سونے چاندی پر چوپاؤں کا بھی اضافہ کیا ہے (1)_ لیکن حکم نے اس کا حکم ماننے سے انکار کرتے ہوئے مال غنیمت کو مسلمانوں میں بانٹ دیا _ جس پر معاویہ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا_ اور وہ وہیں قید میں ہی مرگیا اور وہیں دفن ہوا اور معاویہ نے کہا:" میں بہت انتقامی ہوں" (2) _

عمر بن عبدالعزیز کے دور تک

عمر بن عبدالعزیز کے دور تک خمس امویوں کے ہاتھ میں رہا اور انہوں نے اسے اپنے باپ کا مال سمجھ کر استعمال کیا ،لیکن اس نے بعض مصلحتوں کے پیش نظر بنی ہاشم کو ان کے کچھ حقوق دینے کی کوشش کی اور اس نے کچھ حقوق ادا بھی کئے اور ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر ان کا کوئی حق رہ گیا ہو تو وہ سب ادا کردے گا (3)

لیکن خود عمر بن عبدالعزیز کے دور کی طرح اس کی یہ کوششیں بھی جلد ہی دم توڑ گئیں ، کام دھرے رہ گئے اور وعدے ناتمام رہ گئے _ اور تما م امور پھر اسی ڈگر پر چلنے لگے جس پر دشمنان اہل بیت عليهم‌السلام نے چلایا تھا _ اور یہ بات تاریخ اور سیرت کی کتابوں کے قلیل سے مطالعے سے بھی معلوم ہوسکتی ہے _

خمس کے متعلق علمائے اہل سنت کے نظریات

خلفاء اور حکام کے کرتوتوں کے نتیجے میں اور ان کرتو توںپر پردہ پوشی کے لئے علمائے اہل سنت کے خمس کے متعلق نظریات بھی ایک دوسرے سے متضاد ہیں _ اس بارے میں ابن رشد کہتا ہے : " خمس کے متعلق بھی

---

1)مستدرک حاکم و تلخیص مستدرک ذہبی بر حاشیہ مستدرک ج 3 ص 442، طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج 7 ص 18، الاستیعاب ج 1 ص 118، اسد الغابہ ج 2 ص 36، طبری مطبوعہ یورپ ج 2 ص 111، ابن اثیر مطبوعہ یورپ ج 3 ص 391، ذہبی ج 2 ص 220، ابن کثیر ج 8 ص 47_

2)تہذیب التہذیب ج 2 ص 437و مستدرک حاکم ج 3 ص 442_

3)ملاحظہ ہو : طبقات ابن سعد ج 5 ص 281، ص 285، ص 287،ص 289 ، الخراج ص 25، و سنن نسائی باب قسم الفیء ج 2 ص 178_

چاروں مشہور مذاہب کا آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے _ ان میں سے ایک نظریہ یہ ہے کہ خمس کو آیت کی تصریح کے مطابق پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا _ اور یہ شافعیوں کا نظریہ ہے _ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا _ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ آجکل صرف تین قسموں میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی رحلت سے آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کا اور ذوی القربی کا حصہ ساقط ہوگیا ہے _اور چوتھا قول یہ ہے کہ خمس فی ء (یعنی مال غنیمت) کی طرح ہے جو ہر امیر اور غریب میں برابر تقسیم کیا جائے گا _ جو لوگ خمس کی چار یا پانچ حصوں میں تقسیم کے قائل ہوئے ہیں ان کا آپس میں اس بات پر اختلاف ہے کہ آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی رحلت کے بعد آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے اور آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے قریبیوں کے حصہ کاکیا کیا جائے گا _ ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کے حصے کوخمس کے دیگر تمام حصہ داروں میں برابر تقسیم کردیا جائے گا _ جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اسے باقی سپاہیوں میں بانٹ دیا جائے گا _ حالانکہ ایک اورگروہ کا کہنا ہے کہ رسولصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم خدا کا حصہ امام (حاکم) کو اور آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے قریبیوں کا حصہ امام کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا _ لیکن چوتھے گروہ کا کہنا ہے کہ اسے اسلحہ وغیرہ اور لشکر کی تیاری کے لئے مخصوص کیا جائے گا _ نیز ان لوگوں کا اس بات پر بھی اختلاف ہے کہ قرابت داروں سے مراد کون لوگ ہیں؟[1] _

جبکہ ابن قدامہ کہتا ہے : " ابوبکر نے خمس کوتین حصوں میں تقسیم کیا اور یہ نظریہ اصحاب قیاس یعنی ابوحنیفہ اور اس کی جماعت کا بھی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خمس کو "یتامی " ، " مساکین "اور " ابن السبیل " کے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا _ اور انہوں نے آنحضرتصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کی رحلت کی وجہ سے آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کا اور آپصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے قریبیوں کا حصہ ختم کردیا _ اور مالک کہتا ہے کہ خمس اور فی دونوں ایک ہی چیز ہیں انہیں بیت المال میں جمع کردیا جائے گا" ابن قدامہ اس کے آگے کہتا ہے :" اور ابوحنیفہ کا نظریہ آیت کے مفہوم کے مخالف ہے کیونکہ خدا نے اپنے رسولصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم اور اس کے قریبیوں کے لئے ایک حصہ رکھا ہے اور خمس میں ان دونوں کا حق بھی اسی طرح دائمی رکھا ہے جس طرح باقی تین قسم کے افراد کا حصہ رکھا ہے ، پس جس نے اس کی مخالفت کی اس نے آیت کی

---

1) بدایۃ المجتہد حکم الخمس ج 1 ص 401_

تصریح کی مخالفت کی لیکن ابوبکر اور عمر کا " ذوی القربی" کے حصہ کو " فی سبیل اللہ " میں قرار دینے کے متعلق جب احمد کو بتایاگیا تو اس نے خاموشی اختیار کر لی اور اپنا سر ہلادیا لیکن اس نظریۓ وقبول نہیں کیا _ اور اس نے ابن عباس اور اس کے ہم خیالوں کے نظریۓ وکتاب اللہ اور سنت رسول صلى الله عليه وآله وسلم کے ساتھ موافقت اور مطاقبت کی وجہ سے بہتر جانا ہے "[1]

اور ابویعلی اور ماوردی کا نظریہ ہے کہ خمس کے استعمال کی تعیین خلفاء (حکام) کی مرضی پر منحصر ہے [2]

خمس کے متعلق اہل بیت عليهم السلام اور ان کے پیروکاروں کا نظریہ

اہل بیت عليهم السلام اور شیعیان اہل بیت عليهم السلام کے نزدیک خمس کے چھ حصے ہوں گے _ ان میں سے تین حصے خدا ، اس کے رسول صلى الله عليه وآله وسلم اور آنحضرت کے قریبیوں کے ہیں جنہیں اپنی حیات طیبہ میں آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم خود لیں گے اور آپ صلى الله عليه وآله وسلم کی رحلت کے بعد یہ معاملہ بارہ اماموں کے سپرد ہوگا _ اور باقی تین حصے بنی ہاشم کے یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کا ہے البتہ اگر وہ سب غریب اور محتاج ہوں _

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر اس مال کا خمس نکالنا واجب ہے جو کسی مسلمان کو حاصل ہوچاہے وہ دشمنوں سے حاصل ہو یا کہیں اور سے وہ صرف اپنے دعوے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے مدعا پر ائمہ اہل بیت عليهم السلام سے مروی ان بہت سی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو خمس کے متعلق ہیں _ کیونکہ ائمہ اہل بیت عليهم السلام ثقلین کا ایک حصہ ہیں جن سے تمسک کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور وہ نوح عليه السلام کی کشتی اور مغفرت کا دروازہ ہیں _ خدا ہم سب کو ان سے زیادہ سے زیادہ محبت ، ان سے تمسک اور ان کے رفتار اور گفتار کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے _

آمین ثم آمین

---

1)المغنی ابن قدامہ ج 7 ص 351باب قسمۃ الفی والغنیمہ_

2)احکام السلطانیہ ماوردی باب قسم الفی ص 126، احکا السلطانیہ ابویعلی ص 125_

فہرست

مقدمہ: 5
پانچواں باب 7
ہجرت سے بدر تک 7
پہلی فصل : 9
رسول اکرم ﷺ مدینہ میں 9
رسول اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری : 10
رسول اکرم ﷺ کا مدینہ میں قیام : 12
ابن سلام کا قبول اسلام : 13
دو اہم نکات: 19
پہلا اہم نکتہ: 19
دوسرا اہم نکتہ : 20
دوسری فصل :... 22
غیر جنگی حوادث و واقعات 22
حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے بعض مہاجرین کی واپسی :.. 23
حضرت عائشہ نبی اکرم ﷺ کے گھر میں : 24
رخصتی کی رسم 24
انوکھا استدلال : 25
ایک نئے دور کی ابتداء... 26
مومنین کے درمیان صلح والی آیت: 26
سلمان محمدی ﷺ کاقبول اسلام : 29

ایک اہم بات :..30

رومہ کا کنواں حضرت عثمان کے صدقات میں :..31

" اریس" کا کنواں..35

مسئلے کی حقیقت..35

کھجور کی پیوند کاری..36

تیسری فصل : 39

ابتدائے ہجرت میں بعض اساسی کام..39

تمہید:..40

1_ ہجری تاریخ کی ابتداء کے متعلق تحقیق..41

کس شخص نے سب سے پہلے ہجرت نبویہ کے ساتھ تاریخ لکھی ؟..41

تمہید:..41

تاریخ گذاری کی حکایت مؤرخین کی زبانی:..42

بہترین نظریہ..44

محرم کا مشورہ کس نے دیا ؟..45

اس نظریہ کے حامی حضرات : 47

سہیلی کی بات:..48

خلاصہ بحث:..66

پھر عیسوی تاریخ ... کیوں؟..68

نکتہ:..69

مخلصانہ اپیل..70

2_ مدینہ میں مسجد کی تعمیر : 71

الف: حضرت ابوبکر اوردس دینار: 73
ب: پتھراور خلافت........ 74
ج: حضرت عثمان اور حضرت عمار: 76
کیا حضرت عثمان حبشہ میں نہ تھے؟........ 78
پہلے مسجد کی تعمیر کیوں؟........ 82
مسجد کو بنانے میں نبی اکرمﷺ کی شرکت:........ 86
مسجد کی تعمیر میں خواتین کا کردار:........ 87
صرف عورتوں کیلئے نماز جماعت: 87
مؤاخات کرنے والوں کی تعداد: 90
ہر ایک کا اس جیسے کے ساتھ بھائی چارہ........ 91
علی علیہ السلام کے ساتھ نبی اکرمﷺ کی مؤاخات : 92
حدیث مؤاخات کا تواتر: 94
حضرت علی علیہ السلام کو ابوتراب کی کنیت ملنا : 95
علی علیہ السلام کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی مؤاخات کے منکرین:........ 95
کچھ مواخات کے متعلق : 99
الف : بہترین متبادل........ 99
ب: انسانی روابط کا ارتقاء........ 99
ج: نئے معاشرے کی تشکیل میں مؤاخات کا کردار: 100
یہ مواخات دو بنیادوں پر قائم تھی:_........ 101
اوّل : حق : _ 101
دوم : باہمی تعاون:_........ 102

حضرت ابوبکر کے خلیل:.......... 102
سلمان کی دوستی ، کس کے ساتھ؟.......... 103
حدیث مواخات کاانکار اور اس کا جواب :.......... 103
ابوذر ،سلمان کی مخالفت نہ کرے.......... 107
4_ جدید معاشرے میں تعلقات کی بنیاد:.......... 109
سند کا متن.......... 110
معاہدہ یا معاہدے؟.......... 114
معاہدے پر سرسری نگاہ :.......... 116
5_ یہودیوں سے صلح :.......... 124
چوتھی فصل: شرعی احکام.......... 125
اذان کی تشریع :.......... 126
اذان کی روایات پر بحث:.......... 127
آخری بات.......... 135
اذان میں حی علی خیر العمل:.......... 137
عبداللہ بن عمر سے روایات:.......... 139
امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت.......... 140
سہل بن حنیف سے روایات:.......... 141
حضرت بلال سے روایات:.......... 141
بے جا اعتراضات :.......... 147
" حی علی خیر العمل " ، نعرہ بھی اور موقف بھی.......... 148
اس عبارت کے حذف ہونے کا سبب :.......... 151

اس رائے پہ تبصرہ:... 152
نماز میں اضافہ:... 152
نماز کے فرض ہونے میں ایک اور نظریہ:... 153
زکوۃ کا فریضہ:.. 154
ماسبق سے متعارض روایت... 157
زکات فطرہ کا فرض ہونا... 158
روزے کا فرض ہونا:... 158
ایک اعتراض اور اس کا جواب.. 159
روز عاشور کا روزہ :.. 160
ان روایات کا جھوٹ:... 161
روز عاشورا کے دیگر فضائل:... 164
یوم عزاء یا عید کا دن ؟.. 165
جعلی احادیث:... 166
عاشورا کی یادمٹا نے کے مختلف طریقے:... 167
پانچویں فصل:... 170
اسلام میں جہاد کی اہمیت.. 170
اسلام ... اور تلوار... 171
1: اسلام اور دیگر ادیان میں جنگ کے خد و خال.. 172
ایک اشارہ.. 173
2 : جب جنگ ناگزیر ہو... 174
کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟.. 182

چھٹی فصل:.. 184
جنگ بدر سے پہلے کی لڑائیاں.. 184
رسول ﷺ کے غزوات اور سرایا: 185
ایک : معرکہ سے فرار 185
دو: سرایا کے لئے نبی ﷺ کی وصیت : 186
اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر: 187
ابتدائی جنگیں : 188
1 _ حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب قرار دینا:... 191
دغابازی اور جھوٹ:.. 193
یہ جعل سازیاں کیوں؟... 197
اس کنیت کی اہمیت : 198
2_ سرایا کا مقصد؟.. 199
اول : صلح اور باہمی عہدو پیمان :... 199
دوم: قریش کی پریشانی... 200
3_سپاہیوں کو آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں.. 202
4_ صرف مہاجرین ہی کیوں ؟ 203
الف: انصار کا گمان.. 203
باء : جنگ اور امن کا مسئلہ.. 204
ج :انصار کے مخصوص حالات... 204
د: مہاجرین کی نفسیاتی کیفیت 206
عربوں میں خون کا معاملہ.. 207

قریش اور انصار......209
تاریخی دغابازی......213
ھ: انصار کے متعلق پیامبر اسلام ﷺ کی تاکید:......217
جنگ انصار پر معاف نہ تھی:......219
چھٹا باب:......220
غزوہ بدر کا عظیم معرکہ......220
پہلی فصل :......222
جنگ کی فضاؤں میں......222
قریش کی ناکام سازش......223
بدر کی جانب روانگی:......224
لوگوں سے ڈرنے والے......225
عاتکہ کا خواب......228
قریش کی تیاری :......229
امیہ بن خلف کا موقف......229
مذکورہ واقعہ پر چند نکات......230
طالب بن ابی طالب کی جنگ سے واپسی......231
ہمارا نظریہ......232
مجبور اور واپس پلٹ جانے والے......234
مذکورہ افراد کے متعلق نبی کریم ﷺ کا موقف......235
آپ ﷺ کے موقف پر ایک سر سری نظر......236
جنگ کے لئے آپ ﷺ کا مشورہ لینا......237

1_ آنحضرتﷺ کا اپنے صحابہ سے مشورہ....... 240
2_ بہترین رائے ، قریش سے جنگ....... 241
3_ نفسیاتی تربیت:....... 242
4_ جنگ سے متعلق مشوروں پر ایک سرسری نگاہ....... 242
5_ مقداد اور سعد کی باتوں پر آنحضرتﷺ کے سرور کی وجوہات....... 244
6_ حضرت علی علیہ السلام نے مشورہ کیوں نہیں دیا؟....... 245
'' حباب'' اچھی رائے والا....... 245
مسلمانوں اور مشرکوں کی تعداد اور ساز و سامان....... 247
مشرکوں کی ہٹ دھرمی اور کینہ توزی....... 249
دونوں فوجوں کا پڑاؤ....... 250
مسلمانوں کی معنویات اور پروردگار کی عنایات....... 250
اس جنگ کے مقاصد....... 252
صف آرائی....... 253
طوفان سے قبل آرام....... 254
الف: مشرکین کے خوف کی وجوہات:....... 256
ب : مشرکین کو نبیﷺ کریم کی پیشکش پر ایک نگاہ :....... 256
ج: رسولﷺ خدا جنگ کی ابتداء نہیں کرنا چاہتے_....... 257
نبی کریمﷺ سائبان تلے؟....... 258
نکتہ:....... 261
جنگ کی ابتداء:....... 261
تینوں جنگجوؤں کے قتل کے بعد....... 264

الف: حضرت ابوطالب علیہ السلام کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ:..266
ب: اپنے رشتہ داروں سے آنحضرت علیہ السلام کی جنگ کی ابتداء: 266
ج : شیبہ کا توہین آمیز رویہ:..268
د: خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والا حق: 268
جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے..269
جنگ بدر میں فرشتوں کا کردار..270
جنگ جمل میں بی بی عائشہ کا کردار 271
شکست اور ذلت 271
دوسری فصل:..273
جنگ کے نتائج..273
جنگ کے نتائج : 274
حضرت علی علیہ السلام کے کارنامے: 274
ایک اور جھوٹی روایت..278
تو پھر صحیح کیا ہے ؟..279
نکتہ 280
مشرکین کے مقتولین ، کنوئیں میں:..281
ذوالشمالین: 285
الف : جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی خطیر مہم 285
چند نکات: 286
ب : جنگ فیصلہ کن تھی 287
ج: شکست ، طاقت کا عدم توازن اور فرشتوں کی امداد 288

د: انصار کے خلاف قریش کا کینہ... 296
پہلے اہل بیت علیہم السلام کیوں ؟.. 298
ھ:حضرت علی علیہ السلام اور ان کے گھرانے پر جنگ بدر کے اثرات :.. 299
شہدائے انصار 301
آیت تخفیف کے متعلق علامہ طباطبائی کا نظریہ :.. 302
تیسری فصل:.. 307
مال غنیمت اور جنگی قیدی 307
مال غنیمت کی تقسیم : 308
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس کیوں نہیں لیا ؟.. 309
رسول خدا ایک بار پھر خمس اپنے اصحاب میں بانٹ دیتے ہیں.. 311
حضرت علی علیہ السلام کے دور حک3مت میں غربت کا خاتمہ :... 311
اہم نوٹ : خمس اور اقربا پروری؟.. 312
الف : طلحہ اور سعید بن زید:.. 316
ب:عثمان بن عفان 318
دوسروں کے فضائل پرڈاکہ 321
دوقیدیوں کا قتل : 322
ب: پسماندگان کے لئے دوزخ کی بشارت.. 325
ج: عقبہ کو نسب کا طعنہ :.. 326
د:واقعہ بدر میںنضربن حارث کے قتل کا انکار :.. 327
باقی قیدیوں کی صورتحال :.. 328
عذاب کے نزول کی صورت میں صرف عمر کی ہی جان بچتی ؟.. 330

رسول ﷺ کریم اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتے ہیں ؟ 335

سعد بن معاذ یا عمر بن خطاب ؟ 336

قیدیوں کا قتل ہی زیادہ مناسب تھا: 337

قیدیوں کے بارے میں عمر کا موقف: 339

نبی ﷺ کریم بھاگ جانے والے قیدی کو قتل نہیں کرتے 340

قید میں عباس کے نالے 341

عباس کا فدیہ اور اس کا قبول اسلام 343

نکتہ : 346

نبی کریم کو قتل کرنے کی سازش 348

زینب کے ہار اور رسول ﷺ خدا کا موقف 348

چند جواب طلب سوال 349

جناب زینب کا واقعہ اور ابن ابی الحدید 350

فدیہ اسیر، تعلیم تحریر 351

قیدیوں سے سلوک 353

سودہ کا آنحضرت ﷺ کے خلاف قیدیوں کو بھڑکانا 353

چوتھی فصل: 355

جنگ بدر کا اختتام 355

اہل بدر بخشے ہوئے ہیں 356

اہل بدر سے بھی افضل لوگ ؟ 360

ابن جوزی اور بدریوں کے مغفرت والی حدیث 361

ناکام واپسی 362

کامیاب واپسی 363
جنگ بدر کے بعض نتائج 364
جنگ بدر کے نتائج سے نجاشی کی خوشی 366
آخری بات: 366
اہل بدر کے بارے میں معاویہ کا موقف 367
پانچویں فصل: 368
سیرت سے متعلق چند باتیں 368
تمہید: 369
پہلا عنوان 370
شیعیان علی علیہ السلام کی بعض خصوصیات 370
دوسرا عنوان 383
جناب ابوبکر کی شجاعت اور سائبان میں ان کی موجودگی_ 383
مذکورہ باتیں نادرست ہیں 385
الف : کئی مقامات پر ابوبکر کا فرار 385
ب: ابوبکر کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم کی حفاظت 390
ج : ابوبکر میدان جنگ میں 392
د: حضرت علی علیہ السلام کی ناکثین اور قاسطین سے جنگ 393
ہ: زکات نہ دینے والوں سے جنگ 395
و: وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت اس کی ثابت قدمی 395
تیسرا عنوان 398
ذوالشمالین کا قصہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہو 398

شیعوں کے نزدیک سہو کی روایت 402
یہ ماجرا کس لئے ؟ 402
ان توجیہات کے نقائص 403
ایک اعتراض اور اس کا جواب 404
سہو ، خطا اور نسیان سے بچنا اپنے اختیار میں ہے 405
پختہ ارادہ 410
تبلیغ و غیرہ میں عصمت 410
ایک جواب طلب سوال 411
اسلام اور فطرت 412
عصمت کے لئے ضروری عناصر 417
توضیح اور تطبیق: 420
حضرت محمد ﷺ افضل ترین مخلوق 422
حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل " کا صحیح مطلب 423
چوتھا عنوان 425
خمس کا شرعی حکم اورسیاست 425
غنیمت کا معنی 425
آنحضرت ﷺ کے خطوط میں خمس کا تذکرہ 428
ان خطوط پر ایک نظر 431
وافر مال پر خمس واجب ہے 432
مزید دلائل 434
معدنیات اور مدفون خزانوں پر بھی خمس ہے 434

لطیفہ 436

خمس لینے والے نمائندے 436

کتاب اور سنت میں خمس کے استعمال کے مقامات 437

اہل بیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات میں خمس 438

اہل سنت کی روایتوں میں خمس 438

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خمس کا استعمال 439

خلیفہ ثانی کے دور میں 440

خلیفہ سوم کے دور میں 441

خمس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی سیرت 442

معاویہ کے دور میں 443

عمر بن عبدالعزیز کے دور تک 444

خمس کے متعلق علمائے اہل سنت کے نظریات 444

خمس کے متعلق اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کا نظریہ 446